یا رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ آلہ وَ سلَّم

یا اللہ جل جلالہ

علمِ تصوف وطریقت پر مشتمل کتاب مستطاب

مفتاح السلوک

گنجینۂ ادبیات، آداب المریدین گواہرات

جلد سہ ازدہم

ازرشحات فیض قلم
قدوة العارفین العالم النبیل فقید المثیل
الشیخ الاستاذ المفتی
سید احمد علی شاہ حنفی ترمذی سیفی
دامت برکاتہم القدسیہ

ناشر
جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ
فقیر کالونی اورنگی ٹاؤن نمبر ۱۰ کراچی غربی

نام کتاب: مفتاح السلوک، جلد سہ از دھم

تصنیف و تالیف: پیر طریقت رہبر شریعت آفتاب ہدایت حضرت علامہ سید احمد علی شاہ سیفی نقشبندی دامت برکاتہم القدسیہ

طباعت اول: جولائی ۲۰۲۴ء بمطابق محرم الحرام ۱۴۴۶ھ

طباعت ثانی:

کمپوزر: صوفی سید فرحان الحسن سیفی

ناشر: جامعہ امام ربانی مجدد الف ثانی، فقیر کالونی، اورنگی ٹاؤن، کراچی

☆جس نمبر پر کلیک کریں وہ مکتوب نمبر کھول جائے گا☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

مکتوب نمبر ۴۷

[فقراؔ (اہل اللہ) کی محبت پر ابھارنے، ان کی طرف متوجہ رہنے اور صاحبِ شریعت علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع و پیروی کی نصیحت کے بیان میں۔

میر زاہد بدیع الزمان کی طرف صادر فرمایا:

آپ کا مراسلہ شریفہ اور مفاوضہ لطیفہ وارد ہوا۔ حَمْدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ۔ کہ اس کے مضمون و معانی سے فقراؔ سے محبت اور درویشوں کے ساتھ عقیدت و توجہ ظاہر ہو رہی تھی جو تمام سعادتوں کا سرمایہ ہے۔

لِاَنَّھُمْ جُلَسَاءُ اللّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَھُمُ الْقَوْمُ لَا یَشْقٰی بِھِمْ جَلِیْسُھُمْ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ کے بندے اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں یہ ایسے بابرکت لوگ ہیں کہ ان کا ہم نشین بدبخت نہیں۔[1]

وَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم یَسْتَفْتِحُ بِصَعَالِیکِ الْمُھَاجِرِینَ۔

ترجمہ: اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فقراؔ مہاجرین کے طفیل اور وسیلہ سے کفار پر نصرت و کامیابی طلب کرتے تھے۔[2]

وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ فِیْ شَانِھِمْ رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ، لَوْ أَقْسَمَ عَلَی اللّٰہِ لَأَبَرَّہٗ۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اہل اللہ کی شان میں فرمایا: بہت سے پراگندہ بال دروازوں سے دھکیلے جانے والے اگر اللہ پر کسی کام کی قسم کھالیں تو وہ ان کی قسم پوری کرتا ہے۔[3]]

---

[1] (صحیح مسلم، ج۴، ص ۲۰۶۹)

[2] (شرح السنة للبغوی، ج۷، ص ۲۱۵)

[3] (صحیح مسلم، ج۴، ص ۲۱۹۱، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

تشریح

وسیلہ اور توسل کے بارے میں اس اُمت کے صوفیاء میں سے ایک بڑے صوفی یعنی حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنا عقیدہ اور نقطۂ نظر بیان فرما دیا ہے اور دلیل کے طور پر چند احادیث بھی نقل کر دی ہیں، جن سے ثابت ہو چکا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقربین کے توسل سے دُعا مانگنا ایک جائز اور احسن کام ہے۔ جب تمام بنی نوع انسان کا ملجا وماویٰ ہونے والی ہستی یعنی سرورِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی دعاؤں میں اصحابِ مہاجرین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا وسیلہ پکڑتے ہیں جو خود سب سے بڑے مستجاب الدعوات ہیں تو اُمت کے گنہگاروں کو وسیلہ تلاش کرنے میں کس چیز سے حیا آتی ہے اور کون سا اَمر ہے جو وسیلہ پکڑنے میں مانع ہے؟

بخاری شریف میں لکھا ہے:

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰہُ عَنْہُ کَانَ إِذَا قَحِطُوا اسْتَسْقَی بِالْعَبَّاسِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ اللّٰھُمَّ إِنَّا کُنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِنَبِیِّنَا فَتَسْقِینَا وَإِنَّا نَتَوَسَّلُ إِلَیْکَ بِعَمِّ نَبِیِّنَا فَاسْقِنَا قَالَ فَیُسْقَوْنَ۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط سالی میں مبتلا ہوتے تو حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے توسل سے بارش مانگتے اور (حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ) یوں کہتے: اے اللہ! ہم لوگ تیرے حضور نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وسیلہ پکڑتے تھے تو تُو ہم پر بارش برسایا کرتا تھا۔ اب ہم تیرے حضور اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چچا (حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کا وسیلہ لاتے ہیں تو ہم پر

بارش نازل فرما۔ حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ فرماتے ہیں کہ لوگ بارش سے سیراب کر دیئے جاتے۔[1]

روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ جب حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالٰی عنہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کی موجودگی میں جو آپ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے ساتھ ہوتے تھے حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو وسیلہ بناتے تو حضرت عباس رضی اللہ تعالٰی عنہ بارگاہِ الٰہی میں عرض کرتے اے اللہ! اس قوم نے تیرے پیغمبر صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نسبت سے میرا وسیلہ پکڑا ہے یا اللہ! اس میں مجھے رسوانہ کرنا اور مجھے ان کے سامنے شرمندہ نہ کرنا۔ تو اسی وقت بارش برسنا شروع ہو جاتی۔ اس حدیث سے ثابت ہوا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم بھی وسیلہ کو نہ صرف مانتے تھے بلکہ دوسروں کے توسل سے دعائیں بھی مانگا کرتے تھے۔ اور آپ صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ تم (لوگوں) پر میری اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کی پیروی کرنا لازم وضروری ہے اور یہ بھی فرمایا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم تم میں سے بہترین لوگ ہیں۔ پس لازم وضروری ہوا کہ ہم اپنے سے بہتر لوگوں کی پیروی کرتے ہوئے وسیلے کا انکار نہ کریں۔

شومیٔ قسمت کا کیا بیان کیا جائے کہ دین کے اصولوں سے نابلد چند گمراہ کن فرقوں کے شر نے ہم اہل سنت وجماعت کو بھی اپنی اتباع میں لگالیا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالٰی عنہم کے مبارک طریقوں سے دور کر دیا ہے یہ گمراہ اپنے آپ کو حضرت عمر رضی اللہ تعالٰی عنہ سے بھی زیادہ عقلمند اور موحد سمجھتے ہیں اور بجائے اس کے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے

[1] (صحیح بخاری، ج۴، ص ۹۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

فرمانِ عالی شان پر عمل کرتے ہوئے خلفائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع کرتے، یہ کہنے لگے کہ عمر وعثان رضی اللہ تعالیٰ عنہم ا کون ہوتے ہیں بیس رکعات تراویح مقرر کرنے والے؟ پاک طنیت رکھنے والے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بارے میں ایسا کہنے والا گمراہ فرقہ خوارج میں داخل ہے اور دینِ اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فقراء کی معیت کی تشویق اور ان کی محبت کی ترغیب دلا رہے ہیں، جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اللَّهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ حُبَّكَ، وَحُبَّ مَنْ يُحِبُّكَ۔[1] سے واضح ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم محبوبوں کے سردار ہونے کے باوجود مردانِ خدا کے ساتھ معیت پر مامور ہیں۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ (الکهف ۲۸) سے ظاہر ہے۔ نیز حضرت امام ربانی قدس سرہٗ غافلوں کو سمجھا رہے ہیں کہ اہل اللہ کی محبت نعمتِ اتم اور ان کی معیت امرِ اہم ہے۔ ان کی صحبت حق تعالیٰ کے ساتھ ہم نشینی کا باعث اور بدنصیبی سے نجات کا ذریعہ ہے، جیسا کہ حدیث قدسی: وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، الخ۔[2] سے آشکار ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

ہر کہ خواہد ہم نشینی باخدا — او نشیند در حضور اولیاء

[1] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۱۸۷، مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۱۹)

[2] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۱۰۱، مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۹۶)

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ اپنے ہم نشین کو گردشِ دوراں سے بے خوف ہونے کا مژدہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَنَا مِنْ رِّجَالٍ لَا یَخَافُ جَلِیْسُھُمْ رَیْبَ الزَّمَانِ وَلَا یَرٰی مَا یَرْھَبُ

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۳۳، ۴۳۴)

[اے سعادت آثار! آپ کے مکتوب گرامی میں میرے متعلق ایک فقرہ تھا خدیو نشأتین، یعنی مالکِ دوجہاں۔ آپ کو معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ صفت ذات حضرت واجب الوجود جل سلطانہٗ کے ساتھ خاص ہے بندہ مملوک جو کسی شے پر قادر نہیں اس کے لئے کہاں گنجائش ہے کہ کسی بھی وجہ سے اپنے خداوند جل سلطانہٗ کے ساتھ مشارکت ڈھونڈے اور اپنے خدا ہونے کے راستے پر دوڑ پڑے۔ خاص کر آخرت کے جہان میں جہاں ملکیت اور مالکیت، کیا حقیقی اور کیا مجازی ذات مالک یوم الدین کے ساتھ خاص ہوگی۔ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ندا فرمائے گا: لِمَنِ الْمُلْکُ الْیَوْمَ۔ یعنی آج سلطنت کس کی ہے؟ اور خود ہی جواب میں فرمائے گا: لِلّٰہِ الْوَاحِدِ الْقَھَّارِ۔ یعنی صرف اللہ واحد قہار کے لئے ہے۔ اس روز بندوں کے لئے دہشت اور خوف کے سوا کچھ ثابت نہیں ہوگا اور حسرت وندامت کے سوا کچھ متصور نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ اپنے قرآن مجید میں اس روز کی شدت و سختی اور اس دن کے مخلوق کے انتہائی اضطراب سے خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے:

إِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيمٌ (۱) يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّا أَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكَارَى وَمَا هُمْ بِسُكَارَى وَلَكِنَّ عَذَابَ اللَّهِ شَدِيدٌ (الحج ۲)

ترجمہ: بے شک قیامت کا زلزلہ بڑی سخت چیز ہے، جس دن تم اسے دیکھو گے ہر دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے کو بھول جائے گی اور ہر گابھنی اپنا گابھ ڈال دے گی اور تو لوگوں کو دیکھے گا جیسے نشہ میں ہیں اور وہ نشہ میں نہ ہوں گے مگر ہے یہ کہ اللہ کی مار کڑی ہے۔

دران روز کز فعل پرسند وقول

اولوالعزم رادل بلرزد زہول

بجائیکہ دہشت برند انبیاء

توعذر کنہ راچہ داری بیا

ترجمہ: اس روز جبکہ قول وفعل سے باز پُرس ہوگی، اور اولوالعزم انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کا دل بھی خوف سے لرز رہا ہو گا۔ وہ جگہ جہاں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بھی دہشت طاری ہوگی تو بتا اپنے گناہوں کا کیا عذر پیش کرے گا؟

ایک ضروری نصیحت یہ ہے کہ صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی اتباع اپنے اوپر لازم پکڑو۔ اس کے بغیر نجات محال ہے۔ اور دُنیا کی زیبائش وآرائش کی طرف مطلقاً التفات اور توجہ نہ کرو، اور اس کے ہونے کے بغیر نجات محال ہے۔ اور دُنیا کی زیبائش وآرائش کی طرف مطلقاً التفات اور توجہ نہ کرو، اور اس کے ہونے نہ ہونے کو کچھ اہمیت نہ دو۔ کیونکہ دُنیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نظر میں مبغوض ومردود ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی کچھ قدر ومنزلت نہیں۔ لہٰذا بندوں کو چاہیئے کہ دُنیا کے ہونے کی نسبت نہ ہونے کو بہتر جانیں۔ اور دُنیا کی بے وفائی اور اس کے جلد فنا ہو جانے کا قصہ مشہور بلکہ مشاہدے میں آچکا ہے۔ تم دُنیا چاہنے والے اُن لوگوں کے حال سے عبرت پکڑو جو ہم

سے پہلے گزر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی کی توفیق عطا کرے۔]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

خلافِ شرع لقب پر تنبیہہ

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خلافِ شرع لقب پر تنبیہہ فرمارہے ہیں اور مکتوب الیہ کو اپنے لئے خدیو نشأتین (شہنشاہ) کے خطاب سے منع فرمارہے ہیں، کیونکہ یہ لقب وصفت (شہنشاہ) حق تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اس کے سوا کوئی بھی اس صفت سے نہ تو متصف ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس قسم کے لقب سے کوئی ملقب ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: إِنَّ أَخْنَعَ اسْمٍ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ تَسَمَّى مَلِکَ الْأَمْلَاکِ۔[1] (اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بُرا نام یہ ہے کہ کسی شخص کو شہنشاہ کہا جائے) سے ظاہر ہوتا ہے۔

بینہ

عالمِ دُنیا میں حقیقی طور پر اور عالمِ آخرت میں حقیقی ومجازی طور پر ہر قسم کی مالکیت وبادشاہی حق تعالیٰ مالک یوم الدین کے ساتھ مخصوص ہے۔ البتہ مشارکتِ اسمی اور مناسبتِ لفظی بحث سے خارج ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۳۵)

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۰۸)

مکتوب نمبر ۷۵

[یہ مکتوب بھی میر زابدیع الزمان کی طرف صادر فرمایا:

حضور سید کونین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی پر اُبھارنے کے بیان میں۔ اولاً تصحیح عقائد کے ساتھ اور ثانیاً فقہ کے ضروری احکام کے ساتھ۔ اور اس بات کے بیان میں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اس کی ذات کو بوسیلہ یا بے وسیلہ طلب کرنا چاہیئے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمہیں سلامتی اور عافیت عطا کرے۔

سعادتِ دارین کی دولت حضور سید کونین علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات اتمہاوا کملہا کی اس متابعت پر موقوف ہے جس کی وضاحت اور جو طریقہ علمائے اہلِ سُنت شکر اللہ تعالیٰ سعیہم نے بیان کیا ہے۔ سب سے پہلے ان اہلِ سُنت بزرگوں کی آراء کے مطابق اپنے عقائد کی درستی ہے۔ دوسرے نمبر پر حلال وحرام، فرض وواجب، سُنت ومستحب اور مباح ومشتبہ کا علم حاصل کرنا چاہیئے، اور اس علم کے تقاضے کے مطابق عمل بھی درکار ہے۔

یہ دو اعتقادی اور عملی بازو حاصل کر لینے کے بعد اگر سعادتِ ازلی مدد فرمائے تو عالمِ قدس کی طرف پرواز میسر آسکتی ہے۔ اور اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ کمینی دُنیا اس لائق نہیں کہ اسے اپنا مطلوب بنالیں، اور نہ مال وجاہ کو یہ حیثیت حاصل ہے کہ اسے اپنے مقاصد قرار دے دیا جائے بلند ہمت ہونا چاہیئے اور حق تعالیٰ کی ذات سے بے وسیلہ یا باوسیلہ اسی کی ذات کو طلب کرنا چاہیئے۔

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

جب تم نے پوری توجہ اور اخلاص کے ساتھ ہم سے دُعا کی درخواست کی ہے تو آپ کو بشارت ہو کہ آپ باسلامت اور غنیمت کے ساتھ واپس لوٹیں گے۔ لیکن ایک شرط خاص طور پر ملحوظ رکھیں کہ قبلہ توجہ صرف ایک ذات ہونی چاہیئے (اپنا مُرشدِ کامل) اپنے قبلہ توجہ متعدد افراد کو قرار دینا اپنے آپ کو تفرقے اور انتشار کا شکار کرنا ہے۔

مثل مشہور ہے:

"ہر کہ یک جا ہمہ جا و ہر کہ ہمہ جا ہیچ جا"

ترجمہ: یعنی جو ایک جگہ قائم ہے ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے ایک جگہ بھی نہیں۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی راہ پر استقامت عطا فرمائے۔ ان تمام پر جو متبع ہدایت ہیں اور مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتحیات کی متابعت کو لازم جانتے ہیں، سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

دخولِ اسلام کے لئے سب سے پہلے اپنے غلط عقائد کی اجمالاً تصحیح ضروری ہے اور تکمیلِ ایمان وسلوک کے لئے فقہاء احناف کی تصریحات کے مطابق اپنے عقائد کی تفصیلی درستگی نہایت ضروری ہے۔ عقائد کی درستگی کے بغیر نجاتِ اُخروی متصور نہیں ہو سکتی۔

ملتِ اسلامیہ کا شیرازہ بکھرنے کی جہاں دیگر بہت سے وجوہات ہیں وہیں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ مسلمانوں نے اپنے اسلاف اور ائمہ دین کی پیروی کو ترک کر دیا ہے۔ اب اپنے دین کے ساتھ جسے معمولی سا لگاؤ ہے وہ عقائد واحکامِ شریعت کو اپنی ناقص عقل سے اخذ کرنے لگا ہے اور بخاری ومسلم شریف کے نظرے مطالعے کو ہی کافی خیال کرتا ہے۔ حالانکہ قرآن واحادیث تک پہنچنے کے لئے علم

کی بہت سی منازل سے گزرنا پڑتا ہے۔ تب صحیح سمت میں ان سے راہنمائی مل سکتی ہے ورنہ ناسخ ومنسوخ اور آیاتِ ربانی کے ظاہری اختلافات کا علم نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی درست سمت اختیار کرنے کی بجائے غلط سمت پر گامزن ہونے کے قوی اندیشے پیدا ہو جاتے ہیں۔ مثال کے طور پر:

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

مَاأَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَاأَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَفْسِکَ (النساء ۷۹)

ترجمہ: اے سننے والے تجھے جو بھلائی پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچے وہ تیری اپنی طرف سے ہے۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا کہ:

وَإِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَقُولُوا هَذِهِ مِنْ عِنْدِکَ قُلْ کُلٌّ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ (النساء۷۸)

ترجمہ: اور انہیں کوئی بھلائی پہنچے تو کہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور انہیں کوئی برائی پہنچے تو کہیں یہ حضور کی طرف سے آئی تم فرمادو سب اللہ کی طرف سے ہے۔

ان آیاتِ کریمہ اور ان کے ترجمہ پر غور فرمائیں۔ صاف طور پر معلوم ہو جائے گا خیر وشر کے معاملہ میں دونوں آیات کی تعلیمات اور ان کے نتیجہ میں سامنے آنے والے عقائد میں تضاد ہے۔ اور ایمانیات کے لحاظ سے تو ہمارا عقیدہ ہے کہ یہ دونوں آیات، کلامِ خداوندی کا حصہ ہیں پھر ان میں سے کس آیت پر عمل کیا جائے اور وہ کون سی کسوٹی ہے جس کے مطابق ہم خیر وشر کے معاملے میں اپنا عقیدہ کسی ایک آیت مبارکہ سے اخذ کر سکیں اور صرف یہ ایک ہی نہیں بلکہ بہت سے مقامات میں ہمیں ایسے دیگر مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے جہاں ایک عام انسان کو مختلف فیہ باتیں ملتی ہیں اور ایسے ہی بے شمار مسائل احادیث مبارکہ میں موجود ہیں۔

اس طرح کے اختلافات کو حل کرنے کے لئے فقہاء کرام نے یہ کلیہ بتایا ہے کہ جہاں دو آیات میں اختلاف پایا جائے وہاں حدیث شریف کی طرف رجوع کیا جائے گا اور حدیثِ مبارکہ کا فیصلہ حتمی ہو گا اور جہاں احادیثِ مبارکہ میں اختلاف آجائے وہاں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے اجماع کی طرف رجوع کرنا پڑے گا کیونکہ ان پاکیزہ ہستیوں نے حضرت رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عمل کرتے ہوئے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اس لئے احادیث مبارکہ کے ظاہری اختلاف اور اس کی پس پردہ وجوہات کو جانچنے کا جتنا قوی علم صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تھا اتنا کسی اور کو عطا نہیں ہوا تھا۔ پھر جو علم ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی علمی مجالس میں شریک ہونے والے تلامذہ یعنی فقہاء نے حاصل کیا وہی ایک ایسی کسوٹی ہے جس کے مطابق قرآن وحدیث کی اصل روح اور حقیقی تعلیم پر عمل ممکن ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فقہاء تلامذہ میں حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صفِ اول کے فقہی گزرے ہیں اس لئے قرآن وحدیث کے اختلافی مسائل میں درست اور صحیح فیصلوں کا جتنا علم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو عنایت فرمایا تھا اتنا بعد میں آنے والوں کو کم ہی نصیب ہوا ہے۔

اب ہم اصل مسئلہ کی طرف آتے ہیں مندرجہ بالا آیاتِ مبارکہ کے اختلاف کو سمجھنے اور پھر ان میں سے متفق علیہ عقیدے کے استنباط کے لئے جب حدیث شریف کی طرف رجوع کیا جائے تو ہمیں حدیث شریف کا یہ اٹل فیصلہ ملتا ہے کہ کسی بھی معاملے میں خیر وشر، دونوں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے ہیں اور یہی اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ ہے اور اس کے مدِ مقابل دوسری آیت کریمہ پر عمل کرتے ہوئے خیر اور بھلائی کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے اور شر کو اپنی طرف منسوب کرنے

کا عقیدہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روشن تعلیمات کے خلاف ہے اور یہی عقیدہ روافض کے گمراہ فرقے نے اختیار کیا ہے۔

خیر وشر کے معاملہ میں فیصلہ دینے والی حدیث شریف درج ذیل ہے:

أَنَّ أَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ أَقْبَلَا فِي جَمَاعَةٍ مِنَ النَّاسِ وَقَدِ ارْتَفَعَتْ أَصْوَاتُهُمَا، فَقَالَ عَلَيْهِ السَّلَامُ مَا هَذَا فَقَالَ بَعْضُهُمْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ يَقُولُ أَبُو بَكْرٍ الْحَسَنَاتُ مِنَ اللّٰهِ وَالسَّيِّئَاتُ مِنْ أَنْفُسِنَا، وَيَقُولُ: عُمَرُ كِلَاهُمَا مِنَ اللّٰهِ، وَتَبِعَ بَعْضُهُمْ أَبَا بَكْرٍ وَبَعْضُهُمْ عُمَرَ، فَتَعَرَّفَ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَالَهُ أَبُو بَكْرٍ، وَأَعْرَضَ عَنْهُ حَتَّى عُرِفَ ذٰلِكَ فِي وَجْهِهِ، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَى عُمَرَ فَتَعَرَّفَ مَا قَالَهُ وَعُرِفَ الْبِشْرُ فِي وَجْهِهِ ثم قال: أَقْضِي بَيْنَكُمَا كَمَا قَضَى بِهِ إِسْرَافِيلُ بَيْنَ جِبْرِيلَ وَمِيكَائِيلَ، قَالَ جِبْرِيلُ مِثْلَ مَقَالَتِكَ يَا عُمَرُ وَقَالَ مِيكَائِيلُ مِثْلَ مَقَالَتِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ فَقَضَاءُ إِسْرَافِيلَ أَنَّ الْقَدَرَ كُلَّهُ خَيْرَهُ وَشَرَّهُ مِنَ اللّٰهِ تَعَالَى وَهَذَا قَضَائِي بَيْنَكُمَا۔

ترجمہ: بتحقیق حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما دونوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ایک جماعت میں آمنے سامنے ہوئے اور دونوں (حضرت ابو بکر صدیق وحضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما) نے بلند آواز میں باتیں شروع کیں تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ کیا ہے؟ تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ نیکیاں (خیر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں اور بُرائیاں (شر) ہمارے نفسوں کی طرف سے ہیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ دونوں (خیر وشر) اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں تو بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اتباع کر لی اور بعض نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ان کی کہی ہوئی بات کے بارے میں دریافت فرمایا اور اس (بات) سے

اعراض فرمایاحتیٰ کہ یہ اعراض کرنا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چہرۂانور سے معلوم ہوا پھر (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف متوجہ ہوئے اور اُن سے اُن کی کہی ہوئی بات کے بارے میں دریافت فرمایااور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے چہرۂانور سے خوشی کے آثار معلوم ہوئے پھر (آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے) فرمایامیرا آپ دونوں کے درمیان وہی فیصلہ ہے جیسا فیصلہ حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل وحضرت میکائیل علیہم الصلوٰۃ والسلام کے درمیان کیا تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! آپ کے مؤقف کے مطابق حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کہتے تھے اور فرمایاحضرت میکائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اس طرح کہتے تھے جس طرح اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! آپ کہتے ہیں تو حضرت اسرافیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے (ان دونوں کے درمیان) یہ فیصلہ دیا کہ بتحقیق ہر چیز کی اچھی اور بُری تقدیر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور آپ دونوں کے درمیان میرا ابھی یہی فیصلہ ہے (کہ تقدیر چاہے اچھی ہو یابُری وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے ہوتی ہے)۔[1]

اور مفسر روح البیان نے بالفاظِ مختلفہ حدیث میں ان الفاظ کو بھی بیان کیاہے:

یاابابکر لو شاءاللہ ان لایعصی فی الارض لم یخلق ابلیس۔

ترجمہ: آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاکہ اے ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ! اگر اللہ تعالیٰ چاہتا کہ زمین پر کوئی بھی اس کی نافرمانی نہ کرے تو ابلیس کو پیدا نہ کرتا۔[2]

---

[1](التفسیر الکبیر، ج ۱۹، ص ۶۲، الناشر: دار إحیاء التراث العربي - بیروت)

[2](روح البیان، ج۴، ص ۳۵۹، الناشر: دار الفکر - بیروت)

در کارخانۂ عشق از کفر ناگزیر است

آتش کرا بسوزد گر بولہب نباشد

ترجمہ: عشق کے کارخانہ میں کفر ضروری ہے، آگ کس کو جلائے گی اگر ابولہب نہ ہو گا۔

تو ثابت ہوا کہ عقائد کی درستگی کے لئے ضروری ہے کہ آئمہ مجتہدین اور فقہاء نے قرآن وحدیث سے جو استخراج کیا ہے اس کے مطابق عقائد اپنانے چاہئیں لیکن کیا کیا جائے کہ لوگ فقہاءِ عظام کو چھوڑ کر خود ہی مفتی بننے لگے ہیں اور اپنے عظیم امام کی تقلید کرنے کی بجائے مولویوں کے خود ساختہ عقائد و مسائل کے پیچھے چل پڑے ہیں۔

حدیث مبارکہ کے مطابق اس اُمت کے ۷۳ فرقے ہونے ہیں اور ان میں سے صرف ایک ہی ہو خوش نصیب فرقہ ہے جو جنتی ہے اور اس کی نشاندہی بھی خود سرورِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمادی ہے۔ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ فرقے ہمیشہ عقائد کی بنیاد پر ہی بنتے ہیں، فقہی مسائل کے اختلاف سے کبھی کوئی فرقہ نہیں بنتا۔ اس لئے اہلِ سنت وجماعت کے ناجیہ فرقے کے مشہور و معروف عقائد سے جو اختلاف کرے گا وہ قدریہ، جبریہ، معتزلہ، مرضیہ، سوفسطائیہ، خوارج، روافض وامامیہ یا دیگر گمراہ فرقوں میں سے کسی فرقے میں جا پڑے گا اور خود اپنے آپ کو جہنمی بنالے گا۔

عقیدہ رکھنے کے بھی تین درجات ہیں:

پہلا درجہ وہ ہے جس کے مطابق کوئی سمجھدار انسان کہے کہ میرا عقیدہ وہی ہے جس کی تعلیم حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے دی ہے یا

جیسا کہ فقہاء اربعہ نے فرمایا ہے۔اس عقیدے کو تقلیدی یا اجمالی عقیدہ کہا جاتا ہے۔ یہ عقیدہ رکھنے والا گمراہ نہیں ہو گا جب تک کہ عقائد میں دخل اندازی نہ کرے۔

دوسرا درجہ عقیدۂ استدلالی کا ہے جس میں عقائد پر آئمہ اربعہ (حضرت امام اعظم، حضرت امام مالک، حضرت امام شافعی اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ) نے کلام کیا ہو اور پھر کوئی شخص ان آئمہ کے عقائد کی کتابوں کا مطالعہ کر کے ان پر عمل کرے تو اس کا عقیدہ استدلالی ہو گا۔

تیسرا درجہ کشف و شہود کی اس منزل کا ہے جس کے مطابق صوفیاء کو اہلِ سُنت و جماعت کے صحیح اور مستند عقائد کا علم دیا جاتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے ان مبارک ہستیوں کی رہنمائی کی جاتی ہے تاکہ وہ گمراہی کی طرف نہ جاسکیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:"جو شخص جانی ہوئی بات پر (یعنی معلوم شدہ مسائل پر) عمل کرتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اُسے انجانی باتوں کا علم عطا کرتے ہیں"۔تو عقائدِ اہل سنت میں صاف طور پر بتادیا گیا ہے کہ قرآن عظیم الشان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفتِ ذاتیہ ہے اور یہ مخلوق نہیں بلکہ ازلی ہے، لیکن یہ علم ہونے کے باوجود مولوی حضرات منبر رسول پر بیٹھ کر کہتے پھرتے ہیں کہ "حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم آگے آگے قرآن عظیم الشان پیچھے پیچھے" یعنی انہوں نے صفتِ الٰہیہ کو ثانوی حیثیت دے کر مخلوق کے مقام سے بھی نیچے کر دیا ہے اور پھر اپنے اس عقیدے پر اس قدر خوش بھی ہیں کہ دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر لوگوں سے "سبحان اللہ" کی داد لے رہے ہیں اور لوگ ہیں کہ واہ واہ کہتے تھکتے ہی نہیں۔انہیں کون بتائے کہ چودھویں صدی کا یہ مُلّا اپنے عقائد تو باطل کر ہی چکا ہے، اب آپ کی آخرت کے پیچھے پڑا ہے۔

عقائد کی درستگی کی تعلیم دینے کے بعد حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فقہی مسائل کی تعلیم و تعلم اور اسی کے مطابق عمل کی نصیحت کی ہے اور اس موضوع پر ہم پچھلے مکاتیب میں کافی بحث کر چکے ہیں۔

تیسرے نمبر پر آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذاتِ بحت (خداوندی) سے بوسیلہ یا بے وسیلہ مانگنے کی بات فرمائی ہے۔ اس کا مطلب و مفہوم یہ ہے کہ بالخصوص آج کے گمراہ کن دور میں انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی کھلی نافرمانی میں ملوث ہو چکا ہے اور سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور صحابہ ٔکرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ کو بھول کر غیروں کے راستے پر گامزن ہو جانے کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے بہت دور جا چکا ہے اس لئے اس کی عبادات اور دعاؤں میں وہ تاثیر نہیں وہی جو اس کی دینی کاوشوں کو بارگاہِ ربوبیت میں شرفِ قبولیت کا درجہ دلوا سکتی اس لئے ضروری ہے کہ انسان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تک پہنچنے میں یا اپنی دعاؤں اور حاجات کے سلسلے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقربین کا وسیلہ پکڑے تاکہ قُرب کی دولت پر فائز ہو سکے اور اگر وہ اس روش پر چلا اور قُرب کی منازل طے کرنے لگا تو پھر اسے وہ مقام بھی عطا کر دیا جاتا ہے جہاں وہ بغیر وسیلے کے دعائیں مانگ سکتا ہے اور بغیر کسی ذریعے کے مزید تقرب حاصل کر سکتا ہے لیکن یہ منزل ہر کسی کے بس میں نہیں۔

آخری بات جو اس مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے ارشاد فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ قبلۂ توجہ ایک ذات ہونی چاہیئے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ سلوک کے طے کرنے کے خواہش مند کو چاہیئے کہ وہ بیعت کرنے سے پہلے متعدد دفعہ استخارہ کر لے اور شیخ طریقت کے لئے بھی ضروری ہے کہ ان کے پاس جب کوئی بیعت کے ارادے سے آئے تو استخارے کی سنت

ادا کرکے معلوم کرلیں کہ کیا میں اس شخص کی باطنی تربیت کرسکوں گا یانہیں؟ کیونکہ پیری ومریدی سے مقصود کان کھودنی نہیں ہے بلکہ مخلوقِ خدا کی ظاہری وباطنی تربیت کرنی اور طریقت کی منازل طے کروانا مطلوب ہے۔ پھر جب دونوں طرف سے استخارہ کرنے پر معلوم ہو جائے اور طریقت کا رشتہ بن جائے تو اب سالک کو چاہیئے کہ ہر گدی کا طواف نہ کرتا پھرے بلکہ اپنے شیخ ومُرشد تک ہی محدود رہے تاکہ اُس کے دل میں صرف ایک ہی کامل شیخ کی محبت رہے اور کوئی دوسری محبت اس پر غالب آکر اسے طریقت سے دور نہ کر دے کیونکہ جو ایک جگہ قائم رہتا ہے اُسے دوسرے اولیاء کرام کے فیوض وبرکات بھی پہنچتے رہتے ہیں اور جو ہر جگہ کے چکر کاٹنے لگے وہ ایک جگہ سے بھی مستفید نہیں ہو سکتا، اس دور میں جہاں تصوف کی تعلیمات کے سلسلے میں کئی دوسرے طریقوں سے مخالفت ہو رہی ہے وہیں یہ بات بھی افسوس ناک ہے کہ طریقت کو ماننے والے اپنے شیخ کا دائرۂ مُریدین بڑھانے کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں اور ایک دوسرے کو اُس کے شیخِ کامل سے ہٹا کر اپنا پیر بھائی بنانے میں کوشاں ہیں۔ آپ کو لازم ہے کہ جب کسی سالک اور اس کے پیر کامل کے تعلق کو دیکھ لیں تو اس کے معاملہ میں دخل نہ دیں اور اس روش سے طریقت کی تعلیمات کی مخالفت نہ کریں۔ ہاں! جب کئی ایک پہلوؤں پر بنظرِ غور مطالعہ سے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جائے کہ اِس سالک کا شیخ ناقص ہے اور وہ کوئی باطنی نسبت نہیں رکھتا تو اس صورت میں اِس سالک کو نرمی اور حکمت کے ساتھ یہ بات سمجھا دینی چاہیئے، وہ بھی محض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے لئے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں سلاسلِ اربعہ کے کبار مشائخ کرام کی تعلیمات پر عمل کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ (آمین)

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ علمائے اہل سنت کی کتاب وسُنت کی روشنی میں بیان فرمودہ تعلیمات و تعبیرات کو سعادتِ دارین قرار دیتے ہوئے تلقین فرمارہے ہیں کہ اپنے عقائد واعمال کو علمائے اہل سنت وجماعت کی آراء کے مطابق درست کرنے اور ان پر عمل درآمد کے بعد راہِ سلوک کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے ان (عقائد واعمال) کے بغیر خاردار جھاڑی پر ہاتھ مارنا اور اپنی منزل کھوٹی کرنا ہے۔

ایک مکتوب میں ہر کس وناکس کی گفتگو سے اعراض کرنے کے بارے میں رقم طراز ہیں:

پس باید کہ مدارِ اعتقاد را برآنچہ معتقدِ اہلِ سنت است دارند وسخنان زید وعمرو را درگوش نیارند مدارِ کار را برافسانہائے دروغ ساختن خود را ضائع کردن است تقلید فرقۂ ناجیہ ضروریست تاامیدِ نجات پیدا شود۔[1]

ترجمہ: پس چاہیئے کہ اہل سنت وجماعت کے معتقدات پر اعتقاد کا مدار رکھیں اور زید وعمرو کی باتوں پر کان نہ دھریں۔ جھوٹے افسانوں پر اپنے کام کی بنیاد رکھنا خود کو ضائع کرنا ہے۔ فرقۂ ناجیہ (اہل سنت) کی تقلید ضروری ہے تاکہ نجات کی اُمید پیدا ہو۔

ایک مقام پر یوں تحریر فرماتے ہیں:

وبے حصولِ این دو بازو طیران ووصول بعالمِ حقیقت محالست۔

بیت:

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پئ مصطفیٰ

---

[1](دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

ترجمہ: ان دو بازوؤں (تصحیح عقائد و اعمالِ صالحہ) کے حاصل ہوئے بغیر عالم حقیقت کی طرف پرواز اور وصول محال ہے۔

تجھے حاصل نہ جب تک نبی کی پیروی کرنا
نہیں ممکن کبھی اہلِ صفا کی راہ پر چلنا

ثَبَّتَنَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَلٰی مُتَابَعَةِ سَیِّدِ الْاَنْبِیَآءِ عَلَیۡهِ التَّحِیَّةُ وَ الثَّنَآءُ

سطور بالا میں حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ ہر حال میں مطلوبِ حقیقی جل سلطانہٗ کی طلب کی تاکید اور بلند ہمتی کی تلقین فرمارہے ہیں۔

یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ

شیخ الاسلام حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری قدس سرہٗ نقل فرماتے ہیں:

"الٰہی مردم از تو حاجات ہا میخواہند و من آمدہ ام از تو ترا میخواہم"۔

یعنی بار الٰہا! لوگ تجھ سے اپنی حاجات بر آری کی دعا کرتے ہیں، میں تو تجھ سے تجھی کو مانگنے آیا ہوں، یعنی مجھے اپنا قرب عطا فرما۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر کسی کو حق تعالیٰ کی رضا نصیب ہو جائے تو اُس کے پاس کائنات کی ہر چیز ہے۔

گر از و گشتی ہمہ چیز از تو گشت
ور از گشتی ہمہ چیز از تو گشت

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے "بوسیلہ" اور "بے وسیلہ" کے الفاظ استعمال فرما کر محبوں اور محبوبوں کے وصل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ محبوبوں کے ساتھ حق تعالیٰ اپنے فضل والا معاملہ فرماتا ہے، انہیں بغیر وسیلہ کے شرف بازیابی سے نوازتا ہے۔ چنانچہ امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب

میں رقم طراز ہیں کہ محبوبوں کو راہِ وصل میں جو شرط اور ادب درکار ہوتا ہے، حق تعالٰی ان کی تعلیم وتربیت کا اہتمام فرمادیتا ہے اور کسی شیخ کامل کی طرف اُن کی رہنمائی کر دی جاتی ہے۔

ذَالِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ جب کہ محب وسیلہ کے محتاج ہوتے ہیں۔

کارِ پارکاں راقیاس از خود مگیر

قبلۂ توجہ صرف اپنا شیخ ہی ہونا چاہیئے

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اپنے ایک کشف کا اظہار فرماتے ہوئے مکتوب الیہ کو فتح ونصرت کی خوشخبری سُنا رہے ہیں۔ لیکن اس بشارت کو اس امر کے ساتھ مشروط فرمایا ہے کہ اپنی توجہ کا قبلہ صرف اور صرف اپنے مرشدِ گرامی کو ہی رکھیں۔ کیونکہ ہر کسی کا کوئی نہ کوئی قبلۂ توجہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَلِکُلٍّ وِجْھَۃٌ ھُوَ مُوَلِّیْھَا (البقرۃ ۱۴۸) سے واضح ہے جب طالبِ صادق کو مرشدِ کامل مکمل نصیب ہو جائے تو سالک کو چاہیئے کہ کلی طور پر اسی کی طرف متوجہ رہے اور ہر قسم کے فیض وبرکت کے حصول کا ذریعہ اسے ہی جانے اور جنون کی حد تک اس سے قلبی تعلق استوار رکھے کیونکہ یہی رشتۂ محبت، شیخ سے اخذِ فیض کا سب سے مؤثر ذریعہ ہے اور اگر قبلۂ توجہ متعدد ذوات اور مختلف افراد ہوں تو سالک التفاتِ شیخ سے محروم رہتا ہے اور فیض حاصل نہیں کر پاتا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے مشہور مثل نقل فرما کر توجہ کو کُلیۃً شیخ کی طرف مذکور رکھنے کی نصیحت فرمائی ہے۔

ہر کہ یکجا ہمہ جا وہر کہ ہمہ جا ہیچ جا

یعنی جو ایک جگہ قائم ہے وہ ہر جگہ ہے اور جو ہر جگہ ہے وہ کسی جگہ بھی نہیں۔

عارف کھڑی میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

دلبر دے دروازے اُتے محکم لائیے جھوکاں

نویں نویں ناں یار بنائیے وانگ کمینیاں لوکاں

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۳۹ تا ۴۴۳)

مکتوب نمبر ۷۶

[قلیج خان کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ترقی ورع اور تقویٰ سے وابستہ ہے۔ اور فضول مباحات کو ترک کرنے کی ترغیب میں۔ اور اگر یہ میسر نہ ہو تو حرام چیزوں سے بچتے ہوئے فضول مباحات کے دائرے کو تنگ تر رکھنا چاہیئے۔ اور اس اَمر کے بیان میں کہ حرام اشیاء سے بچنا دو قسم پر ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ وَبِہٖ نَسۡتَعِیۡن۔ "ہم اللہ تعالیٰ ہی کے نام سے شروع کرتے ہیں اور اسی سے مدد کے طلبگار ہیں"۔]

تشریح

ورع و تقویٰ عموماً ایک ہی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں تاہم مفہوم کے اعتبار سے ان میں ایک فرق ہے۔

کہا گیا ہے کہ:

اَلْوَرْعُ اَخَصُّ مِنَ التَّقْوٰی لِاَنَّہٗ تَرْکُ الْمُحَرَّمَاتِ وَ الشُّبُھَاتِ وَ التَّقْوٰی وَھُوَ الْاَوَّلُ۔

ترجمہ: ورع تقویٰ سے فائق اور اعلیٰ چیز ہے، کیونکہ ورع یہ ہے کہ (انسان) محرمات (کے ساتھ ساتھ) مشتبہ اُمور کو بھی ترک کر دے اور تقویٰ یہ ہے کہ (کوئی شخص صرف) حرام چیزوں سے اجتناب کرے۔[1]

---

[1] (الھدایۃ فی شرح البدایۃ، کتاب الصلوٰۃ، باب الامامۃ، ج ۱، ح ۱۱۰)

پس معلوم ہوا کہ حرام کاموں سے اجتناب کرنے والے شخص سے بھی اوپر اُس شخص کا مقام ہے جو نہ صرف حرام چیزوں سے بچتا ہے بلکہ مشتبہ اور مشکوک اُمور سے بھی دور بھاگتا ہے تو وہ شخص کتنا خوش نصیب ہے جسے ورع کی دولت عطا کی گئی ہو۔ اور اگر یہ درجہ میسر نہ ہو تو پھر کم از کم حرام کردہ کاموں سے تو ضرور بچنا چاہیئے تا کہ تقویٰ کے زمرے میں آجائے۔

[اللہ تعالیٰ آپ کو ہر عیب سے بچائے اور ہر داغدار کرنے والی شے سے محفوظ رکھے بطفیل حرمت سید البشر جن سے کجی نظر کی نفی ہو چکی ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷)

ترجمہ: اور جو کچھ تمہیں رسول عطا فرمائیں وہ لو اور جس سے منع فرمائیں باز رہو۔

نجات کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ اَوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے باز رہنا۔ اور ان دو میں جُزِ آخیر کو زیادہ اہمیت و عظمت حاصل ہے، جسے ورع اور تقویٰ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

حدیث میں وارد ہے:

ذُكِرَ رَجُلٌ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعِبَادَةٍ وَاجْتِهَادٍ, وَذُكِرَ عِنْدَهُ آخَرُ بِرِعَةٍ, فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "لَا يُعْدَلُ بِالرِّعَةِ" (شَيْئًا يَعْنِى الوَرَعَ)

ترجمہ: حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں ایک ایسے شخص کا ذکر کیا گیا جو عبادت گزار تھا اور اَوراد ووظائف میں بہت کوشش کیا کرتا تھا۔ اور ایک دوسرے شخص کا ذکر

کیا گیا جو وَرع سے موصوف تھا یعنی خلافِ شرع اُمور سے بچتا تھا۔ تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا وَرع کے برابر کسی شے کو نہ سمجھو۔[1]

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا یہ بھی ارشاد ہے:

مِلَاکُ دِینِکُمُ الْوَرَعُ۔

ترجمہ: تمہارے دین کا دارومدار وَرع اور تقویٰ پر ہے۔[2]

تشریح

وہ امور جن پر قرآن عظیم الشان واحادیثِ مبارکہ میں نہی آئی ہے حرام ومکروہ کے زمرے میں آتے ہیں۔ اور حرام کا حکم بیان کرتے ہوئے فقہاء نے کہا ہے کہ حرام کام کو حلال کہنے والا کافر ہو جاتا ہے۔ اور مکروہ کو جائز سمجھنے والا کافر تو نہیں ہوتا البتہ گنہگار ضرور ہوتا ہے۔

حضرت صفوان بن عسال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ حدیث میں مندرجہ ذیل گناہِ کبیرہ کو بیان کیا گیا ہے جو حرام ہیں:

لَا تُشْرِكُوا بِاللَّهِ شَيْئًا، وَلَا تَسْرِقُوا، وَلَا تَزْنُوا، وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ، وَلَا تَمْشُوا بِبَرِيءٍ إِلَى ذِي سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهُ، وَلَا تَسْحَرُوا، وَلَا تَأْكُلُوا الرِّبَا، وَلَا تَقْذِفُوا مُحْصَنَةً، وَلَا تُوَلُّوا الْفِرَارَ يَوْمَ الزَّحْفِ۔

ترجمہ: اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، ایسے شخص کو قتل نہ کرو جسے قتل کرنا حرام ہے، بے قصور شخص کو حاکم کے پاس نہ لے جاؤ تا کہ وہ اسے قتل کر دے (یعنی

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۶۹، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

[2] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج۵، ص ۲۸۴، الناشر: مکتبۃ الرشد - الریاض)

تہمت وغیرہ لگا کر)، جادو مت کرو، سود مت کھاؤ، پاکباز عورت پر زنا کی تہمت نہ لگاؤ، کافروں سے مقابلہ کرتے وقت پیٹھ مت پھیرو۔[1]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کبیرہ گناہوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ کبیرہ گناہ سات سو (۷۰۰) کے قریب ہیں۔ نیز شراب پینا، اولاد کو قتل کرنا، بہن بیٹی وغیرہ جیسی محرمات کے ساتھ نکاح کرنا، لڑکوں کے ساتھ بدفعلی کرنا اور جھوٹ وغیرہ بھی گناہِ کبیرہ ہیں۔ اور ان سے اجتناب کرنا نہایت ضروری ہے، بالخصوص سالک کو تو ان کے نزدیک بھی نہیں جانا چاہیئے۔ کیونکہ سلوک ہے ہی تقویٰ کا راستہ۔ اور جو تقویٰ اختیار نہیں کرے گا وہ سالک کیسے ہو گا؟

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نجات کا دار و مدار اوامر کی بجا آوری اور نواہی سے باز رہنے کو قرار دے رہے ہیں بالخصوص ممنوعہ اُمور سے رُک جانا زیادہ اہم ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر ۷) کے بعد وَاتَّقُوا اللهَ کے تاکیدی جملہ سے واضح ہے اسی کو ورع اور تقویٰ کہتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ورع اور تقویٰ کی تعریفات اور کچھ تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ مکتوب کے سمجھنے میں آسانی رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ۔

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص۷۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

ورع کی تعریف

امام ہمام حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ورع کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الورع:هو اجتناب الشبهات خوفًا من الوقوع في المحرمات۔

محرمات میں واقع ہونے کے خوف سے شبہات سے اجتناب کرنے کو ورع کہتے ہیں۔ [1]

احادیثِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات اور ورع

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ورع کی فضیلت کے بارے میں چند ارشادات نقل کئے جاتے ہیں تاکہ سالکین کے سامنے اس کی اہمیت مزید دوچند ہو جائے:

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص کی عبادت وریاضت کا ذکر کیا گیا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَاتَعْدِلْ بِالرِّعَّةِ"، يَعْنِي الْوَرَعَ۔

ورع کے برابر کوئی چیز نہیں ہے۔ [2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مِلَاكُ الدِّينِ الْوَرَعُ۔

تمہارے دین کا مقصود ورع ہے۔ [3]

---

[1] (التعريفات، ص ١١٥)

[2] (مشکوٰۃ المصابيح، ج٣، ص ١٤٣٠، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

[3] (مشکوٰۃ المصابيح، جِ ١، ص ٨٥، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

عَبْدِیْ اَدِّمَا افْتَرَضْتُ عَلَیْکَ تَکُنْ مِنْ اَعْبُدِ النَّاسِ وَ اَنْتَہُ عَمَّا نَھَیْتُکَ عَنْہُ تَکُنْ مِنْ اَوْرَعِ النَّاسِ۔

یعنی میرے بندے جو کچھ میں نے تجھ پر فرض کیا ہے اس کو ادا کر پس تو سب لوگوں سے زیادہ عابد ہو جائے گا اور جن امور سے میں نے تجھ کو منع کیا ہے ان سے باز رہ پس تو سب لوگوں سے زیادہ صاحبِ ورع بن جائے گا۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نصیحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

کُنْ وَرِعًا، تَکُنْ أَعْبَدَ النَّاسِ۔

یعنی تو صاحبِ ورع بن جا پس تو تمام لوگوں سے زیادہ عابد بن جائے گا۔[2]

سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ورع

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلام کا پیش کردہ کھانا تناول فرمالیا۔ بعد میں غلام نے عرض کیا کہ اس کھانے میں شبہ تھا تو سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگلی منہ میں ڈال کر قے کرکے اپنے پیٹ کو صاف کر دیا۔ (صحیح بخاری)

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرمایا کرتے تھے:

کُنَّا نَدَعُ سَبْعِیْنَ بَابًا مِّنَ الْحَلَالِ مَخَافَۃً اَنْ نَقَعَ فِیْ بَابٍ مِّنَ الْحَرَامِ۔

یعنی ہم ستر (۷۰) حلال چیزوں کو چھوڑ دیا کرتے تھے اس خوف سے کہ کہیں کسی حرام چیز میں نہ پڑ جائیں۔[1]

---

[1] (تشييد المباني، ص ۸۹)

[2] (سنن ابن ماجه، ج۵، ص ۲۹۹، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ورع

حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا:

كُنَّا نَتْرُكُ تِسْعَةَ اَعْشَارِ الْحَلَالِ مُخَافَةً اَنْ نَقَعَ فِی الْحَرَامِ۔

یعنی ہم دس (۱۰) حلال چیزوں میں سے نو (۹) کو اس خوف سے ترک کر دیتے تھے کہ کہیں ہم حرام میں نہ پڑ جائیں۔[2]

امام اعظم قدس سرہٗ اور ورع

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک مرتبہ اپنے ساجھی کے پاس تجارت کے لئے کپڑے کے تھان بھیجے جن میں سے ایک تھان میں کوئی نقص اور عیب تھا۔ آپ نے اپنے ساجھی سے فرمایا کہ جب اس تھان کو فروخت کرنا تو اس کا عیب ضرور بتا دینا۔ ساجھی نے اس تھان کو فروخت تو کر دیا مگر گاہک سے اس کا عیب بیان کرنا بھول گیا اور بعد میں یہ بھی یاد نہ رہا کہ کس شخص کے ہاتھوں وہ تھان فروخت کیا تھا۔ امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جب واقعہ کا علم ہوا تو انہوں نے تیس ہزار درہم کی مالیت کے ان تمام تھانوں کی قیمت صدقہ کر دی۔[3]

---

[1] (حقائق عن التصوف)

[2] (فتوح الغیب)

[3] (تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ)

امام ربانی قدس سرہٗ اور ورع

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں کہ جب کسی شیخ کے زیرِ تربیت کوئی سالک ہو تو وہ اسے یوں تاکید کرے:

وتاکید نماید کہ در لقمۂ محرم ومشتبہ احتیاط رانیک مرعی دارد وہر چہ باید نخورد واز ہر جا کہ بیاید تناول نہ نماید تا فتویٰ شریعت غرا دریں باب درست نکند بالجملہ در جمیع امور کریمہ وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر۷) رانصب عین خود سازد۔[1]

یعنی اس بات کی تاکید کرے کہ غذا کے معاملے میں حرام اور مشتبہ لقمہ میں نہایت احتیاط سے کام لے جو کچھ ملے یا جہاں سے حاصل ہو جائے نہ کھائے تاوقتیکہ اس کا کھانا شرعاً جائز نہ ہو مختصر یہ کہ تمام کاموں میں اس آیت کریمہ کو مدِ نظر رکھے: وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر۷)

اہل ورع کے طبقات

اربابِ طریقت نے اہلِ ورع کے تین طبقے بیان فرمائے ہیں:

۱۔ عوام کا ورع ۲۔ خواص کا ورع ۳۔ خاص الخواص کا ورع

عوام کا ورع

یہ ہے کہ وہ شبہات سے پرہیز کریں تاکہ وہ احکامِ الٰہیہ کی مخالفت میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

---

[1] (مبدأومعادمنها، ص ۱۰)

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ الخ۔

بے شک حلال واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور ان دونوں کے درمیان کچھ مشتبہ امور ہیں جن کو اکثر لوگ نہیں جانتے پس جو شخص شبہات سے بچا اس نے اپنے دین اور عزت کو بچا لیا اور جو شبہات میں واقع ہوا وہ حرام میں واقع ہو جاتا ہے۔(اس کی مثال) اس چرواہے کی مانند ہے جو چراگاہ کے ارد گرد اپنے جانور چراتا ہے ممکن ہے کہ وہ اس چراگاہ میں چرنے لگیں۔ خبردار! بے شک ہر بادشاہ کے لئے خاص چراگاہ ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی چراگاہ اس کے محارم ہیں۔[1]

خواص کا ورع

یہ ہے کہ ہر ایسی چیز سے اجتناب کیا جائے جو قلب کو مکدر کر دے اور اس درجہ کے لوگ قلب میں کھٹکنے والے خواطر اور سینے میں پیدا ہونے والے وساوس سے بھی احتراز کرتے ہیں جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: الْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ۔[2] سے واضح ہوتا ہے۔

اس قسم کے اربابِ قلوب جب بھی کسی معاملے میں متردد ہوتے ہیں تو فوراً قلب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور قلب کے فتویٰ کے مطابق عمل کرتے ہیں۔

جیسا کہ ارشادِ نبوی ہے:

اسْتَفْتِ قَلْبَكَ۔۔۔۔وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ۔

یعنی اپنے دل سے پوچھو خواہ فتویٰ دینے والے کچھ ہی فتویٰ دیتے رہیں۔[1]

---

[1](صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۳، صحیح مسلم، ج ۲، ص ۲۸)

[2](صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۱۴)

خاص الخواص کا ورع

یہ ان واصلین اور عارفین کا ورع ہے جو غیرِ حق سے تعلق منقطع کر کے حق تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہو جاتے ہیں کہ کسی غیر کی طرف توجہ بھی نہیں کرتے۔

ان کا مؤقف یہ ہے:

کُلُّ مَا شَغَلَکَ عَنِ اللّٰہِ فَھُوَ مَشْئُوْمٌ عَلَیْکَ۔

یعنی جو چیز تجھے حق تعالیٰ سے غافل کر دے وہ تمہارے لئے منحوس ہے۔[2]

جب حضرت ابو بکر شبلی قدس سرہٗ سے ورع کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا:

اَنْ تَتَوَرَّعَ اَنْ لَّا یَتَشَتَّتَ قَلْبُکَ عَنِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ طَرْفَۃَ عَیْنٍ۔

یعنی ورع یہ ہے کہ تیرا دل حق تعالیٰ سے آنکھ جھپکنے جتنی دیر بھی پریشان نہ ہو۔[3]

حصول ورع کے لئے دس چیزیں لازم ہیں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں کہ علمائے ربانین فرماتے ہیں کہ جب تک سالک ان دس چیزوں کو اپنے اوپر لازم نہیں کر لیتا اس وقت تک اسے کمال ورع حاصل نہیں ہوتا:

۱۔ غیبت سے زبان کو محفوظ رکھے ۲۔ بدگمانی سے اجتناب کرے

۳۔ مسخرہ پن سے پرہیز کرے ۴۔ حرام اشیاء سے آنکھ بند کرے

۵۔ سچ بولے ۶۔ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا احسان جانے تاکہ نفس مغرور نہ ہو۔

---

[1] (مسند احمد، ج ۴، ص ۲۲۸، مسند ابی یعلی، رقم الحدیث: ۱۵۸۴)

[2] (کتاب اللمع)

[3] (کتاب اللمع)

۷۔ اپنا مال راہِ حق میں خرچ کرے اور باطل جگہ میں خرچ کرنے سے بچے۔

۸۔ اپنے نفس کے لئے بلندی اور بڑائی کا طالب نہ ہو۔

۹۔ نمازوں کی حفاظت کرے۔

۱۰۔ اہل سنت و جماعت (کے عقائد) پر استقامت اختیار کرے۔

رَبَّنَا اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔[1]

تقویٰ کی تعریف

حضرت شیخ جرجانی قدس سرہٗ تقویٰ کی تعریف کے متعلق رقم طراز ہیں:

التقوی في اللغة بمعنى الاتقاء وهو اتخاذ الوقاية وعند أهل الحقيقة هو الاحتراز بطاعة الله عن عقوبته وهو صيانة النفس عما تستحق به العقوبة من فعل أو ترک۔

یعنی لغت میں تقویٰ اتقاء کے معنی میں ہے جس کا مطلب ہے حفاظت اختیار کرنا اور اہل حقیقت کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرکے اس کی سزا سے بچنا اور اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی جو عذاب کی مؤجب ہو اس سے اپنے نفس کو بچانا تقویٰ ہے۔[2]

تقویٰ کا محل قلب ہے۔ تقویٰ حصول علم کا زینہ اور عزت و کرامت کا خزینہ ہے، جیسا کہ آیتِ کریمہ: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۱۳) سے عیاں ہے۔

جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی نے سوال کیا کہ تقویٰ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا تو کسی خار دار وادی سے کبھی گزرا ہے؟ عرض کیا ہاں فرمایا تو وہاں سے کس طرح گزرا تھا؟ عرض کیا اپنے دامن کو کانٹوں سے بچاتا ہوا گزرا تھا فرمایا: ذَالِکَ التَّقْوٰی۔[1] بس یہی کافی ہے۔

---

[1] (دفتر دوم، مکتوب ۴)

[2] (التعریفات، ص ۲۹)

اربابِ طریقت کے نزدیک تقویٰ کی اقسام

اہلِ طریقت نے اس کی چار قسمیں بیان فرمائی ہیں:

- عوام کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ شرک سے اجتناب کریں۔
- خواص کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی نافرمانی سے احتراز کریں۔
- اولیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ اپنے افعال کو وسیلہ بنانے سے پرہیز کریں۔
- انبیاء کا تقویٰ یہ ہے کہ وہ افعال کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے اس لئے کہ ان کا تقویٰ حق تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور وہ ہر چیز سے دامن بچا کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

بینہ نمبر۱

واضح رہے کہ انسان کی ملائکہ پر فضیلت نواہی سے اجتناب اور ورع و تقویٰ ہی کی وجہ سے ہے اور قربِ الٰہی کے مرتبوں تک ترقی کا انحصار بھی اس پر ہے جب کہ فرشتے اوامر کے بجالانے میں انسان کے ساتھ شریک ہیں لیکن نواہی سے باز رہنے کے پابند نہیں اس لئے ان میں ترقی مفقود ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (الصافات ۱۶۴) سے عیاں ہے۔ پس انسان کو چاہیئے کہ ورع و تقویٰ کو ہمیشہ مد نظر رکھے جو اسلام کے اعلیٰ ترین مقاصد اور دین کی نہایت اہم ضروریات میں سے ہے۔ ورع و تقویٰ کامل طور پر اسی وقت حاصل ہوتا ہے جب فضول مباحات سے پرہیز کیا جائے۔ اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا ھٰذَا۔

---

[1](تفسیر قرطبی، ج ۱، ص ۱۶۲)

بینہ نمبر ۲

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک جملہ امور میں ان دیندار علماء کے فتویٰ کے مطابق زندگی بسر کرنی چاہیئے۔ جنہوں نے عزیمت کا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ اور رخصت سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کو ہی آخرت کی دائمی نجات کا وسیلہ بنانا چاہیئے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۷۴ تا ۴۵۴)

[اور انسان کو فرشتے پر فضیلت اس ورع اور تقویٰ کے سبب ہے اور مدارجِ قُرب کی طرف ترقی بھی اس دوسرے جزء وَرع و تقویٰ کے باعث ہے۔ کیونکہ ملائکہ جُزءِ اول (عبادت) میں انسان کے ساتھ شریک ہیں، مگر ان میں ترقی مفقود ہے۔ پس وَرع و تقویٰ کے جزء کی رعایت اسلام میں سب سے اعلیٰ ترین مقاصد میں سے ہے اور دین کے نہایت ضروری امور میں داخل ہے۔ اور اس جزء کی رعایت جس کا مدار حرام چیزوں سے بچنے پر ہے، کامل طور پر اسی وقت میسر آسکتی ہے جبکہ فضول مباحات سے بھی اجتناب کیا جائے اور مباحات میں سے بقدر ضرورت پر کفایت کی جائے۔ کیونکہ ارتکابِ مباحات میں باگ کا ڈھیلا کرنا مشتبہ اُمور کے ارتکاب تک پہنچا دیتا ہے اور مشتبہ سے تجاوز کرکے انسان حرام تک جا پہنچتا ہے۔

مَنْ حَامَ حَوْلَ الْحِمَى یُوشِکُ أَنْ یَقَعَ فِیهِ۔

ترجمہ: جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے قریب ہے کہ ایک روز چراگاہ میں گھس جائے۔[2]

پس کامل وَرع و تقویٰ کے حصول کے لئے مباحات میں سے بھی بقدر ضرورت پر کفایت کرنا ضروری ہے۔ اور مباح بقدر ضرورت بھی اس وقت مثمرِ نتائج ہے، جبکہ وظائف بندگی کی ادائیگی کی

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۷۰)

[2] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ، صحیح مسلم، ج ۸، ص ۲۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

نیت سے ہو ورنہ بقدر ضرورت مقدار بھی وبال ہے۔ اور با مقصد تھوڑی مقدار میں مباح کا استعمال بھی زیادہ کے حکم میں داخل ہے۔]

تشریح

گناہِ کبیرہ سے نچلا درجہ صغیرہ گناہ کا ہے اور یہ لاتعداد ہیں۔ لیکن گناہِ صغیرہ پر اصرار ان کو کبیرہ گناہ کے درجے میں داخل کر دیتا ہے البتہ گناہ جس درجے کا بھی ہو اس سے اجتناب اور سابقہ گناہوں سے توبہ اور رجوع الیٰ اللہ ضروری ہے۔ بالخصوص طریقت کے سالکوں کو روزانہ استغفار کرنا چاہیئے۔ فقیہہ ابو اللیث السمر قندی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ گناہ دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے وہ جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ پہلی قسم کے گناہ کی توبہ زبان سے استغفار کرنا، دِلی ندامت کا اظہار کرنا اور آئندہ کے لئے اس گناہ کے نہ کرنے کا عزم کرنا ہے۔ اس طرح سے توبہ کرے گا تو اپنی جگہ سے اُٹھنے سے پہلے ہی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس کو معاف فرما دے گا۔ البتہ اگر فرائض چھوٹے ہوں تو اتنی توبہ کافی نہیں جب تک ان کی قضا نہ کر لے۔ دوسری قسم کے گناہ کی توبہ تب مفید ہے جب صاحبِ حق کا حق ادا کر دے یا وہ اسے معاف کر دے۔ گناہ کے مندرجہ بالا درجوں سے بچنا تقویٰ کہلاتا ہے۔

دوسری چیز ورع ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے بھی اجتناب کرے اور ان اُمور سے بھی اپنے آپ کو بچائے جو مشتبہ ہوں یعنی ایسے اُمور جن سے منع کی بظاہر تو کوئی دلیل نہ ہو لیکن ان کی ادائیگی میں کسی قسم کا فائدہ نہ ہو۔ یا فائدہ نظر آرہا ہو لیکن فائدے سے زیادہ نقصانِ باطنی کا اندیشہ ہو اور وہ کام کسی بھی طور پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ناراضگی کا باعث بن سکتا ہو۔ ایسے بے شمار کام ہیں جنہیں ہم نے اپنی زندگی کا حصہ بنا

لیاہے لیکن وہی اُمور ہمیں آہستہ آہستہ گناہِ صغیرہ اور پھر کبیرہ گناہوں میں ملوث کر دیتے ہیں اور بالآخر ہم شیطان کے چنگل میں ایسے پھنس جاتے ہیں کہ وہاں سے نکلنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ عوام الناس کی سطحی نظر کے مطابق آج کا موبائل فون اس کی عام مثال ہے جسے آج کل کوئی بھی مشتبہ نہیں سمجھتا حالانکہ اس کا درجہ مشتبہ سے زیادہ سخت ہے۔ حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ "اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں سب سے بڑا گناہ وہ ہے جسے لوگ چھوٹا جانتے ہیں اور اس کے نزدیک چھوٹا گناہ وہ ہے جسے لوگ بڑا سمجھتے ہیں"۔

مفتاح السلوک، جلد پنجم میں ہے:

تقویٰ کے بیان میں

بغیر تقویٰ اور پرہیز گاری کے علم بے کار ہے

کسی نے کیا خوب کہا ہے:

لو کان فی العلم من دون التقی شرف لکان اشرف خلق اللہ ابلیس

یعنی اگر بغیر تقویٰ کے علم میں شرف ہوتا تو ابلیس اللہ کی تمام مخلوق میں اشرف ہوتا۔

لیکن چونکہ اس کے علم کے ساتھ عمل نہیں تو ارذل المخلوقات ہوا، اس لئے رسول اکرم ﷺ نے علم بلا عمل سے پناہ مانگی ہے:

اللّٰھم انی اعوذ بک من علم لا ینفع۔

اے اللہ میں تجھ سے پناہ مانگتا ہوں اس علم سے جو نفع نہ دے۔

برادرانِ عزیز! قرآن کریم اول سے لے کر آخر تک پڑھئے تو معلوم ہوگا کہ جنت کا وعدہ اللہ پاک نے مؤمن کے ساتھ بشرط عمل صالح کیا ہے، صرف بشرط علم نہیں۔ اور دیکھئے حضرت آدم علیہ

السلام صفت علم سے متصف ہونے کے باعث جنت میں گئے تھے لیکن اجتہادی غلطی پر باوجود علم کے نکالے گئے جب دار العمل یعنی دنیا میں آئے تو عمل کیا اور اب جنت میں جائیں گے تو پھر باہر نہیں آئیں گے۔ھم فیھا خالدون۔(اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)۔

شرافتِ علم گر تقویٰ نبودے زشیطان ہیچ کس اعلیٰ نبودے

اگر علم کی شرافت تقویٰ نہ ہوتی تو شیطان کے مقابلہ میں کوئی بھی اعلیٰ نہ ہوتا کیونکہ علم میں تو فرشتوں کا بھی استاد تھا۔

اس لئے رسول اکرم ﷺ نے علم نافع کا سوال کیا ہے:

اللّھمّ انّی اسئلک علما نافعا۔

یہاں یہ بات بھی واضح کرنی چاہیئے کہ تقویٰ کسے کہتے ہیں۔

تقویٰ کا لغوی معنی

ا۔علامہ فیروز آبادی نے تحریر کیا ہے:

وَقَاهُ وُقْيًا،وِقَايَةٌوَوَاقِيَةٌ۔[1]

اس کو بچایا اور اسم (تقویٰ) ہے۔

۲۔علامہ زمخشری رقمطراز ہیں:

الْمُتَّقِيْ(تقویٰ اختیار کرنے والا) وَقَاهُ فَاتَّقَى(اس کو بچایا، سو وہ بچ گیا) سے اسم فاعل ہے اور الْوِقَايَة بہت زیادہ بچاؤ کرنا ہے۔[2]

---

[1](القاموس المحیط ج۴ص۴۰۳)

[2](تفسیر کبیر ج ا ص ۲۰،تفسیر بیضاوی ج ا ص ۱٦،تفسیر روح المعانی ج ا ص ۱۰۸)

۳۔ علامہ راغب اصفہانی نے قلم بند کیاہے: التَّقْوٰی کے معنی کے بارے میں تحقیق یہ ہے کہ نفس کو اس چیز سے بچانا جس سے اس کو اندیشہ ہو۔[1]

۴۔ الفقیہ المحقق المدقق الشہیر بترہ استاذ شرح خلاصہ کیدانی میں لکھتے ہیں:

المتقی کا لغوی معنی مہاجر ہے یعنی وہ گناہوں سے بھاگتا ہے۔[2]

تقویٰ کا شرعی معنی

علماء کرام نے تقویٰ کے بہت سارے معانی لکھے ہیں جس کا احصاء یہاں مشکل ہے لیکن قارئین کے فائدے کے لئے چند ضروری معانی مع مختصر تشریحات کے نقل کی جاتی ہیں۔

۱۔ وشرعاًصیانۃالمرءنفسہعمایضرفی الاٰخرۃ۔[3]

اور شریعت میں مرد کا آخرت میں ضرر رساں اشیاء سے بچنا مراد ہے۔

۲۔ صاحب تفسیر خازن یوں فرماتے ہیں:

وقیل التقویٰ فی عرف الشرع حفظ النفس ما یوثم وذالک بترک المحظور وبعض المباحات۔[4]

اور کہا گیا ہے کہ تقویٰ شریعت کی عرف میں ہر گناہ والی چیز سے نفس کو بچانا ہے اور یہ مرتبہ حاصل ہو گا ممنوعات اور بعض مباحات کو چھوڑنے پر۔

۳۔ وقال ابن عمر رضی اللہ عنہما التقویٰ ان لا تری نفسک خیراً من احد۔[5]

---

[1](المفردات ص ۵۳۰)

[2](صفحہ۵)

[3](روح المعانی ج ا ص ۱۰۸)

[4](تفسیر خازن ج ا ص ۲۲)

[5](تفسیر مظہری ج ا ص ۱۸)

حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ آپ کو اپنا نفس کسی سے بہتر نظر نہ آئے۔

یعنی سارے بنی آدم کو اپنے سے اعلی وارفع متصور کرے اور دل میں کہے کہ میں تو گناہوں و معاصی کا پتلا ہوں اس لئے میں کسی بھی آدمی سے افضل نہیں ہو سکتا ہوں، یہی تقویٰ ہے۔

۴۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقویٰ کے بارے میں استفسار کیا تو انہوں نے کہا: کیا آپ کبھی خاردار راستے میں چلے ہیں؟ جواب دیا: ہاں، آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دریافت فرمایا: تو آپ نے کیا کیا؟ جواب دیا: میں آستین چڑھالیتا ہوں اور محتاط ہو جاتا ہوں۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: سو یہی تقویٰ ہے۔[1]

۵۔ علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لکھا ہے:

ابن المعتز نے یہی معنی لے کر اس کو شعروں میں بیان کیا ہے، انہوں نے کہا:

خل الذنوب صغیرھا وکبیرھا ذاک التقی
واصنع کماش فوق أرض الشوک یحذر مایری
لاتحقرن صغیرۃ ان الجبال من الحصی

چھوٹے، بڑے گناہوں کو چھوڑ دو، یہ تقویٰ ہے، کانٹوں والی زمین پر چلنے والے کی طرح کرو، جو اس سے بچتا ہے جو کہ وہ دیکھتا ہے، صغیرہ کو معمولی نہ سمجھو، بلا شبہ پہاڑ کنکریوں سے بنتے ہیں۔[2]

---

[1](تفسیر قرطبی ج ا ص ۱۶۱، ۱۶۲)
[2](تفسیر قرطبی ج ا ص ۱۶۳)

متقی کی تعریف میں پانچ اقوال ہیں:

(۱) وہ لوگ ہیں جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، نماز پڑھتے ہیں اور اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے خرچ کرتے ہیں۔

(۲)وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو کسی اور پر ترجیح نہیں دیتے۔

(۳)وہ لوگ ہیں جو شبہات سے دور رہتے ہیں۔

(۴)وہ لوگ ہیں جو شرک اور کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں۔

(۵)وہ لوگ ہیں جو اللہ کے اوامر پر عمل کرتے ہیں اور ممنوعہ اور منہیات سے بچتے ہیں۔[1]

امام طبری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی رائے میں المتقین (تقوی والے لوگ) کی بہترین تفسیر یہ ہے کہ بلا شبہ وہ ایسے لوگ ہیں جو کہ منہیات کے ارتکاب میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرتے ہوئے ان کی نافرمانیوں سے بچتے ہیں اور تقویٰ اختیار کرتے ہوئے ان کے احکامات بجالا کر ان کی اطاعت کرتے ہیں۔[2]

علامہ راغب اصفہانی نے تحریر کیا ہے:

عرف شریعت میں تقویٰ سے مراد گناہ گار کرنے والی چیز سے نفس کو بچانا ہے، اور یہ ممنوعہ باتوں کو چھوڑنے اور اس کی تکمیل بعض جائز چیزوں کو ترک کرنے سے ہوتی ہے۔[3]

---

[1](النوریہ شرح خلاصہ کیدانی، صفحہ ۶، ۵)

[2](تفسیر طبری، ج ۱ ص ۳۳۳)

[3](المفردات، ص ۵۳۰)

علامہ زمخشری المتقی کی تعریف ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

شریعت میں اس سے مراد وہ شخص ہے جو کہ اپنے نفس کو سزا کا مستحق ٹھہرانے والی چیزوں سے بچاتا ہے، اس کا تعلق خواہ کسی کام کے کرنے سے ہو یا چھوڑنے سے۔ [1]

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

التقویٰ ترک الاصرار علی المعصیة وترک الاغتراء بالطاعة۔

یعنی تقویٰ گناہوں پر اصرار نہ کرنا اور عبادت سے دھوکہ نہ کھانا ہے۔

اس اثر میں علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے تقویٰ دو چیزوں کا نام قرار دیا :

ترک اصرار علی مصیة۔

یعنی گناہ کو بار بار کرنے سے اپنے آپ کو روکنا۔

جو آدمی ہر وقت گناہ میں مشغول و مصروف ہوتا ہے وہ متقی نہیں یہاں تک کہ جو متقی ہے اس کو گناہ صغیرہ سے بچنا چاہیئے۔

تفسیر کبیر میں علامہ فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بعض کہتے ہیں کہ ترک گناہ صغیرہ تقویٰ کے مفہوم میں داخل ہے اگرچہ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اجتنابِ صغائر داخل نہیں ہے۔ [2]

تقویٰ کا جز ثانی ترک الاغترار علی العبادۃ ہے۔ اس ٹکڑے کا مقصد و مطلب یہ ہے کہ انسان جتنا بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے خواہ دن کو روزہ ہو، ساری رات اللہ کی بارگاہ میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو، پھر بھی اس سے مغرور نہ ہو بلکہ اپنی عبادت کے بجائے اللہ کی طرف دیکھنا چاہیئے۔

---

[1](الکشاف، ج ا ص ۱۱۹)

[2](تفسیر کبیر ج ا ص ۲٦۸)

جس طرح حدیث شریف منقول ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

ان للہ ملائکۃ فی السماء السابقۃ سجوداً منذ خلقھم اللہ الی یوم القیامۃ ترعد فرائضھم من مخافۃاللہ فاذا کان یوم القیامۃ رفعوا رؤوسھم وقالوا سبحانک ما عبدناک حق عبادتک۔(مشکوۃ)

ترجمہ: "اللہ تعالیٰ کے بعض فرشتے ایسے ہیں جب سے اللہ تعالیٰ نے ان کو پیدا فرمایا ہے اس وقت سے لے کر تا قیامت وہ سجدے میں پڑے رہیں گے اور وہ اللہ کریم کے ڈر کی وجہ سے کانپتے ہیں۔ جب قیامت کا دن ہو گا تو وہ اپنے سروں کو اٹھائیں گے اور کہیں گے یا اللہ تیرے لئے پاکی ہے، ہم نے جس طرح تیری عبادت کا حق ہے، عبادت نہ کی۔"

اب فرشتے اس طرح فرماتے ہیں جو اول خلق سے لے کر قیامت تک سربسجود ہوتے ہیں تو کوئی مسلمان کس طرح اپنی عبادت سے دھوکہ کھا سکتا ہے جب کہ ساٹھ یا ستر سال بھی اللہ کی عبادت نہیں کی ہے۔

الغرض حضرت علی کرم اللہ جہہ الکریم نے تقویٰ کی تعریف دو جز میں ذکر کی:

گناہ پر اصرار سے اجتناب اور اپنی عبادت سے دھوکہ نہ کھانا۔

حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

التقویٰ ان لا تختار علی اللہ سواہ و تعلم ان الامور کلھا بیداللہ۔[1]

یعنی تقویٰ کا معنی یہ ہے کہ اللہ پر کسی اور کو ترجیح نہ دے اور یہ بات جان لے کہ تمام کام اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔

---

[1](تفسیر کبیر ج ا ص ۲٦۷)

حضرت ابراہیم بن ادہم رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

ان لایجد الخلق فی لسانک عیبا و لا الملائکة فی افعالک عیبا و لا ملک العرش فی سرّک عیبا (ایضا)۔

یعنی مخلوق تیری زبان میں عیب نہ دیکھے، اور فرشتے تیرے افعال میں عیب نہ دیکھیں اور نہ عرش کا بادشاہ تیرے باطن میں عیب دیکھے۔

اور کہا جاتا ہے:

التقویٰ ان لا یراک مولاک حیث نہاک۔[1]

یعنی تقویٰ یہ ہے کہ آپ کا اپنا رب اس جگہ میں نہ دیکھے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے۔

یہ تقویٰ کی بہت جامع و مانع تفسیر ہے ہمیں اللہ کریم اس طرح بنالے کہ ہر اس کام سے جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے ہم منع ہو جائیں۔ آمین۔

اور امام ابن شیبہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابن ابی الدنیا رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

تمام التقویٰ ان یتقی اللہ العبد حتی یتقیه من مثقال ذرة و حتی یترک ما یری انه حلال خشیة ان یکون حراماً یکون حجاباً بینه و بین الحرام۔[2]

مکمل تقویٰ یہ ہے کہ بندہ اللہ سے ڈرے یہاں تک کہ اپنے آپ کو چھوٹے ذرہ سے بھی بچائے، اور یہاں تک کہ بعض ان چیزوں کو جو وہ حلال سمجھتے ہیں پھر بھی ان سے اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں حرام نہ ہو اپنے آپ کو بچاتا ہے۔

---

[1](تفسیر کبیر ج ۱ ص ۲٦۸)

[2](درمنثور ج ۱ ص ۱۵۷)

طلق بن حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

قال التقویٰ العمل بطاعۃاللہ علی نور من اللہ رجا رحمۃاللہ و التقویٰ ترک معاصی علی نور من اللہ مخافۃعذاب اللہ۔[1]

”اللہ کی اطاعت کے مطابق عمل کرنا اللہ کی طرف سے نور کی وجہ سے اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہوئے اور تقویٰ معاصی کو چھوڑنا ہے اللہ کے نور کی وجہ اللہ کے عذاب کے ڈر کی وجہ سے۔“

ابن ابي الد نیار حمہ اللہ سفیان ثوری رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں :

انما سموا المتقین لانھم اتقوا مالا یتقی۔ (ایضا)

متقیوں کو متقی اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ لوگ ان چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں جن سے عام طور پر بچا نہیں جاسکتا۔

ابن ابي الد نیار حمہ اللہ عبد اللہ بن مبارک رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہیں:

لو ان رجلا اتقی مائۃشیءالا واحداًلم یکن من المتقین۔ (ایضا)

”اگر کوئی شخص سو چیزوں سے پرہیز کرے لیکن ایک چیز ایسی ہے جس سے وہ پرہیز نہ کرے تو وہ متقیوں میں سے نہیں ہے۔“

آمد بر سر مطلب

شیخ جنید بغدادی رحمہ اللہ کو مرنے کے بعد خواب میں دیکھا گیا ان سے پوچھا اللہ پاک نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا۔ انہوں نے فرمایا: بخش دیا۔ پوچھا گیا کس عمل کی وجہ سے؟ فرمایا: **طاحت العبارات وفنیت الاشارات ومانفعنی الارکیعات صلیتہ فی جوف اللیل۔** وہ حلاوت سے معمور پر مغز تقاریر جو میں منبر پر کرتا تھا نیست ونابود ہو گئیں اور خلق خدا کے وہ اشارات کہ دیکھو وہ قطب

---

[1](درمنثور ج ۱ ص ۵۷)

وقت وہ غوث زمان ہے، سب مہمل وہ بے فائدہ ثابت ہوئے، سوائے ان چند رکعات جو میں نصف شب میں پڑھتا تھا، اسی کے باعث مجھے نجات مل گئی اور کسی عمل نے فائدہ نہ دیا۔

چونکہ دیر اعمال صالحہ میں سے یہ نماز ایک جزء ہے اور نوافل میں سب سے افضل ہے اس لئے بتصریح کہا تاکہ مریدین اس کا زیادہ اہتمام کریں۔

اور اس کی افضلیت ہی کی وجہ سے رسول کریم ﷺ سے رب العالمین نے ارشاد فرمایا:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ عَسٰى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔

رات کے کچھ حصہ میں تہجد کی نماز پڑھ لیا کرو۔ یہ صرف تیرے لئے ہے کہ یقیناً اس کے بدلہ میں اللہ تجھے مقام محمود عطا فرمائے گا۔

لہٰذا جب بھی کوئی شخص کسی روحانی طبیب یعنی پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دینا اور بیعت کرنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ پیر و شریعت اور طریقت کی کسوٹی پر خوب پرکھ لے کیونکہ پیر کے لئے بھی شرائط وآداب ہیں۔

شرائط تو یہ ہیں کہ عالمِ شریعت ہو عامل سنت ہو۔ **امر بالمعروف و نهی عن المنكر** ہو، یعنی اچھی باتوں کا بتانے والا ہو۔ بری باتوں سے منع کرنے والا ہو۔ اور اس کا سلسلہ بیعت رسول اکرم ﷺ تک پہنچ چکا ہو۔ حب مال و حب جاہ سے اس کا دل خالی ہو اور دنیا کا طالب نہ ہو مرید کی جیب پر نظر نہ رکھے۔ عورتوں کے ساتھ اختلاط نہ کرے۔ محرم کے بغیر ان کو اپنے پاس نہ چھوڑے اور بلا پردۂ شرعی ان کو بیعت نہ کرے۔ مریدنی کہتی ہے پیر تو روحانی باپ ہیں اس لئے ان سے کیا پردہ، پیر صاحب فرماتے ہیں مریدنی تو مانند بیٹی ہے۔ برادر! یہ سب تلبیس ابلیس ہے، بھلا وہ بیٹی کیسے ہو گئی

جب کہ شریعت میں متبنی بھی محرم نہیں ہوتے، مریدنی تو اجنبی ہی ہے۔ رسول اکرم ﷺ پوری امت کے روحانی باپ ہیں لیکن بوقت بیعت کسی صحابیہ کے ہاتھ کو مس تک نہ فرمایا۔

شیخ پر لازم ہے کہ بوقت بیعت مرید سے اتباع شریعت کا عہد لے کیونکہ طریقت اہل خانہ کے نزدیک ایک جال ہے جس کے ذریعہ وہ مسلمانوں کو شریعت کے دائرہ میں لاتے ہیں۔ کیونکہ شریعت اصل ہے، طریقت اس پر عمل ہے، معرفت طریقت کا ثمر ہے۔ حقیقت، اصل مقصد ہے تو حقیقت تک پہنچنا موقوف ہے معرفت پر اور معرفت موقوف ہے طریقت پر اور طریقت فرع ہے شریعت کی۔ تو نتیجہ یہی نکلا کہ شریعت اصل ہے۔ اساس ہے بغیر اس کے سارے مجاہدات و مراقبات اور اوراد واذکار بیکار ہیں۔ انبیاء دنیا میں شریعت کے ابلاغ اور نفاذ واجراء کے لئے مبعوث کئے گئے ہیں، تو جو کام انبیاء نے کیا وہی اولیاء کو کرنا ہو گا اس لئے کہ وہ انبیاء کے وارث ہیں۔

شیخ کو چاہیئے کہ اشاعت سلسلہ کے لئے کوشاں رہے مریدوں پر مہربان رہے کہ رسول اکرم ﷺ کی صفت حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ (التوبہ ۱۲۸)۔ کا عملی نمونہ ہو، مریدوں کے ساتھ سختی سے نہ پیش آئے بلکہ نرمی اور شفقت کے ساتھ ان کو ان کی کوتاہیوں پر تنبیہ کرے تاکہ ان کے دلوں میں نفرت پیدا نہ ہو۔ اور اگر شیخ کے حقوق کی ادائیگی میں ان سے کوئی کوتاہی ہو جائے تو ان کو معاف کر دے وَالْعَيْفُوْا وَلْيُصْفَحُوْا معاف کرو، درگذر کرو، لیکن اگر شفقت و نرمی سے راستہ پر ہی نہ آئے تو زجر و توبیخ سے کام لے سکتا ہے۔

اللہ پاک اپنے بندوں کی اصلاح پر خوش ہوتا ہے اسی خدمتِ خلق کا اس نے اپنے انبیاء کرام کو حکم دیا ہے:

یَادَاؤدُ اِذَا رَأَیْتَ لِیْ طَالِبًا فَکُنْ لَهٗ خَادِمًا۔

یعنی اے داؤد (علی نبینا وعلیہ السلام) جب تجھے میرا طالب مل جائے تو تو اس کا خادم بن جا۔

انبیاء علیہم السلام کی خدمت خلق اللہ کو ظلمتِ کفر سے نکال کر نور اسلام میں لانا ہے مشائخ کی خدمت مرید کو رذائل نفسانیہ اور وساوسِ شیطانیہ سے نکال کر شریعت مطہرہ اور فضائل پر کاربند کرنا ہے۔

نیز مرید سے کسی قسم کی منفعت نہ ہو۔ انبیاء علیہم السلام اپنی امتوں سے یہی فرماتے تھے کہ ہم اپنی تبلیغ کے بدلے تم لوگوں سے کوئی اجر و معاوضہ نہیں مانگتے ہمارا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے: "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ" تو نائب و وارث رسول کے لئے کیا یہ زیبا ہو گا کہ وہ دنیا کے حصول کے لئے پیری و مشیخت اپنا پیشہ بنالے۔ ہاں اگر مرید اپنی خوشی سے کچھ ہدیہ پیش کرے تو لینے سے انکار نہ کرے۔ کیونکہ رسول اکرم ﷺ بھی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ہدایا بخوشی قبول فرماتے تھے اور اس سے تو محبت قلب کا اظہار ہوتا ہے۔ **حب القلب یظهر بالید** اور مرید کو بھی خوشی حاصل ہوتی ہے۔

شیخ کی خدمت میں تحفہ پیش کرنا

جب گھر سے کسی شیخ کی زیارت کیلئے نکلے اور راستہ میں کچھ فتوحات میسر آئیں تو سب اس شیخ کی خدمت میں پیش کرے، ورنہ شرکت سے تو کسی حال میں محروم نہ کرے۔ اکابر و شیوخ کی خدمت میں کبھی خالی ہاتھ نہ جائے، کوئی چیز بطور ہدیہ ضرور ساتھ لے خواہ وہ پھول یا سبزہ ہی کیوں نہ ہو۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من زار کریما صفر الیدین رجع مصفرّ الخدین۔

ترجمہ: جس نے کسی کریم سے خالی ہاتھ ملاقات کی وہ زرد رو ہو کر لوٹا۔

درویش بھی زائر کو کچھ نہ کچھ تبرک ضرور دے چاہے ایک گھونٹ پانی ہی ہو۔

حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

من زار حیا و لم یذق منہ شیئاً فکانما زار میتاً۔

ترجمہ: جس نے کسی زندہ سے ملاقات کی اور اس کے ہاں کچھ نہ چکھا تو گویا کسی مردے سے ملاقات کی۔

اس سلسلہ میں ایک مشہور واقعہ ہے کہ ایک طالب طریقت کسی عزیز (درویش) کی ملاقات کیلئے روانہ ہوا اس کے پاس پیش کرنے کیلئے کوئی تحفہ موجود نہیں تھا اس نے ایک ڈھیلا ہاتھ میں لے لیا وہاں پہنچ کر وہی ڈھیلا پیش کر دیا۔ اتفاق سے وہی ڈھیلا ان درویش کے کام آیا۔ جب ملاقات کرنے والا درویش کی خدمت میں پہنچے اور اسکو کسی کام میں مشغول پائے جیسے دیوار اٹھانا اور جھاڑو دینا وغیرہ (کہ مشائخ نے ہمیشہ یہ کام کیے ہیں) تو زائر کو چاہیئے کہ اس کام میں اس کا ہاتھ بٹائے، جب کوئی شخص جمعہ، چہارشنبہ یا مہینے کی پہلی تاریخ کو از قسم ماکولات واجناس کچھ پیش کرے تو فوراً قبول کرلے اور کھانے کی چیزوں کو فوراً کھالے، اسلئے کہ وہ لوگ جو کچھ پیش کرتے ہیں اس کے ساتھ ایک غیبی نعمت موجود ہوتی ہے جو اثر کرتی ہے۔

از دست دوست ہر چہ ستانی شکر دہد۔

ترجمہ: دوست کے ہاتھ سے جو کچھ ملتا ہے میٹھا ہوتا ہے۔

اگر فتوح کرنے والا خود موجود ہو تو یہ دعائیہ کلمات کہے:

جزاک اللہ خیراً و تقبل اللہ منک۔

اور اگر موجود نہ ہو تو اس طرح کہے:

جزاہ اللہ خیرا و تقبل اللہ منہ۔

درویش اگر جامہ یا جائے نماز (مصلی) پیش کرے تو اللہ کے شکر میں دو گانہ ادا کرے، اور فتوح میں جو کچھ ملا ہے وہ اپنے شیخ کی حضور میں لے کر حاضر ہو۔ درویش جب کسی کی ملاقات کیلئے روانہ ہونے لگے تو خادم اس کے روانہ ہونے سے پہلے اس بزرگ کو مطلع کر دے کہ فلاں آپ سے ملنے کیلئے آرہے ہیں تا کہ عدم ملاقات کا حجاب درمیان سے دور ہو جائے۔[1]

صوفیاء کرام اور پابندئ شریعت

ایک شخص حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں اس غرض سے آیا کہ وہ آپ کی کرامت ملاحظہ کرے، اس نے سمجھا ہوا تھا کہ ولی وہ ہوتا ہے جس سے کرامت کا ظہور ہو حالانکہ یہ درست نہیں، ولی وہ ہوتا ہے جو اتباعِ رسول کا سرچشمہ اور مظہر ہو، خیر وہ اپنے زعم کے مطابق حضرت جنید رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت دیکھنے کے لئے پورا ایک سال آپ کی خدمت میں رہا لیکن اس کو آپ کی کوئی کرامت نظر نہ آئی تو وہ پراگندہ خاطر ہو کر جانے لگا۔ آپ نے بڑی محبت اور شفقت سے اس سے پوچھا کہ کیوں کیا بات ہے؟ کیوں جارہے ہو ہم سے؟ تمہارے حق میں کیا قصور سرزد ہوا؟ اس نے کہا قصور تو کوئی نہیں ہوا مگر ایک سال میں مجھے آپ کی کوئی کرامت نظر نہیں آئی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا، یہ بتاؤ کہ تم نے اس عرصہ میں میرا کوئی کام خلاف سنت دیکھا ہے؟ اس نے برملا کہا، ہرگز نہیں ہرگز نہیں، آپ نے فرمایا جاؤ جنید کی یہی کرامت ہے۔

انتباہ: ہمارے معاشرے میں پیر اسے سمجھا جاتا ہے جو کرامت دکھائے حالانکہ پیری مریدی کے لئے کرامات شرط نہیں ہیں، شریعت کی پابندی شرط ہے۔

---

[1](لطائف اشرفی حصہ اول ص ۲۸۲)

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جو اکثر آپ کی خدمت میں حاضر رہتا، اس کی عادت تھی کہ وہ تبرک کے طور پر آپ کا پس خوردہ کھاتا اور جانتا کہ میری چشو دکار اور نجات اسی میں ہے، حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اسے فرمایا اگر تو مجھ کو ذبح کر کے میرا گوشت اور ہڈیاں بھی کھا جائے تو تجھے اتباع رسول ﷺ کے بغیر کچھ حاصل نہ ہو گا۔

ابو سلیمان عبد الرحمن بن احمد بن عطیہ العسنی احمد بن ابی الحواری کے استاد تھے۔ احمد بن ابی الحواری کا تمام خاندان زاہدوں کا خاندان تھا اور ان کی وفات ۲۳۰ھ میں ہوئی۔

ابو سلیمان فرماتے ہیں:

ربما یقع فی قلبی النکتۃ من نکت القوم ایاما فلا اقبل منہ الا بشاھدین عادلین الکتاب و النسۃ۔

یعنی بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل میں صوفیاء کے نکاتِ معرفت وارد ہوتے اور کئی دنوں تک رہتے ہیں مگر جب تک کتاب و سنت کے دو گواہ اس کی تائید نہیں کرتے میں اسے قبول نہیں کرتا۔

صوفیاء پر اعتراض کرنے والے انصاف سے کام لیتے ہوئے ذرا غور کریں اور بتائیں کہ کوئی متبع سنت اس سے بڑھ کر اتباع سنت کا دعویٰ کر سکتا ہے؟

ابو عبد اللہ الحارث علیہ الرحمہ بن اسد المحاسبی علوم ظاہر اور باطن دونوں کے حامل تھے اور انہوں نے بہت سی تصانیف بھی کی ہیں ان کی وفات امام احمد بن حنبل علیہ الرحمہ کی وفات کے دو سال بعد ۲۴۳ھ میں بغداد میں ہوئی، فرماتے ہیں:

من صحح باطنہ بالمراقبۃ و الاخلاص زینا اللہ ظاھرہ بالمجاھدۃ و اتباع السنۃ۔

جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کر لیا اللہ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین کر دیتا ہے۔

ابو محمد سہیل بن عبد اللہ تستری آئمہ صوفیاء میں سے ہیں پرہیز گاری میں یکتائے روز گار اور صاحب اور کرامات تھے، شیطان سے ان کا مناظرہ مشہور ہے، ذالنون مصری علیہ الرحمہ سے ان کی ملاقات مکہ معظمہ میں ہوئی جب کہ یہ جب کہ یہ وہاں حج کے لئے آئے ہوئے تھے انہوں نے ۲۸۳ھ میں وفات پائی فرماتے ہیں:

اصولنا سبعة اشياء: التمسک بکتاب الله و الاقتداء بسنة رسول الله ﷺ واکل الحلال و کف الاذی و اجتناب المعاصی و التوبة و اداء الحق۔

ہمارے سات اصول ہیں: قرآن پر پابند رہنا، سنت نبوی کی اقتداء، اکل حلال، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز، توبہ اور ادائے حق۔

سید الطائفہ حضرت ابو القاسم جنید بن محمد بغدادی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۹۷ھ مشہور اولیاء کبّار میں سے ہیں۔ شیخ شبلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۳۴ھ نے انہی سے تربیت حاصل کی، فرماتے ہیں:

الطرق کلها مسدودة علی الخلق الا من اقتفی اثر الرسول علیه السلام۔

رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں کے لئے قرب الٰہی کے راستہ بند ہیں۔

اور فرماتے ہیں:

من لم یحفظ القران و لم یکتب الحدیث لا یقتدی به فی هذا الامر لان علمنا هذا مقید بالکتاب و السنة۔

جس شخص نے نہ قرآن مجید یاد کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو طریقت میں اس شخص کی پیروی نہیں کی جاسکتی اس لئے ہمارے اس علم طریقت میں کتاب و سنت کی قید پائی جاتی ہے۔

اور فرماتے ہیں:

علمنا هذا مقيد بحديث رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم۔

یعنی ہمارا یہ علم طریقت حدیث رسول ﷺ سے مضبوط ہوتا ہے۔

اور فرماتے ہیں:

مذهبنا هذا مقيد بأصول الكتاب و السنة۔

یعنی ہمارا یہ مذہب اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ سے مقید ہے۔

ابو حمزہ محمد بغدادی عیسیٰ بن آبان کی اولاد میں سے تھے، قرآن مجید کی قرأتوں اور فقہ کے عالم تھے، ابو بکر کتانی متوفی ۳۲۲ھ اور خیر نستاج علیہ الرحمہ متوفی ۳۲۲ھ وغیرہ نے ان سے حدیث روایت کی ہے یہ وہی بزرگ ہیں جن سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۲۴۱ھ مسائل حل کرانے کے لئے آیا کرتے تھے، ان کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی، ان کی وفات کا واقعہ یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جمعہ کے دن اپنی مجلس میں تقریر فرمارہے تھے کہ یکایک ان کی حالت بدل گئی اور وہیں منبر پر گر پڑے، آئندہ جمعہ تک یہی حالت رہی اور انتقال فرماگئے۔

فرماتے ہیں:

من علم طريق الحق سهل عليه سلوک و لا دليل على الطريق الى الله الا متابعة الرسول صلى الله عليه وآله وسلم في احواله و افعاله و اقواله۔

جس نے حق تعالیٰ کا راستہ معلوم کر لیا اس کے لئے اس پر چلنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے احوال، افعال، اور اقوال میں تابعداری کے بغیر اس راہ کی طرف کوئی رہنمائی بھی نہیں ہو سکتی۔

ابو العباس احمد بن محمد بن سہیل بن عطاء الآدمی علیہ الرحمہ صوفیاء کے کبار مشائخ میں سے تھے انہوں نے تصوف کے رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے، جب عباسی خلیفہ کے وزیر نے منصور حلاج کو قتل کیا تو ان سے پوچھا کہ تم منصور حلاج کے بارے میں کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب بدل کر کہا خود تمہارے پاس لوگوں کا مال پڑا ہے اسے واپس کیوں نہیں کرتے؟ وزیر نے کہا، تم بات ٹال رہے ہو اور حکم دیا کہ ایک ایک کر کے ان کے تمام دانت نکال دیئے جائیں اور ان کے سر میں گاڑ دیئے جائیں اسی سے ان کی وفات ہوئی، یہ واقعہ ذوالقعدہ ۳۰۵ھ کا ہے۔

فرماتے ہیں:

من الزم نفسه آداب الشريعة نور الله قلبه بنور المعرفة ولا مقام اشرف من مقام متابعة الحبيب ﷺ فی اوامره وافعاله واخلاقه۔

جس نے اپنے نفس پر آدابِ شریعت کا لحاظ رکھنا لازم قرار دیا اللہ اس کے دل کو نورِ معرفت سے منور فرمائے گا۔ پیارے حبیب ﷺ کے اوامر، افعال اور اخلاق کی تابعداری سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا۔

ابو محمد عبد اللہ بن منازل علیہ الرحمہ یکتا روزگار ملامتیہ کے شیخ اور عالم تھے۔ انہوں نے کثرت سے احادیث لکھیں ان کی وفات ۳۲۹ھ یا ۳۳۰ھ میں نیشاپور میں ہوئی، باوجودیکہ یہ خیال غلط ہے حقیقی ملامتیہ وہ صوفی حضرات ہیں جن کی کوشش ہوتی ہے کہ ان کے نیک اعمال عوام پر ظاہر نہ ہوں لیکن اپنی برائیں کو نہیں چھپاتے۔

اس کے باوجود فرماتے ہیں:

لم یضیع احد فریضۃ من الفرائض الا ابتلاہ اللہ تعالیٰ بتضییع السنن و لم یبل احد بتضییع السنن الا او شمک ان یبتلی بالبدع۔[1]

یعنی جس کسی نے ایک فرض بھی ترک کیا وہ سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوا اور جو سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوا وہ عنقریب بدعتوں کے ارتکاب میں مبتلا ہو گا۔

ابو بکر طمستانی علیہ الرحمہ کو صوفیاء کے پانچویں طبقے میں شمار کیا جاتا ہے، علم وحال کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے، شیخ شبلی متوفی ۳۳۴ھ اور ابراہیم دباغ کے شاگرد تھے، ان کی وفات ۳۴۰ھ کے بعد ہوئی۔

فرماتے ہیں:

من اتبع الکتاب و السنۃ و ھاجر الی اللہ بقلبہ و اتبع اثار الصحابۃ لم تسبقہ الصحابۃ الا بکونھم رأوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ (قشیریہ)

یعنی جس نے کتاب و سنت کی پیروی کی دل سے اللہ کی طرف اللہ کہ ہجرت کی اور صحابہ کے نقش قدم پر چلا تو صحابہ اس سے صرف اس لئے افضل ہوں گے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہے۔[2]

اور فرماتے ہیں:

الطریق واضح و الکتاب و السنۃ قائم بین اظھرنا و فضل الصحابۃ معلوم لسبقھم الی الھجرۃ و لصحبتھم فمن صحب منا الکتاب و السنۃ و تغرب عن نفسہ و الخلق و ھاجر بقلبہ الی اللہ و ھو الصادق المصیب۔

---

[1] (قشیریہ ص ۲۸)

[2] (لواقع صفحہ ۱۰۴ جلد ۱)

ہمارا طریقہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور ہجرت اور صحبت نبوی ﷺ کی وجہ سے صحابہ کا افضل ہونا بھی معلوم ہے لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور ہو جائے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راہ پر ہے۔

ابو القاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیری علیہ الرحمہ رسالہ قشیریہ اور تفسیر لطائف الاشارات کے مصنف ہیں انہوں نے ان دو کتابوں کے علاوہ اور بھی بہت سی تصانیف کی ہیں یہ ابو علی دقاق متوفی ۴۰۳ھ کے مرید اور ابو علی فارمدی رحمۃ اللہ علیہ (جو سلسلہ نقشبندیہ کے اکابرین میں سے ہیں) کے استاد تھے۔ سید علی بن عثمان ابو علی الجلالی الغزنوی متوفی ۱۰۷۲ھ داتا گنج بخش کے نام سے مشہور ہیں ان کے ہم عصر تھے، ہندوستان آنے سے پہلے داتا صاحب کی ان سے اکثر ملاقات رہتی تھی، داتا علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ ان سے دریافت کیا کہ طریقہ فکر میں آپ کی ابتداء کس طرح ہوئی جواب دیا کہ مجھے ایک بار گھر کی کھڑی کے لئے پتھر درکار تھا، جس پتھر کو اٹھاتا گوہر بن جاتا، لہٰذا میں اسے پھینک دیتا سید علی ہجویری علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ گوہر کی ضرورت نہ تھی، امام قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ یہی صاحب کرامات بزرگ شریعت پر زور اور بدعات سے اجتناب فرماتے تھے۔

اعلموا رحمکم اللہ ان شیوخ ھذہ الطائفۃ بنو قواعد امرھم علی اصول صحیحۃ فی التوحید صانوبھا عقائدھم عن البدع ودانوا بما وجدوا علیہ السلف واھل السنۃ من توحید لیس فیہ تمثیل ولا تعطیل وعرفوا ما ھو حق القدم۔

یاد رکھو! خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے جس قدر شیوخ گزرے ہیں انہوں نے تصوف کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے بچائے

رکھاہے اور انہی امور کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایاہے، یعنی ایسی توحید جس میں نہ تمثیل اور نہ تعطیل پائی جاتی ہے اور انہوں نے خدائے لم یزل ولایزال کے حق کو پہچاناہے۔[1]

پھر کبار صوفیاء کے حالات لکھنے کے بعد قشیری علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

هذا هو ذكر جامعة من شيوخ هذاه الطائفة كان الغرض من ذكرهم فى هذا الموضع التنبيه على انهم مجمعون على تعظيم الشرعية متصفون بسلوك طرق الرياضة مقيمون على متابعة السنة۔

یعنی صوفیاء کے شیوخ کی ایک جماعت کا ہم نے ذکر کر دیا ہے ان کا ذکر کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ تمام کے تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کی تعظیم کی جائے یہ لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کرتے ہیں اور اتباع سنت پر کاربند رہتے ہیں۔

پیر پیراں، میر میراں سیدنا محی الدین شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہ آپ اولیاء و صوفیاء کے سردار ہیں، آپ کی اتباع شریعت کے نمونے جہاں اعدائے صوفیہ کی تردید کریں گے وہاں ان نمائشی اور رسمی پیروں کا بھی رد ہو گا جو حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی محبت و عقیدت کا دم بھرتے ہیں بلکہ ان کی عزت و عصمت آپ کے صدقے ہیں باوجود ایں ہمہ شریعت کے خلاف کرتے ہیں بلکہ بعض شوم بخت تو قادریت کا دم بھرنے کے ساتھ شریعت پر بھپتیاں اڑاتے ہیں ہیں حالانکہ سلسلہ قادریہ ہے ہی سراپا شریعت کا نام چنانچہ شیخ بقاء بن بطو علیہ الرحمۃ جو کہ حضور غوث اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر اور صاحب کرامات بزرگ تھے ان کے رفیع المقام کے متعلق خود حضور غوث اعظم رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اکثر مشائخ کو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کر معرفت عطاء کی ہے مگر انہیں

---

[1](قشیریہ صفحہ ۱۹)

بغیر اندازے کے ہی عطاء کر دی گئی ہے ایسے کامل بزرگ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ کے طریقہ کے متعلق یوں رائے ظاہر کی ہے:

کان طریق الشیخ عبد القادر جیلانی و موافقة الکتاب و السنة فی کل نفس و خطرة۔[1]

یعنی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا طریقہ ہر دم اور ہر لحظہ کتاب و سنت کی موافقت کرنا تھا۔

سنت کو ہلکا سمجھنے کا انجام

تفسیر عزیزی میں ہے:

من تھاون بالاداب عوقب بحرمان السنة و من تھاون بالسنة عوقب بحرمان الفرائض و من تھاون بالفرائض عوقب بحرمان المعرفة۔

یعنی جو شخص آداب میں سستی کرتا ہے وہ سنت سے محرومی کی بلا میں گرفتار کیا جاتا ہے اور جو سنت میں سستی کرتا ہے اور اسے ہلکا سمجھتا ہے وہ فرائض کے چھوٹنے کی مصیبت میں مبتلا ہوتا ہے اور جو فرائض میں سستی کرتا ہے اور ان کو خفیف جانتا ہے وہ معرفت الٰہی سے محروم رہتا ہے۔[2]

سنت کی اہمیت اور حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا ایک واقعہ

حضرت محبوب سبحانی مجدد الف ثانی رحمہ اللہ کی خدمت میں ایک بزرگ چشتیہ حاضر ہو کر عرض کرنے لگے کہ مجھ کو کئی سال نسبت حق میں قبض تھا، آپ کے حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور قبض کی شکایت کی تو حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجہ و دعاء

---

[1](عقائد الجواھر صفحہ ۱۰۵)

[2](تفسیر عزیزی ص ۲۳۲، سورہ بقرہ، آیت: ضربت علیھم الذلة.. ذلک بما عصوا و کانوا یعتدون نیز فضائل حج ص ۱۶۱ جمالی آداب)(بحوالہ فتاویٰ رحیمیہ ج ۲ ص ۱۹۵)

سے میری حالت قبض بسط سے بدل گئی۔ آپ بھی کچھ توجہ فرمائیں کیونکہ حضرت خواجہ رحمہ اللہ نے اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے حوالہ کر دیا، تو حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا میرے پاس تو اتباع سنت کے سوا کچھ بھی نہیں، یہ سنتے ہی ان بزرگ پر حال طاری ہوا اور کثرت نسبت اور قوت باطنی کے اثرات سے سرہند شریف کی زمین جنبش کرنے لگی۔ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک خادم سے فرمایا کہ طاق میں سے مسواک اٹھالاؤ۔ آپ نے مسواک کو زمین پر ٹیک دیا، اسی وقت زمین ساکن ہوگئی اور ان بزرگ کی کیفیت جذبی بھی جاتی رہی، اس کے بعد آپ نے ان بزرگ سے فرمایا کہ تمہاری کرامت سے زمین سرہند جنبش میں آگئی اور اگر فقیر دعا کرے تو ان شاء اللہ سرہند شریف کے مردہ زندہ ہو جائیں لیکن میں تمہاری کرامت (زمین کا جنبش کرنا) سے اور اپنی اس کرامت (دعاء سے مردوں کا زندہ ہونا) سے کہ اثناء وضو میں بطریق سنت مسواک کرنا بدرجہا افضل جانتا ہوں۔

اولیاء کی کرامت برحق ہے

اہل سنت والجماعۃ کے نزدیک اولیاء اللہ کی کرامت برحق ہے۔ عقائد کی مشہور کتاب "شرح عقائد نسفی" میں ہے: وکرامات الاولیاء حق۔[1] ولی کی کرامت درحقیقت اس نبی کا معجزہ ہوتا ہے جس کا یہ امتی ہے اور جن کی اتباع اور پیروی کے صلہ میں اس کو یہ کمال حاصل ہوتا ہے جیسے پانی پر چلنا، ہوا میں اڑنا، مسافت بعیدہ کو مختصر وقت میں طے کرنا، غیر موسم کے پھل ملنا وغیرہ، ان کرامات کو کرامات حسی کہا جاتا ہے، یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ عموماً حسی کرامتوں کو ہی کمال سمجھا جاتا ہے مگر اہل کمال کے نزدیک "کرامت معنوی" کمال ہے یعنی شریعت مصطفویٰ ﷺ پر مضبوطی سے

---

[1](ص ۱۰۵)

ثابت قدم رہنا زندگی کے ہر شعبے میں اور ہر ایک موقعہ پر سنت اور غیر سنت کے فرق کو سمجھ کر سنت رسول اللہ ﷺ کی مکمل اتباع اس کا شوق اس کی لگن اور دل سے توجہ الی اللہ اور اشتغال باللہ کہ ایک دم اور ایک سانس بھی غفلت میں نہ گزرے، اور یہ بات مندرجہ بالا واقعہ سے واضح طور پر ثابت ہوتی ہے، تو اصل کمال اتباع شریعت اور اتباع سنت ہے، اسی بنا پر محقق فرماتے ہیں کہ طریقۂ سنت کی اتباع کے بغیر اگر کوئی تعجب کی چیز دیکھنے میں آئے تو وہ ہر گز کرامت نہیں استدراج اور شیطانی حرکت ہے۔

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر تمہاری نظروں میں ایسا کمال والا آدمی ہو جو ہوا پر مربعاً چوکڑی مار کر اور آلتی پالتی لگا کر بیٹھتا ہو اور پانی پر چلتا ہو تو جب تک تم امتحان نہ کر لو کہ احکام اسلام اور شرعی حدود کی پابندی میں کیسا ہے ہر گز اس کو نظر میں نہ لاؤ۔

حضرت بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے کہا گیا کہ فلاں شخص ایک رات میں مکہ پہنچ جاتا ہے تو آپ نے فرمایا شیطان تو ایک جھپک میں مشرق سے مغرب میں پہنچ جاتا ہے، حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی لعنت میں گرفتار ہے۔[1]

پیشوائے طریقت حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ واصل الی اللہ ہونے کے بے شمار طریقے اور راستے ہیں مگر مخلوق کے لئے تمام راستے بند ہیں اس کے لئے صرف وہی راستہ کھلا ہوا ہے جو اتباع رسول اللہ ﷺ کی شاہراہ ہے۔

---

[1](بصائر العشائر ص ۲۱۲)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

اے فرزند! آنچہ فردا بکار آید متابعت صاحب شریعت است علیہ الصلوۃ والسلام والتحیۃ، احوال و مواجب علوم و معارف واشارات ورموز اگر بآن متابعت جمع فبہا ونعمت والا جز خرابی واستدراج ہیچ نیست۔[1]

یعنی اے فرزند جو چیز کل کو (قیامت میں) کار آمد ہو گی وہ صاحب شریعت ﷺ کی متابعت اور پیروی ہے، درویشانہ حالات اور عالمانہ وجد، علوم و معارف صوفیانہ رموز و اشارات اگر آنحضرت ﷺ کی اتباع اور پیروی کے ساتھ ہوں تو بے شک بہت بہتر ہیں اور اگر یہ باتیں پابندی شریعت اور اتباع سنت کے جوہر کے بغیر ہوں تو خرابی اور استدراج کے سوا ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

ناظرین کرام! یہاں تک جو کچھ لکھا گیا اس کو بغور اور بار بار پڑھیے، اس کا مقتضی یہ تھا کہ ہمارا معاشرہ اتباع سنت کے رنگ میں رنگا ہوا ہوتا، ہماری خوشی کی تقریب ہوتی یا غمی کا موقع ہوتا سنت ہی کو اپنا مشعل راہ بنانا چاہیئے تھا مگر از حد افسوس اور قلق ہے کہ جب ہم یا آپ اپنے معاشرہ پر نظر ڈالیں گے تو معلوم ہو گا کہ مسلمانوں میں عجیب عجیب بدعات رواج پا رہی ہیں اور ان پر بڑی پابندی سے عمل کیا جاتا ہے، اسی پر بس نہیں جو ان بدعات پر عمل نہیں کرتے ان پر جملے کسے جاتے ہیں اور ان پر لعن تعن کیا جاتا ہے، ان کو برا بھلا کہا جاتا ہے اور توہین کی جاتی ہے۔

انا للہ و انّا الیہ راجعون، اللھمّ اھدنا الصراط المستقیم۔

[1](مکتوبات امام ربانی ص ۱۸۴ ج ۱ مطبع مرتضوی دھلی)

کرامت کی تعریف

مفتی محمد فرید لکھتے ہیں:

کرامت اس امر خارق العادت کو کہا جاتا ہے جو کہ ایک کامل تابع شریعت سے ظاہر ہو، خواہ وہ زندہ ہوں یا مردہ ہوں۔

اس لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح فقہ اکبر میں لکھتے ہیں:

قال الملا علی القاری الکرامة خارق للعادة الا انها غر مقرونة بالتعدی وهی کرامة اللولی وعلامة لصدق النبی ﷺ فان کرامة التابع کرامة المتبوع والولی هو العارف باللّٰه وصفاته بقدر ما یمکن له المواظب علی الطاعات المجتنب عن السیئات المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات والغفلات واللهوات۔ [1]

وقال ابن عابدین وکرامات الاولیاء حق فتظهر الکرامت علی طریق نقض العادة للولی من قطع المسافة البعیدة فی المدة القلیلة وظهور الطعام والشراب واللباس عند الحاجة والمشی علی الماء والهواء واکلام الجماد والعجماء واندفاع المتوجه من البلاء وکفایة المهم من الاعداء وغیر ذالک۔ [2]

فتاوی حقانیہ میں ہے:

اللہ تعالیٰ کے نیک اور متبع الشریعت بندوں سے مختلف زمانوں میں بے شمار کرامات کا ظہور ہوا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم وغیرہم کی حیات طیبہ اور بعد مماتہم میں کثرت سے ایسے مستند واقعات پائے جاتے ہیں۔ جن کو دیکھ کر انکار کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ جو لوگ کرامات اولیاء کو نہیں مانتے اور ان کی حقیقت سے انکار کرتے ہیں وہ اہل سنت والجماعت سے خارج ہیں۔

---

[1] (شرح فقہ اکبر للقاری ص ۷۹ الکرامت للاولیاء حق)

[2] (ردالمختار هامش الدر المختار ج ۲ مطلب فی ثبوت کرامات الاولیاء وفتاویٰ فریدیہ ج ۱ ص ۵۳۹)

اور معتزلہ کے گروہ میں داخل ہیں:

لما قال العلامۃ ابن عابدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وعبارۃ النسفی فی عقائد وکرامات الاولیاء حق منتظر الکرامۃ علی طریق نقض العادۃ للولی من قطع المسافۃ البعیدۃ فی المدۃ القلیلۃ۔۔۔ولا لبس بالمعجزۃ جواب عن قول المعتزلۃ المنکرین لکرامات الاولیاء۔[1]

فتاویٰ حقانیہ میں ہے:

کرامات اولیاء بعد الموت اہل سنت والجماعت کے محقق اور ثابت شدہ ہیں اور انکا فعلاً ثبوت بھی پایا گیا ہے۔

اولیاء اللہ

ولی اللہ کی تعریف

خالق کائنات کا ارشاد گرامی ہے:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (٦٢) الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (٦٣) لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ (یونس ٦٤)

”سنو! بیشک اولیاء اللہ کو نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیز گاری کرتے رہے۔ انہی کے لئے بشارت ہے دنیوی زندگی میں اور آخرت میں بھی، نہیں بدلی اللہ تعالیٰ کی باتیں، یہی بڑی کامیابی ہے۔“

---

[1](ردالمختار ج٣ ص ١٥٥ فصل فی ثبوت کرامات الاولیاء الخ)

حضرت علامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

والاية ظاهرة فی ان اولياء هم المؤمنون المتقون واقل ما يكتفى فی اطلاق الولی التقريب اليه جل وشانه بالفرائض من امتثال الامر واجتناب الزواجر والاكمل التقرب اليه جل وشانه بكل مايمكن من القرب۔ [1]

"آیت کے ظاہری معنی یہ ہیں کہ مومنین متقین اولیاء اللہ ہیں اور کم سے کم جس پر ولی کا اطلاق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ فرائض کی تعمیل حکم اور منہیات سے بچنے کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرے اور کامل "ولی" وہ ہے کہ ہر ممکن ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا ہے۔"

اور جلد ۱۱ ص ۱۵۷ باب اشارات میں لکھتے ہیں: "پس ولی وہ ہے جو کامل متقی ہو۔"

اور فتوحات مکیہ میں لکھا ہے:

"ولی اللہ وہ ہے جو کہ اللہ کا دوست ہو اور اس کے ساتھ چار دشمنوں یعنی نفس، خواہشات نفسانی، شیطان اور دنیا کے مقام مجاہدہ میں اللہ تعالیٰ کی اعانت شامل حال ہو۔"

پھر لکھتے ہیں:

وفيها تقسيم الاولياء على عدة اقسام منها الاقطاب والاوتاد والابدال والنقباء والنجباء۔

"یعنی اور اس باب میں اولیاء کی مختلف قسمیں ہیں بعض اقتاب، ابدال، نقباء اور نجباہیں۔"

پھر لکھتے ہیں:

والحق مع المثبتين وانا والحمدللہ تعالیٰ منهم۔

"یعنی ان اقسام کے اثبات کرنے والے حق وثواب پر ہیں اور میں الحمد للہ ان میں سے ہوں۔"

---

[1](روح المعانی ج ۱۱ ص ۱۳۱)

اور جلد ۱۱ صفحہ ۱۵۸ میں لکھتے ہیں:

ولایشترط فیه صدور کرامة علی یدہ کما یشترط فی الرسول صدور معجزة۔

”ولی کے ولایت کے لئے کرامت کا صدور ہونا شرط نہیں جیسا کہ رسول کے رسالت کے لئے معجزہ کا صدور ہونا شرط ہے۔“

حضرت مولانا سعد الدین تفتازانی شرح العقائد نسفی میں لکھتے ہیں:

الولی هو العارف باللّٰه و صفاته حسب مایمکن۔

یعنی ولی اس شخص کو کہتے ہیں جس کو اپنے مکان کے موافق خدا کی ذات اور صفات کی معرفت حاصل ہو۔

اپنے مکان کے موافق کہہ کر اولیاء اللہ سے تفاوت مراتب کو اشارہ کیا۔

پھر آگے فرمایا:

المواظب علی الطاعات المجتنب عن المعاصی المعرض عن الانهماک فی اللذات والشهوات۔

”جو خدا کی عبادت میں ہمیشہ مشغول رہتا ہے گناہوں سے محترز اور لذات و شہوات مباحہ میں مگن ہو جانے سے کنارہ کش ہو۔“

حضرت سہیل قدس سرہ کا قول ہے کہ:

”ولی اس شخص کا خطاب ہو سکتا ہے جس کے تمام افعال سنت نبوی ﷺ کے موافق ہوں۔“

ایک اور بزرگ فرماتے ہیں: ولی کی تین علامتیں ہیں: شغلہ باللّٰہ یعنی ہر وقت اللہ (کی یاد) کے ساتھ مشغول رہے، فرارہ الی اللہ یعنی تمام باطل کو چھوڑ کر اللہ کی طرف بھاگنا، اور ہمۃ الی اللہ یعنی تمام باطل کو چھوڑ کر اللہ پاک کی طرف متوجہ ہونا۔

دوسرے الفاظ میں اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی تمام تر ہمت مفید کاموں کے کرنے اور مضر باتوں سے محترز رہنے پر محض خوشنودی خدا کے لئے مبذول ہو۔ بعض نے کہا کہ ولی کی پہچان یہ ہے کہ دنیا سے بے پرواہو اور فکر مولیٰ میں مشغول ہو۔ متکلمین فرماتے ہیں کہ ولی وہ ہے جو سچا اعتقاد رکھے اور اعمال بمطابق شریعت کرے۔

حدیث شریف میں ہے کہ ولی وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے لئے محبت وعداوت رکھے۔ پس معلوم ہوا کہ اولیاء کرام کے مراتب مختلف ہیں اس لئے ان کی شانیں جداگانہ ہیں۔ سب میں ایک ہی علامت تلاش کرنا غلط ہے۔ اس واسطے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ولی کی پہچان مشکل ہے۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء کرام رحمت الٰہی کی دلہن ہیں، جس تک سوائے اس کے محرم کے کسی کی رسائی نہیں۔ اسلئے کہا گیا ولی راولی می شناسد (دوست دوست کو پہچانتا ہے)۔

انما یعرف ذالفضل من الناس ذووہ۔

یعنی ولی کی پہچان ولی کر سکتا ہے۔

بہترین معتمد علیہ ولی کی تعریف یہ ہے کہ وہ شریعت وسنت کے تابع ہو۔

میں اس سلسلے میں تفسیر معارف القرآن وضیاء القرآن کا خلاصہ ہدیہ ناظرین کے لئے پیش کرتا ہوں امید ہے کہ فائدہ سے خالی نہ ہو گا:

"ولی عربی زبان میں قریب کے معنی میں بھی آتا ہے اور محبت و دوست و مددگار کے معنی میں بھی۔ اللہ تعالیٰ کے قرب و محبت کا ایک عام درجہ تو ایسا ہے کہ اس سے دنیا کا کوئی انسان وحیوان بلکہ کوئی چیز بھی مستثنیٰ نہیں۔ تمام عالم کے وجود کی اصلی علت خاص رابطہ ہے جو اس کو حق تعالیٰ جل شانہ

سے حاصل ہے، گو اس رابطہ کی حقیقت کو نہ کسی نے سمجھا اور نہ سمجھ سکتا ہے۔ مگر ایک بے کیف رابطہ کا ہونا یقینی ہے۔ دوسرا قرب وہ ہے جو صرف خاص بندوں کو میسر ہے۔ اسے قرب کہتے ہیں جن لوگوں کو یہ قرب خاص حاصل ہو وہ اولیاء اللہ کہلاتے ہیں۔

جیسا کہ ایک حدیثِ قدسی میں ہے:

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ملخصا و ما يزال عبدی يتقرب الی بالنوافل حتیٰ احببته فاذا احببته فكنت سمعه الذی يسمع به و بصره الذی يبصر به و يده التی يبطش بها و رجله التی يمشی بها و ان سالنی لاعطينه و لان استعاذنی لاعيذنه۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ نوافل کے ذریعہ سے ہمیشہ مجھ سے قرب ڈھونڈتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرتا ہوں تو میں اس کی وہ سماعت بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ سنتا ہے اور وہ بینائی بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ دیکھتا ہے اور وہ ہاتھ بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ پکڑتا ہے اور وہ پاؤں بن جاتا ہوں جس سے کہ وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگتا ہے تو میں اس کو دیتا ہوں، اگر وہ میری پناہ مانگتا ہے تو میں اس کو پناہ دیتا ہوں۔ [1]

مطلب اس کا یہ ہے کہ اس کی کوئی حرکت و سکون اور کوئی کام اللہ کی رضا کے خلاف نہیں ہوتا اور اس ولایت خاصہ کے درجات بے شمار و غیر متناہی ہیں۔ اس کا اعلیٰ درجہ انبیاء علیہم السلام کا حصہ ہے کیونکہ ہر نبی کا ولی اللہ ہونا لازمی ہے اور اس قرب محبت کا سب سے بلند اور ارفع مقام وہ ہے جس پر محبوب رب العالمین ﷺ فائز ہیں۔

---

[1] (اخرجه البخاری فی الصحيح كتاب الرقاق، باب التواضع، ۵/۲۳۸۴، الحديث الرقم: ۶۱۳۷، و ابن حبان فی الصحيح، ۲/۵۸، الرقم: ۳۴۷، و البيهقی فی السنن الكبری، ۱۰/۲۱۹، باب ۶۰، و فی كتاب الزهد الكبير، ۲/۲۶۹، الرقم: ۶۹۶)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

واعلیٰ درجاته نصیب الانبیاء و نصیب سیدنا محمد ﷺ وله صلی الله علیه وسلم ترقیات لاتتناهی الی ابدالآبدین۔[1]

اور ادنیٰ درجہ ولایت کا یہ ہے جس کو صوفیاء کرام کی اصطلاح میں فناء فی اللہ کا مقام کہتے ہیں۔

الولی فی اصطلاح الصوفیة من کان قلبه مستغرقاً فی ذکر الله یسبحون اللیل والنهار لا یفترون ممتلیا بحب الله تعالیٰ لا یسع فیه غیره ولو کانوا باء هم او ابناء هم واخوانهم وعشیرتهم فلایحب احداً الا الله ولا یبغض الله الخ۔ (مظهری)

ترجمہ: ولی اس کو کہتے ہیں جس کا دل ذکر الٰہی میں مستغرق رہے۔ شب و روز تسبیح و تہلیل میں مصروف ہو اس کا دل محبت الٰہی سے لبریز ہو، اور کسی غیر کی وہاں گنجائش تک نہ ہو اور کسی سے محبت کرتا ہے تو اللہ کے لئے اور اگر کسی سے نفرت کرتا ہے تو اللہ جل شانہ کے لئے یعنی اس کے حب و بغض، محبت وعداوت میں اپنی ذات کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔

جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ جل شانہ کی رضاجوئی میں مشغول رہتا ہے اور وہ ہر ایسی چیز سے پرہیز کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناپسند ہو۔ اس حالت کی علامت ہے کثرت ذکر اور دوامِ اطاعت، یعنی اللہ تعالیٰ جل شانہ کو کثرت سے یاد کرنا اور ہمیشہ ہر حال میں اس کے احکام کی اطاعت کرنا۔ یہ دو اوصاف جس شخص میں موجود ہوں وہ ولی اللہ کہلاتا ہے۔ جس میں ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ ہو، وہ اس فہرست میں داخل نہیں پھر جس میں یہ دونوں موجود ہوں اس کے درجات ادنیٰ واعلیٰ کی کوئی حد نہیں، انہیں درجات کے اعتبار سے اولیاء اللہ کے درجات متفاضل اور کم و بیش ہوتے ہیں۔

---

[1](تفسیر مظهری)

چنانچہ آئمہ حدیث حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، امام احمد رحمہ اللہ اور امام طبرانی رحمہ اللہ وغیرہم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے:

قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول وجبت محبتی للمتحابین فیّ والمتجالسین فیّ والمتزاورین فیّ والمتباذلین فیّ۔

یعنی میں نے حضور کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں سے میں ضرور محبت کرتا ہوں جو آپس میں میری وجہ سے پیار و محبت کرتے ہیں، میری رضاجوئی کے لئے ایک دوسرے کی زیارت کرتے ہیں اور میری خوشنودی کے لئے خرچ کرتے ہیں۔

حضور نبی کریم ﷺ نے ان علامات اور خصوصیات کا بھی ذکر فرمایا جن سے ان مخزن خیرات و برکات ہستیوں کو پہچانا جاسکتا ہے۔ حضور ﷺ سے پوچھا گیا من اولیاءاللہ؟ (اولیاء اللہ کون ہیں؟) تو آپ ﷺ نے فرمایا: الذین اذا رءوا ذکر اللہ۔ یعنی وہ لوگ جن کے دیدار سے اللہ یاد آجائے۔ کیونکہ ان کا دل وہ آئینہ ہے جس میں تجلیات الٰہیہ کا عکس پڑ رہا ہے۔ اور جب کوئی چیز ایسے آئینہ کے مقابلے میں رکھی جاتی ہے جس پر سورج کی کرنیں پڑ رہی ہوں تو وہ چیز بھی روشن ہو جاتی ہے بلکہ اگر آئینہ کا عکس روئی پر ڈالا جائے تو وہ جلنے لگتی ہے حالانکہ سورج کی کرنیں بلاواسطہ پڑیں تو وہ نہیں جلتی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ سورج دور اور آئینہ قریب ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں کی صحبت میں بیٹھ کر انسان کو اللہ کے ذکر کی توفیق اور دنیاوی فکروں کی کمی محسوس ہو، یہ علامات اس کے ولی اللہ ہونے کی ہے۔

اللہ جل شانہ فرماتا ہے:

الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ (یونس ٦٣)

یعنی جن کا ایمان اللہ تعالیٰ کی توحید، حضور نبی کریم ﷺ کی رسالت، قرآن کریم کی حقانیت پر اتنا متحقق ہوتا ہے کہ کوئی ابلیسی وسوسہ اندازی اور کوئی مصیبت اسے متزلزل نہیں کر سکتی اور ان کا ظاہر و باطن تقویٰ کے نور سے جگمگا رہا ہوتا ہے۔ اور تمام اعمال و اخلاق سے ان کا دامن یکسر مبرا ہوتا ہے جو ان کے خالق کو ناپسند ہیں۔ شرک جلی شرک خفی اخفی حسد، کینہ، غرور و تکبر اور ہوا و ہوس، غرضیکہ تمام اخلاق ذمیمہ سے ہو پاک ہوتے ہیں۔ یہی تقویٰ کا وہ بلند مقام ہے جہاں انسان پہنچتا ہے تو اسے خلعت ولایت سے مشرف کیا جاتا ہے اور اس پیکر عجز و نیاز کو وہ سربلندی عطا کی جاتی ہے جسے دنیا رشک بھری نظروں سے دیکھتی ہے۔

(مفتاح السلوک جلد پنجم)

[اور جب فضول مباحات سے بالکلیہ اجتناب خصوصاً آج کل بہت کمیاب ہے۔ تو حرام چیزوں سے اجتناب کرتے ہوئے بقدرِ طاقت فضول مباحات کے ارتکاب کو تنگ تر کرنا چاہیئے۔ اور اس ارتکابِ مباحات میں ہمیشہ شرمندگی اور استغفار کرتے رہنا چاہیئے۔ اور فضول مباحات کے ارتکاب کو محرمات میں داخلے کی کھڑکی تصور کرتے ہوئے ہمیشہ حق سبحانہٗ سے التجاء اور زاری میں مشغول رہنا چاہیئے۔ ممکن ہے یہ ندامت واستغفار اور التجاء و تضرع اس اجتناب کا کام دے سکے جو فضول مباحات سے تعلق رکھتی ہے۔ اور اس طرح بندہ فضول مباحات سے ارتکاب کی آفت سے محفوظ ومامون رہ سکے۔ ایک بزرگ فرماتے ہیں گناہ گاروں کی عاجزی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اطاعت گزار لوگوں کی جد وجہد سے زیادہ محبوب ہے۔

اور محرمات سے بچنا بھی دو قسم پر ہے۔ ایک قسم وہ ہے جس کا تعلق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حقوق کے ساتھ ہے۔ اور دوسری قسم وہ ہے جس کا تعلق حقوق العباد سے ہے۔

دوسری قسم کی رعایت زیادہ اہم ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ غنی مطلق ذات ہے، اور اَرحم الراحمین ہے۔ اور بندے فقیر اور محتاج اور فطرتاً بخیل اور کنجوس ہیں۔ لہٰذا ان کے حقوق کی ادائیگی زیادہ ضروری ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے ہیں:

مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: جس شخص کے ذمے اس کے بھائی کا کوئی حق از قسم بے آبروئی وغیرہ ہو تو چاہیئے کہ آج ہی اس کو معاف کروالے اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ کوئی دینار رہے اور نہ درہم۔ کیونکہ قیامت کے روز اس حق کے بدلے اس کی نیکیاں لی جائیں گی اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو حق والے کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔[1]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یہ بھی فرمایا ہے:

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: جانتے ہو مفلس اور قلاش کون شخص ہے؟ لوگوں نے کہا ہم میں مفلس وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس نہ دِرہم ہو نہ سامان۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا میری اُمت

---

[1](صحیح بخاری، ج۸، ص ۳۲۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ، زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر تہمت لگائی ہو گی، کسی کا مال کھایا ہو گا، کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا پیٹا ہو گا۔ تو اس شخص کی نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ختم ہو گئیں تو ان حق داروں کی برائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی اور پھر اس شخص کو دوزخ میں ڈال دیا جائے گا۔[1]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بالکل سچ اور حق فرمایا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ بندہ ان حضرات کی حمد وستائش اور شکر گزاری کرتا ہے کہ ان کے دَم قَدم سے بلدہ معظمہ لاہور میں اس گئے گزرے زمانہ میں احکامِ شرعی رواج پزیر ہیں اور اس جگہ دِین کی تقویت اور ملت کی ترویج حاصل ہے۔ فقیر کے نزدیک یہ شہر لاہور تمام ہندوستان کے شہروں میں قطبِ ارشاد کی طرح ہے۔ اس شہر کی خیر وبرکت تمام بلادِ ہندوستان میں پھیلی ہوئی ہے۔ اگر اس شہر میں دین رواج پزیر ہو گا تو باقی علاقوں میں بھی دینی شعائر کا رواج متحقق رہے گا۔ اللہ تعالیٰ آپ کا موید وناصر ہو۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے:

لَا یَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا یَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذٰلِكَ۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۴۵۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ مخالفینِ اسلام پر غالب اور دینِ حق پر قائم رہے گا۔ ان کو کوئی گمراہی نقصان نہ دے گی یہاں تک کہ قیامت آجائے گی اور وہ اپنے اسی حال پر قائم رہے گی۔ [1]

چونکہ آپ کو میرے پیر و مرشد معرفت پناہ قبلہ گاہ سے رشتہ محبت کی دولت نصیب ہے اس بنا پر وہی رابطہ محبت ان چند کلمات کے لکھنے کا محرک ہوا ہے۔ اس سے زیادہ اطناب و نامناسب ہے۔ آپ کو یہ رقعہ پہنچانے والا دعا گو، نیک اور صلحاء اور شریف زادوں میں سے ہے۔ ایک حاجت آپ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوا ہے۔ اُمید ہے کہ اس بارے میں توجہ شریف مبذول کر کے اس کی حاجت روائی کریں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور آپ کی بزرگ آل کی حرمت اور طفیل آپ کو دولت حقیقی اور سعادت سرمدی حاصل ہو۔ سیادت مآب میر سید جمال الدین کو میری طرف سے دعوات غریبانہ پہنچا دیں۔]

تشریح

قرآن عظیم الشان دینِ اسلام کا ماخذِ اولین ہے۔ اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان کی حفاظت اپنے ذمہ لی ہے۔ اور قرآنی احکامات کو تا قیامت زندہ و تابندہ رکھنے کے لئے اُس نے اپنی مخلوق میں سے ایک گروہ کو دین پر ثابت قدمی دینی ہے جو خود بھی علم و عمل کی دولت سے بہرہ ور ہو اور ساتھ ہی ساتھ ترویجِ دین اور اعلاء کلمۃ اللہ کا فریضہ بھی سر انجام دے۔ مگر غور طلب بات یہ ہے کہ وہ کون سا گروہ ہے جو اس فریضے کی تکمیل کے لئے کوشاں ہے۔ اپنے اپنے زعم کے مطابق تو ہر شخص اور ہر گروہ اپنے آپ کو ان خوش نصیب لوگوں میں شمار کرتا ہے لیکن وہ گروہ وہی ہو سکتا ہے

---

[1] (سنن الکبریٰ للبیھقی، ج ۹، ص ۳۷۸، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت—لبنات، صحیح بخاری، ج ۲۲، ص ۲۸۶، المکتبۃ الفاروقیہ)

جو قرآن عظیم الشان واحادیثِ مبارکہ کے ظاہری وباطنی احکام کو دل وجان سے مانتا ہو اور ان پر مکمل عمل پیرا ہونے کے علاوہ بوقت ضرورت قوتِ بازو کو بھی غلبۂ اسلام کے لئے استعمال کرے اور جب دین کو قوت ونصرت میسر ہو جائے تو علم و عمل کے میدانِ کارزار میں اُتر آئے۔یہی طریقۂ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تھا اور اسی پر ایک گروہ نے تا قیامت ثابت قدم رہنا ہے۔اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اس گروہ کی رفاقت عطا فرمائے، آمین۔

(دارالمعــرفت،جلددوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حقوق العباد کی اہمیت

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کی نصیحت اور حقوق العباد کی زیادہ رعایت کی تلقین فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ اگر حقوق اللہ کی ادائیگی میں کوئی کمی بیشی ہوئی تو اُمید ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کمال فضل سے معاف فرما دے گا کیونکہ وہ غنیٔ مطلق اور ارحم الراحمین ہے جبکہ بندہ فقیر، محتاج اور فطرتاً کنجوس وبخیل ہے اس لئے حقوق العباد کا خاص خیال رکھنا چاہیئے۔

چنانچہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَکَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: یعنی کیا تم جانتے ہو کہ مفلس کون شخص ہے؟ حاضرین (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم) نے عرض کیا ہم میں مفلس وہ شخص ہے جس کے پاس نہ درہم ہوں نہ سامان تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا میری اُمت میں مفلس وہ ہے جو قیامت کے روز نماز، روزہ، اور زکوٰۃ لے کر آئے گا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے کسی کو گالی دی ہو گی، کسی پر تہمت لگائی ہو گی، کسی کا مال کھایا ہو گا، کسی کا خون بہایا ہو گا اور کسی کو مارا پیٹا ہو گا، پس ہر ایک حقدار کو اس کی نیکیوں میں سے اس کے حق کے برابر نیکیاں دے دی جائیں گی اور اگر حقداروں کے حقوق پورے ہونے سے پہلے ہی اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان حقداروں کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے پھر اس کو نارِ جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔ اَعَاذَنَا اللّٰہُ مِنۡهَا۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر مستحضر رہے کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا لحاظ نہ رکھنا کبائر میں سے ہے۔ بنیادی طور پر گناہ کی دو قسمیں ہیں گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ۔ پھر گناہِ کبیرہ کی مزید دو قسمیں ہیں: ایک وہ گناہ جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے وہ گناہ جو حقوق العباد سے تعلق رکھتے ہیں۔ اگرچہ گناہِ صغیرہ سے بھی توبہ کرنی چاہیئے مگر اعمالِ صالحہ (نماز، روزہ، حج وغیرہا) صغیرہ گناہوں کے لئے کفارہ بنتے رہتے ہیں، جیسا کہ آیۃ کریمہ: إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ (ھود ۱۱۴) سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۴

کبیرہ گناہ کا تعلق اگر حقوق اللہ سے ہو تو بارگاہِ خداوندی میں توبہ وانابت سے معاف ہو جاتے ہیں اور اگر ان کا تعلق حقوق العباد سے ہو تو ان کے لئے اس حق کی ادائیگی یا صاحبِ حق سے معاف کروانا ضروری ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات میں ہے:

الدَّوَاوِینُ ثَلَاثَةٌ: دِیوَانٌ لَا یَغْفِرُہُ اللّٰہُ: الْإِشْرَاکُ بِاللّٰہِ. یَقُولُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ (إِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ أَنْ یُشْرَکَ بِہِ) وَدِیوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ: ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیمَا بَیْنَہُمْ حَتَّی یَقْتَصَّ بَعْضُہُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیوَانٌ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہِ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیمَا بینھم وبینَ اللہ فَذَاکَ إِلَی اللّٰہِ فَذَاکَ إِلَی اللّٰہِ: إِنْ شَاءَ عَذَّبَہُ وَإِن شَاءَ تجَاوز عَنہُ۔

یعنی نامہ ہائے اعمال تین ہیں ایک وہ نامہ عمل جسے اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہرانا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے بے شک اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک ٹھہرانے والے کو نہیں بخشے گا۔ دوسرا نامہ عمل وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کا ایک دوسرے پر ظلم کرنا ہے حتیٰ کہ ایک دوسرے سے بدلہ لے لیں اور تیسرا نامہ عمل وہ ہے جس کی اللہ تعالیٰ پرواہ نہیں فرمائے گا وہ بندوں کا حق تعالیٰ کے حقوق میں زیادتی کرنا ہے، اللہ تعالیٰ کی مرضی ہے چاہے تو اسے عذاب دے اور چاہے تو معاف فرمادے۔[1]

لاہور بلادِ ہند میں قطبِ ارشاد کی مانند ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ شہر لاہور کی اہمیت بیان فرماتے ہوئے اسے بلادِ ہند کے تمام شہروں میں قطبِ ارشاد قرار دے رہے ہیں۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ شہر ہمیشہ سے علم وفضل کا گہوارہ رہا ہے۔ یہاں ہزاروں علمائے راسخین اور اولیائے کاملین موجود رہے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے دور میں علم اور فضل حاصل کرنے کے لئے لوگ لاہور کی طرف رجوع کرتے تھے۔ بالخصوص یہاں امام الواصلین حجۃ الکاملین حضرت سیدنا علی بن عثمان الہجویری المعروف بہ داتا گنج بخش قدس سرہٗ العزیز کا مزار اقدس ہے۔ دراصل جہاں اللہ کا بندہ بیٹھ کر حق تعالیٰ کا ذکر

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۳۵)

کرتا ہے تو ذکر کی تاثیرات کی وجہ سے فضاؤں میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیائے کرام کی خانقاہوں اور آستانوں کو شریف کہا جاتا ہے جیسے بغداد شریف، اجمیر شریف، سرہند شریف وغیرہا۔ نیز وہاں فرشتوں کا نزول بھی ہوتا ہے۔ جیساکہ آیۃ کریمہ: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (حٰمٓ السجدۃ ۳۰) سے واضح ہے۔ اسی لئے جب شیخ کبیر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر قدس سرہٗ سے حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ کے آستانہ پر گھٹنوں کے بال حاضر ہونے کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے جواباً یوں ارشاد فرمایا تھا:

لاہورِ ما بجنتِ اعلٰی برابر است

آہستہ پابنہ کہ ملک سجدہ می کنند

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے مکتوب الیہ کو احکامِ شرعیہ کی ترویج اور ملتِ اسلامیہ کی تائید پر دعادیتے ہوئے زیرِ نظر ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کو نقل فرمایاہے۔ دراصل اس حدیث مبارکہ میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس امر کی خوشخبری سنائی ہے کہ میری امت کا ایک گروہ بیان وبرہان کے ذریعے کفار پر ہمیشہ غالب رہے گا۔ جبکہ دوسری روایت میں ہے کہ میری امت کا ایک گروہ غیر مسلموں پر شمشیر وسنان کے ذریعے ہمیشہ غالب رہے گا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات لَا يَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي ظَاهِرِينَ عَلَى الْحَقِّ لَا يَضُرُّهُمْ مَنْ خَذَلَهُمْ حَتَّى يَأْتِيَ أَمْرُ اللهِ وَهُمْ كَذَلِكَ۔[1] سے واضح ہے لیکن اس امر کی صراحت نہیں فرمائی گئی کہ وہ کون سی قوم اور قبیلہ ہو گا تاہم غلبۂ اسلام ان ہی لوگوں کے ساتھ وابستہ ہو گا جو راسخ العقیدہ مسلمان اور کتاب وسنت کی تعلیمات پر کاربند ہوں گے۔ البتہ روایات میں ہے کہ قربِ قیامت حضرت عیسیٰ علیہ

---

[1](سنن الکبریٰ للبیھقی، ج ۹، ص ۳۷۸، الناشر: دار الکتب العلمیۃ، بیروت—لبنات، صحیح بخاری، ج ۲۲، ص ۲۸۶، المکتبۃالفاروقیہ)

السلام کا نزول اور حضرت امام مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ظہور ہو گا، جن کے ذریعے حق تعالیٰ دینِ اسلام کو غلبہ اور سربلند فرمائے گا۔

جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ۔ قال: "فينزل عِيسَى بن مَرْيَمَ فَيَقُولُ أَمِيرُهُمْ: تَعَالَ صَلِّ لَنَا فَيَقُولُ: لَا إِنَّ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ أُمَرَاءُ تَكْرِمَةَ الله هَذِه الْأمة۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ قیامت تک غلبے کے ساتھ ہمیشہ حق کی خاطر لڑتا رہے گا اور فرمایا کہ عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کا امیر کہے گا آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے! وہ فرمائیں گے نہیں، تم ہی آپس میں ایک دوسرے کے امام ہو، یہ اللہ تعالیٰ نے اس اُمت کو عزت بخشی ہے۔[1]

بعض روایات میں حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اسم گرامی کی صراحت بھی موجود ہے۔

جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فَيَنْزِلُ عِيْسَى بْنُ مَرْيَمَ فَيَقُوْلُ اَمِيْرُهُمُ الْمَهْدِیُّ تَعَالِ صَلِّ بِنَا۔۔۔ الخ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے تو ان کے امیر مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہیں گے آیئے! ہمیں نماز پڑھایئے۔

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۵۲۳، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

مذکورہ بالا ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی روشنی میں ملتِ اسلامیہ کو پُرعزم رہنا چاہیئے اور اس بات پر پختہ یقین رکھنا چاہیئے کہ وہ دن دور نہیں جب کفر وطغیان کے پہاڑ ہٹ جائیں گے اور ظلم وستم کے بادل چھٹ جائیں گے۔۔۔۔کفر کا منہ کالا ہوگا اور اسلام کا بول بالا ہوگا۔

بشرطیکہ ہم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سچے وفادار اور حقیقی مسلمان بن جائیں۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (آل عمران ۱۳۹) سے عیاں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا اجمالی تذکرہ کر دیا جائے تاکہ قارئین کرام کی معلومات میں اضافہ ہو۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف

حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام خدا کے برگزیدہ بندے اور اولوالعزم رسول ہیں۔ ان کی پیدائش ایک معجزہ اور خدا کی قدرت کا عظیم اظہار ہے۔ عالمِ شیر خوارگی میں ہی اپنی عبدیت اور نبوت کا اعلان فرمایا۔ بنی اسرائیل کی طرف مبعوث ہوئے۔ مُردوں کو باذن اللہ زندہ کرتے اور مادر زاد اندھوں کو بینا کر دیتے تھے۔ حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی آمد کی نوید جاں فزا سنائی۔ بنی اسرائیل نے جب انہیں قتل کرنے کا منصوبہ بنایا تو حق تعالیٰ نے ان سے بشری علائق کو سلب فرما کر زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا۔ اب قربِ قیامت دمشق کی جامع مسجد میں صبح کے وقت نزول فرمائیں گے اور حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی امامت میں نمازِ فجر ادا فرمائیں گے۔ دجال کی پیٹھ میں نیزہ مار کر اسے واصلِ جہنم کریں گے۔ صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جتنے غیر مسلم ہوں گے وہ سب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا کلمہ پڑھ لیں گے۔روئے

زمین پر صرف دینِ اسلام ہی ہو گا۔ جیسا کہ نزولِ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: وَيُهْلِكُ اللهُ فِي زَمَانِهِ الْمِلَلَ كُلَّهَا إِلاَّ الإِسْلاَمَ۔[1] سے واضح ہے۔ امن و آشتی کا ایسا دور دورہ ہو گا کہ بچے سانپ سے کھیلیں گے، شیر اور بکری ایک ساتھ چریں گے اور کوئی کسی کو ضرر نہیں پہنچا سکے گا۔ آپ علیہ السلام نکاح بھی فرمائیں گے، اولادِ امجاد بھی ہو گی، چالیس برس دنیا میں جلوہ افروز رہنے کے بعد ان کا وصال ہو گا۔ تجہیز و تکفین کے بعد مسلمان نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت حاصل کریں گے اور گنبدِ خضریٰ کے نیچے حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے پہلو میں دفن ہوں گے۔

حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر تعارف

وارثِ کمالاتِ محمدیہ، حاملِ نسبتِ صدیقیہ حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سیدۂ عالمین حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ذریّت میں سے نجیب الطرفین سید ہوں گے۔ آپ کا اسمِ گرامی محمد اور والد کا نام عبد اللہ ہو گا۔ آپ مدینہ منورہ میں متولد ہوں گے، آپ کے بدن کی رنگت عربوں جیسی اور جسمانی ساخت اسرائیلیوں جیسی ہو گی۔ دائیں رخسار پر تل ہو گا، چہرۂ انور درخشاں ستارے کی مانند چمکے گا۔ جب زمین پر کفر والحاد، فتنہ وفساد اور ظلم وبربریت حد سے تجاوز کر جائے گی اور اسلام حرمین طیبین تک ہی محدود ہو کر رہ جائے گا تو مکہ مکرمہ میں دورانِ طواف ہاتفِ غیب سے ندا آئے گی: "یہ مہدی ہیں ان کی اطاعت وفرمانبرداری کرو" لوگ ان کی بیعت کریں گے، لوگوں کو آپ کی محبت پلا دی جائے گی۔ آپ کے دو صحیفے ہوں گے جن میں قیامت تک کے لئے آپ کے متبعین و مخالفین کے نام درج ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ہاتھوں اسلام کو فتح و نصرت اور سطوت

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۲۳۸)

وشوکت عطا فرمائے گا۔ حضرت جبرائیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام دائیں بائیں ان کے ہم رکاب ہوں گے۔ اس لئے جو بھی آپ کے مد مقابل آئے گا خائب وخاسر ہو گا۔ آپ احکامِ شرعیہ کی تنفیذ، عساکرِ اسلامیہ کی تجہیز اور سنت نبویہ علٰی صاحبہا الصلوات کی ترویج فرمائیں گے۔ اسلامی لشکروں کو کامیابی نصیب ہو گی، روئے زمین پر دینِ اسلام کو غلبہ وچرچا اور بالا دستی حاصل ہو گی، کفار ویہود اور ہنود مردود کا خاتمہ ہو جائے گا، زمین اناج وخزانے اُگل دے گی، ہر طرف عدل وانصاف اور خوشحالی ہو گی۔ آپ سات یا نو سال تک حکومت فرمانے کے بعد وصال فرماجائیں گے اور مسلمان آپ کی نماز جنازہ پڑھنے کا شرف حاصل کریں گے۔ کَذَا صُرِّحَ فِیْ کُتُبِ الْحَدِیْثِ وَغَیْرِھَا۔

بینات

- واضح رہے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نزول کے بعد شریعتِ مصطفویہ علٰی صاحبہا الصلوات کی اتباع وشیوع فرمائیں گے، کیونکہ شریعتِ اسلامیہ جملہ سابقہ ادیان کی ناسخ ہے۔
- یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ قربِ قیامت مہدیٔ کامل علی الاطلاق حضرت عیسٰی علیہ السلام ہی ہوں گے۔ ان کا مرتبہ پیغمبرِ مرسل ہونے کی بناء پر حضرت امام مہدی رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ سے بدرجہا زیادہ ہے۔ حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حضرت امام مہدی رحمۃ اللّٰہ تعالٰی علیہ کی اقتداء کرنے کی وجہ سے ان کے مرتبِ عالیہ کی تنقیص اور حضرت امام مہدی کی ان پر ترجیح اور تفضیل کے خدشہ کے پیشِ نظر غالباً حضور اکرم صلی اللّٰہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے لَا مَھْدِیَ اِلَّا عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ۔[1] فرمایا جس سے مطلق نفی مراد نہیں بلکہ

[1](عقائد تورپشتی)

فضیلت کی نفی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ کوئی مہدی فضیلت میں حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کے مثل نہیں ہو سکتا۔

- اہل سنت وجماعت کے نزدیک حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ظہور کی پیشن گوئی ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات اور آثارِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے ثابت ہے۔ اس لئے ان کی آمد پر ایمان لانا واجب ہے۔ آپ کی تشریف آوری پر آپ کی اطاعت کرنا لازم اور آپ کی تکذیب کرنا کفر ہو گا۔ جیسا کہ احادیث مبارکہ: فَاسْمَعُوْا لَهٗ وَاَطِيْعُوْا [1] اورمَنْ كَذَّبَ بِالْمَهْدِیْ فَقَدْ كَفَرَ [2] سے واضح ہے۔
- حضرت امام مہدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ معصوم نہیں بلکہ محفوظ ہوں گے۔ عقائدِ اہل سنت وجماعت کے مطابق صرف انبیائے کرام علیہم السلام کی ذوات ہی معصوم ہیں۔
- تمام سلاسِ طریقت میں صرف سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی نسبت حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ہے۔ اسی لئے نقشبندی حضرات پر حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کمالات زیادہ ظاہر ہوتے ہیں۔ اور نسبتِ صحو کا غلبہ رہتا ہے۔ حضرت امام مہدی موعود رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی نسبتِ صدیقیہ کے حامل ہوں گے اور سلسلہ عالیہ نقشبندیہ کی تتمیم اور تکمیل فرمائیں گے۔

[1] (الحاوی للفتاوی، ج۲، ص۷٦)
[2] (الحاوی للفتاوی، ج۲، ص۸۳)

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

انگارم کہ حضرت مہدی موعود کہ باکملیتِ ولایت معہود است نیز برین نسبت خواہد بودو تتمیم و تکمیل این سلسلہ علیہ خواہد فرمود۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۵۷ تا ۴۶۳)

[1](دفتر اول، مکتوب ۲۵۱)

مکتوب نمبر ۷۷

[جباری خاں کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ خدائے بے مثل وبے کیف کی صحیح عبادت وبندگی کب میسر آتی ہے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَ کَفٰی وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی۔

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست

بے دولت است آنکہ بہیچ اختیار کرد

ترجمہ: خدا تعالیٰ کے سوا جس شے کی بھی پرستش کی جائے بالکل ہیچ ہے۔ وہ شخص بے نصیب ہے جو بے کار کام کو پسند کرتا ہے۔

بے مثل وبے کیف خدائے جل سلطانہٗ کی عبادت اس وقت میسر آتی ہے جبکہ ماسویٰ اللہ کی بندگی سے آزاد ہو کر صرف ذاتِ اَحد کو قبلۂ توجہ بنا لیا جائے۔ اور اس توجہ کی نشانی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے حاصل ہونے والی نعمت یا تکلیف دونوں برابر ایک سے محسوس ہوں۔ بلکہ اس مقام کے ابتداءً حصول کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی تکلیف انعام کی نسبت زیادہ مرغوب وپسندیدہ محسوس ہوتی ہے۔ اگرچہ آخر کار معاملہ تفویض (سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرنے) تک جا پہنچتا ہے۔ اور انعام وتکلیف جو کچھ ملتا ہے بہتر اور بہت مناسب معلوم ہوتا ہے۔ وہ عبادت جو رغبتِ جنت یا خوفِ دوزخ کے تحت ہوتی ہے، فی الحقیقت یہ عبادت اپنی عبادت ہے۔ اس سے مقصود اپنی نجات اور اپنا سرور ہے۔

تا تو در بندِ خویشتن باشی　　　　عشق گوئی دروغ زن باشی

ترجمہ: جب تک تو اپنی اغراض کی بندش میں ہے۔ تیرا دعویٰ عشق دروغ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔

اس دولت کا حصول فنائے مطلق سے وابستہ ہے۔ اور صرف ذاتِ اَحدیت کی طرف توجہ محبتِ ذاتی کا نتیجہ اور ثمرہ ہے۔ اور ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے ظہور کا مقدمہ ہے۔ اس ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی نعمتِ عظمیٰ کا حصول نبی اکرم علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا کی کمالِ اتباع پر موقوف ہے۔ کیونکہ ہر نبی علیہم الصلوات والتسلیمات کی شریعت جو ازراہِ نبوت ان کو عطا کی جاتی ہے، اُن کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے۔ کیونکہ ولایت میں کلیۃً رُخ حق سبحانہٗ کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب انہیں نبوت کے ساتھ دعوت وارشاد کے لئے نیچے لاتے ہیں تو وہ اسی نور کے ساتھ نیچے تشریف لاتے ہیں اور اسی کمال کو مخلوق کی توجہ کے ساتھ جمع کرتے ہیں۔ اور مقامِ نبوت کے کمالات کے حصول کا سبب بھی وہی نُور ہوتا ہے۔ اسی بنا پر کہا گیا ہے کہ "نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت اُن کی نبوت سے افضل ہے"۔]

تشریح

فنا کے دو درجے ہیں: ایک مطلق فنا اور دوسرا فنائے مطلق۔

دوسرا وہ اہم نکتہ جسے سمجھانے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب لکھا ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی وہ خالص عبادت ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خاص الخاص مُقربین کا نصیب ہے۔ جو فنا کے اعلیٰ ترین درجے پر فائز ہوتے ہیں اور اپنی خواہشات کو شریعتِ مطہرہ کے تابع کر چکے ہوتے ہیں۔ اور اس درجے کے حصول کے لئے دو چیزوں کا ہونا لازمی اور قطعی

ضروری ہے، جن کے بغیر اس دولت کا حصول ناممکن ہے۔ سب سے پہلی چیز تمام معاملات میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل پیروی اور اتباع ہے اور اس اتباع کے بھی سات درجات ہیں، جن کا بیان اگلے مکاتیب میں آئے گا۔ دوسری چیز کامل ومکمل نسبت رکھنے والے شیخ سے مراتبِ سلوک کو طے کرنا اور تقویٰ وورع کے راستے کو اختیار کرنا ہے۔ ان دواُمور کے بغیر عبادتِ خالصہ کی دولت کا ملنا میسر نہیں ہو سکتا۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حق تعالیٰ بے چون وبے چگون ہے

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں کہ حق تعالیٰ کی اخلاص کے ساتھ عبادت اس وقت میسر آتی ہے جب سالک ماسوی اللہ کی غلامی سے آزاد ہو کر حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتار ہو جائے۔ اس کی علامت حق تعالیٰ کی طرف سے انعام وایلام کا سالک کے لئے مساوی ہو جانا ہے اور اگر عبادت، انعام کے حصول اور ایلام سے نجات پانے کے لئے کی جائے تو یہ عبادت ناقص ہو گی کیونکہ اس قسم کی عبادت در حقیقت اپنے نفس کی نجات کے لئے ہے۔

تا تو دربندِ خویشتن باشی   عشق گوئی دروغ زن باشی

لیکن جب سالک ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے حصول کے ذریعے فنائے مطلق سے مشرف ہو جائے اور اس کی ذاتِ حق بلا کیف جل سلطانہٗ تک رسائی ہو جائے اس وقت اسے خالص بندگی نصیب ہوتی ہے اور اس کی عبادت خالص حق تعالیٰ کی رضا کے لئے ہوتی ہے۔

جاننا چاہیئے کہ ایلام کو مرغوب جاننا ہر کسی کا مقام نہیں، بلکہ بعض محبوبوں کا خاصہ ہے لہٰذا اس مرتبے میں وہ انعام وایلام ہر دو کو یکساں سمجھتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بے چون و بے چگون کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللهِ التَّوْفِيْقُ۔

بے چون و بے چگون

بے چون کا معنی بے مثل اور بے چگون کا معنی بے نمون و بے کیف ہے۔ دراصل بے چون و بے چگون صفاتِ سلبیہ میں سے ہیں اور علمِ کلام کی مصطلحات ہیں۔ بنیادی طور پر صفاتِ باری تعالیٰ کی دو قسمیں ہیں صفاتِ سلبیہ اور صفاتِ ثبوتیہ۔

صفاتِ سلبیہ

وہ صفات ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود نہیں بلکہ اس سے مسلوب ہیں جیسا کہ آیۃ کریمہ:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهِ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيعُ الۡبَصِيرُ (الشوریٰ ۱۱) سے ثابت ہے۔

صفاتِ ثبوتیہ

وہ صفات جو خدا تعالیٰ کی ذات میں موجود اور ثابت ہیں، ان کی دو قسمیں ہیں:

۱۔صفاتِ ذاتیہ ۲۔صفاتِ فعلیہ

صفاتِ ذاتیہ

خدا تعالیٰ کی حقیقی اور کمالی صفت کو کہتے ہیں جن کا ذاتِ اقدس سے انفکاک محال ہے۔ متکلمینِ ماتریدیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کی تعداد آٹھ ہے، جنہیں صفاتِ ذاتیہ حقیقیہ، ثمانیہ کہا جاتا ہے

اور وہ یہ ہیں: حیات، علم، کلام، سمع، بصر، ارادہ، قدرت اور تکوین جب کہ اشاعرہ کے نزدیک ان کی تعداد سات ہے، صفتِ تکوین ان میں شامل نہیں۔

صفاتِ ذاتیہ کی بھی دو قسمیں ہیں:

ا۔ وہ صفات جو وجودِ خارجی رکھتی ہیں جیسے صفاتِ ثمانیہ متعارفہ۔

۲۔ وہ صفات جن کا وجود خارجی نہیں بلکہ انتزاعی اور اعتباری ہے جیسے ازلیت، ابدیت، قِدم، بقا اور غناو غیرہا۔

صفاتِ فعلیہ

وَھِیَ الَّتِیْ یُتَوَقَّفُ ظُھُوْرُھَا عَلٰی وُجُوْدِ الْخَلْقِ۔[1]

یعنی یہ وہ صفات ہیں جن کا ظہور وجودِ خلق پر موقوف ہے اور یہ صفاتِ ذاتیہ کے آثار ہیں۔ یعنی ایسی صفات جن کی ضد کے ساتھ اللہ تعالیٰ موصوف ہو صفاتِ فعلیہ کہلاتی ہیں، جیسے خدا تعالیٰ رحیم ہے اس کی ضد یہ ہے کہ خدا تعالیٰ قہار بھی ہے۔ صفاتِ فعلیہ کی مثالیں تخلیق، ترزیق، تصویر، احیاء، اماتۃ وغیرہا ہیں۔[2]

صفات باری تعالیٰ اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک صفاتِ باری تعالیٰ کی تین اقسام ہیں:

قسمِ اول: صفاتِ اضافیہ ہیں جیسے خالقیت اور رازقیت۔

---

[1] (شرح فقہ اکبر لعلی قاری، ص ۲۱)

[2] (تہذیب العقائد و شرح فقہ اکبر وغیرھا)

قسمِ دوم: صفات حقیقیہ ہیں لیکن وہ اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام۔

قسمِ سوم: حقیقتِ محض ہے جیسے حیات پس اس میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے۔ اضافت سے ہماری مراد عالم یعنی دنیا کے ساتھ تعلق ہونا ہے۔ تیسری قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور تمام اقسام کی جامع ترین ہے اور اُمہاتِ صفات میں سے ہے۔ صفتِ علم اپنی جامعیت کے باوجود صفتِ حیات کے تابع ہے۔[1]

حضرت امام اعظم کا بیچون اور بے چگون کے متعلق مؤقف

امام الائمہ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خالق کی مخلوق کے ساتھ اور مخلوق کی خالق کے ساتھ عدمِ مشابہت کے متعلق رقم طراز ہیں:

لَا یُشْبِهُ شَیْئًا مِّنَ الْاَشْیَاءِ مِنْ خَلْقِهٖ وَ لَا یُشْبِهُهٗ شَیْءٌ مِنْ خَلْقِهٖ۔[2]

یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے کسی کے ساتھ مشابہت نہیں رکھتا اور نہ ہی کوئی چیز مخلوق میں سے اس کے ساتھ مشابہت رکھتی ہے۔

کیونکہ مخلوق ممکن الوجود ہے اور اللہ تعالیٰ واجب الوجود، صمد اور غنی ہے جبکہ مخلوق ہر لحاظ سے اس کی محتاج اور اس کے ساتھ مشابہت و مماثلت سے عاجز ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: وَ اللّٰہُ الْغَنِيُّ وَ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ (محمد ۳۸) اور لَیْسَ کَمِثْلِهِ شَيْءٌ (الشوریٰ ۱۱) سے عیاں ہے۔ حق تعالیٰ کے متعلق اس کے برعکس اعتقاد رکھنے والا دائرۂ اسلام سے خارج ہے۔

---

[1] (مبدأ و معاد منها، ص ۵۹)

[2] (فقه اکبر)

جیسا کہ حضرت نعیم بن حماد فرماتے ہیں:

مَنْ شَبَّهَ اللّٰهَ بِشَیْءٍ مِّنْ خَلْقِهٖ فَقَدْ كَفَرَ وَ مَنِ انْكَرَ مَاوَصَّفَ اللّٰهُ بِهٖ نَفْسَهٗ فَقَدْ كَفَرَ۔[1]

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے صفات باری تعالیٰ کے بیچگون اور بے کیف ہونے کے متعلق یوں تصریح فرمائی ہے:

صِفَاتُهٗ (تَعَالیٰ) فِی الْاَزَلِ بِلَا کَیْفٍ۔[2]

اللہ تعالیٰ کی صفات ازل سے ہی بے کیف ہیں (یعنی ان کیفیت مجہول ہے)۔

پس ان پر ایمان لانا واجب ہے اور ان کے بارے میں بحث کرنا بدعت ہے۔ لہٰذا کفِ لسان ہی اَسلم و بہتر ہے۔

حق تعالیٰ کی ذات وصفات بیچون ہیں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ذات وصفات باری تعالیٰ کے متعلق رقم طراز ہیں:

او تعالیٰ بذات وصفاتِ خود یگانہ است، ذات وصفاتِ او مخالف اند مر ذات وصفات مخلوقات را و بہیچ وجہ مناسبت ندارند، پس او سجانہٗ منزہ باشد از مثل یعنی از مماثلِ موافق واز ند یعنی از مماثلِ مخالف ودر معبودیت وصانعیت وواجبیت اورا تعالیٰ شانہٗ شریک نیست۔

ترجمہ: حق تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بالکل یگانہ ہے اس کی ذات وصفات مخلوقات کی ذات وصفات سے قطعاً مختلف ہیں اور کسی طرح بھی ان سے کوئی مناسبت نہیں رکھتیں۔ لہٰذا حق سبحانہٗ

[1] (شرح فقہ الاکبر لعلی قاری، ص ۱۵)

[2] (فقہ اکبر)

"مثل" یعنی مماثلِ موافق سے بھی منزہ ہے اور "ند" یعنی مماثلِ مخالف سے بھی۔ حق تعالیٰ شانہٗ کے معبود ہونے، صانع ہونے اور واجب ہونے میں کوئی اس کا شریک نہیں۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مقام پر ذات وصفات حق کے ساتھ مماثلت کی نفی کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ (الشوریٰ ۱۱) (اس کی مثل کی طرح بھی کوئی چیز نہیں ہے اور وہ سننے والا دیکھنے والا ہے) حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے بلیغ ترین انداز پر اپنی ذات سے مماثلت کی نفی فرمادی ہے کیونکہ اس آیت میں اپنے مثلِ مثل (یعنی مثل جیسی چیز) کی نفی فرمائی گئی ہے، حالانکہ مقصود اپنے مثل کی نفی کرنا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ جب اس کے مثل کا بھی مثل نہیں ہو سکتا تو اس کا مثل تو بطریقِ اولیٰ نہیں ہوگا۔ لہٰذا کنایۃً اصلِ مثل کی نفی ہو گئی کیونکہ یہ کنایہ صریح کے مقابلے میں بلیغ ترین ہے، جیسا کہ علمائے بیان نے اس کو ثابت کیا ہے اور اس کے متصل ہی وَهُوَ السَّمِيۡعُ الۡبَصِيۡرُ فرمایا جس سے مقصود صفاتی مماثلت کی بھی نفی کر دینا ہے جیسا کہ پہلے حصے (لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ) سے مماثلت ذاتی کی نفی کی گئی ہے۔ اس کی توضیح یہ ہے کہ حق سبحانہٗ ہی سمیع اور بصیر ہے کسی دوسرے کو سمع اور بصر حاصل نہیں ہے۔ یہی حال باقی صفات یعنی حیات، علم، قدرت، ارادہ اور کلام وغیرہا کا ہے۔ پس مخلوقات میں صفات کی صورت پائی جاتی ہے۔ ان کی حقیقت نہیں پائی جاتی ہے۔[2]

---

[1] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۱٦)
[2] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۲۱)

حق تعالیٰ کا مثل نہیں ہو سکتا مثال ہو سکتی ہے

حضرت امامِ ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حق تعالیٰ سبحانہٗ کا مثل نہیں ہو سکتا البتہ مثال ہو سکتی ہے۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے منزہ ہے لَيۡسَ كَمِثۡلِهِ شَيۡءٌ (کوئی چیز اس کی مانند نہیں) لیکن علماء نے مثال اور مَثَل کو جائز قرار دیا ہے۔ وَلِلّٰهِ الۡمَثَلُ الۡاَعۡلٰى (اور اللہ تعالیٰ کے لئے بلند ترین مثال ہے) اربابِ سلوک اور اصحابِ کشوف کو مثال ہی سے تسلی دیتے ہیں اور خیال سے آرام بخشتے ہیں، بیچون کو چون کی مثال سے ظاہر کرتے ہیں، وجوب کو امکان کی صورت میں جلوہ گر کرتے ہیں، بے چارہ سالک مثال کو عین صاحبِ مثال خیال کرتا ہے اور صورت کو عین ذی صورت۔ یہی وجہ ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے احاطہ کی صورت کو اشیاء میں دیکھتا ہے اور اس احاطہ کی مثال کو جہان میں مشاہدہ کرتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ احاطہ کی حقیقت دکھائی دے رہی ہے۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ حق تعالیٰ کا احاطہ بیچون اور بے چگون ہے۔ اور اس سے منزہ وپاک ہے کہ وہ شہود (مشاہدہ) میں آ سکے اور کسی پر ظاہر ہو جائے ہم اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہر چیز کو محیط ہے لیکن ہم اس کے اس احاطہ کو نہیں جانتے کہ وہ کیا ہے، اور جو کچھ ہم جانتے ہیں وہ اس احاطہ کی شبیہ اور مثال ہے۔ حق تعالیٰ کے قُرب اور اس کی معیت کو بھی اسی پر قیاس کرنا چاہیئے کہ جو کچھ مشاہدہ اور کشف میں آتا ہے وہ ان کی شبیہ اور مثال ہے اس کی حقیقت نہیں ہے، بلکہ ان تمام باتوں کی حقیقت کی کیفیت نامعلوم ہے یہ ہمارا ایمان ہے کہ حق تعالیٰ قریب ہے اور ہمارے ساتھ ہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ حق تعالیٰ کے اس قُرب اور معیت کی حقیقت کیا ہے؟ ممکن ہے کہ جو حدیث نبوی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات

والتسلیمات میں آیا ہے کہ: یَتَجَلّٰی رَبُّنَا ضَاحِکاً (ہمارا پروردگار ہنستے ہوئے ظاہر ہوگا) وہ صورتِ مثالی کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ کمالِ رضا و خوشنودی کا حصول مثال میں ہنسنے کی صورت میں ہی دکھایا جاتا ہے اور ہو سکتا ہے کہ ہاتھ، چہرہ، قدم اور انگلی کا اطلاق بھی مثالی صورت کے اعتبار سے ہی ہو۔ میرے پروردگار نے مجھے ایسی ہی تعلیم دی ہے۔ وَاللّٰہُ یَخْتَصُّ بِرَحْمَتِہٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ۔[1]

بینہ نمبر ا

متکلمینِ ماتریدیہ کے نزدیک صفاتِ فعلیہ قدیم ہیں، جبکہ متکلمینِ اشاعرہ کے ہاں یہ صفات حادث ہیں۔ اربابَ تدقیق کے نزدیک یہ نزاع، نزاعِ لفظی ہے دراصل فاعلِ حقیقی اللہ تعالیٰ ہے اور اس کا فعل اس کی صفتِ ازلی ہے اور مفعول جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا فعل متعلق ہے وہ مخلوق اور حادث ہے۔ لہٰذا اس کا فعل تو قدیم ہے مگر مفعول جس کے ساتھ وہ فعل متعلق ہے وہ حادث ہے۔ جیسے کلامِ نفسی قدیم ہے مگر کلامِ لفظی حادث ہے۔(وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ)

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ بعض وحدت الوجودی صوفیاء کرام علیہم الرحمۃ والرضوان موجودیت میں بھی شریک ہی نفی کرتے ہیں اور حق تعالیٰ کے سوا کسی چیز کو موجود نہیں جانتے۔ ان کا استشہاد (دلیل) ان کا کشف ہے اور یہ بات پوشیدہ نہیں ہے کہ اس قول سے بہت سے اصولِ دین کا انہدام لازم آتا ہے اور بعض اصولِ دین کو اس قول سے تطبیق دینے میں انہوں نے تکلفات سے کام لیا ہے۔ لیکن

---

[1] (مبدأ و معاد منھا، ص ۲۰)

ان کی پوری کی پوری مطابقت میں کلام ہے بعض دیگر اصولِ دین تو بالکل تطبیق کے قابل ہی نہیں ہیں جیسے واجب تعالیٰ جل وعلا کی صفات کی نفی کی بحث۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۷۶۴ تا ۴۷۴)

[اس گفتگو سے بہر حال یہ بات ثابت ہو گئی کہ ہر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت اس کی ولایت کے مناسب ہوتی ہے۔ اور اس شریعت کی اتباع و پیروی اس نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت تک پہنچا دیتی ہے۔

اگر یہ سوال کیا جائے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے بعض پیروکاروں کو آپ کی ولایت سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ بلکہ وہ دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدموں پر ہوتے ہیں اور ان کی ولایت سے حصہ پاتے ہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی شریعت تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کی جامع ہے۔ اور جو کتاب (قرآن مجید) آپ پر نازل ہوئی ہے وہ تمام آسمانی کتابوں کو شامل ہے۔ پس اس شریعت کی اتباع تمام پہلی شریعتوں کی اتباع ہے۔ تو اپنی استعداد کی مناسبت کے اندازہ کے مطابق جو بعض انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہوتی ہے، بعض حضرات ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے ولایت اخذ کرتے ہیں اور اس میں کچھ حرج نہیں۔ بلکہ میں کہتا ہوں کہ حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت بھی تمام انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایتوں کو حاوی ہے۔ علیہم الصلوات والتسلیمات۔

تو ان ولایتوں تک پہنچنا در حقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ خصوصیت رکھنے والی ولایت کے اجزاء میں سے ایک جزو تک پہنچنا ہے۔ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

---

[1] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۱۶)

وسلم کی ولایت تک نہ پہنچنے کا سبب آپ کی کمال متابعت میں کمی کے سبب ہوتا ہے۔ اور اس کمی کے بہت سے درجات ہیں۔ اس لئے ولایت کے درجات میں بھی فرق وتفاوت ہوتا ہے۔ اور اگر آپ کا کمالِ اتباع میسر آجاتا تو آپ کی ولایت تک وصول ممکن ہو جاتا۔ یہ اعتراض اس وقت واقع ہوتا ہے جبکہ دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کے پیروکاروں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایتِ خاصہ حاصل ہو جائے۔ علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات والتحیات۔ اور جب یہ بات نہیں تو اعتراض بھی وارد نہیں ہوتا۔ تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے جس نے ہم پر انعام فرمایا، ہمیں صراطِ مستقیم اور دینِ قویم کی طرف ہدایت ور ہنمائی فرمائی۔ صراطِ مستقیم دِین کے مضبوط راستے اور روشن شریعت سے عبارت ہے۔

إِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ (۳) عَلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ (یٰسٓ ۴)

ترجمہ: بے شک تم سیدھی راہ پر بھیجے گئے ہو۔

اس معنی و مضمون کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعتِ حقہ کی کامل اتباع آپ کے کامل متبعین اور معظم اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے طفیل نصیب فرمائے۔ اس رقعۂ دعا کو آپ کے پاس لانے والا چونکہ آپ کی طرف جارہا تھا تو سلسلۂ محبت ان چند کلمات کے لکھنے کا محرک بن گیا۔ وَالسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ سُبْحَانَهُ لَدَيْكُمْ]

تشریح

دوسرے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے قدموں پر ہونا اور ان کی ولایتوں سے حصہ پانے کے معاملے کی تفصیل یہ ہے کہ بدنِ انسانی میں عالمِ اَمر اور عالمِ خلق پیدا کئے گئے ہیں اور ان ہر دو

عالموں کے پانچ پانچ اجزاء ہیں جنہیں لطائف کہا جاتا ہے اور ان کی مجموعی تعداد دس (۱۰) ہے (جیسا کہ پچھلے مکاتیب میں بیان ہو چکا ہے)۔

عالمِ اَمر کے لطائفِ خمسہ چھ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وابسطہ ہیں۔ لطیفۂ قلب حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ سے فیوضات وبرکات حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قلبِ مبارک کے توسل سے سالک کے قلب پر وارد ہوتے ہیں۔ ایسے سالک کو آدم المشرب کہا جاتا ہے، اور یہ سالک حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت سے حصہ پاتا ہے۔

عالمِ اَمر کا دوسرا لطیفہ روح ہے اور یہ دو انبیاء کرام علیہما الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے یعنی حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس لطیفہ کا فیض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ حقیقیہ سے حضرت نوح و حضرت ابراہیم علیہما الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے سالک کو مستفید کرتا ہے اور جو سالک لطیفۂ روح پر ہوتا ہے اس کو نوحی مشرب یا ابراہیمی مشرب کہا جاتا ہے۔ ایسا سالک ان ہی دو انبیاء کرام علیہما الصلوٰۃ والسلام کی ولایتوں سے حصہ لیتا ہے۔

لطیفۂ سر، تیسرا لطیفہ ہے جو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے۔ صفاتِ شیونات سے فیوض حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعے سے لطیفۂ سِر والے سالک کے لطیفۂ سر پر وارد ہو کر سالک کو ولایتِ موسوی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیض یاب کرتے ہیں۔ ایسے سالک کو موسوی مشرب کہا جاتا ہے۔

اس کے بعد لطیفۂ خفی ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیرِ قدم ہے۔ اس لطیفہ پر انوارات وفیوضات، اعتبارات سے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے توسل سے نازل ہوتے ہیں۔ اس ولایت سے حصہ پانے والے سالک کو عیسوی مشرب کہا جاتا ہے۔

ان سب لطائف کے اوپر لطیفۂ اخفٰی ہے جو سب سے جامع اور ارفع لطیفہ ہے۔ اور امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبارک قدم کے زیرِ اثر ہے۔ شانِ جامع سے نازل ہونے والے فیوض وبرکات حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لطیفۂ اخفٰی کے ذریعے سے کامل شان رکھنے والے سالک کو مستفید کرتے ہیں۔ اس ولایت کو ولایتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یا مشربِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کہا جاتا ہے۔ اور زمانے بھر میں کسی ایک یا دو کو اس مشرب پر فائز کیا جاتا ہے۔ یہی وہ ولایت ہے جو تمام ولایتوں کی سردار ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل ومکمل اتباع اس ولایت کے حصول کا سبب ہے۔ ذَالِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ۔

یہاں پہنچ کر عالمِ اَمر مکمل ہو جاتا ہے۔ لیکن نقشبندی مشائخِ کاملین کی شان دیکھئے جو سالکین کے عالمِ خلق کو بھی عالمِ اَمر کے دوران ہی طے کروا دیتے ہیں۔ سُبۡحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمۡدِہٖ سُبۡحَانَ اللّٰہِ الۡعَظِیۡم۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

نبوت ولایت سے افضل ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ یہاں ایک اہم مسئلے کو بیان فرمارہے ہیں۔ دراصل اس مسئلہ میں صوفیائے کرام کی آراء مختلف ہیں:

- مطلق ولایت نبوت سے افضل ہے۔
- نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے جیسا کہ حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ اَلْوِلَایَۃُ اَعْلٰی مِنَ النَّبُوَّۃِ کی توجیہہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ ولی تابع ہوتا ہے اور نبی متبوع۔ تابع متبوع سے کبھی بھی اعلٰی نہیں ہوسکتا بلکہ اس مقولہ کا مطلب یہ ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔[1]
- حضرت امام ربانی قدس سرہٗ علمِ کلام کے مجتہد ہیں نیز آپ کے لئے استدلالی علوم و معارف کشفی بنادیئے گئے ہیں۔ اس لئے آپ کا مؤقف متکلمینِ اہلِ سُنت کے موافق ہے۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

نبوت افضل باشد از ولایت خواہ ولایتِ نبی باشد خواہ ولایتِ ولی۔

نبوت ولایت سے افضل ہے، خواہ وہ ولایت نبی کی ہو یا ولی کی۔[2]

---

[1] (مخلصاً از فصوص الحکم کلمہ عزیریہ)

[2] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۹۵)

ایک مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں:

بعض مشائخ نے حالتِ سُکر میں کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دیگر مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے تاکہ نبی پر ولی کے افضل ہونے کا وہم رفع ہو جائے لیکن حقیقت میں معاملہ اس کے بر عکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت اس کی ولایت سے افضل ہوتی ہے (مقامِ ولایت میں تو (ولی) تنگئ سینہ کے باعث توجہ خلق کی طرف نہیں کی جا سکتی لیکن نبوت میں کمالِ انشراحِ صدر کی وجہ سے نہ تو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا مخلوق کی طرف توجہ سے مانع ہوتا ہے اور نہ ہی خلق کی طرف توجہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے سے مانع ہوتی ہے، نبوت میں صرف مخلوق ہی کی طرف توجہ نہیں ہوتی تاکہ ولایت کو جس میں رُخ حق کی طرف ہوتا ہے نبوت پر ترجیح دیں عیاذاً باللہ سبحانہٗ صرف مخلوق کی طرف رُخ رکھنا عوام کَالْاَنْعَام کا مرتبہ ہے، شانِ نبوت اس سے بہت بلند بلند وبرتر ہے اس معنیٰ (حقیقت) کا سمجھنا اربابِ سُکر پر دشوار ہے مستقیم الاحوال اکابر ہی اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔[1]

ایک مکتوب میں اس مسئلہ کو یوں بیان فرماتے ہیں:

بعض مشائخ کا یہ کلام اَلْوَلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَّۃِ از قبیلِ سُکر ہے ان کا خیال ہے کہ ولایت میں رُخ حق تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے اور نبوت میں توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے خالق کی طرف توجہ کرنا افضل ہے۔ بعض مشائخ نے اس جملے کی توجیہہ یوں کی کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔

---

[1](دفتر اول، مکتوب ۱۰۸)

اس فقیر کے نزدیک اس قسم کی باتیں دور از کار اور فضول ہیں کیونکہ نبوت میں رُخ صرف مخلوق کی طرف ہی نہیں ہوتا بلکہ مخلوق کی طرف توجہ کے باوجود حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ رہتی ہے یعنی اس کا باطن حق تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور اس کا ظاہر مخلوق کے ساتھ، جس شخص کی تمام تر توجہ مخلوق کی طرف ہی ہو وہ تو بد بختوں میں سے ہے۔

انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات تمام موجودات میں سب سے بہتر ہیں لہٰذا بہترین دولت و نعمت بھی ان ہی کا حصہ ہے۔ ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کُل ہے یہی وجہ ہے کہ نبوت ہی افضل ہے خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت۔ [1]

ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

ولایتِ ولی جزوے ست از اجزائے ولایتِ نبی او علیہ الصلوٰۃ والسلام۔ ولی را ہر چند درجاتِ علیا میسر شود آن درجات جزوے ست از اجزائے درجاتِ آں نبی خواہد بود، جزو ہر چند عظمت پیدا کند کمتر از کل خواہد بود کہ "اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ" قضیۂ بدیہیہ است احمقے باشد کہ کلائیؔ جزو را تخیل نمودہ از کل افزوں داند کہ کل عبارت ازاں جزو از اجزائے دیگر است۔ [2]

ولی کی ولایت اس کے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولایت کا جزو ہوتی ہے ولی کو خواہ کتنے ہی اعلیٰ درجات حاصل ہو جائیں پھر بھی وہ درجات اس نبی کے درجات کا ایک جزو ہی ہوتے ہیں، جزو خواہ کتنا ہی بڑا ہو جائے پھر بھی کل سے کم ہی رہے گا کیونکہ "اَلْکُلُّ اَعْظَمُ مِنَ الْجُزْءِ" یعنی کل ہمیشہ اپنے جزو

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۹۵)

[2] (مبدأ و معاد منہا، ص ۵۸)

سے بڑا ہے ایک بدیہی قضیہ ہے۔ وہ شخص احمق ہے جو یہ خیال کرتا ہے کہ جزو کل سے بڑا ہوتا ہے کیونکہ کل کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ دوسرے اجزاء کے علاوہ اس میں یہ جزو بھی موجود ہے۔

بینہ نمبر ۳

واضح رہے کہ تفضیلِ ولایت کے قائلین صوفیاء کرام کا یہ بیانِ حال ہے بیانِ عقیدہ نہیں اور ان کا یہ قول سکرِ وقت اور غلبۂ حال کی بنا پر ہے اس لئے وہ معذور ہیں۔

بینہ نمبر ۴

حضرت شیخ ابو نصر طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفضیلِ ولایت کے قائلین کو فرقۂ ضالّہ قرار دینے کے بعد رقم طراز ہیں:

وَالْوَلَایَۃُ وَالصِّدِّیْقِیَّۃُ مُنَوَّرَۃٌ بِاَنْوَارِ النَّبُوَّۃِ فَلَا تُلْحِقُ النَّبُوَّۃَ اَبَداً فَکَیْفَ تُفَضَّلُ عَلَیْھَا۔

یعنی ولایت اور صدیقیت انوارِ نبوت سے منور ہیں اس لئے یہ نبوت سے ابد تک ملحق نہیں ہو سکتیں تو یہ نبوت سے افضل کیسے ہو سکتی ہیں۔[1]

بینہ نمبر ۵

تمام ولایتوں (ولایتِ صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ علیا) کے کمالات مقام نبوت کے کمالات کے ظلال ہیں اور وہ تمام کمالات خاص ان کمالات کی حقیقت کے لئے شبیہ اور مثال کی مانند ہیں۔ دریائے محیط کو بھی قطرہ کے ساتھ کچھ نہ کچھ نسبت ہوتی ہے لیکن یہاں تو یہ نسبت بھی مفقود

---

[1](کتاب اللمع)

ہے مگر ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ مقام نبوت کو مقامِ ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہے۔[1]

بینہ نمبر ٦

تفضیلِ ولایت کے قائلین صوفیاء کی کمالاتِ نبوت تک رسائی نہیں ہوئی اور وہ ان کمالات سے بہرہ ورنہ ہونے کی وجہ سے ان کی معلومات نہیں رکھتے اسی بناء پر انہوں نے ولایتِ انبیاء کو ان کی نبوت سے بہتر جانا مگر وہ حضرات جنہیں کمالات نبوت تک رسائی حاصل ہوگئی ہے وہ ولایتِ انبیاء کو ان کی نبوت کا زینہ پاتے ہیں۔

بینہ نمبر ٧

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ اولیائے کرام کی ولایت حق تعالیٰ کے ظلال صفات سے تعلق رکھتی ہے، ولایت انبیاء صفات سے مربوط ہے اور ولایتِ ملاء اعلیٰ شیوناتِ ذاتیہ سے ربط رکھتی ہے لیکن نبوتِ انبیاء ذاتِ حق تعالیٰ کی معرفت سے ممتاز ہے بقیہ تمام ولایتیں اس مرتبہ مقدسہ کے ساتھ وصول سے قاصر ہیں ان تشریحات وتوضیحات سے واضح ہوگیا کہ مقامِ نبوت، عالی ترین مقامات سے ہے مقام ولایت اس مقام سے قیاس کے قابل ہی نہیں وہ صوفیائے کرام جنہوں نے مقام ولایت کو مقامِ نبوت سے بلند قرار دیا ہے یہ ان کی نارسائی کی بناء پر ہے اگر ان کی کمالاتِ نبوت تک رسائی ہوجاتی تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔

چوں ندیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ٢٦٠)

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات تک وصول نہ ہونے کی وجہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل اتباع میں کمی کو قرار دے رہے ہیں چونکہ متابعت کے مختلف درجے ہیں اس لئے سالکین کو حاصل ہونے والے درجاتِ ولایت میں تفاوت ہو جاتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے سات مراتب ودرجات اور ہر درجے کی دوسرے درجے پر فضیلت کے بارے میں رقم طراز ہیں:

متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے درجاتِ سبعہ

آنسرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والسلام کی متابعت جو دینی اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے کئی درجات ومراتب رکھتی ہے۔

درجہ اول

عوام اہلِ اسلام کا ہے یہ تصدیقِ قلبی کے بعد اطمینانِ نفس سے قبل جو کہ درجہ ولایت سے مربوط ہے احکامِ شرعیہ کی بجا آوری اور سنتِ سنیہ کی اتباع ہے۔ علمائے ظواہر، عابد اور زاہد حضرات جن کا معاملہ ابھی تک اطمینانِ نفس تک نہیں پہنچا سب اس درجہ میں مشترک ہیں۔ اس متابعت صوری کے حصول میں سب برابر ہیں۔ چونکہ نفس اس مقام میں کفر وانکار سے آزاد نہیں ہوتا تو لازمی طور پر یہ خاص درجہ صرف متابعت کی صورت رکھتا ہے۔ متابعت کی یہ صورت حقیقی متابعت کی مانند آخرت کی فلاح اور خلاصی کا مؤجب، عذابِ نار سے نجات دلانے والی اور دخولِ جنت کی بشارت

سنانے والی ہے۔ حق تعالیٰ نے کمالِ کرم سے انکارِ نفس کا اعتبار نہ کر کے صرف تصدیقِ قلبی پر کفایت فرمائی ہے اور نجات کو اس تصدیق کے ساتھ مربوط فرما دیا ہے۔

درجۂ دوم

میں آنسرور علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے ان اقوال و اعمال کی متابعت ہے جو باطن سے تعلق رکھتے ہیں جیسے اخلاق کی تہذیب، صفاتِ رذیلہ کی مدافعت، باطنی امراض اور اندرونی بیماریوں کا ازالہ کرنا ہے۔ متابعت کا یہ درجہ مقامِ طریقت سے متعلق اور ان اربابِ سلوک سے مخصوص ہے جو طریقۂ صوفیاء کو شیخ مقتدا سے اخذ کر کے سیر الی اللہ کی وادیوں اور بیابانوں کو قطع کرتے ہیں۔

درجۂ سوم

آن سرور علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے احوال، اذواق اور مواجید کی متابعت ہے جو ولایتِ خاص کے مقام سے تعلق رکھتا ہے اور یہ درجہ اب اربابِ ولایت کے ساتھ مخصوص ہے جو مجذوب سالک یا سالک مجذوب ہوں۔

درجۂ چہارم

متابعت کا یہ وہ درجہ ہے کہ پہلے درجے میں اس متابعت کی صورت تھی یہاں اس متابعت کی حقیقت ہے متابعت کا یہ درجہ علمائے راسخین شکر اللہ تعالیٰ سعیھم کے ساتھ مخصوص ہے جو اطمینان نفس کے بعد حقیقتِ متابعت کی دولت سے متحقق ہیں۔ اولیاء اللہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کو تمکینِ قلب کے بعد اگرچہ ایک طرح کا اطمینانِ نفس حاصل ہو جاتا ہے لیکن نفس کو کمال درجۂ اطمینان کمالاتِ نبوت کے حصول کے بعد حاصل ہوتا ہے یہ کمالات علمائے راسخین کو بطریقِ وراثت حاصل ہوتے ہیں۔ اس مرتبہ میں عارف مقطعاتِ قرآنیہ کے اسرار کے فہم اور کتاب و سنت کے

متشابھات کی تاویل سے فائز المرام ہوتا ہے۔ یہ خیال نہ کریں کہ یہ تاویل یَدْ (ہاتھ) کی قدرت اور وَجہ (چہرہ) کی تاویل ذات سے کرنے کی مانند ہے۔ کیونکہ یہ تاویل علم ظاہر سے پیدا ہوتی ہے ان کا اسرار سے کوئی تعلق نہیں بلکہ یہ اسرارِ خاصہ ہیں جو بالاصالت انبیائے کرام علیہم السلام کا حصہ ہیں اور وراثتاً صدیقین اور اولیاء کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس دولتِ عظمٰی تک پہنچنا دوسرے راستوں کی نسبت ولایت کی راہ سے زیادہ آسان اور اَقرب ہے اور وہ سُنتِ سنیہ کا التزام اور بدعتِ نامرضیہ کے اسم ورسم سے اجتناب ہے۔ آج یہ بات مشکل معلوم ہوتی ہے، کیونکہ ساراجہاں دریائے بدعت میں غرق اور سُنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات سے دور ہے۔

درجہ ٔپنجم

آنسرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والسلام کے صرف ان کمالات کا اتباع ہے جن کے حصول میں علم وعمل کا کوئی دخل نہیں بلکہ ان کمالات کا حصول محض فضلِ ربانی اور احسانِ رحمانی پر موقوف ہے۔ یہ درجہ اس قدر بلند ہے کہ سابقہ درجات کو اس درجہ سے ادنٰی نسبت بھی نہیں ہے۔ یہ کمالات بالاصالت اولوالعزم انبیائے عظام علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہیں ان کے طفیل بعض اولیائے کرام کو ان کمالات سے مشرف فرمادیتے ہیں۔

درجہ ٔششم

آنسرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے ان کمالات کا اتباع ہے جو آنسرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کے مقامِ محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہیں۔ جس طرح درجہ ٔپنجم میں کمالات کا فیضان محض فضل واحسان پر تھا اسی طرح اس درجہ ٔششم میں ان کمالات کا فیضان محض محبت پر موقوف ہے جو کہ تفضل واحسان سے فوق ہے۔ یہ درجہ اگرچہ بالاصالت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

وسلم کے ساتھ مخصوص ہے لیکن حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تبعیت میں اولیائے صدیقین میں سے اقلِ قلیل کو نصیب ہوتا ہے۔

درجہ ہفتم

متابعت کا یہ درجہ ہبوط ونزول سے متعلق ہے اور یہ درجہ سابقہ درجات کا جامع ہے کیونکہ اس مقامِ نزول میں تصدیقِ قلبی بھی ہے اور تمکین قلبی بھی، نفس کا اطمینان بھی اور اجزائے قالب کا اعتدال بھی ہے، جو طغیان وسرکشی سے باز آگئے ہیں سابقہ درجات گویا اس درجہ متابعت کے اجزاء تھے اور یہ درجہ ان اجزاء کے کل کی مانند ہے اس درجہ میں پہنچ کر تابع متبوع کے اس قدر مشابہہ ہو جاتا ہے کہ دور سے دیکھنے والا خیال کرتا ہے کہ یہ دونوں (تابع ومتبوع) متحد ہو گئے ہیں اور ان دونوں کے درمیان امتیاز ختم ہو گیا ہے۔ کامل تابعدار وہ شخص ہے جو ان سات درجات سے آراستہ ہو۔[1]

رَزَقَنَا اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ بِحَقِیْقَۃِ الْمُتَابَعَۃِ الْمَرْضِیَّۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَالْبَرَکَۃُ وَالتَّحِیَّۃُ

ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ولایت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ولایتِ عامہ اور ولایتِ خاصہ۔ ولایتِ عامہ سے مطلق ولایت مراد ہے اور ولایتِ خاصہ سے ولایتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیۃ مراد ہے، ولایتِ خاصہ میں فنائے تام اور بقائے اکمل حاصل ہو جاتی ہے۔ جو شخص بھی اس نعمتِ عظمیٰ سے مشرف ہوتا ہے اس کا بدن اطاعت حق سبحانہٗ وتعالیٰ میں مطیع ہو جاتا ہے۔ اسلام

---

[1] (ملخصاً دفتر دوم مکتوب ۵۴ و مکتوباتِ سعیدیہ، مکتوب ۸۵)

حقیقی کے لئے اس کا شرحِ صدر ہو جاتا ہے اور اس کا نفس امارگی ولوامگی (شرارت وشرمندگی) سے آزاد ہو کر مطمئنہ ہو جاتا ہے اور راضیہ مرضیہ کے مرتبہ پر فائز المرام ہو جاتا ہے۔ یہ ولایت عروج ونزول کے دونوں طرفوں میں ولایت کے تمام مراتب سے ممتاز اور جُدا ہے۔

عروج کی طرف اس وجہ سے کہ لطیفۂ اخفٰی کی فنا اور بقا ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے ساتھ مختص ہیں۔ جبکہ بقیہ تمام ولایتوں کا عروج تفاوتِ درجات کے اعتبار سے لطیفۂ خفی تک محدود ہے۔ نیز حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ولایت جمیع انبیائے کرام وجملہ رُسل عظام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ولایتوں سے افضل ہے۔ اسی طرح ان بزرگواروں (خواجگان نقشبندیہ علیہم الرحمۃ والرضوان) کی ولایت بھی دیگر جملہ اولیائے کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کی ولایتوں سے بالاتر ہے اور بالاتر کیوں نہ ہو جب کہ ان کی ولایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب ہے۔[1]

ولایتِ خاصہ کی دو قسمیں ہیں:

ولایتِ خاصہ بمعنائے عام

یہ جمیع انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ولایت ہے اس ولایت میں عارف بواسطہ فنا وبقا خواہشاتِ نفسانی سے رہائی پالیتا ہے۔

ولایتِ خاصہ بمعنائے خاص

یہ تنہا حضور اکرم علی التحیۃ والثناء کی ولایت ہے اور یہ ولایت کا انتہائی درجہ ہے۔

---

[1] (ملخصاً از دفتر اول مکتوب ۲۱، ۱۳۵)

بینہ نمبر ۸

تمام مؤمن ولایتِ عامہ میں شریک ہیں۔ حق تعالیٰ تمام مؤمنوں کو ولی اور دوست رکھتا ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: اللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِینَ آمَنُوا (البقرۃ ۲۵۷) سے عیاں ہے۔ اس ولایت کو ولایتِ ایمان بھی کہا جاتا ہے اگرچہ یہ ولایت ایک نعمتِ عظمٰی ہے لیکن اس میں انسان خواہشاتِ نفسانی سے رہائی نہیں پاسکتا اور اس کا ایمان فقط ایمانِ قلبی ہی ہوتا ہے، جبکہ ولایتِ خاصہ کے مراتب میں نفس کو بھی ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ولایت ایک قُربِ خاص ہے، اسے ولایتِ احسان بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَأَنَّکَ تَرَاہُ الخ۔[1] سے واضح ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مقام پر ولایتِ خاصہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

اِعْلَمْ اَنَّ الْوَلَایَۃَ الْخَاصَۃَ الْمُحَمَّدِیَّۃَ عَلٰی صَاحِبِھَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مَخْصُوْصَۃٌ بِالْمَجْذُوْبِیْنَ السَّالِکِیْنَ الَّذِیْنَ سَمُّوْا بِالْمُرَادِیْنَ وَلَیْسَ لِلْمُرِیْدِیْنَ بِحَسْبِ اِسْتِعْدَادَتِھِمُ الذَّاتِیَّۃِ مِنْھَا نَصِیْبٌ وَنَعْنِیْ بِالْمُرِیْدِیْنَ الَّذِیْنَ تَقَدَّمَ سُلُوْکُھُمْ عَلٰی جَذْبَتِھِمْ اِلَّا اَنْ یُرَبِّی الْمُرَادُ الْمَحْبُوْبُ الْمُرِیْدَ الْمُحِبَّ وَیَتَصَرَّفُ فِیْہِ وَیَجْذِبُہٗ بِکَمَالِ تَصَرُّفِہٖ نَحْوَ جَذْبِہٖ کَمَا ھُوَ حَالُ اَمِیْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ عَلِیِّ ابْنِ اَبِیْ طَالِبٍ کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْھَہٗ فَاِنَّہٗ سَالِکٌ مَجْذُوْبٌ وَصَلَ اِلَی وَلَایَۃِ الْخَاصَۃِ بِتَرْبِیَّتِہٖ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وَکَمَالِ تَصَرُّفِہٖ فِیْہِ وَجَذْبِہٖ اِیَّاہُ بِخِلَافِ الْخُلَفَآءِ الثَّلَاثِ الْمُتَقَدِّمَۃِ عَلَیْہِ فَاِنَّ جَذْبَھُمْ مُقَدَّمٌ عَلٰی سُلُوْکِھِمْ کَمَا ھُوَ حَالُ حَضْرَۃِ الرِّسَالَۃِ الْمُصْطَفَوِیَّۃِ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِیْمَاتُ فَاِنَّ جَذْبَہٗ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مُقَدَّمٌ عَلٰی سُلُوْکِہٖ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وَلَا یُتَوَھَّمُ اَنَّ کُلَّ مَجْذُوْبٍ سَالِکٍ یَصِلُ اِلٰی تِلْکَ الْوَلَایَۃِ کَلَّا بَلْ لَوْ وُجِدَ وَاحِدٌ مِنْ اُلُوْفٍ مِّنْھُمْ کَذَالِکَ بَعْدَ قُرُوْنٍ مُتَطَاوِلَۃٍ

[1] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۲)

لَاغْتَنَمَ وُجُوْدَہٗ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَاءُ وَاللّٰہُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات مجذوب سالکوں کے ساتھ مخصوص ہے، جن کو مرادین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ مریدین کو ان کی ذاتی استعدادات کے لحاظ سے اس (ولایت) سے کوئی حصہ نہیں ملتا۔ مریدین سے ہماری مراد وہ حضرات ہیں جن کا سلوک ان کے جذب پر مقدم ہو۔ سوائے اس مراد محبوب کے جو کسی مرید محبّ کی خصوصی تربیت فرمائے اور اس میں تصرف سے کام لے اور اسے کمالِ تصرف سے ایسا جذب عطا کر دے جو خود اس مراد کے جذب کی مانند ہو جیسا کہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کرم اللہ وجہہ کا معاملہ تھا بے شک وہ بھی سالک مجذوب تھے۔ لیکن وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تربیت اور ان میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمالِ تصرف کی بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے انہیں جذب فرما لیا تھا، ولایتِ خاصہ کے درجہ تک پہنچ گئے تھے۔ بخلاف خلفائے ثلاثہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کے جو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے پہلے ہوئے ہیں۔ کیونکہ ان کا جذب ان کے سلوک پر مقدم ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جیسا کہ حضرت رسالت مصطفویہ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کا حال ہے۔ کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جذب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سلوک پر مقدم ہے اور اس سے یہ وہم نہ کیا جائے کہ ہر مجذوب سالک ولایت خاصہ تک پہنچ سکتا ہے ہر گز ایسا نہیں ہے بلکہ اگر ان ہزارہا مجذوب سالکوں میں سے کئی صدیوں کے بعد ایک شخص بھی ایسا پایا جائے تو اسے غنیمت سمجھنا چاہیئے ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ ذُوْ الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلیٰ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَسَلَّمَ۔[1]

---

[1] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۲۲)

بینہ نمبر ۹

یہ امر مستحضر رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کامل متبعین اور صاحبانِ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات وراثۃً اور تبعیۃً غیر محمدی المشرب سالک مجذوبوں کو تصرف فرما کر دائرہ ولایتِ خاصہ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں داخل فرما سکتے ہیں۔ جیسا کہ امام ربانی قدس سرہٗ نے اپنے صاحبزادہ کلاں حضرت خواجہ محمد صادق قدس سرہٗ کو ولایتِ موسوی علیٰ نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات سے کھینچ کر ولایتِ خاصہ محمدیہ کے دائرہ میں داخل کر دیا تھا۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۷۴ تا ۴۸۵)

---

[1] (دفتر اول مکتوب ۲۳۴)

مکتوب نمبر ۷۸

[یہ مکتوب بھی جباری خان کی طرف صادر فرمایا:

سفر دَر وطن کے معنی اور سیر آفاقی واَنفسی اور اس بیان میں کہ اس دولت کا حصول صاحبِ شریعت عَلٰی مَصْدَرِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ وَالتَّحِيَّةُ کی اتباع کے ساتھ وابستہ ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ حقہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ اور راستہ پر استقامت نصیب فرمائے۔

چند روز کی بات ہے کہ بندہ دہلی اور آگرہ کے سفر سے واپس لوٹا ہے اور اپنے وطنِ مالوف میں آرام پزیر ہوا ہے۔ اس وقت حُبُّ الْوَطَنِ مِنَ الْاِیْمَانُ نقد وقت ہے۔ وطنِ مالوف میں آنے کے بعد اگر سفر ہے تو اپنے وطن ہی میں ہے۔ "سفر در وطن" اس خانوادہ عالیہ نقشبندیہ کے اکابر کے اصول مقررہ میں سے ہے۔ قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس۔

اس طریقہ میں اس سفر کی چاشنی ابتداءً ہی میسر آجاتی ہے اور نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے طور پر حاصل ہوتی ہے۔ کارکنانِ قضاء وقدر اگر چاہتے ہیں تو اس گروہ کی ایک جماعت کو مجذوبِ سالک بناتے ہیں اور بیرونی سیر میں ڈال دیتے ہیں۔ اس سیر آفاقی کے مکمل ہونے کے بعد سیر اَنفسی میں جو سفر در وطن سے عبارت ہے آرام عطا کرتے ہیں۔

ایں کار دولت است کنوں تا کرا دہند

ترجمہ: یہ کام دولت ہے، دیکھیئے اب یہ کسے عطا کرتے ہیں۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ: نعمت والوں کو نعمتیں خوشگوار رہیں۔]

تشریح

روحِ انسانی قفسِ جسدی میں ایک پرندی کی طرح قید ہے اور جب سے عناصرِ اَربعہ میں بند ہوئی ہے، اپنے مقامِ اصلی یعنی عِلّیین کو بھول گئی ہے اور نفسِ انسانی کی خواہشاتِ خسیسہ کے آگے مغلوب و بے بس ہو کر رہ گئی ہے۔ اس لطیف و منور مخلوق کو نفس کے پنجے سے آزاد کرنے کے لئے اللہ جلّ شانہٗ نے اپنے پیارے حبیب حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ طریقہ بتایا ہے کہ نفس کی خواہشات کو توڑا جائے اور اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اختیار کیا جائے۔ لیکن چونکہ نفس و شیطان دو قوی دُشمن ہیں اس لئے روحِ انسانی کو ان دشمنوں سے مقابلہ کرنے اور ان پر غالب آنے کے لئے ایک قوی النسبت شیخ کی باطنی استمداد کی ضرورت پڑی جو توجہاتِ باطنی کی طاقت سے مرید کے نفس پر حملہ کرے اور اس کی نفسانی طاقت کو پاش پاش کر کے روحِ مغلوب کو غلبہ عطا کرے تاکہ انسان نفسانی خواہشات سے چھٹکارا پالے اور اپنی مختصر زندگی کو شریعتِ مطہرہ کے مطابق ڈھال لے۔ پس اس سارے عمل کو جس میں کوئی سالک صفاتِ خسیسہ سے صفاتِ ملکیۂ فاضلہ کی طرف چلتا ہے سفر در وطن کہا جاتا ہے۔

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سفر در وطن کی تعریف یوں کی ہے کہ:

اما سفر دَر وطن فمعناه الانتقال من الصفات البشرية الخسيسة الیٰ الصفات الملكيه الفاضلة۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ظاہری و مکانی سفر سے سفر سلوک کی طرف انتقال کو لطیف اشارہ میں بیان فرمارہے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس فرمان کی دو تعبیریں ہو سکتی ہیں: ایک تعبیرِ ظاہری اور دوسری تعبیر باطنی و معنوی۔

۱۔ تعبیرِ ظاہری سفر دہلی وآگرہ سے عبارت ہے۔

۲۔ تعبیرِ معنوی سیر آفاقی وانفسی سے عبارت ہے۔

سیر کی دو قسمیں ہیں:

سیر آفاقی

سالک کا اپنے وجود سے باہر عالمِ مثال اور زمین وآسمان وغیرہا میں انوار و تجلیات کا مشاہدہ کرنا سیر آفاقی ہے۔ بالفاظِ دیگر ماسویٰ کی محبتوں، دنیوی لذتوں کا ترک اور ماسویٰ اللہ کا فراموش ہو جانا سیر آفاقی ہے۔

سیر اَنفسی

اپنے نفس کی محبت سے سالک کا آگے گزر جانا، اخلاقِ رذیلہ کا اخلاقِ حسنہ سے بدل جانا اور اپنے وجود میں انوار و تجلیات اور قدرتِ حق کے نشانات کا مشاہدہ کرنا سیر انفسی ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: وَفِي أَنْفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ (الذاریات ۲۱) سے واضح ہے۔

جاننا چاہیئے کہ جذبہ سیر انفسی اور سلوک سیر آفاقی کے مترادف ہے۔ نیز طریقتِ نقشبندیہ میں جذبہ، سلوک سے مقدم ہے۔ حالانکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ معرفت آفاق میں تھی اور یہ معرفت انفس میں ہوتی ہے۔

سوال

مذکورہ عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرات نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سیر اَنفسی، سیر آفاقی سے مقدم ہے جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ سیر آفاقی سیر اَنفسی پر مقدم ہے۔ان متضاد اقوال کی کیا وجہ ہے؟

جواب

طریقتِ نقشبندیہ میں جذبہ، سلوک پر مقدم ہے اس سے مراد جذبہٗ بدایت (جذبہٗ اولیٰ) ہے اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ جذبہ سیر اَنفسی کے مترادف ہے اس سے جذبہٗ ثانی مراد ہے نہ کہ جذبہٗ اولیٰ۔ جذبہٗ اولیٰ سیر آفاقی سے مقدم ہے اور جذبہٗ ثانی جو سیر اَنفسی کے مترادف ہے سیر آفاقی سے مؤخر ہوتا ہے۔ جذبہٗ اولیٰ عینِ جذبہ نہیں بلکہ صورتِ جذبہ ہے۔ اس لئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ طریقت نقشبندیہ میں ابتداء ہی میں سیر انفسی کی چاشنی کا ایک نمونہ چکھا دیا جاتا ہے۔ یعنی ابتداء میں جذبہ کا نمونہ (جذبہٗ بدایت) دے دیتے ہیں نہ کہ عینِ جذبہ (جذبہٗ نہایت) جو سیر اَنفسی کے مترادف ہے اور سیر آفاقی سے مؤخر ہے جو سیر فی اللہ میں دیتے ہیں۔ نیز اس مکتوب میں بھی صراحت فرمائی گئی ہے کہ طریقت نقشبندیہ میں بھی سیر آفاقی، سیر انفسی کی نسبت مقدم واقع ہوتی ہے اور بعض رسائل میں بھی ایسا ہی ہے، تاکہ سالک ممکنات میں سیر کر سکے یعنی عرش تک سیر آفاقی ہے اور اس کے بعد جو سیر عالمِ اَرواح اور اسماء وصفات میں ہوتی ہے وہ سیر فی اللہ اور سیر انفسی ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۴۸۹ تا ۴۹۱)

[اس نعمتِ عظمیٰ تک وصول سید اولین وآخرین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التحیات اکملہا کی اتباع سے وابستہ ہے۔ بندہ جب تک اپنے آپ کو پورے طور پر شریعت میں گم نہ کر دے۔ اور اَوامر کی بجا آوری اور ممنوعات سے رکنے کے ساتھ مزین وآراستہ نہ کرے۔ اس دولت ونعمت کی خوشبو بندے کی روح سونگھ نہیں سکتی۔ شریعت کی مخالفت کے باوجود اگرچہ بال برابر ہی ہو اگر احوال ومواجید حاصل ہوں تو وہ استدراج میں ظل ہیں۔ آخر اسے رسوا اور ذلیل کریں گے۔ محبوبِ رب العالمین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی اتباع اور پیروی کے بغیر عذابِ اُخروی سے خلاصی اور نجات ناممکن ہے۔ چند روزہ زندگی کو حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے پسندیدہ کاموں میں صَرف کرنا چاہیئے وہ کیا زندگی اور کیا عیش ہے۔ اگر بندے کا مالک ومولیٰ اس کے اعمال وافعال کی بنا پر اس سے ناراض ہو۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ بندے کے جزی اور کلی حالات سے واقف وآگاہ ہے اور حاضر وناظر ہے۔ ایسی عظیم وبرتر ہستی کے سامنے افعالِ قبیحہ کا مرتکب ہونا بڑے شرم کی بات ہے۔

مثال کے طور پر لوگوں کو اگر یہ معلوم ہو کہ کوئی شخص ان کے عیوب وناپسندیدہ افعال پر مطلع ہو جائے گا تو ایسی صورت میں کوئی ناشائستہ حرکت کرنے کو ہر گز تیار نہیں ہوتے اور نہیں چاہتے کہ وہ ان کے بُرے اعمال سے آگاہ ہو۔ تو کیا مصیبت ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے علم واطلاع کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔ یہ کیا اسلام ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا اس بندے کے برابر بھی لحاظ اور اعتبار نہیں کرتے۔ "نَعُوْذُ بِاللهِ سُبْحَانَهٗ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا"۔ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے پاس پناہ لیتے ہیں اپنے نفس کی شرارتوں اور اپنے بُرے اعمال سے بمطابق حدیث مبارک:

جَدِّدُوا اِیمَانَکُمْ بِقَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ۔

ترجمہ: اپنے ایمان کو کلمہ لاَ اِلٰہَ اِلاَّ اللہُ سے تازہ کرتے رہو۔[1]

اس کلمہ عظیم الشان کے ساتھ ہر آن تجدید ایمان کرتے رہنا چاہیئے۔ اور حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں ناپسندیدہ افعال سے توبہ اور رجوع کرتے رہنا چاہیئے۔ شاید دوسرے وقت تک توبہ کی فرصت ومہلت نہ دیں۔

هَلَکَ الْمُسَوِّفُوْنَ۔

ترجمہ: یعنی "ابھی کرلیں گے" کہنے والے ہلاک ہوچکے ہیں۔[2]

حدیثِ نبوی علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات ہے، یعنی نیک کام میں تاخیر کرنے والے ہلاکت کی طرف بڑھ رہے ہیں۔ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور حق تعالیٰ کی مرضی کے کاموں میں اپنے لمحاتِ زندگی صرف کرنے چاہئیں۔ توبہ کی توفیق حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایات میں سے ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے ہمیشہ اس بات کے خواہاں رہیں۔ اور وہ درویش جن کا قدم شریعت میں راسخ اور پختہ ہے، اور جو عالمِ حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں ان کی دعا وہمت وتوجہ کا طالب رہنا چاہیئے۔ اور ان سے مدد طلب کرنی چاہیئے تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت ومہربانی اُن کی مدد ودعا کی کھڑکی سے ظاہر ہوکر جناب قدس خداوند تعالیٰ کی طرف کھینچ لے، اور اس میں مخالفت کی گنجائش باقی نہ رہے۔ جب

---

[1] (مسند احمد، ج۳، ص ۲۴۲۶)

[2] (دیلمی نے مسند الفردوس میں حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت بالفاظ اَلتَّسْوِیْفُ شِعَارُ الشَّیْطَانِ یُلْقِیْهِ فِیْ قُلُوْبِ الْمُؤْمِنِیْنَ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ اِیَّاکَ وَالتَّسْوِیْفَ بِالتَّوْبَةِ نقل کی۔ اور امام بخاری نے تاریخ میں حضرت عکرمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بطریق ارسال روایت کی۔ اور خطیب نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ لَعَنَ اللہُ الْمُسَوِّفَاتِ روایت کی ہے۔)

تک ایک بال برابر بھی شریعت سے مخالفت کی راہ کھلی ہے بدستور خطرے کا محل موجود ہے۔ مخالفت کے تمام راستے بند اور مسدود ہونے ضروری ہیں۔

محال است سعدی کہ راہ صفا　　تواں رفت جز در پئے مصطفٰی

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدموں کو چھوڑ کر صفائی اور ہدایت کے راستے پر چلنا، اے سعدی محال ونا ممکن ہے۔

اہل اللہ پر اعتراض کرنا خصوصاً جہاں درمیان میں پیری مُریدی کا تعلق ہو اور درمیان میں راہِ افادہ کھلا ہوا ہو ہرگز ہرگز نہ چاہیئے۔ اعتراض اور نکتہ چینی کو زہرِ قاتل تصور کرنا چاہیئے۔ اس سے زیادہ گفتگو بے مقصد اور اطناب میں داخل ہے۔

یہ چند حروف رابطۂ محبت واخلاص کی بنا پر لکھے گئے ہیں۔ اُمید ہے کہ ملال کا باعث نہیں بنیں گے۔

دوسری بات یہ ہے کہ ملا عمر اور شاہ حسن شریف زادے ہیں۔ ملازمت ونوکری کے طلب گار ہیں۔ اُمید ہے کہ انہیں اپنے خاص ملازمین میں داخل کرلیں گے۔ اسماعیل بھی یہی ارادہ لے کر حاضر خدمت ہوا ہے، اگرچہ پیادہ ہے مگر اُمید رکھتا ہے کہ اپنے حال کے مطابق ضرور حصہ پائے گا۔ زیادہ دردِسری ٹھیک نہیں۔ والسلام والاکرام]

تشریح

اجمالی لحاظ سے سیریں دوطرح کی ہیں، ایک سیر آفاقی اور دوسری سیر انفسی۔ سیر آفاقی کا تعلق عالمِ خلق کے ساتھ ہے اور یہ جسدِ انسانی سے باہر ہوتی ہے۔ مثلاً سالک کا مکاشفات ومشاہدات کے دوران زمین وآسمان کی سیر کرنا اور مختلف مقامات کا مشاہدہ کرنا۔

سیر اَنفسی سالک کے اپنے وجود میں ہوتی ہے اور اس کا تعلق عالمِ اَمر کے ساتھ ہے۔یعنی سالک کا قلب ورُوح اور سِر و خفی اور اخفٰی اور ان کے مراتب و مقامات کا طے کرنا اور اخلاقِ رذیلہ سے اخلاقِ حمیدہ کی طرف منتقل ہونا سیر اَنفسی کہلاتا ہے۔ سیر آفاقی سلوک کے ساتھ وابستہ ہے اور سیر انفسی میں جذبے کا حصول ہے۔

(دارالمعـــرفت،جلددوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ یہاں اس امر کی طرف توجہ مبذول کروانا چاہتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ بندے کا خالق اور مالک ہے اور اس کے ہر قسم کے اطوار وحالات سے واقف ہے اور اس کی ناشائستہ حرکات وسکنات کو ملاحظہ بھی فرمارہاہے اس لئے ایسی عظیم وبرتر ہستی کے سامنے قبیح افعال کے ارتکاب اور ناپسندیدہ اعمال سے اجتناب کرنا چاہیئے تاکہ کل قیامت کے روز اسے پشیمان اور شرمندہ نہ ہونا پڑے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ علماء اعلام اور مفسرین کرام کے نزدیک حق تعالیٰ کے لئے حاضر وناظر کا استعمال حقیقی اور لغوی اعتبار سے جائز نہیں، البتہ تاویلاً اور مجازاً اطلاق جائز ہے، لہٰذا حاضر علیم اور ناظر بصیر کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور علیم اور بصیر حق تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ ہیں جیسا کہ آیات کریمہ: وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍعَلِيمٌ (البقرۃ ۲۹) اور إِنَّهُهُوَ السَّمِيعُ الْبَصِيرُ (الإسراء ۱) سے واضح ہے۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ نبی اکرم نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حاضر وناظر ہونے کا انکار جائز نہیں، کیونکہ یہ مسئلہ کتاب وسنت اور اہل کشف کے مکشوفات ومشاہدات سے ثابت ہے۔ اہلِ اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف قابلِ افسوس ہے۔ اللہ تعالیٰ اُمتِ مسلمہ کو حق پر استقامت عطا فرمائے۔

بینہ نمبر ۳

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے جو حاضر وناظر کا لفظ استعمال ہوتا ہے اس کے یہ معنی ہرگز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بشریت مطہرہ ہر جگہ اور ہر ایک کے سامنے موجود ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ عالم کا ذرہ ذرہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی روحانیت ونورانیت کی جلوہ گاہ ہے اور روحانیت ونورانیت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے لئے قُرب اور بُعدِ مکان یکساں ہے۔ کیونکہ عالمِ خلق زمان ومکان کی قید سے مقید ہوتا ہے، لیکن عالمِ اَمر ان قیود سے پاک ہے، لہٰذا ایک وقت متعدد مقامات پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا تشریف فرما ہونا اور ایک ہی وقت میں دور دراز مقاماتِ کثیرہ اور امکنۂ متعددہ میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو اہل اللہ کا دیکھنا اور کھلم کھلا بیداری میں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زیارت سے مشرف ہونا دلائل کی روشنی میں ایسا واضح امر ہے کہ جس کا انکار کوئی متدیّن مسلمان نہیں کر سکتا۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص ۴۹۱، ۴۹۲)

---

[1](تسکین الخواطر)

مکتوب نمبر ۷۹

[یہ مکتوب بھی جباری خان کی طرف صادر فرمایا:
اس بیان میں کہ یہ روشن شریعت تمام پہلی شریعتوں کی جامع ہے۔ اس شریعت پر عمل کرنا تمام پہلی شریعتوں پر عمل کرنے کے مترادف ہے، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔
اللہ تعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے طریقہ اور راستہ پر ثبات واستقامت عطا فرما کر مکمل طور پر اپنی جناب قدس کی طرف کھینچ لے۔]

تشریح

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام تک جتنے صحیفے اور آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں، قرآن عظیم الشان ان سب کا مجموعہ ہے بالفاظ دیگر قرآن عظیم الشان تمام تر معارف، کمالات اور تمام صفاتِ الٰہیہ کا جامع اور مظہر ہے۔ بعینہٖ یہ شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سابقہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعتوں کا مجموعہ ہے۔ گویا وہ احکامِ الٰہی جو مختلف اُمتوں پر مختلف اَدوار میں نازل ہوتے رہے ان کو اجمالاً شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا جزو بنا دیا گیا اور اس شریعت کو کُل کا درجہ دے دیا گیا۔

یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہود و نصاریٰ نے سابقہ کتبِ الٰہیہ کو اپنی اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر ڈالا اور جو احکامِ الٰہی انہیں مشکل نظر آئے انہیں محو کر دیا گیا لیکن قرآن عظیم الشان کو باری تعالیٰ نے تحریف وترمیم سے محفوظ کر دیا اور واضح کر دیا کہ:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے اتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔

پس مسلمانوں پر لازم ہے کہ محفوظ ومامون کلامِ الٰہی کی ہی تلاوت کریں اور ترمیم شدہ تورات، زبور اور انجیل کے مطالعہ سے اجتناب کریں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو انجیل پڑھتے دیکھ کر غصہ کا اظہار فرمایا اور اس کے مطالعہ کو ترک کرکے قرآن عظیم الشان پڑھنے کا حکم صادر فرمایا تو یہی حکم پوری اُمت کے لئے قانون کی حیثیت بن گیا۔ اب ان منسوخ شدہ کُتب کو پڑھنے والا اسلام اور اپنے ایمان کو نقصان پہنچانے کے لئے ہی ان کا مطالعہ کرے گا۔

[جبکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کے جامع ہیں۔ اور وہ کتاب جو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر نازل ہوئی ہے بطریقہ اعتدال تمام آسمانی کتابوں کی جو تمام انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر نازل ہوئی ہیں، بطورِ خلاصہ ان کی جامع اور اسمائی وصفاتی کمالات کی مظہر ہے۔ نیز وہ شریعت جو سرورِ دین ودُنیا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا فرمائی گئی ہے تمام پہلی شریعتوں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔ اور وہ اعمال جو اس شریعتِ حقہٗ کے مطابق ادا ہوں تمام ماسبق شریعتوں کا انتخاب ہیں بلکہ اعمال ملائکہ کے بھی انتخاب ہیں۔ کیونکہ بعض ملائکہ حالتِ رکوع میں رہنے پر مامور ہیں، بعض کو سجود میں رہنے کا حکم ہے، اور بعض قیام میں ہیں۔ اسی طرح پہلی اُمتوں میں بعض پر نماز فجر فرض تھی اور بعض دوسری اُمتوں پر دوسری نمازیں۔ اس شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ میں اُممِ سابقہ اور ملائکہ مُقربین کے اعمال کا خلاصہ اور نچوڑ نکال کر ان کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس شریعت کی تصدیق اور اس کے مطابق اعمالِ صالحہ کا بجالانا درحقیقت تمام شریعتوں کی تصدیق اور تمام شریعتوں کے مطابق اعمال کا بجالانا ہے۔ اسی بناء پر اس شریعت کی تصدیق کرنے والے خیر الامم کہلائے۔

اسی طرح اس شریعت کی تکذیب کرنا اور اس کے مطابق اعمال بجانہ لانا تمام پہلی شریعتوں کی تکذیب ہے۔ اور تمام پہلی شریعتوں کے مطابق عمل نہ کرنا ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا انکار تمام اسمائی اور صفاتی کمالات کا انکار ہے۔ اور آپ کی تصدیق ان سب کی تصدیق ہے، تو لازمی طور پر آپ کے منکر اور اس شریعت کے منکر بدترین اُمم ہیں۔

اسی وجہ سے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

الْأَعْرَابُ أَشَدُّ كُفْرًا وَنِفَاقًا (التوبة ٩٧)

ترجمہ: گنوار کفر اور نفاق میں زیادہ سخت ہیں۔

محمد عربی کابروئے ہر دو سراست

کسیکہ خاک درش نیست خاک بر سرِاُو

ترجمہ: محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جو دو جہاں کی عزت وآبرو ہیں۔ جو شخص آپ کے در کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے (یعنی وہ ذلیل وخوار ہو)۔]

تشریح

اہل سنت وجماعت کے مضبوط و محکم عقائد کے مطابق جس طرح کوئی بھی مخلوق اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات بابرکات میں شریک نہیں ہے اسی طرح صفاتِ الٰہی میں بھی شریک نہیں ہو سکتی۔ تاہم یہ بات سمجھنے کے لائق ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی صفات کے ظلی اثرات کا پَرتو عام مؤمنین اور صوفیاء کرام پر منعکس کرکے ان پر شفقت فرمائی ہے اور اپنی صفاتِ ذاتیہ کے اصل سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بالخصوص حضرت رسالت خاتمیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو مشرف فرما کر درجاتِ عالیہ کے لئے ممتاز فرمایا ہے۔ اسی نکتہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت

مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تمام اسمائی وصفاتی کمالات کے جامع ہیں۔اس سے کسی طرح کا شرک لازم نہیں آتا۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے سورۃ التوبۃ کی جو آیت بطورِ حوالہ درج کی ہے وہ بنی اسد اور بنی غطفا کے بارے میں نازل ہوئی جو شہر سے دور دیہات میں رہنے والے لوگ تھے، اور دیہاتوں میں رہنے کی وجہ سے سخت دل لوگ تھے، انہیں اعراب کہا جاتا تھا۔ آج کے دور میں شہروں میں رہنے والے لوگ بھی اگر دین سے دور ہوں اور دُنیا کے حصول میں مصروف ہوں تو وہ بھی اعراب ہی کے زمرے میں شامل ہیں۔ کیونکہ دِین سے دوری کفر ونفاق میں شدت کا مظہر ہے۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ امام طحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت عبید اللہ بن محمد سے انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی ہے کہ جب فجر کے وقت حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توبہ قبول ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فجر کی دو رکعت ادا کیں۔ اس طرح نمازِ فجر کا آغاز ہوا۔ اور بوقتِ ظہر جب حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مینڈھے کی شکل میں ذبح قبول ہوئی تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر کی چار رکعت ادا کیں، اس طرح نمازِ ظہر کی ابتداء ہوئی۔ اور جب حضرت عزیر علیہ الصلوٰۃ والسلام سو سال بعد دوبارہ زندہ ہوئے تو ان علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا کَمْ لَبِثْتَ یعنی تم کتنی دیر یہاں پڑے رہے۔ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا ایک روز۔ پھر آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سورج دیکھا تو فرمایا ایک دن یا دن کا بعض حصہ۔ تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چار رکعت عصر کی پڑھیں، تو اس طرح نمازِ عصر شروع ہوئی۔ اور حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مغفرت بوقتِ مغرب ہوئی، تو

آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام چار رکعت ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے تین رکعت پڑھ کر شدتِ غم اور رونے کے باعث تھک گئے اور اس طرح مغرب کی تین رکعت قرار پائی۔ اور عشاء کی نماز سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ادا فرمائی، پہلی امتوں میں نماز عشاء نہیں تھی۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو جملہ اسماء وصفات کے کمالات کا جامع ومظہر قرار دیا ہے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجودِ اقدس میں تمام صفاتِ عالیہ اور سافلہ کا ظہور ہوا لیکن دیگر انبیائے عظام علیہم السلام ان اوصاف کے جامع نہیں ہیں۔ بقول شاعر:

حُسنِ یوسف، دمِ عیسیٰ، یدِ بیضا داری　　　آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دراصل اس مسئلہ میں حضرت ابن عربی قدس سرہٗ اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کی آراء مختلف ہیں:

حضرت ابن عربی قدس سرہٗ کا مؤقف ہے "جمع محمدی است از جمع بے پایانِ الٰہی جل سلطانہٗ" جمع محمدی بے پایان الٰہی جل سلطانہٗ سے اجمع (زیادہ جامع) ہے۔

یعنی حضرت شیخ اکبر قدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وجوب اور امکان کے جامع ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ممکنات میں سے ہیں اور صفاتِ واجب تعالیٰ (حیات وعلم وغیرہا) بھی ان کی ذات مبارک میں ظاہر ہیں۔

حضرت ابن عربی قدس سرہٗ نے امکان ووجوب کو جمع کرنے کا نظریہ یوں بیان فرمایاہے:

وَصُوَرُ الْعَالَمِ لَا یُمْکِنُ زَوَالُ الْحَقِّ عَنْهَا اَصْلاً۔

یعنی عالم کی صورتوں سے حق تعالیٰ کا جدا ہونا ہرگز ممکن نہیں۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جملہ اسماء وصفات کے کمالات کے جامع ومظہر ہیں۔

حق تعالیٰ کی صفات اپنے کمال تقدس وتنزہ کی وجہ سے صفات ممکنات سے کوئی نسبت نہیں رکھتیں جیساکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

صفاتِ واجب الوجود جل سلطانہٗ۔۔۔ از کمالِ تقدس وتنزہ ہیچ نسبتے بصفاتِ ممکن ندارند۔۔۔ وایضاً صفاتِ ممکن حکمِ میت دارند وجماد محض اند۔[2]

لیکن حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خلقت صفاتِ اضافیہ سے ہے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وجود مبارک عالمِ ممکنات سے نہیں ہے، بلکہ اس عالم سے فوق ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سایہ نہ تھا۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

بکشفِ صریح معلوم گشتہ است کہ خلقتِ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات ناشی ازین امکان ست کہ بصفاتِ اضافیہ تعلق دارد نہ امکانے کہ در

---

[1] (فصوص الحکم کلمہ نوحیہ)

[2] (دفتر سوم، مکتوب ۱۱۳)

سائرِ ممکناتِ عالم کائن است وہر چند بدقتِ نظر صحیفۂ ممکناتِ عالم را مطالعہ نمودہ می آید وجود آنسرور آنجا مشہود نمیگردد بلکہ منشاء خلقت وامکانِ او علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام وجودِ صفاتِ اضافیہ وامکانِ شان محسوس میگردد وچون وجودِ آنسرور علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام در عالم ممکنات نباشد بلکہ فوقِ این عالم باشد ناچار اورا سایہ نبود۔[1]

اسی مکتوب میں ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

باید دانست کہ خلقِ محمدی در رنگ سائر افرادِ انسانی نیست بلکہ بخلق ہیچ فردے از افرادِ عالم مناسبت ندارد کہ او صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم باوجودِ نشاء عنصری از نورِ حق جل وعلا مخلوق گشتہ است کَمَا قَالَ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ ودیگران را این دولت میسر نشدہ است۔

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ خلقِ محمدی علیٰ صاحبہا الصلوات دوسرے افرادِ انسانی کی پیدائش کی طرح نہیں ہے بلکہ افرادِ عالم میں سے کوئی فرد اُن کی پیدائش سے مناسبت نہیں رکھتا کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم باوجود عنصری پیدائش کے نورِ حق جل وعلا سے پیدا ہوئے ہیں جیسا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا: خُلِقْتُ مِنْ نُّوْرِ اللّٰہِ (میں اللہ تعالیٰ کے نور سے پیدا کیا گیا ہوں) اور دوسروں کو یہ دولت حاصل نہیں۔

سردار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم صفت العلم اور شان العلم کا مظہر ہیں جو دیگر صفات سے فوق تر ہیں۔

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

پس علم را با ذاتِ عالمِ اتحادے ست و اضمحلالے کہ غیر او را نیست از پنجا قربِ احمد با احد باید دریافت چہ واسطہ کہ در میان دارد و آن صفتِ علم ست امر یست کہ اتحاد بمطلوب دارد پس حجابیت را در آن جا چہ گنجائش و ایضاً علم را حسنے ست ذاتی کہ غیر او راز صفات این حسن ثابت نیست لہٰذا بزعم این فقیر محبوب ترین صفات واجبی نزدِ حق جل وعلا صفۃ العلم ست و چون حسنِ آن شائبہ بے چونی دارد حسِ دراداراک آن قاصر است ادراکِ تام آن حسن مربوط بنشاء آخرت است کہ موطن رویت ست چون خدا را عز و جل بہ بینند جمالِ محمد را دریابند ہر چند درین نشاء دو ثلث حسن بحضرت یوسف مسلم شد و ثلث باقی بہمہ تقسیم شد اما دران نشاء حُسن حسنِ محمدی ست و جمال جمالِ محمدی ست علیہ الصلوات والتسلیمات کہ محبوبِ خداوند است جل سلطانہٗ، چگونہ حسنِ دیگرے را با حسنِ او مشارکت بود کہ حسن او بواسطہٗ اتحادیت بمطلوب حُسن عین مطلوب ست و دیگرے را چون اتحاد نیست آن حُسن نیست پس خلقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام باوجودِ حدوث مستند بقدم ذات گشت تعالیٰ وامکانِ او نیز منتہی بوجوبِ ذات شد تعالیٰ و حُسن او حُسن ذات آمد تعالیٰ کہ شائبہٗ غیر حسن بروے کائن نیست چون چنین شد ناچار متعلق ب

محبت جمیل مطلق گشت و محبوبِ اوآمد سُبْحَانَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔[1]

ترجمہ: پس علم کو ذاتِ عالم کے ساتھ ایسا اتحاد اور نیستی ہے جو دوسروں کو حاصل نہیں ہے اس جگہ احمد کا احد کے ساتھ قُرب دریافت کرنا چاہیئے کہ کون سا واسطہ ان کے درمیان ہے، وہ صفتِ علم ہے۔ وہ ایک ایسا امر ہے جو مطلوب کے ساتھ اتحاد رکھتا ہے لہٰذا احجاب کو اس جگہ کیا گنجائش ہو سکتی ہے اور پھر یہ بھی ہے کہ علم کا ایک ذاتی حُسن ہے کہ دوسری صفات کے لئے یہ حُسن ثابت نہیں ہے لہٰذا اس فقیر کے خیال کے مطابق صفات واجبی میں سے محبوب ترین صفت حق تعالیٰ کے نزدیک صفت العلم ہے اور چونکہ اس کا حُسن بے چونی کی آمیزش رکھتا ہے، لہٰذا حس اس کے ادراک سے قاصر ہے اس حُسن کا کامل ادراک آخرت کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے جو کہ مقامِ رؤیت ہے، جب خدا تعالیٰ کے دیدار سے مشرف ہوں گے تو جمال محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو بھی پا لیں گے۔۔۔۔ اگرچہ اس دنیا میں دو تہائی حسن حضرت یوسف علیہ السلام کے لئے مسلم ہے، باقی تیسرا حصہ تمام میں تقسیم ہوا ہے لیکن عالمِ آخرت میں حُسن صرف حُسنِ محمدی ہے اور جمال بھی صرف جمالِ محمدی علیہ الصلوات والتسلیمات ہے کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم محبوبِ خدا ہیں دوسرے حُسن کو آپ کے حُسن کے ساتھ کس طرح مشارکت ہو سکتی ہے؟ کیونکہ آپ کا حُسن مطلوب کے حُسن کے ساتھ اتحادیت کے واسطے سے عین مطلوب ہے اور چونکہ دوسروں کے لئے یہ اتحاد نہیں ہے اس لئے ایسا حُسن بھی نہیں ہے پس خلقتِ محمدی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام باوجود حادث ہونے کے ذاتِ تعالیٰ کے قدم کے ساتھ مستند ہوئی اور آپ کا امکان

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

بھی وجوبِ ذات تعالیٰ کے ساتھ منتہی ہوا اور آپ کا حُسن حُسنِ ذات تعالیٰ ہوا کہ اس میں غیر حُسن کی آمیزش نہیں۔ جب ایسا ہو گیا تو لازماً آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت جمیلِ مطلق کی محبت سے متعلق ہو گئی اور آپ اللہ تعالیٰ کے محبوب ٹھہرے: سُبْحَانَہٗ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالیٰ جَمِیْلٌ یُحِبُّ الْجَمَالَ۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نقل فرماتے ہیں کہ سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حسن ملیح تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام کا حُسن صبیح تھا۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اَخِیْ یُوْسُفُ اَصْبَحُ وَاَنَا اَمْلَحُ۔[1] سے ظاہر ہے۔ حُسنِ صبیح تو ادراک میں آجاتا ہے مگر حُسنِ ملیح ادراک میں نہیں آتا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی صباحت نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو شیدا بنا دیا جبکہ سردارِ دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنی ملاحت کی وجہ سے محبوبِ خدا ٹھہرے۔

شیخ الاسلام حضرت شیخ شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

فَھُوَ الَّذِیْ تَمَّ مَعْنَاہُ وَصُوْرَتُہٗ ثُمَّ اصْطَفَاہُ حَبِیْبًا بَارِئُ النَّسَمِ

ترجمہ: سو وہی ہیں کہ کمالاتِ باطنی اور ظاہری ان پر ختم ہیں۔ پھر حبیب بنالیا ہے ان کو خلقت کے پیدا کرنے والے نے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ محبت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ محبت ہے جو محب کو اپنی ذات کے ساتھ ہوتی ہے اور ایک محبت وہ ہے جو غیر سے تعلق رکھتی ہے پہلی قسم کی محبت ذاتی ہے جو محبت کی اقسام میں سب

---

[1] (مدارج النبوۃ)

سے بلند ہے کیونکہ کوئی شخص بھی کسی چیز کو اس قدر محبوب نہیں رکھتا جتنا کہ اپنی ذات کو، اور محبت کی یہ قسم اَحکم واَوْثق ہے جو کسی عارض کے پیش آنے کی وجہ سے زوال پذیر نہیں ہوتی نیز اس محبت کا متعلق محبوب صرف ہے جو محبیت کا شائبہ نہیں رکھتی، بخلاف محبت کی دوسری قسم کے کہ وہ عارضی اور زوال پزیر ہے اور اس کا متعلق بھی ایک حیثیت سے محبوب ہے لیکن متعدد وجوہ سے محبیت بھی رکھتاہے اور چونکہ خاتم الرسل علیہ و علیہم الصلوات والتسلیمات کا حسن وجمال حضرت ذات تعالیٰ کے حُسن وجمال سے مستند ہے تو لازمی طور پر پہلی قسم کی محبت جو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات سے متعلق ہے وہ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے متعلق ہو گی اور ذاتِ سُبحانہٗ کی مانند اس محبت کے تعلق کی وجہ سے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی محبوب محض ہوئے چونکہ دوسروں کو یہ دولت میسر نہیں ہے اور حُسنِ ذات سے بہت تھوڑا حصہ رکھتے ہیں، لہٰذا دوسری قسم کی محبت ان سے تعلق رکھتی ہے اور ایک وجہ سے ان کو محبوب بناتی ہے پس محبوبِ مطلق حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی ہیں جو کہ محب کی ذات کی مانند ہمیشہ محبوب ہیں۔[1]

بینہ نمبر ۲

صوفیاء کے نزدیک حقائقِ اشیاء اعیانِ ثابتہ ہیں جو اسماء الٰہی جل سلطانہٗ کی صور علمیہ ہیں نہ کہ اسماء الٰہی اپنی ذات کے ساتھ اور اس عالم کو انہوں نے صور علمیہ کا ظہور کہاہے، اگرچہ مجازی طور پر اس کو اسماءِ کا ظہور بھی کہتے ہیں بلکہ کسی چیز کی علمی صورت بھی ان کے نزدیک اس شئ کا عین ہوتی ہے نہ کہ اس شئ کی مثال اور نظیر اور وہ جو اس فقیر نے آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلقت کے متعلق کہاہے وہ اسمِ الٰہی جل سلطانہٗ کے نفس (ذات) کا ظہور ہے نہ کہ اسم کی صورتِ علمی کا ظہور۔ کسی چیز کی نفسِ

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب ۱۰۰)

شئ اور صورتِ علمیہ کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اگر آتش کو اس کی صورتِ علمیہ میں تصور کرتے ہیں تو اس میں وہ روشنی اور چمک کہاں ہے جو اس آتش کے کمال وجمال کا باعث ہے اور صورتِ علمی میں وہ آتش کی مثال اور شبیہ سے زیادہ اور کچھ موجود نہیں ہے۔ [1]

بینہ نمبر ۳

غیر محمدی المشرب سالکین جو دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مشرب پر ہوتے ہیں ان کا نہایت عروج مقامِ خفی تک ہوتا ہے جبکہ محمدی المشرب صوفیاء کا نہایتِ عروج مقامِ اخفٰی تک ہوتا ہے جب عارف ماسویٰ اللہ کے تعلقات سے رہائی حاصل کرلیتا ہے اور اغیار کے پردے پھاڑ کر آگے گزر جاتا ہے تو وہ کمالاتِ وجوبی کا مظہر بن جاتا ہے۔ بعض عارف کمالاتِ عالیہ کے مظہر ہوتے ہیں اور بعض کمالاتِ سافلہ کے یعنی عارفین انوار ومراتب ومشارب میں یکساں نہیں بلکہ متفاوت ہوتے ہیں۔

بینہ نمبر ۴

یہ امر ذہن نشین رہے کہ عالم کا حق تعالٰی کے اسماء وصفات کی مظہریت ومرآتیت سے مرادیہ ہے کہ وہ اسماء وصفات کی صورتوں کا مظہر اور آئینہ ہے، نہ کہ اسماء وصفات کے آئینے کیونکہ اسم بھی مسمّٰی کی مانند کسی آئینے میں محدود نہیں ہو سکتا، اور صفت بھی (اپنی بے مثل) موصوف کی طرح کسی مظہر میں مقید نہیں ہو سکتی ہے۔

در تنگنائے صورت معنی چگونہ گنجد — در کلبۂ گدایاں سُلطاں چہ کار دارد

صورت کے تنگ گھر میں معنی کہاں سے آئے — منگتے کی جھونپڑی کیوں بادشاہ جائے [1]

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۱۰۰)

بینہ نمبر ۵

صوفیائے وجودیہ رحمہم اللہ تعالیٰ ممکن کو عین واجب اور مخلوق کو ذات کا آئینہ قرار دیتے ہیں۔ جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک ذاتِ حق اور مخلوق میں عینیت نہیں، غیریت ہے اور مخلوق کے مظہر اور آئینہ ہونے کا مفہوم سوائے دالّ اور مدلول کے اور کچھ بھی نہیں ہو سکتا ہے۔ جیسے تحریر محرر کے وجود پر، صنعت صانع کے وجود پر دلالت کرتی ہے ایسے ہی مخلوق خالق کے وجود پر دلیل ہے اس کے علاوہ خالق اور مخلوق میں کوئی مناسبت، مشارکت اور مشابہت نہیں ہے۔

تو دِل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں تیری پہچان یہی ہے!

جامعیتِ قرآن

زیرِ نظر سطور میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ قرآن مجید کو جملہ کتبِ سماویہ کا خلاصہ اور لبِ لباب قرار دے رہے ہیں کیونکہ تمام آسمانی کتابوں کے علوم و معارف اور ثمرات و مطالب اس میں درج ہیں جیسا کہ آیۃ کریمہ: يَتْلُو صُحُفًا مُطَهَّرَةً (٢) فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ (البینۃ٣) سے عیاں ہے۔ نیز امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں جن میں کائنات کے تمام علوم و معارف بیان کر دیئے پھر تمام علوم کو چار معروف کتابوں (تورات، زبور، انجیل اور قرآن مجید) میں جمع فرما دیا، پھر ان میں سے پہلی تین کتابوں کے جملہ معارف کو قرآن مجید میں جمع کر دیا۔

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۲۸۷)

یوں یہ قرآن مجید ایسی جامع کتاب قرار پائی کہ ابن ابی الفضل المرسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

جَمَعَ الْقُرْآنُ عُلُومَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ بِحَيْثُ لَمْ يُحِطْ بِهَا عِلْمًا حَقِيقَةً إِلَّا الْمُتَكَلِّمُ بِهَا ثُمَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

یعنی قرآن مجید نے اولین وآخرین کے تمام علوم و معارف کو اپنے اندر اس طرح جمع کر لیا ہے کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ ان علوم کا احاطہ آج تک کوئی نہیں کر سکا۔[1]

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے:

مَنْ أَرَادَ الْعِلْمَ فَعَلَيْهِ بِالْقُرْآنِ فَإِنَّ فِيهِ خَبَرَ الْأَوَّلِينَ وَالْآخِرِينَ۔

یعنی جو شخص علم حاصل کرنا چاہتا ہے اس کے لئے قرآن کا دامن تھامنا ضروری ہے کیونکہ اس میں اولین وآخرین کے سارے علوم موجود ہیں۔[2] اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

شریعتِ محمدیہ کی جامعیت

زیرِ نظر سطور میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے اعمال کو گذشتہ امتوں اور مقرب فرشتوں علیہم السلام کے اعمال کا خلاصہ اور منتخب فرمودہ عمدہ حصہ قرار دیا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اس کی تصدیق و تعمیل کرنے والے خَيْرُ الْأُمَمِ اور خَيْرُ الْبَرِيَّةِ کے لقب سے ملقب ہوئے، جیسا کہ آیۃ کریمہ: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ فِي نَارِ جَهَنَّمَ

---

[1] (الاتقان، ج۲، ص۱۲۶)

[2] (الاتقان، ج۲، ص۱۲۶)

خَالِدِینَ فِیهَا أُولَئِکَ هُمْ شَرُّ الْبَرِیَّةِ (البینة ٦) اور الْأَعْرَابُ أَشَدُّ کُفْرًا وَنِفَاقًا (التوبة ٩٧) سے ظاہر ہے۔

اعمال وعبادات میں سب سے افضل عبادت و عمل نماز ہے، جو دین کا ستون اور مؤمن کی معراج ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اس کا اجمالی تذکرہ فرما کر اس روایت کی طرف اشارہ فرما دیا ہے جو اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے مروی ہے کہ جب فجر کے وقت حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی تو انہوں نے (بطور شکرانہ) دو رکعت نماز ادا کی اس طرح نمازِ فجر کی ابتداء ہوئی اور جب ظہر کے وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذبیحہ مینڈھے کی صورت میں قبول ہوا تو انہوں نے چار رکعات ادا کیں اس طرح نماز ظہر کی ابتدأ ہوئی اور جب حضرت عزیر علیہ السلام سو سال کے بعد دوبارہ زندہ ہوئے تو ان سے کہا گیا: کَمْ لَبِثْتَ (کتنی دیر آپ یہاں پڑے رہے) آپ نے کہا ایک دن لیکن جب آپ نے سورج کو دیکھا تو فرمایا ایک دن یا دن کا کچھ حصہ، تو آپ نے چار رکعات ادا فرمائیں، اس طرح نمازِ عصر کی ابتداء ہوئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی مغفرت بوقت مغفرت بوقت مغرب ہوئی تو آپ چار رکعات ادا کرنے کے لئے کھڑے ہوئے۔ لیکن شدتِ گریہ کے باعث تین رکعات پڑھ کر تھک گئے تو اس طرح نمازِ مغرب تین رکعات قرار پائی اور نمازِ عشاء سب سے پہلے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ادا فرمائی (سابقہ امتوں میں نماز عشاء نہ تھی)۔[1]

---

[1](مرقاۃ شرح مشکوٰۃ، ج۲، ص ۱۲۴)

بینہ نمبر ۶

واضح رہے کہ جد الانبیاء حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جس فرزند ارجمند کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ کون ہیں حضرت اسماعیل یا حضرت اسحاق علیہما السلام۔ ہمارے نزدیک دونوں حضرات قابل احترام اور لائقِ تعظیم ہیں اور ہم دونوں پر ایمان رکھتے ہیں لیکن علمی دلائل اور تاریخی شواہد کی روشنی میں جمہور اہل اسلام اور محققین کا مؤقف یہ ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں۔

مُشتے نمونہ از خروارے صرف چند دلائل نذرِ قارئین ہیں:

- قرآن کریم میں ابتلائے مبین میں کامیابی پر ذبح عظیم کا مُژدہ سنانے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حضرت اسحاق علیہ السلام کی ولادت ونبوت کی بشارت دی گئی، جیسا کہ آیۃ کریمہ: وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ نَبِيًّا مِنَ الصَّالِحِينَ (الصافات ۱۱۲) سے ظاہر ہے جو اس امر کی بیّن دلیل ہے کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی ہیں جن کا اس سے قبل ذکر ہوا۔[1]
- ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے: اَنَا ابْنُ الذَّبِيْحَيْنِ۔ (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) میں پہلے ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے ذبیح حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں، حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی آپ کے آباؤاجداد میں سے ہیں جن سے آپ کا شجرہ نسبت

---

[1](تفسیر احکام القرآن وتفسیر مظہری)

جاملتاہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ ذبیح حضرت اسماعیل علیہ السلام ہیں حضرت اسحاق علیہ السلام نہیں (علامہ ابن جوزی نے وفامیں اس روایت کو صحیح قرار دیاہے)۔

- اسلافِ کرام کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا زعم جن روایات سے ہوتا ہے وہ انہوں نے حضرت کعب احبار سے سُنی تھیں جو گاہے بگاہے اسرائیلی روایت بھی بیان فرمایا کرتے تھے کعب احبار پہلے یہودی تھے، پھر مسلمان ہوئے وہ صحابی نہیں بلکہ تابعی ہیں اپنی یہودیت کے زمانے میں بہت سی باتیں اور قصے یہودیوں سے سُنا کرتے تھے اور صحابہ و تابعین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سامنے بطورِ حکایت بیان کر دیا کرتے تھے جس سے ان کی غرض یہودیوں کے اقوال اور من گھڑت قصوں کی تصدیق و توثیق کرنا نہیں ہوتی تھی۔ حضرت کعب احبار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بطور حکایت بیان کردہ ان ہی اقوال اور قصوں کو اسرائیلیات کہا جاتا ہے جنہیں حضرات صحابہ و تابعین رضی اللہ عنہم حضرت کعب احبار سے سُن کر آگے بیان کر دیا کرتے تھے، یوں وہ واقعات مسلسل نقل ہوتے چلے آئے سننے اور سنانے والے ثقہ ہوتے تھے اس لئے وہ روایات روایت کے درجہ میں تو صحیح اور ثابت قرار پائیں مگر فی نفسہا وہ منقولہ اقوال اور واقعات واقع کے مطابق نہ تھے۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کی روایات بھی اسی قبیل سے معلوم ہوتی ہیں جو اسرائیلیات میں سے ہیں اور اسرائیلی روایات مردود، بے بنیاد اور نا قابلِ التفات ہیں۔[1]
- خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے کا قول یہودی تحریفات میں سے ہے کیونکہ یہودی حضرت اسحاق علیہ

[1] (حاشیہ جلالین و التبیان مع البیان)

السلام کی اولاد میں سے ہیں اس لئے وہ بر بنائے تعصب حضرت اسحاق علیہ السلام کے ذبیح ہونے پر ہی مصر ہیں۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۲، ص۴۹۵ تا ۵۰۷)

[اللہ صاحبِ انعام اور صاحبِ احسان ہی کی حمد و ثنا ہے کہ اس شریعت اور صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے متعلق آپ کو حُسنِ اعتقاد اور کمال یقین آپ پر ثابت ہو چکا تھا۔ اور آپ کو اپنے نامناسب حالات پر ہمیشہ ندامت دامن گیر رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ آپ کی اس کیفیت میں مزید اضافہ فرمائے۔

دوسری التماس یہ ہے کہ اس رقعہ دُعا کا حامل شیخ مصطفیٰ قاضی شریح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی نسل سے ہے۔ ہندوستان میں ان کے بزرگ بزرگوں کی حیثیت میں تشریف لائے۔ ان کے بزرگوں کے ذرائع معاش اور بہت سے وظائف مقرر تھے۔ شیخ مصطفیٰ مذکور بے معاشی کے سبب فوج کی ملازمت کی طرف متوجہ ہوئے ہیں اور اپنی اسناد اور متعلقہ احکام اپنے ہمراہ لائے ہیں۔ انہیں اُمید ہے کہ آپ کے توسل سے ان کو دل جمعی اور سکون نصیب ہو جائے گا۔ شخص مذکور کے لئے بڑے آفیسروں کی خدمت میں اس طرح سفارش فرمائی کہ مؤثر ثابت ہو۔ اور معاشی پریشانیوں کے ستائے ہوئے افراد کے لئے سکونِ قلب کا سبب ہو۔ وَالسَّلَامُ وَالْاِکْرَامُ]

---

[1] مزید تحقیق کے لئے تفسیر ابن کثیر اور تفسیر مظہری، پارہ ۲۲ ملاحظہ فرمائیں۔

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے کئی ایک مکاتیب میں اپنے عقیدت مندوں کے لئے اصحابِ جاہ وثروت اور امراء کے آگے سفارشیں فرمائی ہیں جیسا کہ زیرِ نظر مکتوب کے آخر میں بھی نظر آتا ہے تو آئیں دیکھتے ہیں کہ سفارش کی کوئی شرعی دلیل بھی موجود ہے یا نہیں؟

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں فرمایا ہے کہ:

مَنۡ يَشۡفَعۡ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنۡ لَهُ نَصِيبٌ مِنۡهَا (النساء ۸۵)

ترجمہ: جو اچھی سفارش کرے اُس کے لیے اس میں سے حصّہ ہے۔

حضرت مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ:

هی شفاعة بعضهم لبعض ويؤجر الشفيع على شفاعته وان لم يشفّع۔

ترجمہ: اس سے لوگوں کی (باہمی) سفارش مراد ہے۔ سفارشی کی سفارش اگر قبول نہ بھی کی جائے گی تب بھی سفارشی کو اس کی سفارش کا ثواب ملے گا۔[1]

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمَ، إِذَا أَتَاهُ طَالِبُ حَاجَةٍ، أَقۡبَلَ عَلَى جُلَسَائِهِ فَقَالَ: اشۡفَعُوا فَلۡتُؤۡجَرُوا، وَلۡيَقۡضِ اللهُ عَلَى لِسَانِ نَبِيِّهِ مَا أَحَبَّ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں جب کوئی حاجت مند آتا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے نشینوں سے متوجہ ہو کر فرماتے اس کی سفارش کرو تاکہ تم

---

[1] (تفسیر مظهری، ج ۱، ص ۸۴۸، ناشر: مکتبة رشدیه)

اَجر پاؤاور اللہ تعالیٰ تو اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زبان پر وہی فیصلہ جاری فرمائے گا جو وہ پسند فرماتا ہے۔[1]

فائدہ

مسلمان کے لئے دعا کرنے کا شمار بھی شفاعتِ حسنہ میں ہے حضرت ابو درداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "مَا مِنْ عَبْدٍ مُسْلِمٍ يَدْعُو لِأَخِيهِ بِظَهْرِ الْغَيْبِ، إِلَّا قَالَ الْمَلَكُ: وَلَكَ بِمِثْلٍ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا جو بھی مسلمان اپنے بھائی کے پس پُشت (یعنی غائبانہ) اس کے لئے دُعا مانگتا ہے تو فرشتہ کہتا ہے تیرے لئے بھی اسی کی طرح ہو۔[2]

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ:

الشفاعة الحسنة الإصلاح بين الناس۔

ترجمہ: لوگوں میں باہم صلح کروانا شفاعتِ حسنہ ہے۔[3]

مندرجہ بالا تحقیق سے ثابت ہوا کہ کسی مجبور و بے بس مسلمان بھائی کی مشکل دور کرنے کے لئے کسی کے آگے سفارش کرنا نہ صرف اچھا عمل ہے بلکہ قرآن و سنت کے عین مطابق ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

---

[1](صحیح مسلم، ج۴، ص ۲۰۲۶، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)
[2](صحیح مسلم، ج۴، ص ۲۰۹۴)
[3](تفسیر مظھری، ج ۱، ص ۸۴۸، ناشر: مکتبة رشدیه)

مکتوب نمبر ۸۰

[میرزا فتح اللہ حکیم کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ تہتر (۷۳) فرقوں میں سے صاحبِ نجات فرقہ صرف اہل سنت وجماعت ہیں۔اور بدعتی فرقوں کی مذمت اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کے راستہ اور طریقہ پر قائم رکھے۔

کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، باقی سب کام ہیچ ہیں۔

تہتر (۷۳) فرقوں میں سے ہر فرقہ اتباعِ شریعت کا مدعی اور اپنی نجات پر یقین رکھتا ہے۔

كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُونَ (المؤمنون ۵۳)

ترجمہ: ہر گروہ جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔

سب کا نقد وقت ہے۔ لیکن جو دلیل پیغمبر صادق علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا نے فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والے) کی تمیز کے لئے بیان فرمائی ہے، یہ ہے:

اَلَّذِیْنَ هُمْ عَلٰی مَآ اَنَا عَلَیْهِ وَ اَصْحَابِیْ۔

ترجمہ: یعنی فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جو نجات پائے گا وہ ہے جو اس طریقے پر قائم ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔[1]]

---

[1] (تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار، ج ۲، ص ۵۵۶، المعجم الکبیر للطبرانی)

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

ذَرُوْا الْمِرَاءَ فَإِنَّ بَنِيْ إِسْرَائِيلَ افْتَرَقُوْا عَلَى إِحْدَى وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً وَالنَّصَارَى عَلَى اثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً وَإِنَّ أُمَّتِي سَتَفْتَرِقُ عَلَى ثَلَاثَةٍ وَسَبْعِينَ فِرْقَةً كُلُّهَا فِي النَّارِ إِلَّا السَّوَادُ الْأَعْظَمُ، قِيلَ: يَارَسُولَ اللهِ مَا السَّوَادُ الْأَعْظَمُ؟ قَالَ: مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي مَنْ لَمْ يُمَارِ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ تَعَالٰی۔

ترجمہ: تقسیم ہونا چھوڑ دو، کیونکہ بنی اسرائیل اکہتر (۷۱) فرقوں میں تقسیم ہوگئے اور عیسائیوں کو بہتر (۷۲) فرقوں میں تقسیم کر دیا گیا اور میری اُمت وعنقریب تہتر (۷۳) فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی اور سواد اعظم کے علاوہ باقی سب گمراہی پر ہوں گے (صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے پوچھا کہ یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سواد اعظم کیا ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ یہ وہ (لوگ) ہیں جو میرے طریقے اور میرے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقہ پر ہوں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے دین میں تقسیم نہیں ہوں گے۔[1]

اس حدیث کو امام احمد وترمذی اور ابوداؤد نے بھی روایت ہے۔

اس حدیث شریف سے یہ ثابت ہوا کہ اہل سنت وجماعت کے علاوہ جتنے فرقے ہیں وہ ضلالت وگمراہی میں ہیں۔

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ:

عن ابن عمر رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم: ”اتَّبعوا السَّوادَالأعظمَ“۔

---

[1] (تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار، ج ۲، ص ۵۵۶، المعجم الکبیر للطبرانی)

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ سوادِ اعظم کی پیروی کرو۔[1]

اور سوادِ اعظم سے مراد چاروں فقہی مذاہب ہیں یعنی مذہبِ حنفی، مذہبِ شافعی، مذہبِ مالکی اور مذہبِ حنبلی رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ مقلد کے لئے واجب ہے کہ مذاہبِ اربعہ میں سے ایک (مذہب) کو اپنے لئے متعین کرلے۔

حضرت ابن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام اعظم صوفی کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ:

إِذَا جَاءَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَى الرَّأْسِ وَالْعَيْنِ وَإِذَا جَاءَ عَنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَخْتَارُ مِنْ قَوْلِهِمْ وَإِذَا جَاءَ عَنِ التَّابِعِينَ زَاحَمْنَاهُمْ۔

ترجمہ: جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حدیثِ مبارکہ آجائے تو وہ ہمارے سر آنکھوں پر ہے اور جب کوئی بات اصحاب نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے آجائے تو ہم ان کے قول کو (بھی) اختیار کرلیتے ہیں اور جب کوئی بات تابعین کی طرف سے آجائے تو ہم اس میں کلام (یعنی بحث ومباحثہ) کرتے ہیں (اور پھر اس کے نتیجے میں جو بہتر فیصلہ سامنے آئے اُس پر عمل اختیار کرلیتے ہیں)۔[2]

---

[1](مرقاة المفاتيح، ج ١، ص ٢٨٢، الناشر: دار النوادر، وهو من إصدارات إدارة الثقافة الإسلامية - وزارة الأوقاف الكويتية)

[2](المدخل الى السنن الكبرى للبيهقى، ج ١، ص ١١١، الناشر: دار الخلفاء للكتاب الإسلامي -الكويت)

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مکتوب نمبر ۵۵ جلد، سوم، حصہ ہفتم میں فرمایاہے کہ:

اور حضرت عیسیٰ علی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام جو کہ بعد نزول اس شریعت کی اتباع کریں گے۔ آں سرور علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی سُنت کی اتباع ہی کریں گے کہ اس شریعت کا نسخ جائز نہیں ہے۔ ہو سکتاہے کہ علماءِ ظواہر حضرت عیسیٰ علی نبیناوعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے اجتہادات کی اپنے ماخذ کے کمال اور دقیق ہونے کی وجہ سے مخالفت کریں گے اور ان کو کتاب وسنت کے مخالف سمجھیں گے۔ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال حضرت امام اعظم کوفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرح ہے کہ پرہیز گاری اور تقویٰ کی برکت اور سنت کی متابعت کی بدولت سے اجتہاد اور استنباط کے نہایت بلند درجے پر پہنچ چکے ہیں کہ دوسرے لوگ اس کے سمجھنے سے بھی قاصر ہیں اور دقتِ معانی کی وجہ سے ان کے اجتہادات کو کتاب وسنت کے مخالف سمجھتے ہیں اور ان کے اصحاب کو اصحاب الرائے کہتے ہیں۔

پس جو کوئی مذہبِ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو سُنت کے خلاف سمجھ کر موافق عمل بالحدیث کا دعویٰ کرتا ہے اور اس قدر قوتِ علمی نہیں رکھتا کہ حدیثِ صحیح وضعیف اور متعارض ومنسوخ میں فرق کر سکے تو ایسا شخص ہلاکت میں پڑا ہے اور آئمہ اربعہ کی تقلید کے انکار کی وجہ سے ضلالت وگمراہی میں ہے۔

بہتر (۷۲) گمراہ فرقوں میں سب سے پہلا فرقہ خوارج تھا جس نے غلط عقائد کی بنیاد رکھی۔ اس گمراہ فرقے کا بانی عبد اللہ ابن صبا تھا جس نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات کا انکار کیا اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء کو حادث کہا۔

[اس مقام پر صاحبِ شریعت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر کافی ہونے کے باوجود صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ذکر ممکن ہے یہ ظاہر کرنے کے لئے ہو کہ میرا طریقہ وہی ہے جو میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ہے۔ اور نجات کا طریقہ صرف ان کی اتباع کے طریقہ سے وابستہ ہے۔

جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے:

مَنۡ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدۡ أَطَاعَ اللهَ (النساء ۸۰)

ترجمہ: جس نے رسول کا حکم مانا بے شک اُس نے اللہ کا حکم مانا۔

پس رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت عین خدا تعالیٰ کی اطاعت ہے اور رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اطاعت کے خلاف چلنا عین خدا تعالیٰ کی معصیت ونافرمانی ہے۔ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کے خلاف اور الگ کوئی چیز تصور کیا ہوا ہے اللہ تعالیٰ ان کے حال کی قرآن مجید میں خبر دیتا ہے اور ان پر حکمِ کفر لگاتا ہے۔

چنانچہ فرماتا ہے:

وَيُرِيدُونَ أَنۡ يُفَرِّقُوا بَيۡنَ اللهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤۡمِنُ بِبَعۡضٍ وَنَكۡفُرُ بِبَعۡضٍ وَيُرِيدُونَ أَنۡ يَتَّخِذُوا بَيۡنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا (۱۵۰) أُولَٰئِكَ هُمُ الۡكَافِرُونَ حَقًّا (النساء ۱۵۱)

ترجمہ: اور چاہتے ہیں کہ اللہ سے اس کے رسولوں کو جدا کر دیں اور کہتے ہیں ہم کسی پر ایمان لائے اور کسی کے منکر ہوئے اور چاہتے ہیں کہ ایمان و کفر کے بیچ میں کوئی راہ نکال لیں، یہی ہیں ٹھیک ٹھیک کافر۔

پس ہمارے زیرِ بحث مسئلے میں گزشتہ بیان سے واضح ہو گیا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریقے کی پیروی سے مخالفت کرتے ہوئے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی

اتباع و پیروی کا دعویٰ کرنا سراسر باطل دعویٰ ہے۔ بلکہ ایسی اتباع در حقیقت رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عین معصیت اور نافرمانی ہے۔ لہٰذا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مخالف طریقہ اختیار کر کے نجات کی مجال و گنجائش اور نجات کا امکان کہاں ہے۔

يَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ عَلَى شَيْءٍ أَلَا إِنَّهُمْ هُمُ الْكَاذِبُونَ (المجادلة ۱۸)

ترجمہ: اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے کچھ کیا سنتے ہو بے شک وہی جھوٹے ہیں۔

اور اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع کا پابند صرف اہلِ سنت وجماعت کا گروہ ہے۔ شکر اللہ تعالیٰ سعیہم۔ لہٰذا نجات پانے والا بھی یہی فرقہ ہے۔ کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن و تشنیع کرنے والے فرقے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر طعن و تشنیع کرنے والے فرقے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع سے محروم ہیں۔ جیسے شیعہ، خارجی اور معتزلہ۔ یہ سب نوپیدا شدہ فرقے ہیں۔]

تشریح

یوں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے فضائل سے کُتب بھری پڑی ہیں مگر بطورِ نمونہ ان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے چند فضائل تحریر کئے جارہے ہیں۔

حضرت عبد اللہ بن مغفل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے (پوری امت کو خطاب کر کے) ارشاد فرمایا: میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق اللہ تعالیٰ سے ڈرو، میرے بعد تم ان (صحابہ کرام

رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کو نشانہ نہ بنانا (یادرکھو) جو شخص ان کو دوست رکھتا ہے، تو وہ میری محبت کی وجہ سے ان رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دوست رکھتا ہے، اور جو شخص ان سے دشمنی رکھتا ہے تو وہ مجھ سے دشمنی کی وجہ سے ان سے دشمنی رکھتا ہے اور جس شخص نے انہیں اذیت پہنچائی اس نے گویا مجھے اذیت پہنچائی اور جس شخص نے مجھے اذیت پہنچائی اس نے گویا اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی اور جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے پکڑ لے۔[1]

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صلی اللہ علیہ وسلم: مَثَلُ أَصْحَابِي فِي أُمَّتِي كَالْمِلْحِ فِي الطَّعَامِ لا يَصْلُحُ الطَّعَامُ إِلا بِالْمِلْحِ قَالَ: قَالَ الْحَسَنُ: فَقَدْ ذَهَبَ مِلْحُنَا، فَكَيْفَ نَصْلُحُ؟

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میری اُمت کے درمیان میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مثال کھانے میں نمک کی سی ہے، کھانا اس وقت تک اچھا (یعنی خوش ذائقہ) نہیں ہوتا جب تک اس میں نمک نہ ہو۔ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (اس حدیث کو سُن کر) فرمایا: اگر ہمارا نمک جاتا رہا تو پھر ہم کیسے سنور سکتے ہیں؟[2]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس حسرت آمیز قول کو نقل کرنے کے بعد بڑی عارفانہ بات کی ہے، وہ فرماتے ہیں: اگرچہ اس دنیا میں اور اُمت کے درمیان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم موجود نہیں ہیں، لیکن ان کے اقوال وارشادات سے ان کی نقل کردہ روایات سے ان کے بلند کردار وحالات کی روشنی سے اور ان کے

---

[1] (مسند احمد، ج۷، ص۱۷۷، سنن الترمذی، ج۵، ص۶۹۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[2] (شرح السنۃللبغوی، ج۱۱، ص۲۹۴)

اخلاق واوصاف کی پیروی سے ہم اب بھی اچھے انسان بن سکتے ہیں، کیونکہ اصل اعتبار توان ہی کا ہے، نہ کہ ذات واجسام کا۔

حضرت عبداللہ بن بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد (حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ أَحَدٍ مِنْ أَصْحَابِي يَمُوتُ بِأَرْضٍ إِلَّا بُعِثَ قَائِدًا وَنُورًا لَهُمْ يَوْمَ القِيَامَةِ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے جو شخص جس سرزمین پر فوت ہو گا وہ اپنی قبر سے قیامت کے دن اس حال میں اٹھایا جائے گا کہ اس زمین کے لوگوں کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جانے والا ہو گا، اور ان کے لئے نور (یعنی جنت کا راستہ دکھانے والا) ہو گا۔[1]

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "إِذَا رَأَيْتُمُ الَّذِينَ يَسُبُّونَ أَصْحَابِي فَقُولُوا: لَعْنَةُ اللهِ عَلَى شَرِّكُمْ"۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم ان لوگوں کو دیکھو جو میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بُرا کہتے ہیں تو تم کہو تمہاری اس بُری حرکت پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو۔[2]

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص۶۹۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي-مصر)

[2] (سنن الترمذی، ج۵، ص۶۹۷، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي-مصر)

حضرت نُسیر بن ذعلقوق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

كَانَ ابْنُ عُمَرَ يَقُولُ : لاَ تَسُبُّوا أَصْحَابَ مُحَمَّدٍ صَلَّى الله عَلَيْهِ وسَلَّمَ ، فَلَمُقَامُ أَحَدِهِمْ سَاعَةً، خَيْرٌ مِنْ عَمَلِ أَحَدِكُمْ عُمُرَهُ۔

ترجمہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو یوں فرماتے ہوئے سُنا کہ تم لوگ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو گالیاں مت دو، کیونکہ ان رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے کسی ایک کا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ایک گھڑی کھڑا ہونا تم میں سے ہر ایک کی عمر بھر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے۔[1]

حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ:

قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى الله عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : لاَ تَزَالُونَ بِخَيْرٍ مَا دَامَ فِيكُمْ مَنْ رَآنِي وَصَاحَبَنِي , وَاللهِ لاَ تَزَالُونَ بِخَيْرٍ , مَا دَامَ فِيكُمْ مَنْ رَأَى مَنْ رَآنِي , وَصَاحَبَ مَنْ صَاحَبَنِي , وَاللهِ لاَ تَزَالُونَ بِخَيْرٍ , مَادَامَ فِيكُمْ مَنْ رَأَى مَنْ رَأَى مَنْ رَآنِي , وَصَاحَبَ مَنْ صَاحَبَ مَنْ صَاحَبَنِي۔

ترجمہ: کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ ہمیشہ خیر میں رہو گے جب تک تم میں مجھے دیکھنے والا اور میری صحبت اختیار کرنے والا موجود ہو (یعنی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور) اللہ تعالیٰ کی قسم! تم لوگ ہمیشہ خیر میں رہو گے جب تک تم میں وہ شخص ہو جس نے میری زیارت کرنے والے کو دیکھا اور میری صحبت اختیار کرنے والے کی اختیار کی صحبت اختیار کی (یعنی تابعی رحمہم اللہ تعالیٰ) اور اللہ کی قسم! تم لوگ ہمیشہ خیر میں رہو گے جب تک تم میں وہ شخص موجود ہو جس نے میرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو دیکھنے والے کی زیارت کی اور میرے صحابی

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ١، ص ١١٢، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صحبت اختیار کرنے والے کی صحبت اختیار کی (یعنی تبع تابعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)۔[1]

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ:

أُمِرُوا بِالِاسْتِغْفَارِ لِأَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَبُّوهُمْ۔

ترجمہ: لوگوں کو اصحابِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا تھا اور تم لوگ ان کو گالیاں دیتے ہو![2]

[ان کا رئیس و سردار ابن عطاء، امام اہل سنت امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگردوں میں سے ہے۔ ایمان اور کفر کے درمیان واسطہ ثابت کرنے کی بنا پر امام حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے الگ ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے متعلق فرمایا: "اِعْتَزَلَ عَنَّا"۔ یہ شخص ہم سے جدا ہو گیا۔ اسی طرح باقی فرقے بھی اہل سنت سے الگ مسلک و عقیدہ رکھتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں عیب نکالنا درحقیقت پیغمبرِ خدا جل وعلا کی ذات میں عیب نکالنے کے مترادف ہے:

مَا اٰمَنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ مَنْ لَمْ يُوَقِّرْ اَصْحَابَهٗ۔

ترجمہ: اس شخص کا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر بھی کوئی ایمان نہیں جو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم و توقیر کا منکر ہے۔

---

[1] (مصنف ابن ابی شیبة، ج ۱۷، ص ۳۰۸، الناشر: دار القبلة)

[2] (مصنف ابن ابی شیبة، ج ٦، ص ۴۰۵، الناشر: مكتبة الرشد-الرياض)

کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں خبث اور خرابی کا پایا جانا در حقیقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں خبث و خرابی ہونے کا باعث ہے۔ نَعُوْذُ بِاللہِ سُبْحَانَہٗ مِنْ ھٰذَا الْاِعْتِقَادَ السُّوْءِ۔ ہم ایسے بُرے اعتقاد سے اللہ تعالیٰ کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

نیز قرآن واحادیث کے احکامِ شرعیہ جو ہم تک پہنچے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نقل وروایت اور واسطہ سے پہنچے ہیں۔ جب صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مطعون ہوں گے تو ان کی نقل وروایت بھی مطعون متصور ہو گی۔ اور احکامِ شرعیہ کی نقل وروایت چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔ بلکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عدالت، صدق اور تبلیغ دین میں برابر ہیں۔ پس کسی ایک صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں طعن و عیب دین میں طعن و عیب تسلیم کرنے کو مستلزم ہے۔ والعیاذ باللہ سبحانہٗ و تعالیٰ۔

اگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر نکتہ چینی کرنے والے یہ لوگ یہ کہیں کہ ہم بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت کرتے ہیں۔ اور ضروری نہیں ہے کہ ہم تمام کی متابعت و پیروی کریں بلکہ سب کی متابعت ممکن ہی نہیں ہے۔ کیونکہ بہت سے مسائل میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی آپس میں آراء مختلف اور متناقض ہیں اور الگ مشرب رکھتے ہیں۔

اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ بعض کی متابعت اس وقت سود مند ہو سکتی ہے جبکہ اس کے ساتھ بعض دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا انکار نہ ہو۔ بعض کے انکار کی صورت میں بعض دوسروں کی متابعت کا وجود متصور نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ حضرت امیر علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم و توقیر کی ہے اور انہیں اپنا مقتداء اور پیشوا بننے کا اہل تصور کرتے ہوئے ان کے ہاتھ پر بیعت کی ہے۔ پس خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انکار

کے ساتھ حضرت امیر کرم اللہ وجہہ الکریم کی متابعت کا دعویٰ کرنا محض افتراء ہے۔ بلکہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا یہ انکار حقیقت میں حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انکار ہے اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اقوال وافعال کا صریح رد ہے۔

شیر خدا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات میں تقیہ کا احتمال ماننا بھی کم عقلی کے باعث ہے۔ عقل صحیح اس بات کو ہرگز جائز نہیں رکھتی کہ حضرت شیر خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کمال معرفت وشجاعت کے باوجود تیس سال تک خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا بغض اپنے سینے میں چھپائے رکھا اور اپنے ضمیر کے خلاف ظاہر کرتے رہے۔ اور اتنا عرصہ نفاق کے ساتھ ان کی صحبت ومجلس قائم رکھی، اہلِ اسلام میں سے ادنیٰ مسلمان سے بھی ایسا نفاق متصور نہیں ہو سکتا۔ اس فعل کی بدی اور شناعت کا تصور کرنا چاہیئے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایسی بے بسی، ایسے فریب اور ایسے نفاق سے موصوف تھے۔

اور اگر بفرضِ محال یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم وتوقیر تقیہ کے تحت از روئے نفاق کرتے تھے تو حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اول سے آخر تک تعظیم وتوقیر کرتے تھے اور انہیں بزرگ جانتے تھے۔ اس کا کیا جواب ہو گا؟ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذات کی طرف تو تقیہ کی نسبت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حق کی تبلیغ واشاعت پیغمبر پر واجب وضروری ہوتی ہے۔ آپ کے لئے تقیہ جائز جاننا زندقہ اور بے دینی ہے۔]

تشریح

ایک شخص کوئی معاملہ یا اُس کی اصل حقیقت کو اپنے دل میں چھپائے رکھے اور لوگوں کے سامنے اُسی معاملے پر اس حقیقت کے اُلٹ اور متضاد نقطہ نظر ظاہر کرے تو اسے تقیہ کرنا کہتے ہیں۔ شیعہ تقیہ کو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلفاءِ ثلاثہ (یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر و عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی خلافت کو دل سے تسلیم نہیں کرتے تھے لیکن انہوں نے ان کی مخالفت کو دل میں چھپائے رکھا اور بعض مصلحتوں کے پیش نظر ان خلفاء کی خلافتوں کو تسلیم کرنا ظاہر کرتے رہے۔ حالانکہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے نڈر، بے باک اور حق پرست انسان پر تقیہ کا حکم لگانا نہ صرف ظلم ہے، بلکہ خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ مبارکہ میں نقص و عیب کو ثابت کرنا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت کی برکات سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا باطن بالکل صاف و مصفّٰی ہو چکا تھا اور انہوں نے خلفاءِ ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بغض و عداوت کرنے کی بجائے ان کی خلافتوں کو دل و جان سے تسلیم کر لیا تھا اور ہر معاملے میں ان کی اتباع و پیروی کرتے تھے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تقیہ کی قباحت و شناعت بیان کر کے اس امر کی مذمت فرما رہے ہیں کہ مولائے کائنات حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کذب بیانی، تقیہ، دجل و فریب اور بغض و نفاق کو منسوب کیا جائے کیونکہ ایک شریف آدمی بھی اس کا تصور نہیں کر

سکتا تو سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کینہ و کدورت اور منافقانہ روش جیسی روحانی بیماری اور اخلاقی کمزوری کے مرتکب کیسے ہو سکتے ہیں؟(اَلْعِیَاذُ بِاللہِ سُبْحَانَہٗ)

جیسا کہ روافض کا مؤقف ہے کہ امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خلفائے ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ڈر سے اُن کی بیعت کر لی تھی اس لئے بظاہر جملہ امور واحکام میں ان کی ذوات کی تعظیم کرتے رہے مگر بباطن ان کو غلط کار و بے دین سمجھتے ہوئے ان کی بیعت کو درست نہیں جانتے تھے اس عقیدہ کو وہ تقیہ سے تعبیر کرتے ہیں اور تمام آئمہ اہل بیت کے حق میں ان کے تقیہ کر لینے کا اعتقاد رکھتے ہیں اور جو شخص یہ عقیدہ نہ رکھے اسے بے دین اور بے ایمان سمجھتے ہیں۔

جبکہ شیر خدا سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درج ذیل ارشاد اس عقیدہ کی تغلیط و تردید کرتا ہے:

إِنّي وَ اَللهِ لَوْ لَقِيتُهُمْ وَاحِداً وَ هُمْ طِلاَعُ اَلْأَرْضِ كُلِّهَا مَا بَالَيْتُ وَ لاَ اِسْتَوْحَشْتُ وَ إِنّي مِنْ ضَلاَلِهِمُ اَلَّذِي هُمْ فِيهِ وَ اَلْهُدَى اَلَّذِي أَنَا عَلَيْهِ لَعَلَى بَصِيرَةٍ مِنْ نَفْسِي وَ يَقِينٍ مِنْ رَبّي وَ إِنّي إِلَى لِقَاءِ اَللهِ لَمُشْتَاقٌ وَ لِحُسْنِ حُسْنِ ثَوَابِهِ لَمُنْتَظِرٌ رَاجٍ۔

ترجمہ: یعنی خدا کی قسم اگر میں تنہا میدان کارزار میں ان (کفار) کا سامنا کروں تو مجھے ذرہ بھر بھی وحشت ہو گی نہ گھبراہٹ، اور مجھے قطعاً کوئی پرواہ نہیں ہو گی، اگرچہ وہ (کفار) تمام روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہوں۔ مجھے ان کی گمراہی و بے راہ روی اور اپنی ہدایت و صداقت پر بصیرت اور اپنے رب کی طرف سے یقینِ کامل حاصل ہے اور بے شک میں اللہ تعالیٰ کی ملاقات اور اس کے اچھے اجر و ثواب کا منتظر اور امیدوار ہوں۔[1]

---

[1](نہج البلاغۃ، ج ۲، ص ۱۵۹، مطبوعہ مصر)

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مذکورہ فرمان سے واضح ہوا کہ اس قدر جرأت وشجاعت اور آگہی و معرفت کے ہوتے ہوئے آپ کیونکر کذب اور تقیہ اختیار فرما سکتے ہیں بلکہ خلفائے ثلاثہ کے ادوارِ خلافت میں آپ اعلیٰ مناصب پر فائز رہے اور مجلس مشاورت کے بنیادی ارکان میں سے تھے۔[1]

اور آپ کے مشوروں کو ہمیشہ ترجیح واہمیت دی جاتی تھی جیسا کہ امیر المؤمنین حضرت سیدنا حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان لَوْ لَا عَلِیٌّ لَهَلَکَ عُمَرُ۔[2] سے واضح ہے۔

اسی طرح پیکر تسلیم ورضا شہزادۂ گلگوں قبا حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف بھی تقیہ کی نسبت درست نہیں اگر آپ تقیہ کے قائل ہوتے تو میدانِ کرب وبلا میں اپنے جاں نثار رفقاء سمیت جامِ شہادت نوش نہ فرماتے، آپ نے رخصت کی بجائے عزیمت پر عمل فرمایا اور یزید جیسے فاسق وفاجر حکمران کی بیعت نہ کی بلکہ جرأت واستقامت کا کوہِ گراں بن کر اس کا مقابلہ کیا۔

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب فرمایا:

سر داد نداد دست در دستِ یزید

حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسین

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۵۱۱ تا ۵۱۳)

---

[1] جیسا کہ شیعہ حضرات کی معتبر کتب، کتاب الرمالی للشیخ ابو جعفر الطوسی، ج ۲، ص ۱۶۷، ۱۶۹ اور علل الشرائع للشیخ الصدوق، ص ۱۷۱ باب ۱۳۴ پر موجود ہے۔

[2] (فصل الخطاب)

[اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَاأَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ (المائدة۶۷)

ترجمہ: اے رسول پہنچادو جو کچھ اُترا تمہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ایسانہ ہو تو تم نے اس کا کوئی پیام نہ پہنچایااور اللہ تمہاری نگہبانی کرے گالوگوں سے۔

کفار کہا کرتے تھے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وحی میں سے جو اس کے موافق ہوتا ہے ظاہر کرتا ہے۔ اور جو اس کے موافق نہیں ہوتا ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اسے چھپائے رکھتا ہے۔ اور یہ امر طے شدہ ہے کہ نبی کا خطا پر قائم ہوناناجائز اور ناممکن ہے۔ ورنہ اس کی شریعت میں خلل اور نقص لازم آئے گا۔ تو جب خلفاء ثلاثہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعظیم وتوقیر کے خلاف نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ بھی ظاہر نہیں ہوا، تو قطعی طور پر ثابت ہو گیا کہ ان کی تعظیم وتوقیر کرنا خطا سے محفوظ اور زوال سے مامون ہے۔

اب ہم پھر اصل بات کی طرف رُخ کرتے ہیں اور ان کے اعتراض کے جواب کو مزید منقح اور صاف کرتے ہیں کہ اصول میں تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متابعت ضروری ہے اور ان کا آپس میں اصول کے اندر قطعاً کوئی اختلاف نہ تھا۔ ان کا آپس کا اختلاف صرف فروع سے تعلق رکھتا ہے، اور وہ شخص جو بعض صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں عیب نکالتا ہے سب کی متابعت سے محروم ہے۔

بلاشبہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اصول میں باہم بالکل متفق تھے۔ لیکن ان اکابرِ دین کے انکار کی نحوست انسان کو اختلاف میں مبتلا کر دیتی ہے۔ اور اتفاق سے دور پھینک دیتی ہے، بلکہ قائل کا انکار اس کی بات کے انکار تک پہنچا دیتا ہے۔

نیز شریعتِ حقہ کے مبلغ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ جیسا کہ پیچھے مذکور ہوا۔ کیونکہ تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم عدول ہیں۔ ہر ایک کی نقل وروایت کے ذریعے شریعت کا کچھ نہ کچھ حصہ ہم تک پہنچا ہے۔ اسی طرح ہر ایک سے قرآن مجید کی ایک یا زیادہ آیات جمع کی گئی ہیں۔ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے انکار سے ان سے نقل شدہ اس آیت یا آیات کا انکار ہے۔ لہٰذا منکر کے لئے پوری شریعت پر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے تو نجات اور فلاح کیسے نصیب ہو سکتی ہے؟

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

أَفَتُؤْمِنُونَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَتَكْفُرُونَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذَلِكَ مِنْكُمْ إِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيَامَةِ يُرَدُّونَ إِلَى أَشَدِّ الْعَذَابِ (البقرة ۸۵)

ترجمہ: تو کیا خدا کے کچھ حکموں پر ایمان لاتے اور کچھ سے انکار کرتے ہو تو جو تم میں ایسا کرے اس کا بدلہ کیا ہے مگر یہ کہ دنیا میں رسوا ہو اور قیامت میں سخت تر عذاب کی طرف پھیرے جائیں گے۔

ہم یہ بھی کہتے ہیں کہ موجودہ قرآن حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے بلکہ فی الحقیقت قرآن کے جامع حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔ حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم نے کوئی اور قرآن مجید جمع کیا ہو گا (بزعمِ شیعہ) تو سوچنا چاہیئے کہ ان اکابر کا انکار فی الحقیقت قرآن کا انکار ہے۔ عیاذاباللہ سبحانہٗ۔

کسی نے اہلِ تشیع کے ایک مجتہد سے سوال کیا کہ یہ قرآن تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع کیا ہوا ہے۔ آپ کا اس قرآن کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟ تو اس مجتہد نے جواب دیا کہ انکار میں کوئی مصلحت ہم کو نظر نہیں آتی، کیونکہ اس کے انکار سے تمام دین کا معاملہ درہم برہم ہو جائے گا۔

دسری بات یہ ہے کہ کوئی عقلمند انسان اس بات کو ہرگز جائز قرار نہیں دے سکتا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے روز تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اَمرِ باطل پر جمع تھے۔ اور یہ ثابت شدہ اَمر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے وقت تینتیس ہزار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم مدینہ شریف میں حاضر اور موجود تھے۔ اور سب نے خوشی اور رغبت سے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کی، ان تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا گمراہی وضلالت (بیعتِ صدیق بزعمِ شیعہ) پر جمع ہونا محالات میں سے ہے، حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے:

لَاتَجْتَمِعُ أُمَّتِي عَلَى الضَّلَالَةِ۔

ترجمہ: میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہو سکتی۔[1]

اور ابتدا میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت کرنے میں جو دیر ہوئی وہ اس بنا پر تھی کہ آپ کو مشورۂ خلافت میں طلب نہیں کیا گیا تھا۔

اس سلسلے میں خود حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

ماغضبنا إلا لأنا أخرنا عن المشورة وإنا نرى أبابكر أحق الناس بها۔

ترجمہ: ہمیں کسی بات سے رنج نہیں پہنچا سوائے اس کے کہ ہمیں مشورہ میں نہیں بلایا گیا۔ اور بے شک ہمارا یقین ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہم سب سے بہتر ہیں۔[2]

اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آپ کو مشورہ خلافت میں نہ بلانا ایک مصلحت پر مبنی تھا۔ اور وہ یہ تھی کہ آپ اہلِ بیت میں موجود رہ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال مبارک کے حادثہ

---

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج ۱، ص ۲۲۴، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

[2](تاریخ الخلفاء، ج ۱، ص ۲۷)

اور مصیبت میں صدمہ اولیٰ کے وقت ان کو تسلی اور صبر جمیل کی تلقین میں مصروف تھے۔ وغیر ذلک۔

اور وہ اختلافات جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں واقع ہوئے ہر گز خواہش نفس کے تحت نہیں تھے، کیونکہ ان بزرگوں کے نفوس تزکیہ حاصل کر چکے تھے اور امارگی سے نکل کر اطمینان کے مقام پر فائز ہو چکے تھے۔ ان کی خواہشات شریعت کے تابع ہو چکی تھیں۔ بلکہ وہ اختلافات اجتہاد اور حق کی سربلندی پر مبنی تھا۔ لہٰذا جو خطا پر تھے ان کے لئے ایک درجہ ثواب ہے، اور جو حق پر تھے انہیں دو درجہ ثواب حاصل ہو گا، اس لئے زبان کو ان کی شان کے خلاف کچھ کہنے سے روکنا چاہیئے اور سب کو اچھائی سے یاد کرنا چاہیئے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: "یہ ایسے خون ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ہمارے ہاتھوں کو پاک رکھا، تو ہمیں اپنی زبانیں بھی پاک رکھنی چاہئیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

"لوگ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال شریف کے بعد مجبور اور پریشان ہوئے تو انہیں اس آسمان کے نیچے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بہتر کوئی شخص نہ ملا تو انہوں نے اپنی گردنوں کا والی ان کو بنالیا"۔

امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا یہ قول اس اَمر کی تصریح ہے کہ وہاں کوئی تقیہ نہیں تھا اور حضرت امیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت پر راضی اور خوش تھے۔

باقی ماندہ ایک مقصودی بات یہ ہے کہ میاں سیدن ولد شیخ ابوالخیر بزرگ زادہ لوگوں میں سے ہے۔ سفر دکن میں وہ آپ کے ساتھ گیا تھا۔ آپ کی عنایت والتفات کا اُمیدوار ہے۔ مولانا محمد عارف

بھی طالب علم اور بزرگ زادہ ہے۔ اس کا باپ ایک عالمِ دین شخص تھا۔ معاشی مدد کے سلسلے میں آپ کی توجہ کا اُمیدوار ہے۔ والسلام والاکرام]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

مذکورہ جملے میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ قرآن کریم کی جمع و تالیف اور اس کے تواتر کو بیان فرما رہے ہیں جس پر پوری ملتِ اسلامیہ اور اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو یقین کامل ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہر ایک صحابی سے ایک ایک یا دو دو آیتیں لے کر قرآن کو جمع کیا گیا تو یہ متواتر کس طرح ہوگا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی ایک ایک یا دو دو آیاتِ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو یاد تھیں جو دیگر صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مستحضر نہ تھیں لیکن جس وقت یہ آیات کریمہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مجمع میں تلاوت کی گئیں تو ان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی وہ آیاتِ بینات یاد آ گئیں انہوں نے بھی ان آیات کریمہ کی توثیق و تصدیق کرتے ہوئے فرمایا کہ اگرچہ یہ آیات ہمیں مستحضر نہ تھیں لیکن ہم نے ان کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے یوں ہی سُنا ہے۔ یوں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا آیاتِ کریمہ کی قرآنیت پر متفق ہو جانا معنوی تواتر ہے جو علمائے محققین کے نزدیک قابلِ قبول اور لائق اعتبار ہے۔

جمع و تدوینِ قرآن

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ جامعینِ قرآن کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ در حقیقت قرآن کریم کی موجودہ ترتیب سے حق تعالیٰ نے خود اپنے حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ

وسلم کو آگاہ وواقف فرما دیا تھا، اس لئے قرآن مجید کی ترتیب توقیفی ہے جو منجانب اللہ ہے اس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اپنی ذاتی رائے یا کسی دوسرے فرد کی رائے یا قیاس واجتہاد کو کوئی دخل نہیں اور اس امر پر پوری اُمت کا اجماع ہے۔

جمع قرآن کا سلسلہ تین ادوار پر مشتمل ہے:

پہلا دور: عہد نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوات)

دوسرا دور: عہدِ صدیقی

تیسرا دور: عہدِ عثمانی

جمع قرآن عہدِ نبوی میں

حق تعالیٰ نے قرآن مجید کو یہ اعزاز وامتیاز بخشا ہے کہ اس کی حفاظت وصیانت کا ذمہ خود اٹھایا ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر ۹) سے ثابت ہے، اس کے بعد حق تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے لئے اہل علم (حفاظ کرام) کا انتخاب فرما کر ان کے سینوں کے ذریعے اسے محفوظ کر دیا، جیسا کہ آیۃ کریمہ: بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ (العنکبوت ۴۹) اور حدیث قدسی: وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لاَ يَغْسِلُهُ الْمَاءُ۔[1] سے عیاں ہے، البتہ اگر قرآن مجید سفینوں (کتابوں) میں ہوتا تو اس کے گردشِ دوراں کی وجہ سے ضائع ہونے کا خطرہ تھا۔

اہلِ عرب دنیا بھر میں حیرت انگیز قوتِ حافظہ کے مالک تھے، ایک ایک آدمی کو ہزارہا اشعار وابیات، خاندانوں کے شجرے اور اپنے گھوڑوں کے نسب نامے تک یاد ہوتے تھے، نیز نشر واشاعت

---

[1] (مسند احمد، ج ۴، ص ۱۶۳)

کے وسائل وذرائع کمیاب ہونے کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ظاہری زمانہ حیات میں صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حفظِ قرآن کا سلسلہ شروع کر دیا تھا اور حفظ قرآن کی یہ نعمتِ عظمٰی امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی خصوصیات سے ہے، جیسا کہ آیۃ کریمہ: وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّکْرِ (القمر ۱۷) سے واضح ہے یہاں تک کہ حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تعداد دس ہزار تھی جن میں خلفاء اربعہ، حضرت ابی بن کعب، حضرت زید بن ثابت اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے علاوہ امہات المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ودیگر صحابیات کے اسماء گرامی بھی کتابوں میں مذکور ہیں۔

کتابتِ قرآن

حفاظتِ قرآن کا اصل ذریعہ تو اگرچہ حافظہ ہی تھا تاہم اس کے ساتھ ساتھ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی نگرانی میں قرآن کریم کی کتابت کا بھی خاص اہتمام فرما رکھا تھا، چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم قرآنی آیات کو پتھر کی سِلوں، چمڑے کے پارچوں، بانس کے ٹکڑوں، کھجور کی شاخوں، جانوروں کی ہڈیوں اور کاغذ کے ٹکڑوں پر لکھ کر محفوظ کر لیتے تھے، جیسا کہ روایت حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ: نَحْنُ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ صَلى الله عَليه وسَلم نُؤَلِّفُ الْقُرْآنَ مِنَ الرِّقَاعِ وَالْاَکْتَافِ۔[1] اور روایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما: کَانَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم اِذَا اُنْزِلَتْ عَلَیْہِ سُوْرَۃٌ دَعَا بَعْضاً مَنْ یَّکْتُبُ فَقَالَ ضَعُوْا ھٰذِہِ السُّوْرَۃَ فِي الْمَوْضَعِ الَّذِیْ یُذْکَرُ فِیْہِ کَذَا وَکَذَا۔ سے ظاہر ہوتا ہے۔ چالیس سے زائد نفوس پر مشتمل صحابہ کرام جمع وکتابتِ قرآن کی خدمت میں مصروف ومامور تھے جنہیں کاتبینِ وحی کہا جاتا ہے۔

---

[1] (مناهل العرفان، ج۷، ص ۲۹۸۴، الناشر: جمعية المكنز الإسلامي)

علاوہ ازیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہجرت کے بعد مسجد نبوی میں ایک صندوق رکھوادیا تھا، جس میں قرآن مجید کا ہر نیا نازل شدہ حصہ لکھوا کر رکھ دیا جاتا تھا، حتیٰ کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وصال تک قرآن مجید کا کوئی حصہ ایسا نہ تھا جو تحریری شکل میں مسلمانوں کے پاس موجود نہ ہو، اس طرح عہدِ رسالت (علیٰ صاحبہا الصلوات) میں قرآن مجید کا ایک مکمل نسخہ تو وہ تھا جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی نگرانی میں مرتب کروایا تھا تاہم وہ کتابی شکل میں نہ تھا اس کے علاوہ بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے بھی قرآن مجید کے لکھے ہوئے صحیفے اپنے پاس محفوظ کر رکھے تھے، جو ان کاتبین وجامعین کے نام سے کتابوں میں مذکور ہیں۔

جمع قرآن عہد صدیقی میں

حضور انور علیہ السلام کی وفات حسرت آیات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ساتھ معرکہ آرائی میں بارہ سو کے قریب صحابہ کرام شہید ہوئے جن میں سات سو حفاظ قرآن اور ستر قاری تھے، جن کے پاس حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی زبانِ اقدس سے براہِ راست سن کر لکھے ہوئے قرآن مجید کے تحریری اجزاء بھی تھے جن کا کھو جانا ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ حفاظ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی شہادت کی وجہ سے قرآن کے ضائع ہو جانے کے خدشہ کے پیشِ نظر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتابی شکل میں قرآن مجید مرتب کرنے کا مشورہ دیا پہلے تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے عملِ رسالت سے عدم موافقت کی بناء پر انکار کر دیا جس پر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے هُوَ وَاللهِ خَيْرٌ کہہ کر اس اہم کام کے کرنے پر

اصرار فرمایا۔ چنانچہ قدرے تامل پر شرح صدر ہو جانے کے بعد حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رضامند ہو گئے۔[1]

کتابتِ قرآن

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاتبِ وحی حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کتابتِ قرآن کی اہم خدمت پر مامور فرمایا جو اپنی جگہ سے پہاڑ ہلا دینے سے بھی زیادہ مشکل کام تھا، جیسا کہ فَوَاللّٰہِ لَوْ كَلَّفُونِي نَقْلَ جَبَلٍ مِنَ الْجِبَالِ مَا كَانَ أَثْقَلَ عَلَيَّ مِمَّا أَمَرَنِي بِهِ مِنْ جَمْعِ الْقُرْآنِ۔[2] واضح ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بڑی محنت اور جانفشانی سے قرآنی آیات کو خرما کی شاخوں سنگی تختیوں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے جمع کیا آپ نے دوران کتابت خود حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے خاص اہتمام سے لکھوائے گئے تمام مسودات کو پیش نظر رکھا اور پوری احتیاط کے ساتھ ایک مستند نسخہ تیار کر لیا حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سب سے پہلے اس نسخہ کا نام ''مصحف'' تجویز فرمایا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جمع قرآن کا یہ عدیم المثال کارنامہ امت مسلمہ پر عظیم احسان ہے جس کی تاریخ عالم میں مثال نہیں ملتی۔ اس لئے اُمت میں سب سے زیادہ اجر وثواب کے مستحق اور پہلے جامع قرآن آپ ہیں۔ جیسا کہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے: أعظم الناس في المصاحف أجرا أبو بكر رحمة الله على أبا بكر هو أول من جمع كتاب الله۔[3] کتاب اللہ کا یہ نسخہ عمر بھر حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس رہا آپ کے وصال کے بعد

---

[1] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۴۵)
[2] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۴۵)
[3] (کنز العمال، ج ۲۷، ص ۳۲۹)

حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حفاظت میں آیا ان کے بعد یہ نسخہ ام المؤمنین حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سپرد کر دیا گیا۔

ترتیبِ کتابت میں احتیاطی تدابیر

حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے بعد کتابت قرآن کے سلسلہ میں حضرت زید نے نہایت دقیق اور محتاط ترین طریقہ کار اختیار فرمایا تھا، جب کوئی شخص قرآن مجید کی لکھی ہوئی آیات لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق و تحقیق فرماتے تھے۔

خود حافظ قرآن تھے اس لئے سب سے پہلے اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حافظ قرآن تھے وہ بھی اپنے حافظے اور یادداشت سے اس کی توثیق فرماتے۔

تحریر شدہ آیات اس وقت تک قابل قبول نہ ہوتی تھیں جب تک دو عادل اور صادق گواہ اس بات کی گواہی نہ دے دیتے کہ یہ آیات واقعی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھیں۔ جیسا کہ روایت: فقال لعمر بن الخطاب، ولزيد بن ثابت اقعدا على باب المسجد، فمن جاء كما بشاهدين على شيء من كتاب الله فاكتباه۔[1] سے ثابت ہے۔

حضرت لیث بن سعد سے مروی ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرآن کے سب سے پہلے جامع ہیں اور حضرت زید بن ثابت کاتب ہیں، جو دو عادل گواہوں کے بغیر کچھ نہ لکھتے تھے، ہاں سورۃ براءت کا آخری حصہ (دو آیتیں) حضرت ابو خزیمہ بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

---

[1] (كنز العمال، ج ٢، ص ٥٧٣، الناشر: مؤسسة الرسالة)

پاس ملا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسے لکھنے کا حکم دے دیا کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کی گواہی دو مردوں کی گواہی کے برابر قرار دی تھی۔ جیسا کہ روایت: اِنَّ اٰخِرَ سُوْرَۃَ بَرَاۗءَۃٍ لَمْ تُوْجَدْ اِلَّا مَعَ اَبِیْ خُزَیْمَۃَ بْنِ ثَابِتٍ فَقَالَ اُکْتُبُوْھَا فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم جَعَلَ شَھَادَتَہٗ حَتّٰی بِشَھَادَۃِ رَجُلَیْنِ۔[1] سے ثابت ہے۔

لکھی ہوئی آیات کا صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مسودات کے ساتھ موازنہ ومقابلہ کیا جاتا۔ امام ابو شامہ فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد احتیاط کے علاوہ یہ بھی تھا کہ حافظ پر اکتفا کرنے کی بجائے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے سامنے لکھے گئے مسودات پر اعتماد کیا جائے۔[2]

خصوصیاتِ مصحف ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اس نسخہ کی درج ذیل خصوصیات تھیں:

۱۔ اس نسخہ میں آیات قرآنیہ تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتب کی گئی تھیں لیکن سورتیں مرتب نہ تھیں بلکہ ہر سورت علیحدہ علیحدہ لکھی ہوئی تھی۔[3]

۲۔ یہ نسخہ سات قرأتوں پر جمع کیا گیا۔[4] جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: أنزل القرآن علی سبعۃ أحرف۔[5] سے سات قرأتیں ثابت ہیں۔

---

[1](سنن ابی داؤد، ج ۲، ص ۱۵۲، مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ، لاھور وغیرھا)
[2](البرھان فی علوم القرآن)
[3](الاتقان)
[4](مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۵)
[5](مناھل العرفان، ج ۱، ص ۱۵۴)

۳۔ یہ نسخہ خط حیری میں تحریر کیا گیا۔[1]

۴۔ اس نسخہ میں صرف وہی آیات لکھی گئی تھیں جو غیر منسوخ التلاوت تھیں۔

۵۔ اس نسخہ کی تحریر و تسوید کا واضح مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا مستند، معتمد اور قطعی الیقین نسخہ مرتب ہو جائے جس پر تمام امت کی اجماعی تصدیق اور اجتماعی توثیق ہو تا کہ امت کسی قسم کے فتنے میں مبتلانہ ہو اور بوقت ضرورت اس نسخہ کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

جمع قرآن عہدِ عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ میں

تدوین ثالث کے اسباب و محرکات

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانۂ خلافت میں اسلامی فتوحات کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ آبادی میں کافی اضافہ ہوا تھا اور مسلمان دور دور تک مختلف شہروں اور علاقوں میں پھیل چکے تھے۔ اب غیر عرب اقوام بھی رشتۂ اسلام میں منسلک ہو گئی تھیں۔ مختلف قوموں سے اختلاط کے باعث ایک نئی ثقافت نے جنم لیا تھا۔ لہٰذا سابقہ ادوار کی نسبت اس دور میں درس و تدریس قرآن کی زیادہ ضرورت پیش آرہی تھی۔ اسلامی حکومت کے ہر صوبے کے لوگ علیحدہ علیحدہ کسی مشہور صحابی کی قرأت کے مطابق قرآن پڑھنے لگے۔ عرب میں قرأت (بولیوں) کے اختلاف کے لحاظ سے سات بڑے گروہ تھے۔ اس لئے ہر قبیلہ کو اپنی قرأت کے مطابق قرآن پڑھنے کی اجازت تھی کیونکہ اختلاف قرأت سے معانی میں کوئی بنیادی فرق نہیں آتا تھا۔ شام کے رہنے والے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت کے مطابق تلاوت کرتے، کوفہ کے مسلمان حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قرأت پر عمل کرتے، باقی مسلمان حضرت ابو موسیٰ اشعری کی

---

[1](تاریخ القرآن)

قرأت کے مطابق قرآن پر عمل کرتے، باقی مسلمان حضرت ابوموسیٰ اشعری کی قرأت کے مطابق قرآن کی تلاوت کرتے چونکہ ان تینوں اصحاب کی قرأت کے طریقے مختلف تھے، لہٰذا اس چیز نے قرأت قرآن کے بارے میں ایک عجیب اور نئی صورتِ حال کو جنم دیا۔ عرب میں اختلاف قرأت کی وجہ سے نو مسلم قوموں میں بھی اس کا اثر رونما ہوا۔ اس فرق میں بنیادی لحاظ سے کوئی قباحت نہ تھی لیکن سیدھے سادھے عوام بعض چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھی بنیادی سمجھ کر اڑ جاتے۔ بعض دفعہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا اور وہ بھی ایک دوسرے کی قرأت کو غلط قرار دے دیتے، کبھی کبھار شدید تکرار کی وجہ سے سر پھٹول تک نوبت آجاتی۔ لوگوں کے ذہنوں میں قرآن پاک کے بارے میں شکوک وشبہات پیدا ہو رہے تھے اور ممکن تھا کہ اس فتنہ کی وجہ سے جنگ شروع ہو جاتی اور خون کی ندیاں بہہ جاتیں۔

حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عظیم کارنامہ

چنانچہ حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ آرمینیا اور آذربائیجان کے محاذ پر جہاد کرنے کے بعد واپس لوٹے تو گھر جانے سے پہلے امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اور عرض کیا:

يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَدْرِكِ النَّاسَ۔

اے امیر المؤمنین لوگوں کو تھامیئے!۔

فرمایا کیا بات ہے؟ کہا میں آرمینیا کی لڑائی میں شریک تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام اور عراق والے قرأت قرآن پر باہمی اختلافات کا شکار ہیں اور ایک دوسرے کی تکذیب و تکفیر کرتے ہیں۔ [1]

---

[1](عمدۃالقاری،ارشادالساری)

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خود بھی اس خطرے کا احساس ہو چکا تھا، کیونکہ مدینہ طیبہ میں بھی ایسے واقعات پیش آرہے تھے چنانچہ آپ نے اکابر اور ممتاز اہل بصیرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا اجلاس بلا کر خطبہ دیا اور صورتِ حال کے بارے میں مشورہ طلب فرمایا۔ پوری مجلس نے متفقہ طور پر فیصلہ دیا کہ پوری اُمت کو ایک مصحف اور ایک لغت پر جمع کر دیا جائے اور مصحفِ صدیقی کی روشنی میں تمام صحابہ مل کر ایک ایسا نسخہ مرتب ومدون کریں جو اختلاف قرأت کے اثرات سے محفوظ ہو اس کے علاوہ باقی تمام نسخے ختم کر دیئے جائیں تاکہ انتشار کے امکانات ختم ہو جائیں۔

تدوین ثالث

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فیصلے کو نافذ کرنے کے لئے حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پیغام بھیجا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے کا جو صحیفہ آپ کے پاس موجود ہے وہ ہمیں بھجوایا جائے ہم اس کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے، ام المؤمنین نے فوراًوہ صحیفہ بھیج دیا، حضرت عثمان نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ، عبداللہ بن زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ، سعید بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نقلِ قرآن کی خدمت پر مامور فرما کر چند دیگر صحابہ کو بھی ان کی امداد کے لئے مقرر کر دیا۔

مصحف عثمانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خصوصیات

ان حضرات نے تدوین ثالث کے سلسلے میں مندرجہ ذیل امور سرانجام دیئے:

۱۔ تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا گیا۔[1]

۲۔ آیات قرآن کے رسم الخط میں تمام متواتر قرأتیں سمودی گئیں، اسی لئے آیات پر نقطے اور حرکات نہ لگائی گئیں تاکہ قرآن تمام متواتر قرأتوں کے مطابق پڑھا جاسکے مثلاً "ننشذھا" لکھا تاکہ اسے "نَنْشُذُھَا" اور "نُنْشِذُھَا" دونوں طرح پڑھا جاسکے کیونکہ دونوں قرأتیں درست ہیں۔[2]

۳۔ مشہور یہ ہے کہ عالمِ اسلام میں بھیجنے کے لئے پانچ مصاحف تیار کرائے گئے تھے لیکن ابن ابی داؤد نے بیان کیا ہے کہ میں نے ابو حاتم سجستانی سے سُنا ہے کہ کل سات نسخے لکھے گئے تھے جن میں سے ایک نسخہ مکہ مکرمہ، ایک نسخہ شام اور ایک یمن، ایک بصرہ، ایک بحرین اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا اور ایک نسخہ مدینہ طیبہ میں محفوظ کرلیا گیا۔[3]

۴۔ مزید احتیاط کے پیش نظر وہی طریقہ کار اختیار کیا گیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا چنانچہ وہ متفرق تحریریں اور مختلف مسودات جو عہد نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے صحابہ کے پاس محفوظ تھے انہیں دوبارہ طلب کیا گیا، ہر آیت کے لئے دو شاہد بھی طلب کئے گئے، حسبِ ضرورت حفاظ اور قراء سے بھی رجوع کیا گیا، اسی طرح مزید اطمینان اور تنقیح کے لئے تمام ذرائع تحقیق، عمل میں لانے کے بعد یہ نئے نسخے مرتب کئے گئے۔

۵۔ صرف ان آیات پر اعتبار کیا گیا جو تواتر کے ساتھ ثابت تھیں۔

---

[1] (مستدرک للحاکم)
[2] (مناھل العرفان جلد اول)
[3] (الاتقان، جلد اول)

۶۔ منسوخ التلاوت آیات کو شامل نہ کیا گیا۔

۷۔ بعض صحابہ کے خصوصی مصاحف میں آیات کے ساتھ جو الگ تشریحات لکھی ہوئی تھیں انہیں نئے نسخوں میں شامل نہ کیا گیا۔[1]

سوال: حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیگر قبائل کی لغات میں تلاوت قرآن کو کس بناء پر منسوخ قرار دیا اور صرف لغت قریش کو ہی قرأت قرآن کے لئے کیوں مخصوص و منتخب فرمایا؟

جواب: حضرت جبرائیل امین علیہ السلام ہر سال ماہ رمضان میں بارگاہ رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوات میں حاضر ہوتے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ نازل شدہ قرآن کا دور کرتے آپ کی حیات طیبہ کے آخری رمضان میں دو دفعہ قرآن مجید کا دور ہوا جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات إِنَّ جِبْرِيلَ كَانَ يُعَارِضُنِي الْقُرْآنَ كُلَّ سَنَةٍ مَرَّةً وَإِنَّهُ عَارَضَنِي الْعَامَ مَرَّتَيْنِ۔[2] سے عیاں ہے۔ ظاہر ہے کہ قرآن مجید کا دور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قبائلی زبان لغتِ قریش میں ہوتا تھا۔

نیز چونکہ قرآن لغتِ قریش میں ہی نازل ہوا جس کی تائید ارشاد عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ: فَاكْتُبُوهُ بِلِسَانِ قُرَيْشٍ فَإِنَّمَا نَزَلَ بِلِسَانِهِمْ۔[3] (اسے لغت قریش میں لکھو کیونکہ یہ (قرآن) ان (قریش) کی زبان میں ہی نازل ہوا ہے) سے ہوتی ہے۔

---

[1] (مناهل العرفان)

[2] (صحیح بخاری، ج ۱ ، ص ۴۵۴)

[3] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۷۴۶)

ایک روایت میں اس کی یوں تصریح فرمائی گئی ہے:

کان قرأة ابی بکر وعمر وعثمان وزید بن ثابت والمهاجرین والانصار واحدة وهی التی قرأها صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم علی جبریل مرتین فی العام الذی قبض فیه وکان زید شهد العرضة الاخیرة وکان یقرئ الناس بها حتی مات ولذلک اعتمده الصدیق فی جمعه وولاه عثمان کتبة المصاحف۔[1]

یعنی حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت زید بن ثابت، مہاجرین اور انصار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قرأت ایک ہی تھی اور یہ وہی قرأت تھی جو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنے سالِ وصال میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سامنے دوبار پڑھی اور حضرت زید قرآن کے دورۂ اخیر میں حاضر تھے اور لوگوں کو اپنی وفات تک وہی قرأت کراتے تھے، اسی لئے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تدوین میں ان پر اعتماد فرمایا اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کاتبینِ مصاحف کا سربراہ ان کو ہی بنایا۔

چونکہ قرآن کریم حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قبائلی زبان لغتِ قریش میں ہی نازل ہوا تھا اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اسی لغتِ قریش میں ہی سالِ وصال میں دو دفعہ قرآن مجید کا دور فرمایا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جبریل علیہ السلام لغتِ قریش کی ہی تاکید، تلقین اور تائید کر رہے تھے، جس (لغتِ قریش) کی خلفائے ثلاثہ، کاتبِ قرآن حضرت زید بن ثابت اور مہاجر وانصار صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے قرأت قرآن، تدریس وتدوین قرآن میں ترویج واشاعت فرمائی یوں بحمدہٖ تعالیٰ قرآن مجید جوں

[1](فتح الباری)

کاتوں بغیر کسی تحریف و تغیر اور ادنیٰ رد و بدل کے اب تک ہمارے پاس موجود و محفوظ ہے اور قیامت تک موجود رہے گا۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ لغاتِ سبعہ کا اختلاف معنوی نہ تھا بلکہ یہ اختلاف لفظی اور معمولی نوعیت کا تھا جو ان کی تفہیم کے لئے نازل ہوا تھا۔

مثلاً قریش حَتّٰی کہتے اور بنی ہذیل اور بنی ثقیف اس کا تلفظ اَتّٰی کیا کرتے تھے بنی اسد مضارع میں حروف اتین مفتوح پڑھے جاتے ہیں، جیسے تَعْلَمُوْنَ۔

تدوین قرآن کا مقصد

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں تدوینِ قرآن کا مقصد یہ تھا کہ قرآن مجید کے منتشر اجزاء کو کھجور کے پتوں، پتھر کی تختیوں، چمڑے کے پارچوں اور ہڈیوں سے نقل کرکے کتابی شکل میں مقید کر دیا جائے تاکہ آئندہ کے لئے کلام اللہ کے کسی حصہ کے ضائع ہونے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

جبکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلافت میں تدوینِ قرآن کا مقصد اُمتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کو ایک نسخہ پر متفق کرنا اور قرأت قریش پر متحد کرنا تھا تاکہ اختلاف قرأت کی بناء پر پیدا ہونے والا فتنہ ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائے۔[1]

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اجماعی بیعت

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خلیفۂ اول بلا فصل حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خلافت و نیابت اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ان کے دست حق پرست پر بیعت کا

---

[1] مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو مقالاتِ ابو البیان مصنفہ حضرت شارح علیہ الرحمۃ

تذکرہ فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وصال مبارک کے روز ہی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کثیر جماعت نے برضاورغبت ان کی عظمت ومنزلت کے پیش نظر ان کو خلیفہ تسلیم کرکے ان کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لیا تھا اور اتنی بڑی کثرت کا ضلالت وگمراہی پر جمع ہونا ناممکن اور محال ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ۔[1] سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ا

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے خلیفہ رسول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیعت میں ابتداءً توقف اس لئے ہوا تھا کہ اس مشورہ میں انہیں شامل نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد: مَا غَضِبْنَا اِلَّا لِتَأُخِرِنَا عَنِ الْمَشْوَرَۃِ وَاِنَّا لَنَعْلَمُ اَنَّ اَبَابَکْرٍ خَیْرٌ مِنَّا۔[2] سے عیاں ہے انہیں مشورہ میں نہ بلانا بھی کسی مصلحت پر مبنی ہو گا مثلاً حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وصال مبارک کے موقعہ پر اہل بیتِ نبوت کی تسلی کے لئے ان کے پاس موجود ہونا وغیرہا۔

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نفسانی خواہشات سے پاک تھے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نفسانی خواہشات اور بشری کدورات سے پاک ہونے کا تذکرہ فرمارہے ہیں کیونکہ وہ نفس کی شرارتوں اور شیطانی خباثتوں سے محفوظ ہوگئے تھے اور ان کا تزکیہ نفس ہو چکا تھا۔

---

[1] (سنن الترمذی)
[2] (مشکوٰۃ، ص ۳۰)

تزکیۂ نفس چند چیزوں سے حاصل ہوتا ہے:

۱۔ کسی صاحبِ تزکیہ نفس کی صحبت اختیار کرنے سے۔

۲۔ احکامِ شرعیہ اور سنتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے بجالانے سے۔

۳۔ محض عنایتِ الٰہی سے جیسا کہ بعض مجذوب و محبوب مقام مشاہدہ پر فائز ہوئے ہیں۔

بینہ نمبر ۲

جوگیوں اور برہمنوں کے چلے اور ریاضتیں تصفیۂ نفس کا باعث تو ہوتے ہیں مگر ان سے تزکیۂ نفس نہیں ہوتا کیونکہ یہ گمراہ طائفہ دولتِ ایمان سے محروم ہے اور ان کی ریاضتیں اور چلے غیر شرعی ہوتے ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں فرماتے ہیں ک تصفیۂ نفس اس سونے کی مانند ہے جیسے سنہری غلاف میں نجاست بھر دی جائے جبکہ تزکیۂ نفس سے نفس کی تطہیر ہوتی ہے، جیسے عمل کیمیاء کے ذریعے مسِ خام کو خالص سونا بنایا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۳

تصفیۂ نفس کو کشوفاتِ کونیہ کا سبب تو ہوتا ہے لیکن سالک کشوفاتِ الٰہیہ وقدسیہ سے بہرہ ور نہیں ہوتا جبکہ تزکیۂ نفس مکشوفات قدسیہ اور امور اُخرویہ کا باعث ہوتا ہے۔

مشاجراتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے متعلق حضرت امام ربانی کا مؤقف

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے باہمی اختلافات اور محاربات کے متعلق اہل سنت وجماعت کا مؤقف بیان فرمارہے ہیں کہ ان تنازعات کو ہوا و تعصب سے دور جاننا چاہیئے اور ان کے مشاجرات کو نیک وجہ پر محمول کرکے تاویل واجتہاد پر مبنی قرار دینا چاہیئے اور مخطی حضرات کی خطا کو خطائے اجتہادی جان کر ان پر ایک درجہ ثواب کا امیدوار سمجھنا

چاہیئے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات :إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ ثُمَّ أَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ وَاحِد۔[1] سے واضح ہے ان کی شان میں خطا کے علاوہ کوئی اور لفظ استعمال نہیں کرنا چاہیئے اور مخطی کو مصیب کی مانند ملامت سے دور جاننا چاہیئے کیونکہ وہ مواخذہ سے محفوظ ہے ان کی شان میں دریدہ دہنی سے مجتنب اور خاموش رہنا چاہیئے جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات: اللّٰہَ اللّٰہَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوهُمْ غَرَضًا بَعْدِي۔[2]، اِيَّاكُمْ وَمَا شَجَرَ بَيْنَ اَصْحَابِيْ اوراِذَا ذُكِرَ اَصْحَابِيْ فَامْسِكُوْا۔ سے عیاں ہے۔ بلکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک خطائے مجتہد عند اللہ داخلِ ہدایت ہے، بالخصوص صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی ذوات جو نجومِ ہدایت ہیں۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

یاآنکہ گویم خطائے مجتہد ہم نزدِ خدائے تعالیٰ داخلِ ہدایت است۔ کما نقل رزین عن عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔۔۔ فھو عندی علی ھدی۔۔۔ ثم قال اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم۔[3]

بینات

بفحوائے آیات کریمہ: فَاعْتَبِرُوا يَاأُولِي الْأَبْصَارِ (الحشر ۲) اور وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ (آل عمران ۱۵۹) صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو احکامِ اجتہادیہ اور امورِ عقلیہ میں حضور اکرم صلی

---

[1](صحیح بخاری، ج ۲۲، ص ۳۳۵، المکتبۃالفاروقیۃ)

[2](سنن الترمذی، ج۵، ص ۶۹۶، الناشر: شرکۃمکتبۃومطبعۃمصطفی البابي الحلبي-مصر)

[3](ردروافض، ص ۳۳)

اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ مشاورت کی اجازت تھی اور ان میں رد وبدل کی بھی مجال تھی، کیونکہ قیاس کا اعتبار اور مشورہ کا امر رد وبدل کی صورت کے بغیر ممکن نہیں، جیسا کہ غزوۂ بدر کے قیدیوں کے قتل اور فدیہ میں اختلاف رائے واقع ہوا تھا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کے قتل کا مشورہ دیا تھا اور وحی بھی ان کی رائے کے موافق نازل ہوئی۔[1]

جب صحابہ کرام حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رائے کے مخالف رائے دیتے تھے اور ان کا یہ اختلافِ رائے نہ قابلِ مذمت تھا اور نہ ہی لائقِ ملامت اور نہ ہی ان کے خلاف وحی نازل ہوئی تو سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کے ساتھ بعض امور اجتہادیہ میں مخالفت کرنا کس طرح کفر ہو گا اور ان کے مخالف کیونکر مطعون اور قابلِ ملامت ہوں گے؟[2]

صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ بغض اور عداوت رکھنے والوں کو اللہ تعالیٰ کفار کے نام سے موسوم کرتا ہے اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے ان معاندین کو جملہ فرقوں سے بدتر فرقہ قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو:

بدترین جمیع فرقِ مبتدعانِ جماعہ اند کہ باصحاب پیغمبر علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام بغض دارند اللہ تعالیٰ در قرآن مجید خود ایشان را کافر می نامد لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ (الفتح ۲۹)[3]

بعض فقہاء نے اپنی عبارات میں كَانَ مُعَاوِيَةُ اِمَاماً جَائِراً لکھ کر حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں لفظ جَوْر استعمال کیا ہے۔ جبکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

---

[1] (دفتر دوم، مکتوب ۹۶)
[2] (دفتر دوم مکتوب ۳۶)
[3] (دفتر اول مکتوب ۵۴)

نے ان کے لئے عذابِ نار سے بچاؤ اور ہادی و مہدی بنانے کی دعا فرمائی ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات وَقِهِ الْعَذَابَ[1] اور اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ هَادِيًا وَّ مَهْدِيًّا[2] سے آشکار ہے، اس لئے اس جَوْر سے مراد یہ ہے کہ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت کے حقدار نہ تھے، بلکہ ان کی حکومت سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ مصالحت اور ان کے حق میں خلافت سے دستبردار ہونے کے بعد متحقق ہوئی یوں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ارشاد اِذَا مَلَكْتَ النَّاسَ فَاَحْسِنْ کے مصداق ٹھہرے اور امیر المؤمنین قرار پائے یہی اہل سنت وجماعت کا موقف ہے۔

بغضِ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دل سے نکالنا

حضرت مولانا ہاشم کشمی علیہ الرحمۃ تحریر فرماتے ہیں کہ ایک جوان طالب علم سادات کرام میں سے میرا دوست تھا اس نے بیان کیا کہ میں ایک شب حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے مکتوبات شریفہ کا مطالعہ کر رہا تھا۔ اس میں آپ کے ایک جملے پر نظر پڑی کہ "حضرت امام مالک حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا کہنا حضرات شیخین (صدیق و عمر) رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو بُرا کہنے کے برابر جانتے تھے اور جو حد شیخین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بُرا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے وہی حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرا کہنے والے پر تجویز فرماتے تھے"۔

---

[1] (مسند احمد)

[2] (ترمذی، ج ۲، ص ۲۲۵)

چونکہ میرے دل میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے کینہ تھا اس لئے میں اس تحریر کو دیکھ کر بہت آزردہ ہوا اور حضرت مجدد کے مکتوبات کو زمین پر پھینک کر سو گیا۔ رات کو خواب میں دیکھتا ہوں کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ غصہ کی حالت میں تشریف لائے اور میرے دونوں کانوں کو پکڑ کر فرما رہے ہیں اے طفلِ نادان! تو ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پٹختا ہے، اگر تجھے میری تحریر کا اعتبار نہیں ہے تو میں تجھ کو حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ کے پاس لے چلتا ہوں، آپ اسی طرح کشاں کشاں مجھ کو ایک باغ میں لے گئے اور اس کے ایک گوشے میں مجھے بٹھا دیا۔ اس باغ میں ایک عالی شان عمارت تھی جس میں ایک بزرگ تشریف فرما تھے، آپ اندر تشریف لے گئے اور نہایت ادب وتواضع سے سلام کیا، انہوں نے نہایت خندی پیشانی سے جواب دیا اور ملاقات فرمائی، پھر آپ ان بزرگ کے سامنے دوزانو بیٹھ گئے اور کچھ گفتگو کی، آپ اور وہ بزرگ دور سے میری طرف دیکھتے اور کچھ اشارات کرتے تھے اس کے بعد آپ نے مجھے بلا کر فرمایا کہ یہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ تشریف فرماہیں سنو! کیا فرماتے ہیں؟ میں نے ان کو سلام کیا انہوں نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا: خبر دار ہرگز ہرگز اصحاب رسول رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ساتھ کبھی کینہ نہ رکھنا اور ان بزرگوں کی ملامت میں ایک حرف بھی زبان پر نہ لانا اس بات کو ہم اور ہمارے بھائی ہی جانتے ہیں کہ کن نیک نیتوں کے ساتھ ہماری منازعت واقع ہوئی تھی، پھر حضرت مجدد پاک کا نام لے کر فرمایا کہ ان کے کلام کا بھی انکار نہ کرنا۔۔۔ شخص مذکور بیان کرتا ہے کہ باوجود اس نصیحت کے میرا دل کدورت سے پاک نہ ہوا تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو حکم دیا کہ اس کا دِل ابھی تک صاف نہیں ہوا ہے اور تھپڑ مارنے کا اشارہ فرمایا۔ حضرت مجدد پاک نے زور سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا تب میں نے اپنے دل کو اس کدورت سے پاک وصاف پایا اور اس

جواب وخطاب کی لذت آج تک میرے دل میں موجود ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ کے معارف کے ساتھ اعتقاد بہت زیادہ ہوگیا ہے۔[1]

المختصر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَطُھَا کے مطابق افراط و تفریط سے ہٹ کر راہِ اعتدال کو بیان کرکے عقائد اہل سنت کی کشفِ صحیح اور الہام صریح کے ذریعے تائید فرماتے ہیں اور ایسی تحاریر و تقاریر جنہیں پڑھ اور سن کر صحابہ کرام اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے درمیان عداوت و نفرت کا اشارہ یا کنایہ بھی ملتا ہو منع فرماتے ہیں۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِیْنَا اَوْ اَخْطَأْنَا

اَللّٰھُمَّ وَفِّقْنَا لِتَصْحِیْحِ الْعَقَائِدِ الدِّیْنِیَّةِ بِحُرْمَةِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالتَّسْلِیْمُ

(البینات شرح مکتوبات، ج ۲، ص ۵۱۴ تا ۵۳۳)

[1](زبدۃ المقامات)

مکتوب نمبر ۸۱

[لالہ بیگ کی طرف صادر فرمایا:

اسلام کی ترویج پر اُبھارنے اور اسلام اور مسلمانوں کی پستی اور ضعف اور ذلیل کفار کے غلبہ کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہماری اور تمہاری غیرتِ اسلامی میں اضافہ کرے۔ قریباً ایک صدی سے اسلام کی غربت اور پستی اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ بلادِ اسلام میں کفار صرف احکامِ کفر کے اجراء پر راضی نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ چاہتے ہیں کہ اسلامی احکام بالکل مٹ جائیں اور مسلمانوں اور مسلمانی کا کوئی اثر باقی نہ رہے، اور ان کی جرأت وبے باکی یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اگر کوئی مسلمانی شعارِ اسلام کے اظہار کی دلیری کرتا ہے تو قتل کر دیا جاتا ہے۔ ذبیحہ گاؤ جو ہندوستان میں اسلام کے اعظم شعائر میں سے ہے، اب صورت حال یہ ہے کہ کفار شاید جزیہ ادا کرنے پر راضی ہو جائیں مگر ذبح گائے پر کبھی راضی ہونے کو تیار نہیں۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے مغل بادشاہ جلال الدین اکبر اور جہانگیر کا زمانہ پایا۔ اکبر اپنے آخری دور میں بڑی حد تک اسلام سے منحرف ہو گیا تھا اور ''دینِ الٰہی'' کے نام سے ایک نیا دین جاری کر دیا تھا۔ بادشاہ کے لئے سجدہ کرنا شاہی آداب میں داخل تھا۔ گائے جو کہ دینِ اسلام کی تعلیمات کے مطابق ایک حلال جانور ہے ہندوؤں کے عقیدے کے مطابق اس کے ذبح کرنے پر پابندی لگ چکی تھی اور کئی دُنیادار علماء نے ان افعال کے جواز کا فتویٰ بھی دے دیا تھا اکبر کی یہ غیر اسلامی حرکات اس کے بیٹے جہانگیر کو ورثے میں ملی تھیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے ''دینِ

حق‘‘ سے اکبر کے خودساختہ ’’دینِ الٰہی‘‘ کی بدعات کو ختم کرنے اور شریعتِ مطہرہ کے دوبارہ ’’اعلاء‘‘ کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کو بھیجا اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے بھی اکبر کی غیر اسلامی حرکتوں کے خلاف صحیح معنوں میں عَلمِ جہاد بلند کیا، یہ مکتوب بھی اس سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی زبانِ حق ترجمان نے ہر محفل میں دینِ اکبری کی خرافات کو اُجاگر کیا اور زبان و قلم کی طاقت سے میدانِ کارزار میں اُترے۔ اس کے نتیجے میں حکومت وقت نے آپ کو جیل میں ڈال دیا جہاں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سُنتِ یوسفی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ادا کرنے کے لئے دو سال تک مشکلات برداشت کرتے رہے لیکن اس دوران بھی رُشد وہدایت کے فریضہ کو نہیں چھوڑا۔ جیل کا مقام عادی مجرموں اوراخلاقی پستی کے حامل افراد کے لئے بنایا جاتا ہے لیکن حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی کاوشوں سے جیل کے قیدی بھی دینِ حق کے ساتھ وابستہ ہوگئے اور شریعت کی خلاف ورزیوں سے توبہ کرلی۔

کچھ کم فہم اور کوتاہ اندیش حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی ان خدمات کا انکار کرتے ہیں اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے جہادِ عملی سے انکار کرتے ہیں۔ بھلا ظالم بادشاہ کے سامنے جرأت وبہادری کے ساتھ کلمۂ حق کہنا جہاد نہیں تو پھر کیا ہے؟

[ابتدائے بادشاہت ہی میں اگر مسلمانی رواج پزیر ہوگئی اور مسلمانوں نے کچھ حیثیت پیدا کر لی تو فبہا اور اگر عیاذاًباللہ سبحانہٗ معاملہ سُستی اور توقف میں پڑ گیا تو مسلمانوں پر سخت بُرے دن آجائیں گے۔ اَلْغِیَاثُ اَلْغِیَاث ثُمَّ الْغِیَاثُ اَلْغِیَاث۔ ’’اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فریاد، فریاد پھر فریاد، فریاد‘‘ دیکھئے کون صاحبِ قسمت اس دولت (ترویجِ اسلام) سے سرفراز ہوتا ہے۔ اور کس شہباز کا ہاتھ اس

دولت تک پہنچتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

خدا تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور سید المرسلین علیہ و علیٰ آلہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت قدم رکھے۔ والسلام]

تشریح

غیر اسلامی ریاستوں کا معاملہ تو رہا ایک طرف آج کل مسلم ممالک میں حکومتیں گرتی اور بنتی رہتی ہیں اور صدور و وزرائے اعظم کے ساتھ اسمبلیاں معرضِ وجود میں آتی رہتی ہیں جو اپنے ابتدائی اجلاسوں میں ہی پارٹی پالیسیوں کو واضح کر دیتی ہیں اور آنے والے سالوں کے دوران اپنے ترجیحی پروگرام طے کر لیتی ہیں لیکن آج تک کسی حکومت کی طرف سے یہ اعلان نہیں کیا گیا کہ ہم اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے عطا کردہ اختیار کو استعمال کرتے ہوئے شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو رواج دیں گے۔

انہیں چاہیئے کہ اقتدارِ ناپائیدار ملتے ہی اسلامی شعائر کو ترویج دیں۔ غیر اسلامی معاشرتی بُرائیوں کو یکسر روک دیں اور اسلام کے خلاف سازشیں بنانے والوں کے ساتھ آہنی ہاتھوں سے نمٹیں۔ بادشاہِ وقت کی دین میں سُستی کی وجہ سے مسلمانوں میں بھی سُستی و کاہلی پیدا ہو جاتی ہے، اور دین کے لئے خطرات بڑھ جاتے ہیں لیکن اب تو معاملہ اس کے بالکل برعکس ہو چکا ہے۔ حکومتیں اسلامی شعائر کو مٹانے میں مصروفِ عمل ہیں اور نام کا دین دار طبقہ شوق سے تماشا بین بنا بیٹھا ہے۔ غیر اسلامی حرکات کو قوت دی جارہی ہے اور بادشاہِ وقت غلبہ ٔکفر کے خوف سے نفاذِ اسلام کا نام لینے

سے بھی گریزاں ہیں۔ ایسی حالت میں "اللہ جل شانہٗ" ہی اپنے دین کی حفاظت فرمائے اور ہمیں غلبۂ اسلامی کے اسباب میں قبول فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ غربت اسلام اور غلبۂ کفار کے بارے میں رقم طراز ہیں کہ اکبر بادشاہ کے دور سلطنت میں کفار ناہنجار کی ملی بھگت سے جہاں دیگر اسلامی شعائر اور دینی احکام معدوم قرار دے دیئے گئے وہاں ذبیحہ گاؤ پر بھی پابندی عائد کر دی گئی جس کی بنیادی وجہ اکبر کے ہندو گھرانوں سے ازدواتعلقات کے علاوہ اعیانِ مملکت اور امورِ سلطنت میں ہندو راجاؤں کا عمل دخل بھی تھا چنانچہ آفتاب پرستی، سگ پرستی، قمار بازی، شراب نوشی، ریش تراشی اور بے حجابی جیسی ہندوانہ رسومات اور ملحدانہ نظریات کو دورِ اکبری میں رواج ملا تھا۔

چونکہ گائے کی قربانی برصغیر میں اعظم اسلامی شعائر میں سے تھی جس کے مٹ جانے پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے بڑے دکھ کا اظہار فرمایا ہے کیونکہ قربانی تسلیم ورضا کا جذبہ اور خلوص ووفا کا ہدیہ ہے۔۔۔ قربانی حصول قرب کا ذریعہ اور محبت الٰہی کا مظاہرہ ہے۔۔۔ قربانی خلیل اللہ کی سنت اور حبیب اللہ کی ادا ہے۔۔۔ قربانی وصل رحمٰن اور حصول انعام کا موجب ہے۔۔۔ قربانی عظمت کی کوہان اور بندگی کا نشان ہے۔۔۔ قربانی مسلمان کے لئے باعثِ افتخار اور دین اسلام کا عظیم شعار ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ جل سلطانہٗ: وَالْبُدْنَ جَعَلْنَاهَا لَكُمْ مِنْ شَعَائِرِ اللّٰهِ (الحج ۳۶) میں قربانی کے اونٹ کو شعائر اللہ فرمایا گیا ہے اور شعائر اللہ کی تعظیم وتکریم باطنی

پاکیزگی اور قلبی طہارت کی علامت ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی: وَمَنْ يُعَظِّمْ شَعَائِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ (الحج ۳۲) سے واضح ہے۔

نیز ادیان سابقہاور امم ماضیہ کے ہر دور میں قربانی کا وجود کسی نہ کسی صورت میں موجود رہا ہے۔ بنی اسرائیل کو ذبح گائے کا حکم اس لئے دیا گیا تھا تاکہ گوسالہ پرستی کا تصور اور گائے کا تقدس ہمیشہ کے لئے معدوم ہو جائے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً (البقرة ٦٧) سے عیاں ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ازواجِ مطہرات اور آل اطہار کی طرف سے گائے کی بھی قربانی دی۔

جیسا کہ ایک روایت میں ہے:

ضَحَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نِسَائِهِ بِالْبَقَرِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی ازواجِ مطہرات کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔[1]

دوسری روایت میں ہے:

أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم نَحَرَ عَنْ آلِ مُحَمَّدٍ فِي حَجَّةِ الْوَدَاعِ بَقَرَةً وَاحِدَةً۔

یعنی بے شک رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی آل اطہار کی طرف سے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک گائے کی قربانی دی۔[2]

---

[1] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۸۳۴)
[2] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۴۲۴)

بینہ

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے مجددانہ کارناموں اور مجاہدانہ کاوشوں سے اتباعِ سُنت، ترویجِ شریعت، تائید ملت اور تخریب بدعت کا اس قدر بھرپور کام ہوا کہ باید وشاید۔

چنانچہ نبیرۂ امام ربانی حضرت العلام شاہ ابوالحسن زید فاروقی مجددی دہلوی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں:

قلعہ کانگڑہ جو بکرماجیت کے ہاتھوں فتح ہوا جس کی کامیابی کی نوید حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے دی تھی فتح کے بعد جب جہانگیر قلعہ دیکھنے گیا اور حضرت (امام ربانی قدس سرہٗ) سے عرض کیا کہ "اگر شما بامارفاقت کنید برآن قلعہ ذبح بقرہ دہیم وبنائی مساجد ونشر اسلام کنیم چنانچہ ایشاں ہمراہ بادشاہ برآن قلعہ برآمدند بادشاہ ہمہ آنچہ فرمودہ بودند بجاآوردند"۔

یعنی اگر آپ ہمیں رفاقت کا شرف بخشیں تو ہم قلعہ پر جاکر گائے ذبح کریں گے، مساجد کی بنیادیں رکھیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے۔ چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ بادشاہ کے ہمراہ قلعہ پر تشریف لے گئے تو جو کچھ بھی آنجناب نے ارشاد فرمایا بادشاہ اسے بجالایا۔

جہانگیر اپنی تزک میں فتح کانگڑہ کے متعلق لکھتا ہے:

بتوفیق ایزدی اذان کہلوا کر نماز اور خطبہ پڑھوایا اور اپنے سامنے گائے ذبح کروائی، ان امور میں سے کسی ایک پر بھی آج تک اس قلعہ میں عمل نہیں ہوا تھا میں نے اس توفیق ایزدی کے لئے جو کسی

بھی بادشاہ کو اس سے قبل نصیب نہیں ہوئی تھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سجدۂ شکرانہ بجالا کر اس قلعہ کے اندر ایک عالی شان مسجد تعمیر کئے جانے کا حکم دیا۔

پھر چند سال بعد اکبر کے الحاد گڑھ (آگرہ کے قلعہ) میں شاہ جہاں نے سنگ مرمر کی عالی شان مسجد بنوائی اور دہلی کی جامع مسجد بنا کر اذان دلوائی، جس کی صدا اللہ کے فضل سے آج تک مسلمانان ہند کے دلوں میں روح ایمان پھونک رہی ہے، اور پھر حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر قدس سرہٗ کے عہد میں فتاویٰ عالمگیری ترتیب و تدوین ہوئی جس کو ممالک عربیہ میں فتاویٰ ہندیہ کہتے ہیں۔

تِلْکَ آثَارُنَا تَدُلُّ عَلَیْنَا فَانْظُرُوْا بَعْدَنَا اِلَی الْاٰثَارِ [1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۳ تا ۳۶)

---

[1](حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص۱۶۵)

مکتوب نمبر ۸۲

[سکندر خان لودھی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ دل کی سلامتی ماسوائے حق کے بھُلانے کے بغیر میسر نہیں آسکتی۔ اور ماسوا کے بھلانے کا نام ہی فنا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نظر کی کجی سے پاک، سید بشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات کے طفیل ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے اور غیر کے حوالے نہ کرے۔

وہ چیز جو ہم اور تم سب پر لازم ہے، یہ ہے کہ غیرِ حق سبحانہٗ وتعالیٰ سے اپنے دل کو محفوظ رکھا جائے اور یہ سلامتی اس وقت میسر آتی ہے جبکہ غیر حق تعالیٰ کا دل پر گزر نہ رہے۔ اور غیرِ حق کا دل پر نہ گزرنا غیرِ حق کے نسیان اور بھول جانے پر مبنی ہے، جسے فنا سے تعبیر کرتے ہیں۔

اس بلند گروہ کے نزدیک غیرِ حق کا خیال بالفرض تکلف سے بھی دل میں لانا چاہیں تو ہرگز ہرگز نہیں گزر سکتا۔ کام جب تک یہاں تک نہ پہنچے سلامتی محال اور ناممکن ہے۔ آج یہ نسبت کوہِ قاف کے عنقا کی طرح نایاب ہے، بلکہ وجود تو کجا اگر اس نسبت کا تذکرہ بھی کیا جائے تو لوگوں کو یقین نہ آئے۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا وَلِلْعَاشِقِ الْمِسْكِيْنِ مَا يَتَجَرَّعُ

ترجمہ: اربابِ نعمت کو جنت کی نعمتیں دل پسند رہیں۔ عاشق مسکین کے لئے وہی ہے جو وہ گھونٹ گھونٹ رنج والم کی شراب پی رہا ہے۔

اس سے زیادہ کیا لکھا جائے۔ والسلام اولاً وآخراً]

تشریح

تصوف ایک کثیر البرکات چیز ہے جس سے انکار کسی صورت بھی ممکن نہیں ہے۔ ایک طرف تو اس سے بہرہ ور ہونے والا سالک خواہشاتِ نفسانی سے پاک ہو جاتا ہے اور دوسری طرف دُنیا کی رنجشوں اور اس کے ظاہری وباطنی نقصانات سے محفوظ ہو کر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کی دولت سے فیض یاب ہو جاتا ہے۔ اس کیفیت کی حقیقی صورت کو فنا سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اگر فناءِ قلبی میسر آ جائے تو محبتِ اہل وعیال، مال ودولت اور جاہ وجلال سالک کو نقصان نہیں پہنچا سکتے چاہے وہ سونے کی کسی کان کا ہی مالک کیوں نہ ہو جائے۔ اور چونکہ یہ عظیم دولت (یعنی فنا) آج کل ناپید ونایاب ہو چکی ہے اس لئے اس کی دیگر کیفیات کے بیان سے ممکن ہے کہ عوام کیا خواص بھی انکار کر بیٹھیں۔

فناءِ قلبی کے لئے درکار اولین چیز صالحین کی صحبت ومجلس اختیار کرنا ہے اور ایسے صالحین جو خود بھی صاحبِ قلب ہوں۔ ان کی باطنی توجہ کے اثر سے مجلس میں آنے والوں کو بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نسبت عطا فرما دیتے ہیں۔

دوسری چیز ریاضتِ شاقہ ہے، اور ریاضتِ شاقہ سے یہ مراد ہر گز نہیں ہے کہ انسان رہبانیت اختیار کر کے جنگلوں کا رُخ کر لے اور مسنون افعال چھوڑ کر ہندو جوگیوں کی پیروی شروع کر دے۔ بلکہ ہر وقت باوضو رہنا، پابندی سے نماز کو باجماعت ادا کرنا، رمضان کے روزے رکھنا، فریضۂ حج ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حقوق العباد کو صحیح طریقہ سے ادا کرنا ہی اس پُر فتن دور میں ریاضتِ شاقہ ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جناب

میں غیر مسلم راہبوں کی مثال دے کر سیاحت کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کی سیاحت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔

تیسری اور سب سے اہم چیز جو فنائے قلبی کے لئے درکار ہے وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل ہے۔ اس کے بغیر نہ تو دنیاوی کامیابی متصور ہے اور نہ ہی اُخروی سعادت کی اُمید رکھی جا سکتی ہے۔ اور جہاں تک فنائے قلبی کا تعلق ہے تو یہ سلوک کی سیڑھیوں میں سے پہلی سیڑھی ہے۔ جب تک فناء قلبی میسر نہ ہو باقی لطائف کا ذاکر ہونا محال ہے۔ اس لئے قلب پر سب سے زیادہ محنت کرنی چاہیئے، سالک کو بھی اور شیخ کو بھی۔

(دارالمعــــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ رقم طراز ہیں کہ قلب کی سلامتی غیر اللہ کے نسیان کے بغیر میسر نہیں ہوتی اور ماسویٰ اللہ کے نسیان کا نام ہی فنا ہے۔

دراصل دورانِ سلوک عروجی منازل میں سالک کے قلب سے ماسویٰ اللہ فراموش ہو جاتا ہے جبکہ نزولی مراتب میں ماسویٰ کی خبر تو رکھتا ہے مگر یہ آگاہی اور خبر داری غیرِ حق سے گرفتاری کا موجب نہیں ہوتی کیونکہ نزول میں اس کا قلبی تعلق ماسویٰ سے منقطع ہو جاتا ہے اور حجابات مرتفعہ عود نہیں کرتے اس لئے سالک صفاتِ بشریہ سے متصف نہیں رہتا اور اس کا قلب قفسِ بدن میں محبوس نہیں رہتا بلکہ سالک کا قلب صاحبِ پَر وبال ہو کر لا مکانی ہو جاتا ہے۔

کسی عارف نے خوب فرمایا:

جیہدے دل وچہ توں آوسیں اوہ دنیا وچہ نئیں وسدے نے

اک وار جو پھائیوں اڈجاون مڑ دوجی وار نئیں پھسدے نے

اس مقام میں سالک گو عالم میں ہوتا ہے مگر بے عالم ہوتا ہے۔ بظاہر باہمہ ہوتا ہے مگر بباطن بے ہمہ ہوتا ہے۔ بظاہر جلوت میں ہوتا ہے مگر بباطن خلوت میں ہوتا ہے۔ ارشاد ربانی: رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللهِ (النور ۳۷) میں اسی کیفیت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوران نماز، عساکر اسلامیہ کی تجہیز بھی فرمایا کرتے تھے جیسا کہ آپ کے ارشادِ گرامی: إِنّي لَأُجَهِّزُ جَيْشِي وَأَنَا فِي الصَّلَاةِ۔[1] سے عیاں ہے۔

مشائخ نقشبندیہ کے ہاں اس مقام کو خلوت در انجمن سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت شاہ فضل اللہ مجددی قندھاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی مقام کی ترغیب و تشویق دلاتے ہوئے فرماتے ہیں:

بنشیں بہ محملِ دل و ہر دم بعرش تاز

طے می شود زمان و مکاں زیر پائے دل

لہٰذا سالک کو کلیتاً خلوت گزینی اور عزلت نشینی سے احتراز کرنا چاہیئے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: لَا رُهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔[2] سے واضح ہے بلکہ اسے اجتماعی زندگی گزارتے ہوئے لوگوں کو اعمالِ صالحہ کی ترغیب و تحریص دلانی چاہیئے تاکہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے پیشِ نظر رشد و ہدایت کا سلسلہ جاری رہے۔ وَاللهُ الْمُوَفِّق۔

---

[1](صحیح بخاری، ج ۱، ص ۱۶۳)

[2](فتح الباری لابن حجر، ج ۹، ص ۱۳)

بینہ

واضح رہے کہ دین اسلام میں ترکِ کُلی کی اجازت نہیں البتہ اسلامی عبادات میں ترک جزوی کا پہلو موجود ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: رُھْبَانِیَّۃُ اُمَّتِیْ الْقُعُوْدُ فِی الْمَسَاجِدُ۔ سے عیاں ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ تحدیثِ نعمت کے طور پر رقم طراز ہیں کہ گو نسیان ماسویٰ اللہ کی نسبت عنقاء کی طرح نادر اور کمیاب ہے البتہ سرہند شریف میں ہم (حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہٗ) اس نسبت کے حامل اور وارث ہیں اور اس کے امین اور قسیم ہیں۔ یہ ایسی نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ قصویٰ ہے جس سے مشائخِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سرفراز ہیں اور جس کے سمجھنے سے بھی اکثر افراد قاصر ہیں۔

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

تو نقشِ نقشبنداں راچہ دانی
تو طفلی کار مرداں راچہ دانی

گیاہ سبز داند قدر باراں
تو خشکی قدر باراں راچہ دانی

[1](تذکرۃ الموضوعات، ص ۳۷)

ہنوز از کفر و ایمانت خبر نیست
حقائق ہائے ایماں را چہ دانی

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۹ تا ۴۲)

مکتوب نمبر ۸۳

[بہادر خان کی طرف صادر فرمایا:

اپنے ظاہر و باطن کی جمعیت کو شریعت و حقیقت کے ساتھ جمع کرنے پر ابھارنے میں:

حق سبحانہٗ وتعالیٰ متفرق تعلقات سے نجات عطا کر کے مکمل طور پر اپنی جناب قدس کا گرفتار کرے۔ بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

ہر چہ جُز عشقِ خدائے اَحسن است

گر شکر خوردن بود جان کندن است

ترجمہ: خدائے احسن کے عشق کے سوا جو کچھ بھی ہے، اگرچہ شکر ہی کھانا ہو در حقیقت جان کو ہلاک کرنے والی بات ہے۔

ظاہر کو ظاہر شریعتِ غرا (روشن) سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے، دیکھیئے کس صاحبِ قسمت کو ان دونوں عظیم نعمتوں سے مشرف کرتے ہیں۔ آج ان دو نسبتوں کا جمع ہونا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر استقامت نہایت ہی نادر بات ہے۔ یہ چیز کبریتِ اَحمر سے بھی زیادہ نایاب ہے، اللہ تعالیٰ اپنے کمالِ کرم سے ظاہراً وباطناً حضور سید اولین وآخرین کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔

علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوات والتسلیمات]

تشریح

"ظاہر کو ظاہر شریعتِ غرا (روشن) سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ رکھنا" سے مراد یہ ہے کہ ہمارے لئے نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور ذکر واذکار وغیرہ کے احکامات کی بجا آوری

کرنا ضروری ہے کیونکہ یہ سب اعمال ظاہر شریعت کے احکامات میں سے ہیں اب اگر ہم سے کوئی پوچھے کہ آپ کیوں حج کی ادائیگی کے لئے جاتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہیں، مخلوق کے ڈر سے حج کے لئے نہیں جاتے تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ یہ صاحبِ جائیداد شخص ہے یہ کیوں حج کی ادائیگی کے لئے نہیں جاتا یا کوئی کہے کہ آپ نماز کیوں ادا کرتے ہیں تو ہم کہیں گے کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حکم پر عمل کرتے ہیں تو جو سالک ظاہر نماز تو ادا کرتا ہے مگر حقیقتِ نماز کی کیفیت سے بے خبر ہوتا ہے تو اُسے ظاہرِ شریعت کے اعمال ادا کرنے کے ساتھ ساتھ حقیقتِ نماز کی کیفیت حاصل کرنے کے لئے کوشاں رہنا چاہیئے۔ کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص نماز میں تلاوتِ قرآن عظیم الشان کرتا ہے تو وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوتا ہے۔ تو سالک کو چاہیئے کہ اپنے اندر جھانک کر دیکھے کہ آیا میں نماز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہوں یا نہیں کیونکہ یہی حقیقتِ ایمان اور حقیقتِ نماز کی کیفیت ہے جسے سالک کو حاصل کرنے کی ہمتِ عالی اور کوشش کرنی چاہیئے۔ پہلے تو ہمارا قرآن عظیم الشان پر عقیدہ ہی درست نہیں ہوتا دوسرا ہمیں نماز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ ہم کلام ہونے کی کیفیت بھی حاصل نہیں ہے، تیسرا یہ کہ ہم نماز کو صرف ظاہر نماز یعنی اُوپر نیچے ہونا ہی تصور کرتے ہیں کیونکہ اول تو ہم صورتِ شریعت ہی کی پابندی نہیں کرتے یعنی ہم نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ جیسے اعمال میں کسالت و سُستی سے کام لیتے ہیں اور اگر فرائض کی صورت کو ادا کرلیں تو ان کی حقیقت سے بے خبر ہوتے ہیں آج کے اس دور میں ظاہرِ شریعت اور باطنِ شریعت دونوں کا حاصل ہونا تو درکنار بلکہ صرف شریعتِ غرّا ٔ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ظاہری احکامات

کی بجا آوری کرنا بھی ایک نادر الوجود اَمر ہے جب تک کوئی صورتِ نماز کو ادا نہ کرے وہ حقیقتِ نماز کی کیفیت حاصل نہیں کر سکتا اور جو صورتِ روزہ ادا نہ کرے وہ حقیقتِ روزہ کی کیفیت حاصل نہیں کر سکتا، جو صورتِ حج کی ادائیگی نہ کرے وہ حقیقتِ حج کی کیفیت حاصل نہیں کر سکتا اور اسی طرح جو زبان کے ساتھ صورتاً کلمہ **لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ** نہ پڑھے وہ حقیقتِ کلمہ کی کیفیت حاصل نہیں کر سکتا۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان **محمد سعید احمد مجددی** فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی **قدس سرہٗ** اپنے ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ آراستہ کرنے اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ مزین کرنے کی تلقین فرمارہے ہیں۔

شریعت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ صورتِ شریعت ۲۔ حقیقتِ شریعت

اہل طریقت کے نزدیک صورتِ شریعت کو ظاہر شریعت اور حقیقت شریعت کو باطنِ شریعت کہا جاتا ہے یعنی ظاہری علوم شرعیہ کا نام صورتِ شریعت ہے جبکہ اسرار الٰہیہ اور حقائق شرعیہ کا نام حقیقت شریعت ہے جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ **علیٰ صاحبہا الصلوات** : **اِنَّ لِلْقُرْآنِ ظَھَراً وَبَاطِناً۔**[1] اور **لِکُلِّ اٰیَةٍ مِنْھَا ظَھَرٌ وَبَطَنٌ وَلِکُلِّ حَدٍّ مُطَّلَعٌ۔**[2] سے واضح ہے۔

اس کو علمِ باطن بھی کہا جاتا ہے، اربابِ طریقت کے ہاں اسی تصوف اور طریقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

---

[1](التحریر والتنویر ابن عاشور، ج ۱، ص ۱۵)

[2](مشکوٰۃ، ص ۳۵)

علومِ شریعت اور اسرارِ طریقت ایسا درِ نایاب ہے جو چہار دانگ عالم میں ہر دور میں نہایت قیمتی اور بیش بہا گوہر گردانا جاتا رہا ہے، جس کے حصول کا ذریعہ فضل ربانی اور تعلیم نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے جیسا کہ ارشاد ربانی جل سلطانہٗ: نُورٌ عَلَى نُورٍ يَهْدِي اللّٰهُ لِنُورِهِ مَنْ يَشَاءُ (النور ۳۵) سے آشکارا ہے۔

جلیل القدر صحابی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وِعَاءَيْنِ فَأَمَّا أَحَدُهُمَا فَبَثَثْتُهُ فِيكُمْ وَأَمَّا الْآخَرُ فَلَوْ بَثَثْتُهُ قُطِعَ هَذَا الْبُلْعُومُ۔

یعنی میں نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے دو گھڑے علم حاصل کیا ہے ان میں سے ایک تو لوگوں کے سامنے پیش کر دیا ہے لیکن اگر دوسرا بھی پیش کر دوں تو میرا گلا کاٹ دیا جائے۔[1]

حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق روایت میں ہے:

عِنْدَهُ عِلْمُ الظَّاهِرِ وَالْبَاطِنِ۔

یعنی ان کے پاس ظاہر و باطن کا علم ہے۔[2]

بینات

عمدۃ الابدال قدوۃ الاقطاب حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی تصنیف لطیف "فصل الخطاب" میں رقم طراز ہیں کہ علمِ باطن ان معانی کی معرفت کو کہتے ہیں جو مقام اَوْ اَدْنیٰ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو بغیر واسطۂ جبرائیل علیہ السلام غیب الغیب

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۷)

[2] (فصل الخطاب، ص ۴۰۷)

سے عطا ہوئے۔ نیز ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لي مع الله وقت، الخ۔[1] سے بھی واضح ہے۔ ولایتِ نبوت کے ان اسرار سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی سرفراز فرمایا گیا۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینۂ اقدس میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فیوض وبرکات سمودیئے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَا صَبَّ اللّٰہُ فِيْ صَدْرِ اَبِيْ بَکْرٍ[2] (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) سے واضح ہے۔

جب طالبِ صادق حق تعالیٰ کے ساتھ خلوص وللّٰہیت کے روابط استوار کرلیتا ہے تو شرح صدر کی دولت سے سرفراز ہوتا ہے، حجابات اٹھ جاتے ہیں، عالم غیب کے دریچے وا ہو جاتے ہیں، علم وعرفان کے چشمے اُبلتے ہیں اور اسرار وایقان کے سوتے پھوٹتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَا أَخْلَصَ عَبْدٌ أَرْبَعِينَ صَبَاحًا إِلَّا ظَهَرَتْ يَنَابِيعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهِ عَلَى لِسَانِهِ۔[3] سے عیاں ہے۔

واضح رہے کہ اسرارِ شریعت اور رموزِ طریقت علمائے راسخین اور اولیائے کاملین کو بارگاہِ رسالت علیٰ صاحبہا الصلوات سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس حقیقت کو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے وارث کامل حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ نے حضرت خواجہ بدر الدین سرہندی قدس سرہٗ سے بیان فرمایا کہ:

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ پر متشابہات ومقطعات کے اسرار ورموز ظاہر ہوئے ہیں، لیکن آپ بتاتے نہیں۔ جب آپ سے دریافت کیا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ شیطان بڑا دشمن ہے اور ہمیشہ

---

[1] (روح المعانی تفسیر آلوسی، ج ۲، ص ۷۳)
[2] (ماخوذ از فصل الخطاب، ص ۲۵۷)
[3] (مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۸، ص ۱۳۱)

اظہارِ اسرار کی جستجو میں رہتا ہے کہ ان معاملات کے مکاشفات کو ظاہر کیا جائے تا کہ وہ استراقِ سمع کر کے فوراً ان کا افشا کر دے۔ اللہ پاک نے ان علماء کو جو اس مقام تک رسائی حاصل کر چکے ہیں "راسخین" فرمایا ہے۔ ان رسوخ کی وجہ سے وہ اس معاملے کو پوشیدہ رکھتے ہیں اور جب بھی کسی کو آگاہ فرمایا گیا تو اس نے اسے مستور ہی رکھا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ (بفضلہٖ تعالیٰ) آنجناب اس امر پر قدرت رکھتے ہیں کہ اس محل اور موقع سے شیاطین کو دفع کر دیں اور اپنے اطراف سے بھی ان کو دور کر دیں تا کہ استراق سمع نہ کر سکیں۔ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا اور التماس کیا تو آنجناب نے حرف "ق" کے اسرار کا اظہار فرمایا تو میرے ہوش اُڑ گئے۔[1]

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ طریقت اپنی اصلی اور خالص صورت میں اسلام کے مرتبۂ احسان سے عبارت ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: أَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ کَأَنَّکَ تَرَاهُ, الخ۔[2] سے آشکارا ہے۔ یورپی مستشرقین اور اسلام کے مدعی بعض فرقہ ضالہ، تصوف اور طریقت کے متعلق یہ خیال پھیلا رہے ہیں کہ تصوف وطریقت دینِ اسلام سے الگ ایک مستقل مذہبی یا خانقاہی نظام ہے۔ حالانکہ جملہ اکابرین طریقت رحمہم اللہ تعالیٰ اس امر پر متفق ہیں کہ تصوف وطریقت قولاً وفعلاً وحالاً ہر اعتبار سے اتباع سنتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کا نام ہے۔ و بدو نہ خرط القتاد۔

واضح رہے کہ علم تصوف اور مصطلحاتِ طریقت کتاب و سنت سے مشید ومؤید ہیں۔

جیسا کہ مقننِ قوانین طریقت سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز کا فرمان ہے:

عِلْمُنَا هٰذَا مُشَيَّدٌ بِالْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ۔

---

[1] (حضرات القدس، ج ۲، ص ۷۰)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۱)

اسی لئے طالبِ صادق کے لئے حامل طریقت ہونے کے ساتھ ساتھ عالمِ شریعت اور عامل سُنت ہونا ازبس لازم ہے تاکہ دورانِ سلوک، کیفیات وواردات ومکاشفات میں غلط اور صحیح کے درمیان امتیاز وادراک کرسکے کیونکہ وہ معارف ورموز جو علوم شریعت سے متصادم ہوں وہ زندقہ ہونے کی وجہ سے ناقابل قبول اور لائقِ تردید ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۵ تا ۴۸)

مکتوب نمبر ۸۴

[سید احمد قادری کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا بالکل عین ہیں۔ اور حق الیقین تک پہنچنے کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف، علوم و معارفِ شرعیہ کے مطابق ہو جائیں اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ راہِ شریعت پر استقامت عطا کرکے اور مکمل طور پر اپنی جنابِ قدس کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے ہوئے ہمیں ہمارے وجودِ بشری سے آزادی عطا کرے، اور غیر حق سے بالکلیہ اعراض اور رُوگردانی میسر فرمائے، بطفیل کجی نظر سے پاک سید بشر علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر ست

ترجمہ: دوست کی بات جس طرف سے بھی ہو بہت ہی اچھی ہے۔

اگرچہ دوست کے متعلق جو کچھ کہا جائے وہ دوست کے مقام سے بہت ہی نیچے ہے لیکن ایسی گفتگو کو جنابِ حق تعالیٰ و تقدس کے ساتھ قدرے مناسبت ہوتی ہے۔ اس معنی کو غنیمت شمار کرتے ہوئے اس باب میں جرأت و دلیری کرتا ہے۔

اصل اور بامقصد بات یہ ہے کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا بالکل عین ہیں اور حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں۔ فرق صرف اجمال و تفصیل، کشف و استدلال، غیبت و شہادت اور تکلف و عدم تکلف کا ہے۔

وہ علوم واحکام جو روشن شریعت کے مطابق علم میں آئے ہوئے ہیں حق الیقین کی حقیقت سے موصوف ہونے کے بعد بھی وہی احکام وعلوم تفصیل سے منکشف ہوتے ہیں اور غیبت سے شہادت کی طرف لے آتے ہیں اور کسب کی مشقت اور تکلف کے ساتھ عمل کی دِقت رفع ہو جاتی ہے۔ اور حق الیقین کی حقیقت تک وصول کی علامت یہ ہے کہ اس مقام کے علوم و معارف شرعی علوم و معارف کے بالکل مطابق ہو جاتے ہیں۔ جب تک ایک بال برابر بھی مخالفت باقی ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ابھی تک حقیقت الحقائق تک وصول حاصل نہیں ہوا۔ اور شریعت کے خلاف علم و عمل مشائخِ طریقت میں سے جس سے بھی واقع ہو وہ سُکرِ وقت پر مبنی ہے، اور سُکرِ وقت دورانِ راہ کی بات ہے۔ نہایۃ النہایۃ تک پہنچ جانے والے اربابِ صحو ہیں وقت ان کے آگے مغلوب ہے۔ حال اور مقام ان کی شان کے تابع ہیں۔

صوفی ابن الوقت آمد در مثال

لیک صافی فارغ است از وقت وحال

ترجمہ: صوفی تو حال اور وقت کا تابع ہوتا ہے۔ مگر صافی (حق الیقین تک پہنچ جانے والا بزرگ) وقت اور حال سے فارغ ہو چکا ہوتا ہے۔

تو ثابت ہو گیا کہ شریعت کی مخالفت حقیقتِ کار تک عدم وصول کی علامت ہے۔]

تشریح

قرونِ اولیٰ کے علماء وفقہاء عظام شریعت و طریقت کے جامع تھے اور ان کو ایک دوسرے کے لئے لازم وملزوم سمجھتے تھے لیکن اُس کے بعد آہستہ آہستہ تبدیلی آتی گئی اور پھر علماء وصوفیاء کے دو گروہ ہو گئے، علماء نہ صرف تصوف وسلوک کو غیر ضروری سمجھنے لگے بلکہ اس پر اعتراض اور نقطہ چینی

کرنے لگے، دوسری طرف صوفیاء علم سے دور ہونے لگے اور شریعت کو غیر ضروری حیثیت دے دی گئی اور طریقت و حقیقت کو مغز اور شریعتِ مطہرہ کو چھلکے اور پوست سے تشبیہ دے کر جان چھڑائی جانے لگی۔ اس صورتِ حال کا اشارہ ہمیں اس حدیث شریف سے ملتا ہے جسے حضرت علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جمع الجوامع میں نقل کیا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ: "میری اُمت میں ایک شخص ہو گا جسے صلہ کہا جائے گا اس کی شفاعت سے ایک کثیر تعداد جنت میں داخل ہو گی"۔ علماء نے فرمایا ہے کہ اس حدیث میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی طرف اشارہ ہے کیونکہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی علماء وصوفیاء کے درمیان صلہ (یعنی ملانے والے) تھے۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ "جو نزاع (یعنی اختلاف) ہزار سال سے علماءِ اسلام اور صوفیاءِ کرام کے درمیان چلی آتی تھی وہ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ (حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس) نے اٹھادی اور حدیثِ صلہ کے مورد ہوئے"۔

علماء وصوفیاء کے اسی نزاع اور اختلاف کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکتوب لکھا ہے اور بیان فرمایا ہے کہ شریعت وطریقت ایک دوسرے سے الگ اور دو جدا چیزیں نہیں ہیں بلکہ ایک دوسرے کا عین اور لازم وملزوم ہیں۔ ہاں یہ فرق ضرور ہے کہ شریعت سردار ہے اور طریقت اس کے تابع ہے۔

علماءِ محققین نے معرفت ویقین کے تین درجے بیان کئے ہیں: پہلا درجہ علم الیقین، دوسرا عین الیقین اور تیسرا حق الیقین کا درجہ ہے، جو بالاصل انبیاءِ کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا ہے اور وراثت وتبعیت کے طور پر اعلیٰ ترین مراتب والے صوفیاء کو بھی عنایت کر دیا جاتا ہے۔ اس درجے کا کمال یہ

ہے کہ وہ علومِ حقہ جو دوسرے لوگوں کو قرآن وحدیث اور مستند کتابوں سے حاصل ہوتے ہیں وہ علوم ان بزرگوں کو کشف وشہود اور القاء رحمانی کے ذریعے سے عنایت ہوتے ہیں اور دونوں طرح کے علوم میں بال برابر بھی فرق و تفاوت نہیں ہوتا۔ اگر تصوف کے راستے سے حاصل ہونے والے علوم کی ظاہرِ شریعت کے ساتھ مخالفت ہو تو اس کی چند ایک وجوہات ہوتی ہیں جنہیں تلاش کرنا اور ان سے بچنا ضروری ہے۔ پہلی وجہ یہ ہوگی کہ شاید کشف والے کے کشف یا شہود میں شیطان داخل ہو، دوسری وجہ سالک کا حالتِ سُکر میں ہونا بھی ممکن ہے اور تیسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایسا صوفی ابھی تک حقیقت کے راستے میں ہو اور منزلِ مقصود تک واصل نہ ہوا ہو۔ یہ وجوہات نہ ہوں تو پھر کوئی صورت نہیں کہ سالک کے علوم و معارف میں شریعتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے مخالفت ظہور میں آئے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز دعا فرما رہے ہیں کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ ہمیں ظاہر و باطن کی فنا و بقا سے مشرف فرمائے اور ہمارا تزکیہ فرما کر اپنی بارگاہ قدس کی طرف متوجہ رکھے۔ دراصل تزکیۂ نفس کے بغیر وصول الی الحق نہایت دشوار ہے۔ کیونکہ نفس ذاتی طور پر خبیث ہے اور حق تعالیٰ کی مخالفت و عداوت اس کی جبلت میں شامل ہے، جیسا کہ حدیث قدسی: عَادِ نَفْسَکَ فَاِنَّهَا انْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ سے عیاں ہے۔ نفس کی مجاورت کی وجہ سے دیگر لطائف میں بھی کثافت اور ثقالت آجاتی ہے اس لئے جب تک دیگر لطائف کا تصفیہ اور نفس کا تزکیہ نہیں ہو جاتا اور نفس کی شرارت، شرافت میں اور عداوت، سعادت میں تبدیل نہیں ہو جاتی، اس وقت تک روحانی پرواز اور ماسوا سے نجات نصیب نہیں ہوتی۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں:

تو یوسفی افتادۂ در چاہ

یعنی اے سالک تیرے اندر حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام کی مانند روحانی استعداد تو موجود ہے مگر تو نفس کے کنویں میں گر گیا ہے اس لئے پہلے نفس سے رہائی حاصل کر، تاکہ حق تعالیٰ تک تیری رسائی ہو جائے۔

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست

تو خود حجابِ خودی حافظا از میاں برخیز

حضرت مرزا مظہر جان جاناں شہید دہلوی قدس سرہٗ اس مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

مظہر طلبی گر بجہان منزل راحت

بگذر تو ز خود در پس این پردہ مقام است

بینہ

واضح رہے کہ نفس، دعوئ الوہیت اور ذاتی خباثت کی بنا پر سالک کے لئے اندرونی چور اور شیطان العین بیرونی چور کی مانند ہیں، نیز شیطان انسان کا ازلی دشمن ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّ الشَّيْطَانَ كَانَ لِلْإِنْسَانِ عَدُوًّا مُبِينًا (الإسراء ۵۳) سے عیاں ہے۔ شیطان لعین نفس کی وساطت سے سالک کے خانۂ قلب کو تاراج اور حقیقت سے منحرف کر دیتا ہے، لہٰذا جب تک سالک کا تزکیۂ نفس نہ ہو جائے اس وقت تک وساوس نفسانی اور تفرقہ باطنی میں مبتلا رہتا ہے اور جب سالک کا تزکیۂ نفس ہو جاتا ہے تو وہ وساوس درونی اور تسلط شیطانی سے محفوظ ہو جاتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السبحانی رقم طراز ہیں کہ حق تعالیٰ کی معرفت کے ساتھ ہمارے کلام کو کوئی مناسبت نہیں کیونکہ وہ ہمارے وہم و تمثیل و قال و قیل اور حروف واصوات والفاظ وادراک سے وراء ہے لہٰذا ہم اس کی ذات کے متعلق کیا بیان کر سکتے ہیں اور اس کے کمالات کو عیاں کرنا ہمارے بس کا روگ نہیں۔ سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی حق تعالیٰ کے حضور عرض گزار ہیں کہ اے خدایا میں تیری حمد و ثناء کا حق ادا نہیں کر سکتا، جس طرح کہ تو نے خود اپنی تعریف کی ہے، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: لَا أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْکَ أَنْتَ کَمَا أَثْنَيْتَ عَلَی نَفْسِکَ۔[1] سے واضح ہے۔

غالباً مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمہ اللہ تعالیٰ اس مفہوم کو اپنے انداز میں یوں بیان فرماتے ہیں:

اے بروزن از وہم و قال و قیل من

خاک بر فرق من و تمثیل من

ہر چہ بگویم ای سند نیست جدا از نیک و بد

ہم تو بگو بلطف خود بی تو بسر نمی شود

لیکن سالک اعتراف عجز و قصور کے ساتھ حق تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تاکہ تعمیل ارشاد کے ساتھ ساتھ اس کے لئے قلبی شکیب و اطمینان اور روحانی پرواز کا باعث ہو۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بندہ نشکیبد ز تصویر خوشت | ہر دمت گوید کہ جانم مفرشت

ہمچو آن چوپان کہ می گفت ای خدا | پیش چوپان محب خود بیا

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۵ تا ۵۴)

---

[1](صحیح مسلم، کتاب الصلوٰۃ، باب مایقال فی الرکوع والسجود، رقم الحدیث: ۱۱۱۸)

[بعض مشائخ کی عبارات میں یوں واقع ہوا ہے کہ شریعت حقیقت کا پوست اور چھلکا ہے، اور حقیقت شریعت کا مغز ہے۔ یہ عبارت اگرچہ متکلم کی بے استقامتی کی خبر دیتی ہے، لیکن ممکن ہے اس کی مراد یہ ہو کہ مجمل مفصل کے سامنے پوست کی حیثیت رکھتا ہے، اور کشف کے سامنے استدلال چھلکے کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن مستقیم الاحوال اکابر اس قسم کی موہوم عبارات کا لانا جائز نہیں رکھتے۔ اور اجمال و تفصیل اور کشف و استدلال کے سوا کچھ فرق بیان نہیں کرتے۔

ایک سائل نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس سے سوال کیا کہ سیر و سلوک سے کیا چیز مقصود ہے؟ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جواب دیا "تا کہ اجمالی معرفت تفصیل کی شکل اختیار کرے اور استدلال کشف کی صورت میں بدل جائے"۔

اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ ہم سب کو علم و عمل میں شریعت پر ثبات و استقامت عطا فرمائے۔ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہٗ علیٰ صاحبہا۔]

تشریح

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

بعض قرآن مغز را بر داشتیم　　　　استرا با دیگراں بگذاشتیم

ترجمہ: ہم نے قرآن عظیم الشان سے مغز کو چُن کر نکال لیا ہے اور پوست کو دوسرے لوگوں کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت مولانا جلال الدین رومی بلخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اس شعر کی تعبیر و تشریح یوں کی ہے کہ مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ الفاظ اجمالاً بیان کئے ہیں کہ عوام الناس قرآن عظیم الشان کو اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی کتاب مان کر اس کی

تلاوت تو کرتے ہیں مگر اس پر عمل نہیں کرتے جبکہ صوفی قرآن عظیم الشان کی تلاوت بھی کرتا ہے، اس پر عمل بھی کرتا ہے اور اس کی حقیقت سے بھی واقف ہوتا ہے یعنی اس شعر میں اجمال و تفصیل کی بات کی گئی ہے، اجمال سے مراد ہے صرف قرآن عظیم الشان کی تلاوت کرنا اور تفصیل سے مراد ہے اس کی ہر آیت کو اپنے آپ پر تطبیق دینا اور اس کی حقیقت سے واقف ہونا کیونکہ اس قرآن عظیم الشان میں ظاہر و باطن دونوں موجود ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ النورانی رقم طراز ہیں کہ شریعت اور حقیقت ایک دوسرے کا عین ہیں، غیر نہیں۔ شریعت، صورتِ ظاہری اور حقیقت صورتِ باطنی کا نام ہے۔ شریعت، جسم ہے اور حقیقت اس کی روح ہے اس لئے انہیں ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔
وبدونہا خرط القتاد

البتہ شریعت اور حقیقت کے درمیان فرق اجمال و تفصیل کا ہے۔ دراصل جب سالک کی علم الیقین سے حق الیقین تک رسائی ہو جاتی ہے تو اس پر حقیقت منکشف ہو جاتی ہے اور اجمال تفصیلی طور پر عیاں ہو جاتا ہے۔ اجمال کی مثال تخم اور تفصیل کی مثال درخت کی ہے۔

یونہی جب سالک کشف القبور کی بنا پر قبر میں عذاب وثواب کا مشاہدہ کر لیتا ہے تو اس کے استدلالی واجمالی علوم ومعارف، کشفی اور تفصیلی بن جاتے ہیں۔ ایسے ہی عبادات شرعیہ کی بجا آوری میں جب کسب کی مشقت اور عمل کا تکلف درمیان سے اٹھ جائے اور عبادات عادت ثانیہ اور وجہ قرار وسکون بن جائیں تو سالک کو شریعت کی حقیقت نصیب ہو جاتی ہے۔ وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ

بینہ

واضح رہے کہ بعض صاحبان تزکیۂ نفس جو معارف شرعیہ کی تفصیلات سے تو آگاہ ہوتے ہیں مگر وہ ان تفصیلات کے بیان واظہار سے عاجز ہوتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس کمال کا حصول عیاں نہیں ہوا ہوتا۔

جب سالک علم الیقین سے گزر کر حق الیقین کے مرتبہ پر فائز المرام ہو جاتا ہے تو اس کے تمام مکشوفات، شریعت کے عین مطابق ہوتے ہیں اور وہ سکر آمیز توحیدی معارف جو علوم شرعیہ سے متصادم ہوتے ہیں وہ مرتبۂ حق الیقین تک پہنچنے سے پہلے آتے ہیں۔

اہل طریقت نے علم کے تین مراتب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ علم الیقین ۲۔ عین الیقین ۳۔ حق الیقین

علم الیقین: اثر سے مؤثر کی طرف استدلال سے عبارت ہے۔

عین الیقین: مؤثر کے شہود کو کہتے ہیں۔

حق الیقین: شہود مؤثر کے بعد اوصاف مؤثر سے منعکس اور متصف ہونے کو کہتے ہیں۔ اس مرتبے میں سالک کی برہان برھان لمی ہوتی ہے اور اس کا استدلال مؤثر کی طرف سے ہوتا ہے یعنی فنا اور بقا کے بعد عارف کا علم حق تعالیٰ کے علم وصفات کا پرتو ہوتا ہے اور عارف اخلاقِ الٰہیہ کا مظہر بن جاتا ہے۔

صوفیائے کرام اور علمائے ظواہر کے علم الیقین کے درمیان فرق

اہل طریقت نے دو نمایاں فرق بیان فرمائے ہیں:

علمائے ظواہر کے نزدیک اثر اور مؤثر کے درمیان ربط استدلالی ہوتا ہے جبکہ صوفیائے کرام کے ہاں وہ ربط کشفی ہوتا ہے۔

علمائے ظواہر محض مرتبۂ علم الیقین میں ہی ہوتے ہیں اور گرفتار اثر ہوتے ہیں، مؤثر تک ان کی رسائی نہیں ہوتی جبکہ صوفیائے کرام گرفتار مؤثر ہوتے ہیں۔ یعنی اس کے شیدا اور اس کے مشاہدے میں محو ہوتے ہیں اور اثر کی طرف التفات نہیں کرتے۔ اس مرتبے کا حصول کسی شیخ کامل و مکمل کی بیعت و صحبت اور توجہات قدسیہ پر موقوف ہے۔ بقول شاعر:

اگر ندہی بکف داماں یارم　　　گرفتاری بکس دیگر ندارم

بینات

واضح رہے کہ جو صوفیاء سیر عروجی میں مشغول ہوتے ہیں اور ان کی ابھی تک مؤثر تک رسائی نہیں ہوئی وہ بھی مرتبہ علم الیقین میں ہی ہوتے ہیں۔ و اللہ اعلم بحقیقۃ الحال

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السبحانی کے نزدیک ممکنات میں اسماء وصفات کا پرتو بواسطہ عدم ہوتا ہے یعنی عدمات متقابلہ میں صفات ثمانیہ کا پرتو پڑتا ہے بعد ازاں زید و بکر کے وجود اور زمین وآسمان وغیرہا میں اس کا انعکاس ہوتا ہے جبکہ عارف کی ولادت ثانیہ (فنا وبقا) کے بعد اسے وجود موہوب حقانی عطا ہوتا ہے۔ اس مرتبے میں وجود عارف میں تجلیات کا پرتو عدمات کے واسطہ کے بغیر پڑتا ہے، جبکہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ابتدائے آفرینش سے ہی عالم وجوب سے فیوضات و تجلیات کا ورود عدمات متقابلہ کے بغیر ہوتا ہے۔

وجود انبیائے عظام علیہم السلام اور وجود اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے درمیان فرق یہ ہے کہ:

۱۔ حضرات انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی ابتدائے خلقت میں تجلیات کا پرتو بے واسطہ عدمات ہوتا ہے جبکہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی ابتدائے خلقت میں پرتو صفات بواسطہ عدمات ہوتا ہے اور ولادت ثانیہ کے بعد عدم متقابلہ کے واسطہ کے بغیر وجود موہوب حقانی پرتو صفات کا مورد ہوتا ہے۔

۲۔ انبیائے عظام علیہم السلام کا ہیولائے وجود، تجلیات ہے اور عدم ایک صورت ہے، جہاں تجلیات جاگزیں ہوتی ہیں جبکہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کا ہیولائے وجود عدم ہے جس میں تجلیات جاگزیں ہوتی ہیں۔

مختصر یہ کہ وجود انبیاء علیہم السلام میں عدم ضعیف اور تجلیات قوی ہوتی ہیں، اسی بناء پر انبیائے عظام علیہم السلام مَعْصُوْم عَنِ الْخَطَا ہوتے ہیں۔ جبکہ وجود اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں عدم قوی اور تجلیات ضعیف ہوتی ہیں یہی وجہ ہے کہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ معصوم نہیں ہوتے البتہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔

۳۔ وجود انبیاء علیہم السلام میں تجلیات صفات کا پرتو پڑتا ہے جبکہ وجود اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ میں تجلیات ظلالِ صفات کا پرتو پڑتا ہے۔ تجلیات صفات اور تجلیات ظلال صفات میں فرق ارباب طریقت سے مخفی نہیں۔

عدمات متقابلہ سے اضداد صفاتِ ثمانیہ مراد ہیں یعنی عدمِ حیات، عدمِ علم، عدمِ قدرت، عدمِ ارادہ، عدمِ سمع، عدمِ بصر، عدمِ کلام اور عدمِ تکوین ہے۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ تخلیق عالم سے قبل تجلیات اسماء وصفات کا عدمات کے ساتھ امتزاج حق تعالیٰ سبحانہٗ کے علم میں تھا خارجی نہ تھا۔ کیونکہ عدم وجودِ خارجی نہیں رکھتا اس کے بعد صفتِ تخلیق نے اس عدم ممزوج علمی کو وجود خارجی عطا کر دیا۔ و اللہ اعلم بالصواب

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ السبحانی رقم طراز ہیں کہ عامۃ الناس میں عدم زیادہ قوی ہوتا ہے، وہاں تجلیات برائے نام ہوتی ہیں اسی لئے ان میں بشریت و کثافت کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ وجودِ عارف میں تجلیات اس قدر قوی ہوتی ہیں کہ عدم، بتدریج ضعیف اور ناچیز ہوتا جاتا ہے اور عدم کی جگہ تجلیات جانشین وجاگزیں ہوتی جاتی ہیں، بناءبریں ان میں نورانیت ولطافت کا غلبہ ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

مرا دیگر بجائے من نہ بینی | چو جان آئی بجائے من نشینی
توئی از ہر دو عالم آرزویم | ترا چوں یافتم از خود چہ گویم

وجود عارف میں ضعفِ عدم اور کثرتِ تجلیات کی بنا پر بسا اوقات اس کا سایہ بھی گم ہو جاتا ہے جیسا کہ شمس الہند حضرت سیدنا چنن شاہ نوری دائم الحضوری قدس سرہٗ العزیز تاجدار آلو مہار شریف، ضلع سیالکوٹ کے متعلق مشہور ہے کہ آخری عمر میں غلبہ، نورانیت و تجلیات وفیوضات کی بدولت آپ کا سایہ نہیں رہا تھا۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم قدس سرہٗ نے اس مفہوم کو اپنے انداز میں یوں بیان فرمایا ہے:

چو فنا در فقر پیرایہ شود | او محمد وار بے سایہ شود

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ عام صوفیاء کے ظاہر کو عالمِ خلق اور ان کے باطن کو عالمِ امر سے تعبیر کیا جاتا ہے جبکہ عارف کامل کا ظاہر تجلیات اسماء وصفات کا مؤرد ہوتا ہے اور اس کا باطن تجلیٔ ذات حق سبحانہٗ کا مہبط ہوتا ہے۔ عالم خلق اور عالمِ امر عارف کی ذات اور حقیقت سے مرتفع ہو جاتے ہیں اس کا ظاہر محض لبادۂ بشریت میں ملبوس ہوتا ہے۔ ظاہر بین اور حدت بصر سے محروم لوگ انہیں اپنے جیسا خیال کرتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن عظیم الشان میں کفار کے قول: مَالِ هَذَا الرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِي فِي الْأَسْوَاقِ (الفرقان۷) سے عیاں ہے۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

گر بصورت آدمی انساں بُدے
احمد و بوجہل ہم یکساں بُدے

جبکہ بے دانش اور بے معرفت طبقۂ جہّال نہیں جانتے کہ افادہ اور استفادہ میں مناسبت طرفین بھی ضروری ہے اور قرابت و جنسیت بھی لازمی ہے تاکہ افاضہ واستفاضہ میں سہولت رہے۔ یہی وجہ ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے ملائکہ کو مبعوث نہیں فرمایا بلکہ انبیائے کرام علیہم السلام کو لباسِ بشریت میں بھیجا تاکہ عامۃ الناس ان سے مستفید ہو سکیں۔

دورانِ سلوک خلافِ شرع اقوال وافعال کا صدور غلبۂ حال اور سُکرِ وقت کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ منتہی صوفیاء مرتبۂ صحو پر فائز المرام ہونے کی وجہ سے ابو الوقت ہوتے ہیں اس لئے وہ سُکر آمیز کلمات اور شطحیات سے اجتناب کرتے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند اصطلاحات طریقت کی وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم مکتوب میں آسانی رہے۔

وقت

فاضل اجل حضرت علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ وقت کی تعریف کے متعلق رقم طراز ہیں:

اَلْوَقْتُ عِبَارَۃٌ عَنْ حَالِکَ فِی زَمَانِ الْحَالِ لَا تَعَلّقَ لَہٗ بِالْمَاضِیْ وَ لَا بِالْمُسْتَقْبِلْ۔[1]

یعنی وقت، زمانۂ حال میں سالک کے حال سے عبارت ہے جس کا تعلق نہ ماضی سے ہوتا ہے نہ زمانۂ استقبال سے۔

حجۃ الکاملین سند الواصلین حضرت علی بن عثمان ہجویری المعروف بہ حضرت داتا گنج بخش لاہوری قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ:

وقت ایسی کیفیت کا نام ہے جس میں سالک کے قلب پر فیضان وارد ہوتا ہے اور اس کا باطن اس طرح مجتمع ہو جاتا ہے کہ حالتِ کشف میں اس وقت اسے نہ گذشتہ کی یاد آتی ہے نہ آئندہ کا خیال، بلکہ وہ ماضی اور مستقبل دونوں سے فارغ اور بے نیاز ہو جاتا ہے اور حال کی فکر و قدر میں محو ہو جاتا ہے اور اسے ہی غنیمت جانتا ہے اسی لئے کہا جاتا ہے کہ صوفی ابن الوقت ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالٰی: ثُمَّ جِئْتَ عَلٰی قَدَرٍ یَامُوسٰی (طٰہٰ ۴۰) اس کی طرف مشیر ہے۔

حضرت خواجہ ابو سعید خراز رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ فرماتے ہیں کہ وقت عزیز کو صرف عزیز کام میں ہی صرف کرنا چاہیئے اور عزیز ترین چیز بین الماضی والمستقبل ہے۔

ایک صاحب وقت فرماتے ہیں کہ ہمیں حق تعالٰی سبحانہٗ کی طرف سے ایسا حظّ نصیب ہوتا ہے کہ اگر اس دوران ماضی و مستقبل کی طرف متوجہ ہوں تو اس سے محجوب ہو جائیں۔

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۱۱۵)

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لي مع الله تعالى وقت لا يسعني فيه ملک مقرب ولا نبي مرسل۔

یعنی مجھے حق تعالیٰ کے ساتھ ایک ایسا وقت مشاہدہ نصیب ہوتا ہے جب میرے ساتھ نہ کسی مقرب فرشتہ کی گنجائش ہوتی ہے نہ کسی نبی مرسل کی۔[1]

یعنی اس قوت خاص میں اٹھارہ ہزار عالم کا نہ میرے قلب اطہر پر گزر ہوتا ہے اور نہ اس کی میری نظر میں کوئی وقعت ہوتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ شب معراج جب زمین وآسمان کی زیب وزینت آپ کے سامنے پیش کی گئی تو آپ نے دیدارِ الٰہی میں استغراق کے باعث کسی چیز کی طرف نظر اٹھاکر بھی نہ دیکھا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے فرمایا: مَا زَاغَ الۡبَصَرُ وَمَا طَغٰی (النجم ۱۷) کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سب سے عزیز تھے اور آپ نے عزیز چیز کو عزیز چیز کے سوا کسی اور چیز کی طرف متوجہ نہیں ہونے دیا۔ وَلِلّٰہِ الۡحَمۡد

مختصر یہ کہ مؤحد کے دو وقت ہوتے ہیں ایک حالِ وقت دوسرا حالِ وجد، یعنی ایک محل وصال ہے اور ایک محل فراق ہے مگر مؤحد ان دونوں حالتوں میں مقہور ہوتا ہے کیونکہ وصل میں وصل حق ہوتا ہے اور فصل میں فراق بحکم حق ہوتا ہے۔ خود اس کے اپنے اختیار اور اکتساب کو اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا کہ اس کا وصف بیان کر سکے۔ جب دست اختیار الگ کر دیا جائے تو بندہ جو کچھ کرتا یا دیکھتا ہے وہ وقت کی طرف سے ہی ہوتا ہے۔[2]

---

[1] (روح المعانی، ج ۲، ص ۷۳)

[2] (کشف المحجوب)

مقام

یہ مصدر بمعنی اقامت ہے جیسے **مدخل** بمعنی **ادخال** اور **مخرج** بمعنی **اخراج**۔

حضرت سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مقام کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْمَقَامُ عِبَارَۃٌ عَنْ اِسْتِیْفَاءِ حُقُوْقِ الْمَرَاسِمِ عَلَی التَّمَامِ۔

یعنی سالک کا اپنے مطلوب کے ادائے حقوق کے لئے بھرپور کوشش کرنا مقام کہلاتا ہے۔[1]

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ طالب کا حقوق مطلوب کو شدتِ اجتہاد اور صحتِ نیت کے ساتھ ادا کرنا مقام ہے۔ ہر طالب کے لئے ایک مقام ہوتا ہے جو اس کے ابتدائے طلب کا سبب ہوتا ہے۔ ہر چند کہ طالب ہر مقام سے بہرہ یاب ہوتا اور ہر مقام سے گزرتا ہے مگر اس کا قرار ایک مقام پر ہی ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: **وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (الصافات ۱۶۴)** سے واضح ہے۔ چنانچہ مقام آدم علیہ السلام توبہ ہے، مقامِ نوح علیہ السلام زہد ہے، مقام ابراہیم علیہ السلام تسلیم ہے، مقامِ موسیٰ علیہ السلام انابت ہے، مقامِ داوٗد علیہ السلام حزن ہے، مقامِ عیسیٰ علیہ السلام رجا ہے، مقامِ یحییٰ علیہ السلام خوف ہے اور ہمارے پیغمبر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مقام ذکر ہے۔ اگرچہ ان مقدس حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی سیر ہر مقام پر تھی لیکن ہر ایک کا رجوع ان کے اصل مقام کی طرف ہی تھا۔[2]

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۱۱۵)

[2] (کشف المحجوب)

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ تصوف وطریقت کے مقامات میں سب سے پہلا مقام مقامِ توبہ ہے اور آخری مقام رضا ہے۔ کل دس مقام ہیں جن کو مقاماتِ عشرہ کہا جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

سالک بغیر تکمیل کے اگلے مقام تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا یعنی توبہ کے بغیر انابت اور انابت کے بغیر زہد اور زہد کے بغیر توکل۔۔۔ الیٰ آخرہ۔۔۔ دیگر مقامات تک رسائی نصیب نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

حال

فاضل اجل حضرت علامہ سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حال کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْحَالُ هُوَ مَا يَرِدُ عَلَى الْقَلْبِ مِنْ غَيْرِ تَعَمُّدٍ وَلَا اِجْتِلَابٍ۔

یعنی حال وہ کیفیت ہے جو بغیر ارادہ اور جہد واجتلاب کے قلب پر وارد ہوتی ہے۔[1]

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز حال کے متعلق رقم طراز ہیں کہ حال وہ کیفیت ہے جو حق تعالیٰ کی طرف سے دل پر وارد ہوتی ہے۔ اسے نہ اپنی کوشش سے روکا جا سکتا ہے اور نہ ہی بتکلف اسے وارد کیا جا سکتا ہے۔

حضرت امام ابو القاسم قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ میں نے اپنے استاد حضرت ابو علی دقاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے فرمان: اِنَّهٗ

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۱۱۵)

لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ حَتّٰی اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ فِی الْیَوْمِ سَبْعِیْنَ مَرَّۃً۔ کی تشریح کرتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے احوال میں ہر وقت بلند تر ہوتے رہتے تھے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَلَلْآخِرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْأُولَی (الضحیٰ ۴) سے عیاں ہے۔ لہٰذا جب آپ ایک حال سے ترقی فرما کر دوسرے حال میں جاتے تو بسا اوقات آپ کی نگاہ مبارک پہلی حالت پر پڑ جاتی تو آپ کو ایسا معلوم ہوتا کہ بعد کی حالت پہلی حالت کے لئے بادل کا کام کرتی ہے۔[1]

حال کے متعلق صوفیاء کرام کی آراء

مشائخ طریقت کے اس کے متعلق مختلف اقوال ہیں:

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے متبعین دوام حال کے قائل ہیں اور کہتے ہیں کہ محبت، شوق، قبض اور بسط یہ سب احوال ہیں۔

سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کے ہمنوا دوام حال کو جائز نہیں سمجھتے اور کہتے ہیں: اَلْاَحْوَالُ کَالْبُرُوْقِ فَاِنْ بَقِیَتْ فَحَدِیْثُ النَّفْسِ۔ یعنی احوال بجلیوں کی مانند ہوتے ہیں جنہیں دوام نہیں ہوتا ان کے دوام کا تصور حدیث نفس ہے۔

بعض مشائخ فرماتے ہیں:

اَلْحَالُ سُکُوْتُ اللِّسَانِ فِیْ فُنُوْنِ الْبَیَانِ۔

یعنی صاحب حال کی زبان بیان حال سے ساکت اور عاجز ہے۔

البتہ اس کا معاملہ اس کی حقیقت حال سے عیاں ہوتا ہے اس لئے کہا جاتا ہے:

اَلسَّوَالِ عَنِ الْحَالِ مُحَالٌ۔

---

[1] (رسالۂ قشیریہ)

یعنی حال کا بیان کرنا محال ہے کیونکہ حال فنائے مقال ہے۔

وقت، حال اور مقام کے درمیان فرق

- وقت حال کا محتاج ہوتا ہے کیونکہ صفائی وقت حال سے میسر آتی ہے اور اسی سے اس کا قیام ہوتا ہے۔
- جب صاحبِ وقت، صاحبِ حال ہو جاتا ہے تو تغیر اس سے منقطع ہو جاتا ہے اور وہ اپنے وقت میں مستقیم ہو جاتا ہے۔
- صاحبِ وقت غافل ہو سکتا ہے لیکن صاحبِ حال غافل نہیں ہوتا۔
- وقت بے حال زوال پزیر ہوتا ہے۔
- صاحبِ وقت کبھی مشاہدۂ حق سے محروم ہوتا ہے اور کبھی مشاہدۂ حق میں محو ہوتا ہے۔
- صاحبِ حال کے لئے حجاب اور مشاہدے کا عالم برابر ہوتا ہے، کیونکہ وہ ہمیشہ محل مشاہدہ پر فائز ہوتا ہے۔
- جب حال مداومت سے ملکہ بن جاتا ہے تو اس کو مقام کہتے ہیں۔
- مقام، سالک کے لئے مجاہدہ وریاضت کا ثمرہ ہوتا ہے کیونکہ مقام جملہ اعمال سے ہے۔
- حال بغیر مجاہدہ وریاضت کے محض فضلِ حق کا مظہر ہوتا ہے کیونکہ حال جملہ افضال سے ہے۔
- مقام جملہ مکاسب سے ہے۔
- حال محض مواھب سے ہے۔
- صاحبِ مقام اپنے مجاہدہ سے برقرار ہوتا ہے۔

- صاحبِ حال اپنی ذات سے بے خبر اس کیفیت سے سرشار ہوتا ہے جو حق تعالیٰ اس کے قلب میں پیدا فرماتا ہے۔
- صاحبِ مقام اپنے مکان پر متمکن ہوتا ہے۔
- صاحبِ حال اپنے مقام سے ترقی کرتا رہتا ہے۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام صاحبِ وقت تھے کہ ایک وقت میں ان کی آنکھیں غم فراق سے سفید ہو گئیں اور دوسرے وقت میں مسرت وصال سے بینا ہو گئے۔ کبھی تو گریہ سے بال کی طرح ہو جاتے اور کبھی نالہ سے ریشۂ قلم کی مانند ہو جاتے۔ کبھی تیغِ الم سے جرح ناک تھے اور عیش ولذت سے فرح ناک۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبِ حال تھے، نہ فراق پر نظر تھی کہ جرحناک ہوتے، نہ وصال پر کہ فرح ناک ہوتے۔ ستارے، ماہتاب اور آفتاب سب مددگار حال تھے مگر آپ کی رؤیت میں سب سے فارغ البال تھے۔ ہر چیز میں مشاہدۂ حق ملاحظہ فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے۔ لَا أُحِبُّ الأٰفِلِيْن

بینہ نمبر ا

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ حجاب کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ حجاب رینی ۲۔ حجاب غینی

حجابِ رینی

رین زنگ کو کہتے ہیں یہ قلب پر ایسا حجاب ہوتا ہے جو کفر و ضلالت کی وجہ سے آتا ہے عربی میں رین، ختم اور طبع سب کے ایک ہی معنی ہیں جیسا کہ ارشادات باری تعالیٰ: كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففین ۱۴)۔۔۔ خَتَمَ اللّٰهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ وَعَلَى سَمْعِهِمْ (البقرۃ ۷) اور طَبَعَ

اللہُ عَلَی قُلُوبِھِمۡ (التوبۃ ۹۳) سے عیاں ہے۔ یہ ایسا حجاب ہوتا ہے جو ہرگز نہیں اٹھتا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ أَأَنْذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ (البقرۃ ٦) سے ظاہر ہے۔

صرف ایمان ہی اس حجاب کے ارتفاع کا باعث ہوتا ہے جو کفار کو ازلی شقاوت اور قلبی قساوت کی وجہ سے نصیب نہیں ہوتا۔ کفار میں سے جو لوگ دائرۂ اسلام میں داخل ہوتے ہیں وہ علمِ الٰہی میں مؤمن ہی ہوتے ہیں اس حجاب کو حجابِ ذاتی بھی کہا جاتا ہے۔

حجابِ غینی

غین تاریکی کو کہتے ہیں یہ قلب پر ایسا حجاب ہے جو استغفار کرنے سے اٹھ جاتا ہے اسے حجاب صفتی بھی کہتے ہیں یہ دو طرح کا ہوتا ہے:

۱۔ حجاب غلیظ ۲۔ حجاب خفیف

حجابِ غلیظ

یہ ایسا حجاب ہوتا ہے جو غافلین اور کبائر کے مرتکبین کے قلوب پر آتا ہے۔ اس حجاب کے لئے توبہ ضروری ہے۔

حجابِ خفیف

یہ ایسا حجاب ہوتا ہے جو ولی اور نبی علیہ السلام سب کے قلوب پر آسکتا ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

یعنی میرے قلب اطہر پر بھی خفیف سا پردہ آجاتا ہے تو بلاشبہ میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں۔[1]

اس قسم کے حجاب کے لئے حق تعالیٰ کی طرف رجوع درکار ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ توبہ کا معنی معاصی سے بندگی کی طرف لوٹنا ہے اور رجوع کا مطلب آپ اپنے سے حق تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے۔ توبہ جرم سے ہوتی ہے۔ عامۃ الناس کا جرم حق تعالیٰ کی نافرمانی ہے جبکہ دوستانِ حق کے نزدیک جرم اپنی ہستی کا احساس ہے۔ اگر کوئی شخص معصیت کو ترک کرکے راہِ راست اختیار کرے تو اسے تائب کہتے ہیں اور اگر کوئی صواب سے اصوب اور خوب سے خوب تر کی طرف رجوع کرے تو اسے آئب کہتے ہیں۔

سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے رین اور غین کے معنی میں لطیف اشارہ بیان فرمایا ہے:

اَلرَّیْنُ مِنْ جُمْلَةِالْوَطَنَاتِ وَالْغَیْنُ مِنْ جُمْلَةِالْخَطَرَاتِ۔

یعنی رین وطنات کے قبیل سے ہے اور غین خطرات کی قسم سے ہے۔

وطن مستقل اور پائیدار ہوتا ہے اور خطر (وسوسہ) عارضی ہوتا ہے۔ رین کی مثال پتھر کی سی ہے کہ دنیا بھر کے آئینہ ساز پتھر کو آئینہ نہیں بنا سکتے کیونکہ ظلمت اور تاریکی پتھر کی اصل ہے اور غین کی مثال آئینہ کی ہے اگر آئینہ زنگ آلود ہو جائے تو اسے صیقل بنایا جا سکتا ہے کیونکہ آئینہ کی اصل روشنی ہے۔[2]

---

[1] (صحیح مسلم، باب استحباب الاستغفار والاستکثار، ص ۳۴۶)

[2] (کشف المحجوب)

حضرت امام ابو نصر سراج طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رین اور غین کے متعلق اللمع فی التصوف میں رقم طراز ہیں کہ حجاب قلب کی چار اقسام ہیں:

۱۔ ختم اور طبع: یہ حجاب کفار کے دلوں پر ہوتا ہے۔

۲۔ رین اور قسوۃ: حجاب کی یہ قسم منافقین کے دلوں پر چھا جاتی ہے۔

۳۔ صدأ اور غشاوۃ: یہ مؤمنوں کے دلوں کے لئے ہے۔

۴۔ غین: یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قلبِ اقدس کے لئے ہے۔

جیسا کہ ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے:

اِنَّہٗ لَیُغَانُ عَلٰی قَلْبِیْ فَاَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْہِ فِی الْیَوْمِ مِائَۃَ مَرَّۃٍ۔

یعنی میرے قلب انور پر بادل چھا جاتے ہیں تو میں دن میں سو بار استغفار کرتا ہوں اور اس کی طرف رجوع کرتا ہوں۔

قلب اقدس پر بادل چھانے کی مثال آئینہ کی سی ہے کہ جب آئینہ دیکھنے والا اس کے سامنے سانس لیتا ہے تو آئینہ ہلکا سا دھندلا جاتا ہے مگر چند لمحوں کے بعد پھر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ بھی واضح رہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نو مسلم حاضرین کے کفر کی نجاستوں اور گناہوں کی غلاظتوں کو توجہات قدسیہ کے ذریعہ صاف فرماتے ہوں گے تو ممکن ہے کہ بعض اوقات دورانِ تزکیہ وتصفیہ نجاستوں اور آلائشوں کے اثرات آپ کے قلب انور پر پڑ جاتے ہوں جسے آپ نے غین سے تعبیر فرمایا۔

جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اس قسم کے مفہوم کو ادا کرتے ہوئے ایک مقام پر رقم طرازہیں:

نجاسات معنویہ مرید راپیر است کہ بقلب وروح خود کناسی می نماید وتطہیر اشکنبہ او می فرماید در توجہات کہ نسبت بہ بعضی مسترشدان واقع می شود محسوس می گردد کہ در تطہیر باطنیہ ایشان تلوثی بصاحب توجہ نیز می دود تازمانی مکدر می دارد۔

یعنی پیر ہی تو ہے جو اپنے قلب وروح سے معنوی نجاستوں کی صفائی کرتا ہے اور اس کے باطنی حصوں کو پاک وصاف کرتا ہے ان توجہات میں جو کہ بعض مریدوں کی نسبت واقع ہوتی ہیں محسوس ہوتا ہے کہ ان لوگوں کی باطنی آلائشوں کی تطہیر میں ایک گونہ تلوث (آلودگی) خود صاحب توجہ تک سرایت کرجاتاہے اور اسے ایک عرصے تک مکدر (گدلا) رکھتاہے۔[1]

حضرت ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک غین مضغہ ٔگوشت پر آتاہے قلب کی حقیقت جامعہ پر نہیں آتا کیونکہ حقیقت جامعہ کلیۃً غین سے آزاد ہوچکی ہے۔

چنانچہ آپ رقم طرازہیں:

عروضِ غین بر مضغہ است نہ بر حقیقت جامعہ کہ او بکلیۃ از غین برآمدہ است۔[2]

بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ حضور انور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قلب مبارک پر غین کا واقع ہونا ناممکن ہے اس لئے کہ آپ کے قلب مبارک پر کوئی مخلوق چیز لاحق نہیں ہوسکتی

---

[1] (مبدأومعادمنھا، ص ۳۸)

[2] (مبدأومعادمنھا، ص ۱۳)

کیونکہ آپ کا قلب مبارک رؤیت حق کے ساتھ مخصوص ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَأَى (النجم ۱۱) سے عیاں ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ

صوفی اور صافی

لفظ صوفی کے متعدد معانی بیان کرنے کے بعد حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ:

صفا جملہ امور میں محمود ہے اس کی ضد کدر ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: ذَهَبَ صَفْوُ الدُّنْيَا وَبَقِيَ كَدْرُهَا (دنیا کی صفائی جاتی رہی اور میل و کدورت باقی رہ گئی) سے عیاں ہے۔ اشیاء کے لطیف حصے کو صفا اور کثیف کو کدر کہتے ہیں اور صفا سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی صفت ہے جو امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے پہلے صوفی ہیں۔

اِنَّ الصَّفَا صِفَةُ الصِّدِّيْقِ   اِنْ اَرَدْتَّ صُوْفِيًّا عَلَى التَّحْقِيْقِ

صفا کی اصل بھی ہے اور فرع بھی۔ اس کی اصل یہ ہے کہ سالک کا قلب اغیار سے خالی ہو اور اس کی فرع یہ ہے کہ قلبِ مکار و غدار دنیا سے منقطع ہو اور یہ دونوں صفات حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذاتِ اقدس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔

چونکہ سالک کے ظاہری اطوار اخلاق و معاملات درست اور صاف ہوتے ہیں اور وہ باطنی عیوب اور قلبی آفات سے بری ہوتا ہے اس لئے اسے صوفی کہتے ہیں۔

نیز آپ رقم طراز ہیں:

اَلصِّفَاءُ وَلَايَةٌ لَهَا اٰيَةٌ وَرِوَايَةٌ وَالتَّصَوُّفُ حِكَايَةٌ لِلصِّفَاءِ بِلَا شِكَايَةٍ۔

یعنی صفائے قلب ولایت ہے جس کی ایک علامت اور روایت ہے اور تصوف بلاشبہ صفائے باطن کی حکایت ہے۔

اہل صفا کی تین اقسام ہیں:

۱۔ صوفی ۲۔ متصوف ۳۔ مستصوف

صوفی وہ ہے جو اپنی ذات سے فانی اور حق تعالیٰ سے باقی ہو۔

متصوف وہ ہے جو اپنے آپ کو صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی عادات وصفات اور اخلاق واحکام کا تکلف کے ساتھ پابند بنائے۔

مستصوف وہ ہے جس نے فقط دنیوی مال ومنال اور جاہ وحشمت کے حصول کے لئے درویشی کا لبادہ اوڑھ رکھا ہو۔

چنانچہ مشائخ طریقت فرماتے ہیں:

اَلْمُسْتَصْوِفُ عِنْدَ الصُّوْفِيَةِ كَالْذُّبَابِ وَعِنْدَ غَيْرِهِمْ كَالْذِّيَابِ۔

یعنی مستصوف صوفیاء کے نزدیک مکھی کی مانند ہوتا ہے اور دوسرے لوگوں کے نزدیک حریص بھیڑیئے کی طرح ہوتا ہے۔

صوفی صاحبِ وصول ہوتا ہے۔۔۔۔ متصوف صاحبِ اصول ہوتا ہے۔۔۔۔ جبکہ مستصوف صاحبِ فضول کو کہتے ہیں۔

صوفی اور صافی کے متعلق ایک بزرگ فرماتے ہیں:

مَنْ صَفَاهُ الْحُبُّ فَهُوَ صَافٍ وَمَنْ صَفَاهُ الْحَبِيْبُ فَهُوَ صُوْفِيٌ۔

یعنی جسے محبت الٰہی مصفا کر دے وہ صافی ہے اور جسے محبوب حقیقی صاف کر دے وہ صوفی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک صوفی وقت اور حال کا تابع ہوتا ہے جیسا کہ بیٹا باپ کے تابع ہوتا ہے اس لئے وقت اور حال سے مغلوب ہونے کی وجہ سے اس سے سکر یہ کلمات کا صدور و ظہور ہو جاتا ہے۔ غالباً اس قسم کے صوفی کو ابن الوقت بھی اس لئے کہتے ہیں کہ وہ حالات وواقعات سے متاثر ہو جاتا ہے۔

صافی وقت اور حال سے فارغ اور بے نیاز ہوتا ہے۔ وہ وقت اور حال پر غالب ہوتا ہے اور مستقیم الاحوال ہونے کی وجہ سے وہ مبہم کلمات اور شطحیات سے اجتناب واحتراز کرتا ہے۔ اس قسم کے کامل سالک کو ابو الوقت کہتے ہیں جیسا کہ شب معراج طیِّ زماں، شقِ قمر اور رَدِّ شمس سے عیاں ہے۔

ابو الوقت سالکین حالات وواقعات سے مغلوب ومتاثر نہیں ہوتے بلکہ عامۃ الناس کے مزاج، سماج اور ماحول میں انقلاب پیدا کرکے اسلامی معاشرہ کی تعمیر وتشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتے ہیں۔

بقول اقبال مرحوم:

حالات کا مرکب نہیں راکب ہے قلندر

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین حسن سنجری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شیخ الشیوخ حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ امام الطریقۃ غوث الخلیقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام ربانی سیدنا مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات وکرامات وتصرفات ان کے ابو الوقت ہونے پر شاہد ہیں۔

خواجۂ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خواجۂ خواجگان بلا گردان حضرت شاہ نقشبند بخاری اویسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حضور ناز میں ارمغان نیاز پیش کرتے ہوئے یوں گویا ہیں:

ابوالوقت دوعالم قطبِ ارشاد
بہاؤالدین کہ شد دین ازوی آباد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۵۳ تا ۷۳)

[ایک تکلیف آنجناب کو یہ دی جاتی ہے کہ حاملِ رقعۂ دعا میاں شیخ مصطفیٰ شریحی قاضی شریح رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی اولاد سے ہیں۔ ان کے آباؤاجداد معاش کے بہت ذرائع اور وسائل رکھتے تھے اور ان کے وظائف مقرر تھے۔ شخص مذکور اسبابِ معاش کے فقدان کے باعث پریشان ہے، متعلقہ اسناد اور احکام اپنے ساتھ لے کر لشکر کی ملازمت کے لئے متوجہ ہوا ہے، التفات ومہربانی فرما کر اس طرح توجہ فرمائیں کہ سکونِ قلبی حاصل ہو جائے اور اضطراب وپراگندگی سے نجات پا جائے۔ زیادہ سردردی ٹھیک نہیں۔]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

مکتوب نمبر ۸۵

[میرزا فتح اللہ حکیم کی طرف صادر فرمایا:

اعمالِ صالحہ کے بجالانے خصوصاً سب نمازیں باجماعت ادا کرنے کی ترغیب اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی پسندیدہ باتوں کے بجالانے کی توفیق عنایت کرے۔

آدمی کے لئے جس طرح درستیٔ عقائد ضروری ہے، اعمالِ صالحہ کا بجالانا بھی ضروری ہے۔ اور تمام عبادتوں میں جامع تر اور طاعات میں سب سے زیادہ خدا کے قریب کرنے والی طاعت نماز کا ادا کرنا ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے:

اَلصَّلوٰۃُ عِمَادُ الدِّیْنِ فَمَنْ اَقَامَھَا فَقَدْ اَقَامَ الدِّیْنَ وَمَنْ تَرَکَھَا فَقَدْ ھَدَمَ الدِّیْنَ۔

ترجمہ: نماز دین کا ستون ہے، تو جس نے اسے قائم کیا اس نے اپنے دین کو قائم کر لیا، اور جس نے اس کو چھوڑ دیا اس نے دین کی عمارت کو گرا دیا۔[1]

اور جس شخص کو ہمیشہ پابندی سے نماز ادا کرنے کی توفیق عطا کر دیتے ہیں اسے فحشاء اور منکر سے بھی بچا لیتے ہیں۔

إِنَّ الصَّلَاۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ (العنکبوت ۴۵)

ترجمہ: بے شک نماز منع کرتی ہے بے حیائی اور بُری بات سے۔

---

[1] (دیلمی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے اور بیہقی نے شعب الایمان، کتاب الصلوٰۃ میں مرفوعاً روایت کی۔)

اس بات کی تائید کرتی ہے اور وہ نماز جو فحشاء اور منکرات سے نہیں روکتی صرف صورتِ نماز ہے اور حقیقتِ نماز سے خالی ہے۔ لیکن حقیقت کے ہاتھ آنے تک صورت کو ہاتھ سے نہیں جانے دینا چاہیئے، جو مکمل طور پر حاصل نہ ہو سکے اسے مکمل طور پر ترک نہیں کرنا چاہیئے۔ خدائے اکرم الاکرمین اگر صورت کو ہی حقیقت کا درجہ دے دے تو کوئی بعید نہیں۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ باجماعت پوری نمازیں ہمیشہ پابندئ وقت کے ساتھ ادا کرتے رہو۔ کیونکہ نماز فلاح اور نجات کا ذریعہ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲)

ترجمہ: بے شک مراد کو پہنچے ایمان والے، جو اپنی نماز میں گڑ گڑاتے ہیں۔

کام وہی ہے جو خطرے کے وقت بھی جاری رکھا جائے۔ سپاہی غلبۂ دشمن کے وقت اگر تھوڑا سا تردد بھی کریں تو اس کی بہت قدر و قیمت ہوتی ہے۔

جوانوں کی خوبی اس وجہ سے ہے کہ شہوتِ نفسانی کے غلبہ کے باوجود اپنے آپ کو درستی پر قائم رکھیں۔ اصحابِ کہف نے یہ سب فضیلت وبزرگی مخالفِ دین لوگوں کے پاس سے ہجرت کر جانے کے سبب حاصل کی۔

حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں وارد ہے:

عِبَادَةٌ فِي الْهَرْجِ كَالْهِجْرَةِ إِلَيَّ۔

ترجمہ: فتنہ کے وقت عبادت میں مصروف رہنا میری طرف ہجرت کرنے کا ثواب رکھتا ہے۔[1]

[1](صحیح مسلم، ج۴، ص۲۲۶۸، الناشر: دار إحياء التراث العربي – بيروت، سنن الترمذی، ج۴، ص ۴۸۹، الناشر: شركةمكتبةومطبعةمصطفى البابي الحلبي -مصر)

پس عبادت سے روکنے والے اسباب در حقیقت عبادت پر راغب کرنے والے اسباب ہیں اس سے زیادہ کیا لکھا جائے؟

فرزند شیخ بہاؤ الدین کو فقرا ٔ کی صحبت سے کوئی رغبت نہیں۔ دولت مند اور اہلِ نعمت کی طرف مائل اور کشش رکھتا ہے۔ نہیں جانتا کہ ان کی صحبت زہرِ قاتل ہے، اور ان کا لقمہ ُتر ظلمت اور سیاہی میں زیادتی اور اضافہ کرتا ہے۔ اَلْحَذَر اَلْحَذَر ثُمَّ الْحَذَر الْحَذَر "ڈرو، ڈرو، پھر ڈرو اور ڈرو"۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صحیح حدیث میں وارد ہے:

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهٖ۔

ترجمہ: جو شخص کسی دولت مند کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کرتا ہے اس کا دو تہائی دین تباہ ہو جاتا ہے۔[1]

تو اس شخص پر افسوس جو دولت کی بناء پر دولت مندوں کی تواضع کرتا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی توفیقِ خیر عطا کرنے والا ہے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں فرائض میں سے اعلیٰ ترین فرض نماز کو ادا کرنے پر زور دیا ہے اور اس کی ضرورت اور بعض جزوی کمالات کو بیان کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز کے فضائل اور اس سے حاصل ہونے والے فوائد و ثمرات اس قدر ہیں کہ ان سب کو احاطہ ُتحریر میں لانا ممکن ہی نہیں۔ تاہم چند ایک کا ذکر کر دینا مناسب و ضروری ہے۔

[1](امام بیہقی نے شعب الایمان اور خطیب نے بروایت ابن مسعود اور دیلمی نے بروایت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کی۔ امام سیوطی فرماتے ہیں ابن جوزی کا اسے موضوعات میں داخل کرنا درست نہیں۔)

۱۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے روزِ قیامت کی فلاح وکامیابی کو تقویٰ کے ساتھ مشروط فرمایاہے اور متقی کی نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی نماز ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کاارشادہے کہ:

هُدًى لِلْمُتَّقِينَ (٢) الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ (البقرۃ۳)

ترجمہ: اس میں ہدایت ہے ڈر والوں کو، وہ جو بے دیکھے ایمان لائیں، اور نماز قائم رکھیں۔

پس جو نماز کو قائم نہیں کرتا وہ متقی ہو ہی نہیں سکتا۔

۲۔ حضرت حسن رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پانچ نمازوں کی مثال اس نہر کی سی ہے جو تم میں سے کسی شخص کے دروازے کے قریب ہی بہہ رہی ہو۔ اس میں پانی خوب ہو۔ یہ شخص ہر روز پانچ مرتبہ اس میں غسل کرتا ہو، تو کیا اس پر کچھ میل کچیل رہ سکتا ہے؟ یعنی پانچوں نمازیں اسے گناہ سے پاک کر دیتی ہیں اور کبائر کے سوا اس پر کوئی گناہ نہیں رہنے دیتیں بشرطیکہ نماز کو اس کی پوری عظمت کے ساتھ ادا کرے۔ اس کے رکوع اور سجدہ کو اچھی طرح ادا کرے۔ اگر اس کا رکوع اور سجدہ اچھی طرح نہ کیا تو اسی پر پلٹ دی جائے گی۔

۳۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص اچھی طرح نماز ادا کرے تو نماز کہتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تیری حفاظت فرمائے جیسا کہ تُونے میری حفاظت کی ہے، پھر اسے آسمان کی طرف اٹھایا جاتا ہے، اس سے نور اور روشنی پھوٹتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں حتیٰ کہ اُسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی بارگاہ میں پہنچایا جاتا ہے اور وہ اپنے پڑھنے والے کے لئے شفاعت کرتی ہے۔

۴۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: نمازربِ کریم کی رضا کا ذریعہ ہے، فرشتوں کی محبت کا باعث ہے، انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کا محبوب عمل ہے، معرفت کا نور ہے، ایمان کی اصل ہے، دعا کی مقبولیت کا سامان ہے، اعمال کے مقبول ہونے کا ذریعہ ہے، رزق میں برکت کا ذریعہ ہے، جسم کی راحت کا سبب ہے، دشمنوں کے مقابلہ کا ہتھیار ہے، شیطان کی ناراضگی کا سامان ہے، نمازی اور ملک الموت کے درمیان سفارش ہے، قبر کا چراغ ہے، اس کے پہلو تلے کا بچھونا اور منکر و نکیر کے لئے جواب ہے، قیامت تک کے لئے قبر میں نمازی کی دوست و غم خوار ہے اور جب قیامت قائم ہوگی تو یہی نماز اس کے اوپر سائبان کی طرح ہوگی اس کے سر کا تاج اور بدن کا لباس بنے گی، اور اس کے آگے چلنے والا نور بنے گی، اس کے اور دوزخ کے درمیان حائل ہوگی۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے حضور مؤمنین کے لئے حجت اور دلیل بنے گی میزان عمل میں انتہائی بوجھل ہوگی، پُلِ صراط پر سے گزر جانے کا ذریعہ ہوگی، جنت کی کُنجی ہوگی اس لئے کہ نماز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی پاکیزگی اور حمد و ثناء، عظمت و کبریائی کے بیان پر قرأت اور دعا پر مشتمل ہے اور اسے وقت پر ادا کرنا ہی تمام اعمال سے افضل عمل ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلا سوال نماز کے بارے میں ہوگا۔ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نماز دین کا ستون ہے۔ نیز فرمایا کہ بندۂ مؤمن اور کافر کے درمیان صرف نماز کا فرق ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (۴) الَّذِينَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُونَ (الماعون ۵)

ترجمہ: تو ان نمازیوں کی خرابی ہے، جو اپنی نماز سے بھولے بیٹھے ہیں۔

غور فرمائیں کہ مؤمنوں کو مُقِیمِینَ الصَّلٰوۃَ یعنی نماز قائم کرنے والا فرمایا گیا اور دوسروں کو مُصَلِّیْنَ فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ مُصَلِّیْنَ تو بہت ہیں مگر نماز قائم کرنے والے قلیل ہیں۔ کتنے غافل لوگ ہیں جو رواج کے طور پر اعمال کرتے ہیں مگر یہ دھیان نہیں رکھتے کہ یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ہاں مقبول بھی ہو گا یا نہیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت ہے کہ تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو نماز پڑھتے ہیں مگر ان کی نماز کا صرف ایک تہائی (ثواب) لکھا جاتا ہے یا چوتھائی حصہ یا پانچواں یا چھٹا حتیٰ کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے دسواں حصہ بھی ذکر فرمایا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ نمازوں کا وہی حصہ لکھا جاتا ہے جو دھیان سے پڑھا ہو اور جو غفلت سے پڑھا گیا ہو وہ نہیں لکھا جاتا۔

تو یہ فضائل و ثمرات اور تنبیہات صرف نمونے کے طور پر لکھی ہیں تاکہ شوق والوں کے شوق میں اضافہ ہو اور جو غافل ہیں انہیں خوف پیدا ہو اور اُنہیں یہ احساس ہو کہ وہ نماز کے معاملے میں کوتاہی کر کے اپنے خدا کو ناراض کر رہے ہیں۔

پس جو شخص اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر ایمان رکھتا ہو اُسے نماز کی باجماعت ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیئے بالخصوص طریقت والوں کو بہت زیادہ پابندی کرنی چاہیئے۔ کیونکہ سلوک اور طریقت راستہ ہی تقویٰ اختیار کرنے کا ہے اور وہ کیا تقویٰ ہے جس میں نماز کی ادائیگی یا پابندی نہیں، ہمارے پاس لوگ دُنیاوی مشکلات کا رونا لے کر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دُنیاوی مسائل میں مبتلا ہیں۔ گھر میں برکت نہیں، آپس میں اتفاق نہیں، ہر وقت جھگڑے رہتے ہیں اور فلاں نے ہم پر جادو کر دیا ہے، نیز گھر میں جنات کا سایہ ہے۔ پوچھنے پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ

صاحب نماز کے نزدیک بھی نہیں جاتے۔ تو جس گھر میں نمازی نہ ہوں اور تلاوتِ قرآن عظیم الشان نہ کی جائے وہاں بے برکتی اور آسیب نہیں ہو گا تو اور کیا ہو گا؟

حضرت وہب بن منبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے حاجات کی طلب نماز ہی کے ذریعے سے ممکن ہے، پہلے لوگوں کی مصیبتیں نماز ہی کی بدولت ہٹا دی جاتی تھیں جب بھی اُن میں سے کسی کو کوئی آفت پہنچتی تو وہ نماز کی پناہ لیتا تھا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

فَلَوْلَا أَنَّهُ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِينَ (١٤٣) لَلَبِثَ فِي بَطْنِهِ إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ (الصافات ١٤٤)

ترجمہ: تو اگر وہ تسبیح کرنے والا نہ ہوتا، ضرور اس کے پیٹ میں رہتا جس دن تک لوگ اٹھائے جائیں گے۔

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تسبیح کرنے والوں سے مراد ہے نماز پڑھنے والے۔

پس ثابت ہوا کہ گھر بار کی پریشانیاں اور نحوستیں، نماز نہ پڑھنے کی وجہ سے ہیں اور اگر کوئی کہے کہ نماز پڑھنے کے باوجود حالات ویسے کے ویسے ہی رہتے ہیں تو ان لوگوں کو اپنی نمازوں کی طرف دھیان دینا چاہیئے، نماز کے فرائض، واجبات، سُنت اور مستحبات کی ادائیگی میں یکسوئی سے کام لینا چاہیئے اور جن کاموں کو شریعت نے نماز کے دوران حرام مکروہ یا مفسد فرمایا ہے اُن سے نماز کو بچانا چاہیئے، نیز نماز میں اخلاص کا ہونا اور ریاکاری کی نیت سے اجتناب ہو گا تو ایسی نماز ضرور بالضرور فائدہ دے گی اور گھر بار، مال واولاد میں برکت ہو گی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ایسی ہی نماز اور اس طرح کی دوسری مکمل عبادات کی توفیق عطا فرمائے (آمین)۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے عقائد کو علمائے اہل سنت کے عقائد کے مطابق درست کرنے اور اعمال صالحہ بجالانے کی تلقین فرمارہے ہیں۔ اہل سنت وجماعت امتِ محمدیہ اور ملت مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی سب سے بڑی وحدت اور واضح اکثریت کا نام ہے جن کے عقائد کتاب وسنت کی روشنی میں صحابہ کرام، اہل بیت عظام، سلف صالحین اور آئمہ مجتہدین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی تحقیقات کے عین مطابق ہیں۔ لہٰذا ان بزرگان دین کی متابعت کے بغیر نجات کا تصور بھی ناممکن ہے کیونکہ یہی ناجی گروہ اور انعام یافتہ لوگ ہیں اور انہی حضرات کے طریقہ کو صراط مستقیم فرمایا گیا ہے جس پر استقامت گزیں ہونے کی تلقین فرمائی گئی ہے جبکہ مغضوب اور گمراہ لوگوں کے رستہ سے باز رہنے کی دعا سکھلائی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد ربانی:
اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ (٦) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ (الفاتحۃ٧) سے عیاں ہے۔

جبکہ غیر مقلدین ان بزرگان دین کی تحقیقات کو مشکوک سمجھ کر اپنی عقلِ ناتمام اور تحقیق خام پر ہی اعتماد کرتے ہیں اس لئے راہِ راست سے ہٹ گئے ہیں۔ ضلوا فاضلوا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نماز کو جامع العبادات قرار دے کر قرب حق کا سب سے مؤثر ذریعہ قرار دے رہے ہیں۔ دراصل نماز ارکان خمسہ کی جامع ہے یعنی شہادتین، روزہ، زکوٰۃ اور حج اجمالی طور پر نماز کے اندر درج ہیں، مثلاً حالت تشہد میں نمازی حق تعالیٰ کی توحید اور حضرت محمد

مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی عبدیت ورسالت کی گواہی دیتا ہے جسے شہادتین کہتے ہیں جو ایمان کا رکن اول ہے، حالتِ صلوٰۃ میں نمازی خورد ونوش سے باز رہتا ہے جو روزہ کی بنیادی شرط ہے، نماز میں کعبۃ اللہ کی طرف متوجہ ہوناحج کی تمثال ہے، یونہی پاکیزہ لباس پہن کر نماز ادا کرنا زکوٰۃ کی مثال ہے۔ غالباًیہی وجہ ہے کہ نماز کو دین وایمان کا ستون قرار دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اَلصَّلوٰۃُ عِمَادُالدِّیْن۔[1] سے واضح ہے۔ نیز جملہ عبادات وطاعات کی نسبت نمازی کو حالت نماز میں حق تعالیٰ کا قرب سب سے زیادہ نصیب ہوتا ہے۔ وَھُوَ الْمَقْصُوْدُ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ (العلق ۱۹) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: الساجد یسجدعلی قدم الرحمن۔[2] سے عیاں ہے۔

نماز کے جامع العبادات ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایمان کی مانند حسن لذاتہ ہے جبکہ دیگر ارکان حسن لذاتہ نہیں بلکہ حسن لغیرہ ہیں۔ جیسا کہ جہاد میں قتل انسانیت، روزہ میں تکلیفِ نفس اور زکوٰۃ میں اخراج مال ہوتا ہے جو ذاتی طور پر محمود نہیں مگر نماز ذاتی طور پر محمود ہے کیونکہ اس میں تعظیمِ منعم (حق تعالیٰ) ہے۔

بینہ

بعض صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک سالک کو سب سے زیادہ قربِ حق حالتِ روزہ میں نصیب ہوتا ہے، جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک حق تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

---

[1] (کنزالعمال، ج۸، ص ۴)

[2] (حلیۃالاولیاء، ج۲، ص ۱۷)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کا مؤقف ہی اَصوب اور افضل معلوم ہوتا ہے جو فرموداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات سے مؤید ہے۔

ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

اَقْرَبُ مَایَکُوْنُ الْعَبْدُ مِنَ الرَّبِ فِی الصَّلوٰۃِ۔

یعنی بندہ کو رب تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب نماز میں حاصل ہوتا ہے۔

ایک روایت میں یوں ہے:

أَقْرَبُ مَایَکُونُ الْعَبْدُ مِنْ رَبِّهِ وَهُوَ سَاجِدٌ۔

یعنی بندہ کو حق تعالیٰ کا سب سے زیادہ قرب حالتِ سجدہ میں نصیب ہوتا ہے۔[1]

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ پابندی نماز کی تلقین فرما رہے ہیں کہ سالک تزکیۂ نفس کے بعد حقیقت نماز سے شادکام ہوتا ہے اس سے قبل اسے صورتِ نماز ہی ادا کرتے رہنا چاہیئے تاکہ معاملہ صورت سے گزر کر حقیقت تک پہنچ جائے۔ اللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا

بینات

جب سالک ادائے صلوٰۃ پر استقامت اور مداومت کرتا ہے تو بالآخر اسے فواحش و منکرات سے چھٹکارا نصیب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ (العنکبوت ۴۵) سے واضح ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

لا اِلٰہ باشد صدف گوہر نماز   قلب مسلم را حج اصغر نماز

---

[1] (صحیح مسلم، رقم الحدیث: ۱۱۱۱)

در کف مسلم مثال خنجر است　　　قاتل فحشاء و بغیِ و منکر است

واضح رہے کہ جب نماز ارکانِ مخصوصہ سے عبارت ہے جو اسے ادا کرتا ہے تو گویا وہ حقیقتِ نماز ہی ادا کرتا ہے لہٰذا صورتِ نماز اور حقیقت نماز میں امتیاز کیا ہو گا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نفس امارہ ذاتی عداوت اور عدم رغبت کی وجہ سے منکر عبادت ہے۔ نمازی کو ایمانِ قلبی تو نصیب ہوتا ہے مگر اس کا نفس دولتِ ایمان سے محروم ہوتا ہے اس لئے نفسانی وسواس اور اندرونی خطرات کی بنا پر اسے حضور صلوٰۃ نصیب نہیں ہوتا، لہٰذا اس کی نماز صورتِ نماز ہی ہو گی۔

بقول شاعر:

بر زباں تسبیح و دل در گاؤ خر　　　ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

جب عارف کو تزکیۂ نفس کے بعد حقیقتِ صلوٰۃ کا مرتبہ حاصل ہو جاتا ہے تو حجابات اُٹھ جاتے ہیں، عالمِ وجوب کا مشاہدہ ہوتا ہے اب اس کی نماز حقیقتِ صلوٰۃ کا درجہ حاصل کر لیتی ہے اور حالتِ نماز میں اسے معراج نصیب ہوتی ہے۔ جیسا کہ اَلصَّلٰوۃُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔[1] سے عیاں ہے۔

جانشین امام ربانی عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز نے حقیقت صلوٰۃ کی محبوبیت کے بارے میں کیا خوب فرمایا ہے:

چکد مُشکِ تر از دستم کہ آن گیسو بدست افتاد
دمد صبح از گریبانم گر آن مہ در کنار آید

---

[1] (تفسیر روح المعانی، ج ۱، ص ۸۹)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے والد بزرگوار مخدوم حضرت شیخ عبدالاحد چشتی قدس سرہٗ اپنے رسالہ "اسرار تشہد" میں التحیات للہ کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

مؤمن کی معراج نماز ہے اور نماز کا آخر قعدہ پر ہے اور قعدہ میں اس مبارک مکالمہ کو رکھا گیا ہے جس سے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے معراج میں مکالمہ کی ابتداء کی ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مؤمن کی نہایت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مقام کی بدایت ہے اور اس کا سر زیر اقدام آنحضرت اور اس بات کا اشارہ ہے کہ مؤمن کی معراج کی انتہا وصول بہ حضرت رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اور رسول اللہ کی معراج کی انتہاء بارگاہ رب العلیٰ ہے۔ لٰہذا نمازی کو بعد از تشہد درود پڑھنا چاہیئے۔

اس سلسلہ میں حضرت شیخ فریدالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب کہا ہے:

درود از حضرتش بر جانِ آں کس

کہ نامد مثل او اندر جہاں کس

مرفہ انبیاء در زیر جاہش

مشرف اولیاء از خاکِ راہش

دریں عالم ہر آنکو برتری یافت

ز خاکِ درگہِ او سروری یافت[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ کام کا دارومدار قلب پر ہے، اگر قلب غیر حق کے ساتھ پھنسا ہوا ہے تو خراب اور ابتر ہے۔ محض ظاہری اعمال اور رسمی عبادات سے کوئی

[1](حضرت مجدد اور ان کے ناقدین، ص ۸۹)

کام نہیں بنتا۔ قلب کو غیر حق سبحانہٗ کی طرف التفات کرنے سے بچانا اور اعمال صالحہ بدنیہ جس کے بجا لانے کا حکم شریعت مطہرہ نے دیا ہے یہ دونوں امور لازم ہیں۔ بدنی اعمال صالحہ بجالائے بغیر سلامی قلب کا دعویٰ باطل ہے۔ جس طرح اس دنیا میں بغیر دن کے روح کا ہونا متصور نہیں اسی طرح بدنی اعمال صالحہ کے بغیر قلب کے احوال کا حصول محال ہے۔ بہت سے ملحد اس زمانے میں اس قسم کے دعوے کرتے ہیں۔

نجانا اللّٰہ سبحانہٗ عن معتقداتھم السوء بصدقة حبيبه عليه الصلوٰة و السلام و التحية۔[1]

جس سالک اور عارف کو نماز میں مشاہدہ نصیب نہیں ہوتا عشاق کے نزدیک اس کی نماز واجب الاعادہ ہے۔

خواجۂ خواجگان حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری قدس سرہٗ العزیز نے کیا خوب فرمایا:

آن کس کہ در نماز نہ بیند جمال دوست
فتویٰ ہمی دہم کہ نمازش قضا کند

جب حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سے دورانِ نماز تصور شیخ کا غلبہ ہونے کے متعلق استفسار کیا گیا تو آپ نے جواباً ارشاد فرمایا:

اے محبت کے نشان والے! طالبانِ حق جلّ وعلا اسی دولت کی تمنا کرتے ہیں مگر ہزاروں میں سے کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت والا شخص صاحبِ استعداد اور کامل المناسبت ہوتا ہے اور ممکن ہے کہ وہ شیخ مقتداء کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے جمیع کمالات کو جذب کرلے، رابطہ راچرا نفی کنند کہ او مسجود الیہ ست نہ مسجود لہ چرا محاریب و مساجد را نفی نکنند یعنی رابطہ

[1](دفتر اول، مکتوب ۳۹)

(تصورِ شیخ) کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ مسجود الیہ ہے نہ کہ مسجود لہٗ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے؟[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ فرض نماز میں جن تجلیات اصلیہ کا ورود اور مراتب وجوب کا شہود ہوتا ہے وہ نوافل میں نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ جب نماز فرض کا وقت شروع ہو جاتا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت سیدنا بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یَا بِلَالُ اَرِحْنَابِهَا۔[2] کہہ کر اقامت صلوٰۃ کا حکم دیا کرتے تھے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت اقدس میں کسی مبتدی سالک نے حالت نماز میں وساوس وخطرات کی شکایت کی تھی جس پر آپ نے اسے تسلی دیتے ہوئے سبب مجاہدہ اور کثرتِ ثواب قرار دیا تھا اور نہ منتہی صوفیاء مشاہدہ یار میں اس قدر محو اور مستغرق ہوتے ہیں کہ وہاں وسوسوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

حضرت معشوق طوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ایک مجذوب بزرگ تھے علمائے کرام نے باصرار انہیں نماز میں کھڑا کر دیا جب وہ دورانِ تلاوت: إِيَّاکَ نَعْبُدُ وَإِيَّاکَ نَسْتَعِينُ (الفاتحة ۵) پر پہنچے تو خجالت اور انفعال کی بنا پر ان کے ہر ہر بال سے خون جاری ہو گیا۔ استفسار پر ازراہ عجز وانکسار قول وفعل کے تضاد کو اس کا سبب قرار دیا جیسا کہ ارشاد ربانی: لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ (الصف ۲) سے عیاں ہے۔

مختصر یہ کہ حقیقتِ صلوٰۃ میں جن تجلیات کا ورود اور حقائق کا انکشاف ہوتا ہے صورتِ نماز ان سے یکسر خالی ہوتی ہے۔

---

[1](دفتر دوم، مکتوب ۳۰)

[2](مشکوٰۃ، رقم الحدیث: ۱۱۱)

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر
تِلْکَ عَشَرَةٌ کَامِلَۃٌ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نماز فرض با جماعت اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں۔ دراصل جب سالک تعدیل ارکان اور جملہ آداب و شرائط کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے تو اسے نماز میں استغراق واستہلاک وفنائیت کی وجہ سے مشاہدہ و حضورِ قلب نصیب ہوتا ہے۔ جیسا کہ روایت: لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِحُضُوْرِ الْقَلْب۔[1] سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

ذوقِ طاعت بے حضورِ دل نیابد ہیچ کس
طالبِ حق را دل حاضر دریں درگاہ بس

اور حضور قلب کا انحصار قلب سلیم پر ہے اور قلب کی سلامتی ما سویٰ اللہ کی گرفتاری سے آزادی کا نام ہے۔ اسی قسم کی نماز نجات اور فلاح کا ذریعہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: قَدْ أَفْلَحَ الْمُؤْمِنُونَ (۱) الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲) سے عیاں ہے۔

جو نماز قلبی حضور اور مشاہدۂ محبوب سے محروم ہے وہ نماز بے نور بھی ہے اور بے سرور بھی۔ ایسی نماز کی بنیاد اخلاص پر نہیں بلکہ ریاکاری اور دکھاوا مقصود ہوتا ہے جو محض صورتِ نماز ہے اور ایسی نماز باعث ہلاکت ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّينَ (الماعون ۴) سے واضح ہے۔

---

[1] (تشییدالمبانی، ص ۴۷)

بقول اقبال مرحوم:

تیرا امام بے حضور، تیری نماز بے سرور
ایسی نماز سے گزر، ایسے امام سے گزر
جس کا عمل ہے بے غرض، اس کی جزا کچھ اور ہے
حور و خیام سے گزر بادہ و جام سے گزر

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خشوع و خضوع کی قدرے تفصیل بیان کر دی جائے تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَ اللّٰہُ الْمُوَفِّقُ

خشوع

خشوع کا لغوی معنی جھکنا اور پست ہونا ہے۔

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی قدس سرہٗ العزیز خشوع کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں: وَفِیْ اِصْطِلَاحِ اَھْلِ الْحَقِیْقَةِ الْخُشُوْعُ الْاِنْقِیَادُ لِلْحَقِّ۔[1] اہلِ حقیقت کی اصطلاح میں خشوع حق تعالیٰ کی اطاعت کا نام ہے۔

شیخ جرجانی کے نزدیک خشوع اور خضوع کا ایک ہی معنی ہے جیسا کہ روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا جو نماز میں داڑھی کے ساتھ کھیل رہا تھا تو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا: اَمَّا ھٰذَا لَوْ خَشَعَ قَلْبُهٗ لَخَشَعَتْ جَوَارِحُهٗ۔ اگر اس شخص کے دل میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی خشوع ہوتا۔[2]

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۴۴)
[2] (نوادر الاصول، ص ۱۸۴)

مگر بعض کے نزدیک خضوع کا تعلق ظاہری اعضاء وجوارح کے ساتھ ہے اور خشوع کا تعلق باطنی قویٰ کے ساتھ ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

فیصلی رکعتین، مقبلاً علیهما بقلبه و وجهه۔

یعنی دو رکعت نمازیوں ادا کرے کہ دل اور چہرہ سے اسی کی طرف متوجہ رہے۔[1]

جب مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آیہ کریمہ: الَّذِينَ هُمْ فِي صَلَاتِهِمْ خَاشِعُونَ (المؤمنون ۲) کے متعلق سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: الخشوع في القلب، الخ۔[2]

دل کا خشوع سے خالی ہونا قلبی قساوت کی وجہ سے ہوتا ہے اور قلبی قساوت ہلاکت کا باعث اور حق تعالیٰ سے دوری کی علامت ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (الزمر ۲۲) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: اِنَّ اَبْعَدَ النَّاسِ مِنَ اللّٰهِ الْقَلْبُ الْقَاسِیْ۔[3] سے ظاہر ہے۔

خشوع ایسی اصطلاح ہے جو کتاب وسنت سے ثابت ہے جس کا محل قرب ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: أَلَمْ يَأْنِ لِلَّذِينَ آمَنُوا أَنْ تَخْشَعَ قُلُوبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ (الحدید ۱۶) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: هَلْ تَرَوْنَ قِبْلَتِي هَاهُنَا فَوَاللّٰهِ مَا يَخْفَى عَلَيَّ خُشُوعُكُمْ وَلَا رُكُوعُكُمْ إِنِّي لَأَرَاكُمْ مِنْ وَرَاءِ ظَهْرِي۔[4] سے ظاہر ہے۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۳۹)
[2] (کنز العمال، ج ۲، ص ۴۷۳)
[3] (مشکوٰۃ، ص ۱۹۸)
[4] (صحیح بخاری، ج ۱، ص ۵۹)

خشوع کی اہمیت وضرورت درج ذیل آیات قرآنیہ اور احادیث مبارکہ سے عیاں ہوتی ہے:

ارشادِ ربانی ہے:

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا (محمد ۲۴)

یعنی کیا یہ لوگ قرآن میں تدبر نہیں کرتے یا ان کے قلوب پر تالے لگے ہوئے ہیں؟

دوسرے مقام پر ارشاد ہے:

وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَافِلِينَ (الأعراف ۲۰۵)

اور غافلین میں سے نہ ہو جانا۔

ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

مَنْ لَمْ تَنْهَهُ صَلَاتُهُ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ، لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ إِلَّا بُعْدًا۔

یعنی جس شخص کی نماز اسے بے حیائی اور برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا ہے۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے:

مَنْ لَمْ تَأْمُرْهُ صَلَاتُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَهُ عَنِ الْمُنْكَرِ لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ إِلَّا بُعْدًا۔

یعنی جس شخص کی نماز اسے نیکی کا حکم نہ دے اور اسے برائی سے نہ روکے وہ اللہ تعالیٰ سے دور ہی ہوتا ہے۔[2]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں: جس شخص کی نماز میں خشوع نہیں ہوتا اس کی نماز (کامل) نہیں ہوتی۔[3]

---

[1] (معجم الکبیر للطبرانی، ج ۱۱، ص ۵۴، دار النشر: مکتبة ابن تیمیة-القاهرة)

[2] (المعجم الکبیر، رقم الحدیث: ۸۵۴۳)

[3] (اتحاف السادہ، ج ۳)

حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نمازی کو چار خصلتوں کی ضرورت ہوتی ہے جن سے نماز شرف قبولیت حاصل کرتی ہے:

۱۔ حضور قلب ۲۔ شہود عقل ۳۔ خضوع ارکان ۴۔ خشوع جوارح

ان خصائل کے اعتبار سے نمازی کی پانچ اقسام ہیں:

خاطی نمازی: وہ ہے جو خشوع جوارح کے بغیر نماز ادا کرے۔

لاہی نمازی: وہ ہے جو حضور قلب کے بغیر نماز ادا کرے۔

ساہی نمازی: وہ ہے جو شہود عقل کے بغیر نماز ادا کرے۔

جافی نمازی: وہ ہے جو خضوع ارکان کے بغیر نماز ادا کرے۔

وافی نمازی: وہ ہے جو ان جملہ ارکان و خصلتوں کے ساتھ نماز ادا کرتا ہے۔[1]

بینات

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے نزدیک نماز میں خشوع و خضوع نماز کے فرائض، واجبات، سنن اور مستحبات سے وابستہ ہے اور ان چاروں امور کے علاوہ اور کوئی امر ایسا نہیں ہے جس کو نماز کے کامل کرنے میں دخل ہو۔ جو لوگ ان امور کے جاننے پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور عمل کرنے میں سستی و کاہلی کرتے ہیں نتیجتاً وہ کمالاتِ نماز سے محروم رہتے ہیں اور بعض لوگ حق سبحانہٗ کے ساتھ حضور قلب میں بڑا اہتمام کرتے ہیں لیکن اعمال ادبیہ جوارح (یعنی ظاہری اعضا سے تعلق رکھنے والے مستحبات) کی طرف کم توجہ دیتے ہیں، صرف فرائض اور سنتوں پر کفایت کرتے

[1] (شرح اربعین نووی)

ہیں یہ لوگ بھی نماز کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں اور کمال نماز کو غیر نماز سے تلاش کرتے ہیں کیونکہ حضور قلب کو نماز کے احکام سے نہیں جانتے۔[1]

ایک مکتوب میں مستحبات کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

مستحب بجالانے کو معمولی نہ سمجھیں۔ مستحب حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور محبوب عمل ہے، اگر تمام دنیا کے عوض اللہ تعالیٰ کا ایک پسندیدہ اور محبوب فعل معلوم ہو جائے اور اس کے مطابق عمل میسر ہو جائے تو غنیمت ہے۔[2]

ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں کہ کسی مستحب کی رعایت کرنا اور کسی مکروہ سے بچنا خواہ وہ مکروہ تحریمی نہ ہو بلکہ مکروہ تنزیہی ہی ہو، ذکر وفکر اور توجہ ومراقبہ سے بہتر ہے اور ہاں اگر ان امور (ذکر وفکر ومراقبہ وغیرہا) کو مستحبات کی رعایت اور مکروہات سے اجتناب کے ساتھ جمع کرلے تو فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیمًا وبدونہ خرط القتاد۔[3]

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم صفاتِ ربانی سے متصف اور اخلاق الٰہی سے متخلق ہونے کی بناء پر قلبی کیفیات وواردات اور صدری اوہام وخیالات کو جانتے ہیں اس لئے کہ آپ کے قلب انور میں دیکھنے والی آنکھیں اور سننے والے کان ہیں۔

جیسا کہ شق صدر کے موقع پر حضرت جبریل علیہ السلام نے قلب اطہر کو دیکھ کر کہا تھا:

قلب سدید فیہ عینان تبصران وأذنان تسمعان۔[4]

---

[1] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۰۵)

[2] (دفتر اول، مکتوب ۲۶۶)

[3] (دفتر اول، مکتوب ۲۹)

[4] (فتح الباری، ج۱۳، ص ۴۱۰)

یعنی سر اقدس کی آنکھیں ظاہری جہان کو ملاحظہ فرماتی ہیں اور دل مبارک کی آنکھیں باطنی عالم کامشاہدہ کرتی ہیں۔

ایک مقام پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بندۂ مؤمن کی فراست سے بچنے کی تلقین یوں فرمائی:

اِتَّقُوا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ۔[1]

نیز ایک مقام پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اربابِ صدق وصفا کی مجلس کے آداب بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِذَا جَالَسْتُمْ اَهْلَ الصِّدْقِ فَاجْلِسُوْهُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّهُمْ جَوَاسِيْسُ الْقُلُوْبِ يَدْخُلُوْنَ فِيْ قُلُوْبِكُمْ وَيَنْظُرُوْنَ اِلىٰ هِمَمِكُمْ۔[2]

یعنی جب تم اہلِ صدق کی مجلس میں بیٹھو تو صدق نیت کے ساتھ بیٹھا کرو، کیونکہ یہ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں وہ تمہارے دلوں میں داخل ہو جاتے ہیں اور تمہارے اوہام وخطرات کو دیکھتے ہیں۔

بقول کسے:

بندگانِ خاص علام الغیوب
در جہاں جان جواسیس القلوب
در درونِ دل در آید چوں خیال
پیش او مکشوف باشد سرِّ حال

(1) (جامع ترمذی، ج۲، ص ۱۴۰)

(2) (تحفۃ الجمال وخزانۃ الاحوال، ص ۸۲)

آنکہ واقف گشت بر اسرار ھو
ہیچ مخلوقات چہ بود پیش اُو
آنکہ بر افلاک رفتارش بود
بر زمیں رفتن چہ دشوارش بود

یہ امر ذہن نشین رہے کہ خشوع کے بغیر نماز کی فرضیت تو ادا ہو جاتی ہے اور سجدۂ سہو بھی لازم نہیں آتا البتہ نمازی نماز کی برکات و ثمرات وفیوضات سے محروم رہتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ فقراء کی صحبت کی ترغیب اور امراء کی صحبت سے اجتناب کی نصیحت فرمارہے ہیں کیونکہ اغنیاء کی مرغن غذائیں اور تر نوالے سالکین طریقت کے لئے حجاب کا باعث ہوتے ہیں اور ان کے آئینۂ قلوب کو مکدر کر دیتے ہیں۔

ایک مکتوب میں آپ یوں رقم طراز ہیں: ان (دنیاداروں) کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں کیونکہ شیر تو صرف دنیوی موت کا سبب بنتا ہے جو آخرت میں فائدہ مند ہے لیکن بادشاہ وامراء سے میل جول، ہلاکت ابدی اور دائمی خسارہ کا باعث ہے، لہٰذا ان کی صحبت اور ان کے لقمے کھانے سے بچو۔ ان کی محبت سے بچو اور ان کے دیکھنے سے بھی بچو۔

حدیث شریف میں وارد ہے:

وَمَنْ دَخَلَ عَلَى غَنِيٍّ ,فَتَضَعْضَعَ لَهُ ,ذَهَبَ ثُلُثَا دِينِهِ۔

یعنی جس نے کسی دولت مند کی تواضع اس کی دولت کی وجہ سے کی اس کے دین کا دو تہائی حصہ تباہ ہو گیا۔[1]

[1](شعب الایمان، ج ۱۲، ص ۳۷۴، الناشر: مکتبۃ الرشد بالریاض، بالتعاون مع الدار السلفیۃ ببومباي)

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

سر مکن در پیش دنیا دار پست | ور کنی بے شک وردد دینت ز دست
بہر زر مستائے دنیا دار را | تا چہ خواہی کردن ایں مردار را
مردگانند اغنیائے روزگار | اے پسر با مردگاں صحبت مدار
قربِ سُلطان آتشِ سوزان بود | با بداں الفت ہلاکِ جان بود

ایک روایت میں یوں ہے:

لعن اللہ فَقِیرا تواضع لغَنِيّ من أجل مَاله فَمن فعل ذَلِک مِنْهُم فقد ذهب ثلثا دينه۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس فقیر پر لعنت بھیجے جو کسی دولت مند کی اس کے مال کی وجہ سے تواضع کرے، جس نے اُن کے ساتھ ایسا کیا اس کے دین کا دو تہائی برباد ہو گیا۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فقراء کی خانقاہوں کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

کناسی فقراء بہ از صدر نشینی اغنیاء است۔

یعنی فقراء کے آستانوں کی خاکروبی اغنیاء کی صدر نشینی سے بہتر ہے۔[2]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

امیر تیمور ایک مرتبہ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے کوچہ میں سے گزر رہا تھا، اتفاقاً حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کے درویش اس کوچہ میں حضرت خواجہ علیہ الرحمۃ کی خانقاہ کے کمبلوں کو جھاڑ رہے تھے اور ان کو گرد و غبار سے صاف کر رہے تھے۔ امیر تیمور حُسنِ اسلام کی نشأۃ کی وجہ سے اس

---

[1] (الفردوس بماثور الخطاب، ج۳، ص۷۶ ۴، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

[2] (دفتر اول، مکتوب ۱۳۲)

کوچہ میں ٹھہر گیا تاکہ خانقاہ کی گرد وغبار کو اپنے اوپر عنبر وصندل کی مانند مل لے اور درویشوں کی برکات وفیوضات سے مشرف ہو جائے۔ بحمدہٖ تعالیٰ اہل اللہ کے ساتھ یہ تواضع اور فروتنی اس کے حسنِ خاتمہ کا باعث ہوئی۔ منقول ہے کہ امیر تیمور کی وفات کے بعد حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے: تیمور مرد وایمان برد۔ (تیمور مر گیا اور ایمان سلامت لے گیا)۔ [1]

بقول شاعر:

خاکسارانِ جہاں را بحقارت منگر
توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۷۷تا۹۲)

[1] (دفتر دوم، مکتوب نمبر ۹۲)

مکتوب نمبر ۸۶

[ضلع جرک کے ایک حاکم کی طرف صادر فرمایا:

غیرِ حق سبحانہٗ سے اپنے قلب کو سالم رکھنے کے بیان میں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بطفیلِ حضور سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التحیات والتسلیمات اکملہا حدِ اعتدال اور مرکزِ عدالت پر استقامت کی توفیق عنایت کرے۔

جو چیز ہم اور تم پر لازم ہے یہ ہے کہ دل کو غیرِ حق کے خیالات سے پاک اور سالم کر لیں۔ اور اس طرح سلامتی اس کی ہونی چاہیئے کہ غیرِ حق کا دل پر بالکل گزر نہ رہے۔ اگر ہزار سال بھی زندگی وفا کرے تب بھی غیرِ حق کا خیال دل پر نہ گزرے۔ اس نسیان کے باعث جو غیرِ حق سے حاصل ہو چکا ہو۔

کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

آپ نے ملاقات کے وقت از روئے کرم نوازی فرمایا تھا کہ اگر کسی مہم اور کام میں رجوع کی ضرورت پڑے تو ہمیں لکھنا۔ اس بنا پر بندہ ایک تکلیف دیتا ہے کہ شیخ عبداللہ صوفی نیک لوگوں میں سے ہے۔ بعض حاجات کی بنا پر قرضدار ہو چکا ہے۔ اُمید ہے کہ اسے قرض سے نجات دلانے میں مدد فرمائیں گے۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے کئی مکتوبوں میں یہ بات دہرائی ہے کہ دل پر غیرِ حق کے خیالات کا گزر نہیں ہونا چاہیئے اگرچہ ہزار سال بھی زندگی وفا کرے۔ مگر دوسری

طرف جب ہم اپنے دلوں اور سینوں کو ٹٹولتے ہیں تو ہمیں اپنے دل ودماغ میں اہل وعیال اور مال ودولت کی محبت رَچی بسی نظر آتی ہے تو اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ کو محبتِ دُنیا سے کس طرح بچاسکتے ہیں تاکہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا وہ مقولہ ہم پر صادق آجائے۔

ذراتوجہ اور دھیان رکھیں تاکہ آپ کو یہ باریک نقطہ سمجھ آسکے۔

اول: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہمیں اپنے بچوں کے ساتھ پیار ومحبت اور ترحم سے پیش آنے کا حکم دیا ہے اور خود بھی اپنے صاحبزادوں اور نواسوں سے دل لگی فرمائی ہے۔ سو اگر ہم اپنے بچوں سے پیار کرتے وقت یہ نیت کرلیں کہ یہ عمل ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت ہے اور اسی کی ہمیں تعلیم بھی دی گئی ہے تو ہمارا یہ فعل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے غفلت میں نہیں لکھا جائے گا بلکہ کارِ ثواب ہوگا۔

دوم: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ''اَلنِّکَاحُ نِصْفُ الْاِیْمَان'' یعنی نکاح کرنا نصف ایمان ہے۔ تو جو شخص نکاح کرے گا اور اس کی سوچ یہ ہوگی کہ نکاح کرنا ہمارے پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سُنت بھی ہے اور اس کی بدولت انسان زنا اور فحاشی کے کاموں سے بھی محفوظ ہوجاتا ہے تو اس شخص کا نکاح کے معاملات میں مشغول ہونا اور بعد از نکاح اپنی بیوی سے محبت بھرا سلوک کرنا دنیاوی مشغولی اور دِین کی غفلت کے زمرے میں نہیں آئے گا بلکہ سُنت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے عین اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت میں شمار ہوگا۔

سوم: ایک شخص اس نیت سے تجارت اور کاروبار کرتا ہے کہ میں حرام کے مال اور رشوت لینے سے بچ جاؤں، نیز حلال کا رزق کما کر اپنا اور بیوی بچوں کا پیٹ بھر سکوں نیز دورانِ تجارت شرعی تعلیمات کا لحاظ رکھتا ہے تو یوں کاروباری اور تجارتی اُمور میں مشغولیت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے دوری کی بجائے قُربِ الٰہی کا سبب بنتی ہے اور دنیاوی محبت کے ذیل میں نہیں آتی۔ حضرت جعفر بن محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بہ نفسِ نفیس بازار میں تشریف لے جاتے اور اہل وعیال کے لئے ضروریات خرید کر لاتے۔ کسی نے عرض کیا تو ارشاد فرمایا کہ مجھے جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بتلایا ہے کہ جو شخص اپنے اہل وعیال کے لئے کام کاج کرتا ہے تاکہ وہ لوگوں کے محتاج نہ رہیں تو یہ شخص مجاہد فی سبیل اللہ شمار ہوتا ہے۔

حضرت خواجہ بہاؤالدین نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ: ''میں نے منیٰ کے بازار میں ایک تاجر کو دیکھا جو کم وبیش پچاس ہزار دینار کی خرید وفروخت کر رہا تھا مگر اس کا دِل ایک لمحہ کے لئے بھی یادِ حق سے غافل نہ تھا''۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی زبان پر ہر وقت اللہ اللہ یا پھر یا حی یا قیوم کا وِرد جاری تھا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اس کی خرید وفروخت کا عمل عین شرع کے مطابق تھا اور کسی بھی معاملے میں وہ احکاماتِ الٰہی سے غافل نہیں تھا۔ یہی طریقہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دائمی ذکر کا ہے۔ دوامِ ذکر کی یہی نسبت ہے اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے مندرجہ بالا مقولہ کا یہی اصل مفہوم ہے۔ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا اصول وقانون ہے کہ ''نظر بر قدم'' اور ''ہوش دَر دَم'' یعنی اپنے قدموں کی طرف متوجہ رہنا کہ کسی غیر شرعی کام کی طرف نہ اٹھیں اور اپنی سانسوں کی طرف متوجہ رہنا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی یاد سے غافل نہ گزریں۔

پس سالکینِ طریقت اور بالخصوص ہمارے حلقے کے احباب کو اس مکتوب کی تعلیمات پر سختی سے عمل کرنا چاہیئے تاکہ کوئی بھی عمل اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے غفلت میں نہ گزرے اور دوامِ ذکر کی اصل کیفیت میسر آجائے۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوبِ گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سلامتیٔ قلب کے حصول کی نصیحت فرمارہے ہیں جو ماسویٰ اللہ کے نسیان پر موقوف ہے۔

دراصل انسان عالمِ خلق اور عالمِ اَمر کے لطائف عشرہ سے مرکب ہے جن میں قلب کا تعلق عالمِ اَمر سے ہے جو ذاتی طور پر نورانی اور متوجہ بعالمِ قدس ہے مگر مجاورت نفس کی وجہ سے اس پر غبار اور کدورتیں آجاتی ہیں جو تصفیہ چاہتی ہیں۔ یہ تصفیہ فنا اور نسیان ماسویٰ کے ساتھ مربوط ہے جس کے بغیر حق تعالیٰ کا قرب میسر نہیں ہوتا۔

حضرت مولانا روم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

بے فنائے مطلق وجذبِ قوی
کہ حریمِ وصل را محرم شوی

اہلِ طریقت نے فنا کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

اول: مطلق فنا　　　　دوم: فنائے مطلق

مطلق فنا میں قلب سالک سے کچھ ماسویٰ فراموش ہوتا ہے اور کچھ فراموش نہیں ہوتا اسی وجہ سے اسے فنائے ناقص بھی کہتے ہیں۔

جبکہ فنائے مطلق میں قلبِ طالب سے تمام ماسوٰی فراموش ہو جاتا ہے، اس لئے اس فنا کو فنائے تام بھی کہتے ہیں۔ اس قسم کے صاحبِ قلب پر اسمِ ولایت کا اطلاق صادق آتا ہے۔ نیز عارف کے ہر ہر لطیفہ کو دونوں قسم کی فنا حاصل ہوتی ہے۔

مطلق فنا میں عارف کے بعض لطائف کو ماسوٰی سے فراموشی نصیب ہوتی ہے اور بعض لطائف ہنوز اس دولت سے محروم ہوتے ہیں، جبکہ فنائے مطلق میں عارف کے تمام لطائف ماسوٰی سے فراموشی حاصل کر لیتے ہیں۔

بینات

واضح رہے کہ فنائے قلب، صفاتِ فعلیہ اور اضافیہ سے وصول ہوتا ہے۔ فنائے روح صفاتِ ذاتیہ سے وصول ہوتا ہے۔ فنائے سر صفاتِ ثبوتیہ سے وصول ہوتا ہے۔ فنائے خفی صفاتِ سلبیہ سے وصول ہوتا ہے اور فنائے اخفٰی شانِ جامع کے وصول سے مربوط ہے۔

ولایتِ کبریٰ میں فنائے نفس حاصل ہوتی ہے، ولایتِ علیا میں عناصرِ ثلاثہ (آب، باد اور نار) کو فنا حاصل ہوتی ہے جبکہ جزوِ خاکی کا کمال تجلیاتِ ذاتیہ کے وصول سے مربوط ہے۔

ولایتِ صغریٰ میں وصولِ سالک صفاتِ اضافیہ وفعلیہ سے ہوتا ہے۔ ولایتِ کبریٰ میں وصولِ عارف صفاتِ ثمانیہ ذاتیہ سے ہوتا ہے۔ ولایتِ علیا تک عارف کی رسائی شیوناتِ ذاتیہ کے ذریعے ہوتی ہے جو کہ ولایتِ ملاءِ اعلیٰ ہے۔ تجلیاتِ ذاتیہ سے عارف کا وصول معارف کمالاتِ نبوت ہے۔

واضح رہے کہ اطمینان نفس کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ اطمینانِ ناقص: یہ صفاتِ اضافیہ سے مربوط ہے اسے اطمینانِ بدایت بھی کہتے ہیں۔

۲۔ اطمینانِ کامل: یہ صفاتِ ثبوتیہ کے وصول سے مربوط ہے، اسے اطمینانِ نہایت بھی کہا جاتا ہے۔

عارف کو کمالاتِ ولایتِ انبیاء اور کمالاتِ نبوتِ انبیاء تک رسائی انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کے ذریعے حاصل ہوتی ہے، بلکہ بعض اولیائے کاملین کو مرسلین وانبیائے اولوالعزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے کمالات سے بھی ان کی متابعت کی بدولت حظِ وافر نصیب ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

مورِ مسکیں ہوس داشت کہ در کعبہ رسد
دست در پائے کبوتر زد و ناگاہ رسید

یہ امر ذہن نشین رہے کہ منصبِ نبوت انبیائے کرام علیہم السلام کا خاصہ ہے جس سے صرف وہی سرفراز ہوتے ہیں البتہ کمالاتِ نبوت کا حصول امرِ دیگر ہے جو اولیائے کرام کو متابعت کی برکت سے حاصل ہوتے ہیں، بلکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت ایسی نعمتِ غیر مترقبہ ہے جو سالکین کو درجۂ محبوبیت تک پہنچا دیتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

عجب ایں نیست کہ محبوب جہانی زہمہ
عجب آنست کہ محبانِ تو محبوباں اند

اولیائے کرام کی دو قسمیں ہیں:

ا۔ اولیائے محبین ۲۔ اولیائے محبوبین

اولیائے محبوبین کو محمدی المشرب بھی کہتے ہیں کیونکہ وہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے مبدأ فیض شان العلم کے ظلال سے فیض یاب اور سیر اب ہوتے ہیں یہ محبوب بالذات ہوتے ہیں۔

اولیائے محبین کو غیر محمدی المشرب بھی کہا جاتا ہے کیونکہ وہ دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے مبادئ فیوض سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ یہ اولیاء اتباعِ سنت، تصفیہ اور تزکیہ کے حصول کے باعث یا مرشدِ کامل کی توجہ سے محبوب بالعرض بن جاتے ہیں۔

لیکن محبوبیت ذاتیہ بھی اتباعِ سنت کے ساتھ مربوط ہے۔ وہ سالکین جو مبدأ فیض میں تو سردار دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ اشتراک رکھتے ہیں مگر متابعت سنت سے محروم ہوتے ہیں ان کی محبوبیت پردۂ اخفٰی میں چلی جاتی ہے، منصۂ ظہور پر نہیں آتی، لہٰذا وہ محبوب نہیں سمجھے جائیں گے۔

بقول شاعر:

محمد عربی کہ آبروئے ہر دو سرا است
کسے کہ خاک درش نیست خاک بر سر اُو

حضرت مرزا مظہر جان جاناں دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب استدعا کی ہے:

محمد از تو می خواہم خدا را خدایا از تو حب مصطفٰی را

جو اولیاء کرام حضرت آدم علیہ السلام کے مبدأ فیض صفت التکوین کے ظلال سے فیض یاب ہوتے ہیں ان کو آدمی المشرب کہا جاتا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مبدأ فیض صفت العلم کے ظلال سے فیض یاب ہونے والوں کو نوحی المشرب اور ابراہیمی المشرب کہا جاتا ہے، کیونکہ صفت العلم اعتباراتِ مختلفہ کی بنا پر حضرت نوح علیہ السلام اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مُربّی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مبدأ فیض صفت الکلام کے ظلال سے فیض پانے والوں کو موسوی المشرب کہا جاتا ہے۔ جن کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مبدأ فیض صفت قدرت کے ظلال سے فیض ملتا ہے ان کو عیسوی المشرب کہتے ہیں۔

مذکورہ بالا چھ مشارب انبیائے اولوالعزم علیہم الصلوۃ والسلام کا خاصہ ہیں، دیگر انبیائے کرام علیہم السلام انبیائے اولوالعزم کے مشارب سے مشارکت رکھتے ہیں جبکہ اولیاء کرام انبیائے کرام علیہم السلام کی متابعت کی بدولت ان مشارب سے سیراب ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ والسلام کو انبیائے اولوالعزم کی شریعتوں کی پیروی کی بدولت کمالات کا وصول ہوتا ہے جبکہ اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے اولیاء کرام کا دیگر انبیائے کرام علیہم السلام کے کمالات کے حصول کا سبب یہ ہے کہ شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات جملہ شرائع سابقہ کی جامع ہے اور قرآن مجید تمام کتبِ سماویہ کا خلاصہ ہے، لہٰذا شریعتِ محمدیہ کی متابعت تمام سابقہ شریعتوں کی متابعت قرار پائی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَإِنَّهُ لَفِي زُبُرِ الْأَوَّلِينَ (الشعراء ١٩٦) سے عیاں ہے۔

ایک نبی کے مشرب کی دیگر انبیاء کے مشارب سے تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ جیسے تجلیاتِ صفات ثمانیہ کا عدماتِ متقابلہ میں انعکاس اور پھر ان تجلیات کا عدم کے ساتھ امتزاج زید، بکر وغیرہم کی

تخلیق کا باعث ہوتا ہے یوں ہی جس سالک کے عدم ذاتی کو صفتِ تکوین کی تجلی پہنچتی ہے وہ آدمی المشرب ہو جاتا ہے، جسے صفتِ علم کی تجلی پہنچتی ہے وہ نوحی المشرب یا ابراہیمی المشرب بن جاتا ہے، یونہی جسے صفتِ قدرت کی تجلی پہنچی وہ عیسوی المشرب ہو گیا، جسے صفتِ کلام کی تجلی پہنچی وہ موسویٰ المشرب بن گیا، اور جسے شان العلم کی تجلی پہنچتی ہے وہ محمدی المشرب ہو جاتا ہے۔

عارف کے لئے صفاتِ ثمانیہ میں سے کسی ایک صفت کا حصولِ کمال دیگر صفات کے حصول کمالات کا بھی سبب ہوتا ہے لیکن وہ صفت جو اس عارف کا مبدأ فیض ہے وجودِ عارف میں اس صفت کا ظہورِ کمال دیگر صفات ثمانیہ کی نسبت بیشتر اور قوی تر ہوتا ہے۔۔۔ لہٰذا جس صفت کا ظہورِ کمال قوی تر ہو گا وہی صفت اس عارف کا مبدأ فیض قرار پائے گی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۹۵ تا ۱۰۰)

مکتوب نمبر ۸۷

[پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ کس قدر سعادت کی بات ہے کہ خدائے جلّ وعلا کے دوست کسی کو قبول فرما لیں۔

اللہ تعالیٰ تمہیں سلامت رکھے اور راہِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر ثابت و قائم رکھے۔ آپ کے خاندان کے لئے سب سے پہلی بشارت یہ ہے کہ میاں شیخ مزمل تمہارے پاس تشریف لائے ہیں۔ بندہ ان کی صحبت کی برکات کی کیا شرح کرے۔

کس قدر سعادت ہے کہ خدائے جلّ وعلا کے دوست کسی کو قبول فرمالیں۔ چہ جائیکہ اسے اپنے قُربت و محبت سے ممتاز کریں اور نوازیں۔

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔

ترجمہ: یہ ایسی قوم ہے کہ ان کے ہم نشین بد بختی سے محفوظ ہیں۔[1]

مختصر یہ کہ ان کی صحبت کو غنیمت شمار کریں اور صحبت کے آداب کی رعایت ملحوظ رکھیں تا کہ مؤثر ثابت ہو۔ زیادہ کیا لکھے۔ وَ السَّلَامُ اَوَّلًا وَ اٰخِرًا]

تشریح

ولایتِ اصلی محض عطیہ ٔ الٰہی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ جسے چاہتا ہے اُسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما لیتا ہے۔

---

[1](صحيح مسلم، ج۴، ص ۲۰۶۹، الناشر: دار إحياء التراث العربي - بيروت)

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کاارشادہے کہ:

وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَشَآءُ (البقرۃ۱۰۵)

ترجمہ: اور اللہ اپنی رحمت سے خاص کرتا ہے جسے چاہے۔

پس کتنی خوش نصیبی ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کاایساکوئی مقرب بندہ مخلوق میں سے کسی انسان کو اپنی صحبت و مجلس کے لئے چُن لے اور اس پر شفقت ومہربانی فرماتے ہوئے معصیت ونافرمانی والی زندگی سے اتباعِ شریعت کی طرف لے جائے اور پھر باطنی استمداد کے ذریعے سلوک کی منازل کو آسان کرکے خدارسیدہ بنادے۔

پس گمراہی اور فتنے کے اس دور میں جسے اللہ والوں کی صحبت وہم نشینی کی دولت مل گئی اُسے ضرور اُخروی نجات کا خزانہ ملے گا اور شقاوت وبدبختی سے نجات پائے گا۔ مکتوب شریف میں بیان کردہ حدیثِ مبارکہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے۔ علاوہ ازیں بھی اس موضوع پر کئی احادیث وارد ہوئی ہیں۔

مشائخِ کرام کی تعلیمات کا خلاصہ یہ ہے کہ جسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوست چُن لیں اسے بارگاہِ رسالت میں مقبولیت نصیب ہو جاتی ہے اور بارگاہِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مقبول یقیناً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا مقبول ہوتا ہے۔ پس اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں کی صحبت اور محفل اختیار کرنا لازم وضروری ہے اور جسے یہ دولت مل جائے اُسے کوشش کرنی چاہیئے کہ شیطانی وساوس وخطرات اُسے ان مبارک محافل سے دور نہ کردیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ایسے مقرب مشائخِ عظام کی مجالس کو اختیار کرنے اور ان کے ساتھ دوستی ومحبت کرنے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنے ایک جلیل القدر خلیفہ حضرت میاں شیخ مزمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی عظمت اور اہل اللہ کی صحبت کی برکات بیان فرمارہے ہیں۔

دراصل اہل اللہ کی صحبت ومعیت شرعاً مطلوب ہے جیسا کہ ارشادات باری تعالیٰ: وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِینَ یَدْعُونَ رَبَّھُمْ (الکھف ۲۸) اور وَکُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ (التوبۃ ۱۱۹) اور ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: اللّٰھُمَّ إِنِّي أَسْأَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُحِبُّکَ۔[1] سے عیاں ہے۔

مشائخ طریقت نے معیت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

معیتِ جسمانی (بدنی) اور معیتِ روحانی (قلبی)

خواجۂ بیرنگ شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ احراری دہلوی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ وَکُونُوا مَعَ الصَّادِقِینَ (التوبۃ ۱۱۹) میں معیتِ بدنی نہیں بلکہ معیتِ قلبی مراد ہے۔ معیتِ قلبی، نسبتِ رابطہ یا تصورِ شیخ کا دوسرا نام ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

النظر إلی وجہ علی عبادۃ۔

یعنی سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چہرے کو دیکھنا عبادت ہے۔[2]

چونکہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ طریقت کے چہار سلاسل اور طرق اربعہ کے امیر اور شیخ ہیں اس لئے ان کی زیارت کو عبادت قرار دیا گیا جو تصور شیخ کا بیّن ثبوت ہے۔

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۱۹)

[2](کنز العمال، ج ۱۱، ص ۶۲۴)

ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِذَا رُؤُوا ذُكِرَ اللّٰهُ۔

یعنی اہل اللہ کی زیارت ورؤیت اللہ کے ذکر کا باعث ہے۔ [1]

اربابِ طریقت نے رؤیت کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

رؤیتِ بصری اور رؤیتِ قلبی

ظاہر ہے رؤیتِ بصری کی نسبت رؤیتِ قلبی دیر پا ہے۔ در حقیقت جب مرید صادق، مُرشدِ کامل ومکمل کی معیتِ بدنی اور رؤیتِ بصری سے جدا ہوتا ہے تو شیخ کی عنایات وفیوضات وبرکات اور توجہات قدسیہ اس کے قلب ونظر پر مستولی ہو جاتی ہیں تو وہ شیخ کے تصورات میں گم ہو جاتا ہے، اسی کو تصورِ شیخ کہتے ہیں اور تصورِ شیخ ہی فنافی الشیخ کا باعث ہوتا ہے جو قربِ حق کا پہلا زینہ ہے۔ اس کے بعد سالک کو فنافی الرسول، فنافی اللہ اور بقاباللہ کی منازل ومدارج تک رسائی نصیب ہوتی ہے۔

بقول شاعر:

پیر نگر کو آکے نبی نگر کو جا
نبی نگر میں بیٹھ کر یار کا درشن پا

ناصر الدین قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز نے معیتِ شیخ کی اہمیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

سایۂ رہبر بہتر است از ذکر حق۔

یعنی سالک کے لئے معیتِ شیخ افادہ کے اعتبار سے ذکر حق سے بہتر ہے۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج۳، ص ۱۳۶۲، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

قیوم زمانی مظہرِ کمالات خفی و جلی حضرت شاہ غلام علی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

کہ در کلمہ مبارک توحید رابطہ ثابت می باشد۔

یعنی کلمہ طیبہ ”لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ“ سے تصورِ شیخ ثابت ہے جو ایمان کی اساس اور بنیاد ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ جب بندۂ مؤمن محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کہتا ہے تو اس سے ایک مشخص و معین ذات مراد ہے جو محبوب رب العالمین اور گنبد خضریٰ کے مکین ہیں اور جب سالک کلمۂ طیبہ کی تکرار کرتا ہے تو اس کے سامنے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا سارا نقشہ گھوم جاتا ہے جس سے مسرور و مستنیر ہو کر وہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں درود و سلام کے ہدیئے و تحفے پیش کرتا ہے۔

مزید بر آں سالک ایک طالب علم کی مانند ہے، جب کوئی طالب علم دورانِ اسباق استاد کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو وہ جاہل اور غافل ہی رہتا ہے، نتیجتاً حصولِ علم سے محروم رہ جاتا ہے ایسے ہی جو سالک دورانِ اوراد و وظائف شیخ کی طرف متوجہ نہیں ہوتا تو وہ شیخ کی توجہاتِ قدسیہ اور فیوض و برکات سے محروم رہتا ہے کیونکہ شیخ ہی سالک کے لئے حصولِ فیض کا ذریعہ ہے۔

بقول شاعر:

زاں روئے کہ چشم تست احول ‌‌ ‌ مقصودِ تو پیر تست اول

جب تک ہے تیری آنکھ احول ‌ ‌ ‌ ہے مرشد ہی تیرا مقصودِ اول

حضرت شیخ مزمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا مختصر تعارف

آپ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے قدیم اور مقبول مریدوں میں سے تھے۔ اکثر سفر و حضر میں شرف معیت حاصل رہا اور حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے خاص الطافات و عنایات

سے ممتاز ہوئے، حسن اخلاق اور مکارمِ اوصاف میں یگانۂ روزگار اور نفس کے انکسار وایثار میں منفرد تھے۔ سالہا سال حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت وصحبت میں رہے اور تکمیلِ سلوک کے بعد خلافت واجازت سے نوازے گئے۔

ان کی رفعتِ شان اور بلندیٔ مقام کا اندازہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس مکتوب گرامی سے ہوتا ہے جو آپ نے ایک مخلص کے نام تحریر فرمایا اس میں یوں مرقوم ہے:

"اگر ان بزرگوں کی صحبت میسر ہو جائے تو غنیمت جاننا چاہیئے اور اپنے آپ کو ان کے حوالے کر دینا چاہیئے۔ شیخ مزمل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی صحبت بھی آپ کے لئے غنیمت ہے اس قسم کے لوگ کبریت احمر سے بھی زیادہ قیمتی اور قابل قدر ومنزلت ہیں"۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ کے اس فرمان عالی شان سے ثابت ہوا کہ جب مرید کی صحبت کا یہ عالم ہے تو شیخ کی صحبت کا کیا عالم ہو گا۔

بقول شاعر:

ہزار عاشق آمد بطمع صحبت ما　　　　نثار کرد دل ودیدہ خادمانِ مرا

آپ ایک روز سیر وشکار کے لئے بیابان کی طرف تشریف لے گئے، اتفاقاً پاؤں پھسلنے سے غار میں جا گرے اور کوشش بسیار کے باوجود اس سے نکل نہ سکے۔ ایک صحرائی کی اطلاع پر لوگوں نے آپ کو غار سے نکالا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اس وقت سرہند شریف میں جلوہ افروز تھے۔ صورت واقعہ منکشف ہونے پر آپ نے فرمایا: "میں دیکھ رہا ہوں کہ شیخ مزمل کسی ہولناک جگہ میں گر گئے ہیں اور وہاں سے نکلنے کے لئے دست وپا مار رہے ہیں، دیکھیئے حقیقتِ حال کیا ہے؟ چند روز بعد اس

واقعہ کی اطلاع حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اور دوسرے درویشوں کو پہنچی جو مخلصین و مریدین کے اعتقاد میں مزید اضافہ کا باعث ہوئی۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

آپ کا انتقال ۱۰۲۶ھ میں ہوا۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے رنج و غم کا اظہار کرتے ہوئے ان کی روح کو ایصال ثواب کے لئے فاتحہ خوانی کی اور دعائے مغفرت سے یاد وشاد فرمایا۔

مکتوبات شریفہ میں ان کے نام مسلسل چار مکتوب ملتے ہیں: دفتر اول مکتوب نمبر ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز شیخ کی صحبت کے آداب اور مجلس کی شرائط بجالانے کی نصیحت فرمارہے ہیں۔

جب کسی طالبِ صادق کو شیخ کامل و مکمل کے ساتھ عقیدت ونسبت حاصل ہو جائے تو اسے اپنے آپ کو شیخ کے سپرد کر دینا چاہیئے اور ہر وقت اس کی خدمت میں حاضر باش رہنا چاہیئے اور اس کی صحبت و مجلس کے آداب کو ہر حال میں ملحوظ رکھے کیونکہ شیخ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا نائب ہوتا ہے اس لئے اس کے آداب بھی نبی کے آداب کی طرح ہی بجالائے۔ جیسا کہ روایت: الشیخ في قومه كالنبي في أمته۔[1] سے واضح ہے۔ تاکہ صحبت کی تاثیرات پیدا ہوں اور نسبت کا رنگ چڑھ سکے۔ وَبِدُوْنِهَا خَرْطُ الْقِتَادِ۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

از خدا خواہیم توفیق ادب
بے ادب محروم ماند از لطف رب

---

[1] (احیاء علوم الدین، ج ۱، ص ۸۳، الناشر: دار المعرفة-بیروت)

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد
میلش اندر طعنۂ پاکاں زند
ہر کہ گستاخی کند از یں طریق
گردد اندر وادیٔ حسرت غریق
ہر چہ آمد بر تو از ظلمات و غم
آں زبیباکی و گستاخیت ہم

صحبت شیخ کے آداب و مجلس کی شرائط

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں:

وبداند کہ رعایتِ آدابِ صحبت و مراعاتِ شرائط از ضروریاتِ این راہِ راست تا راہِ افادہ و استفادہ مفتوح گردد وَبِدُوْنِهَا لَا نَتِيْجَةَ لِلصُّحْبَةِ وَلَا ثَمَرَةَ لِلْمَجْلِسِ۔ بعضی از آداب و شرائط ضروریہ در معرضِ بیان آوردہ می شود بگوشِ ہوش باید شنید بدانکہ طالبِ را باید کہ روئی دل خود را از جمیع جہات گردانیدہ متوجہ پیرِ خود سازد و باوجودِ پیر بی اذن او بنوافل و اذکار نپردازد۔۔۔ حتیٰ کہ بذکر ہم مشغول نشود مگر آنکہ اُو امر کند و غیر از نماز فرض و سنت در حضور او دانکند۔۔۔الخ۔

ترجمہ: جاننا چاہیئے کہ صحبت شیخ کے آداب اور شرائط کو پیش نظر رکھنا اس راہِ طریقت کی ضروریات میں سے ہے تاکہ افادہ و استفادہ کا راستہ کھل جائے ورنہ پیر کی صحبت اور مجلس کا کوئی نتیجہ یا

ثمرہ بر آمد نہ ہو گا۔ بعض ضروری آداب و شرائط بیان کئے جا رہے ہیں جنہیں گوشِ ہوش سے ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے۔

مرید کو چاہیئے کہ اپنے دل کو تمام اطراف سے پھیر کر اپنے پیر کی طرف متوجہ کرے اور پیر کی خدمت میں اس کے اذن کے بغیر نوافل واذکار میں مشغول نہ ہو اور اس کے حضور میں اس کے سوا کسی اور طرف توجہ نہ کرے اور پورے طور پر اپنے پیر کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھا رہے حتیٰ کہ جب تک وہ امر نہ کرے ذکر میں مشغول نہ ہو اور اس کے سامنے نماز فرض اور سنت کے سوا کچھ ادا نہ کرے۔

سلطان وقت کے متعلق نقل کرتے ہیں کہ اس کا وزیر اس کے سامنے کھڑا تھا اتفاقاً وزیر کی نظر اس کے اپنے کپڑے پر پڑی اور کپڑے کے بند کو اپنے ہاتھ سے درست کرنے لگا۔ اس حال میں جب بادشاہ نے دیکھا کہ وزیر میرے سامنے آکر بھی غیر کی طرف متوجہ ہے تو جھڑکتے ہوئے کہا کہ میں ہرگز یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ تو میرا وزیر ہو کر میری موجودگی میں اپنے کپڑے کے بند کی طرف توجہ کرے۔ لہٰذا سوچنا چاہیئے کہ جب کمینی دنیا کے معاملات اور وسائل کے لئے چھوٹے چھوٹے آداب ضروری ہیں تو وصول الی اللہ کے وسائل کے لئے ان آداب کی رعایت کتنی ضروری ہو گی۔

ومهما امکن در جائی نہ ایستد کہ سایہ او بر جامہٗ او یا بر سایہٗ او افتد و بر مصلائی او پا نہ نہد ودر متوضائی او طہارت نکند وبظروفِ خاصہ او استعمال نہ کند ودر حضور او آب نخورد وبعام تناول نہ نماید وبکسی سخن نکند بلکہ متوجہ احدی نہ گردد ودر غیبتِ پیر در جانب کہ اوست پا دراز نہ کند وبُزاقِ دہن بآنجناب نیندازد۔

ترجمہ: جہاں تک ہو سکے مرید ایسی جگہ بھی نہ کھڑا ہو کہ اس کا سایہ پیر کے کپڑے یا سائے پر پڑتا ہو اور اس کے مصلے پر پاؤں نہ رکھے اور اس کے وضو کی جگہ طہارت نے کرے اور اس کے مخصوص برتنوں کو استعمال نہ کرے اور پیر کے سامنے پانی نہ پیئے، کھانا نہ کھائے، کسی دوسرے آدمی سے گفتگو نہ کرے بلکہ کسی اور کی طرف توجہ بھی نہ کرے اور پیر کی عدم موجودگی میں جس طرف کہ وہ رہتا ہے پاؤں دراز نہ کرے اور اس طرف تھوک بھی نہ پھینکے۔

وہر چہ از پیر صادر شود آن را صواب داند اگرچہ بہ ظاہر صواب ننماید او ہر چہ میکند از الہام میکند و باذن کار میکند برین تقدیر اعتراض را گنجائش نباشد و اگر در بعضی صوَر در الہام مثِل خطا راہ یابد خطائی الہامی در رنگِ خطائی اجتہادی است۔ ملامت و اعتراض براں مجوز نیست وایضاً چوں این را محبتی بہ پیر پیدا شدہ است در نظر محب ہر چہ از محبوب صادر می شود محبوب نماید پس اعتراض را مجال نباشد و در کلی و جزئی اقتداء بہ پیر کند چہ در خوردن و پوشیدن و چہ در خفتن وطاعت کردن۔ نماز را بطرزِ اوادا باید کرد وفقہ را از عملِ او باید اخذ نمود۔

ترجمہ: اور جو کچھ پیر سے صادر ہو اس کو صواب اور بہتر جانے اگرچہ بظاہر بہتر نظر نہ آئے کیونکہ وہ جو کچھ کرتا ہے الہام سے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے اذن سے کرتا ہے اس تقدیر پر اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں۔ اگرچہ بعض صورتوں میں اس کے الہام میں خطا کا ہونا ممکن ہے لیکن خطائے الہامی خطائے اجتہادی کی مانند ہے اور ملامت واعتراض اس پر جائز نہیں اور جب مرید کو اپنے پیر سے محبت ہے تو محبوب سے جو کچھ صادر ہوتا ہے محب کی نظر میں محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔ پھر اعتراض

کی کیا مجال ہے اور کلی و جزئی امور مثلاً کھانے، پینے، پہننے، سونے اور اطاعت کے تمام معمولی کاموں میں پیر ہی کی اقتداء کرنی چاہیئے اور نماز بھی اسی کی طرح ادا کرنی چاہیئے اور فقہ کے مسائل بھی اسی کے طریقِ عمل سے سیکھنے چاہئیں۔

آن راکہ در سرائے نگاریست فارغ است

از باغ و بوستان و تماشائے لالہ زار

جو شخص ہو نگار کے گھر سب ہے اس کے پاس

باغ اور لالہ زار کی حاجت نہیں اسے

پیر کی حرکات و سکنات میں کسی قسم کا اعتراض نہ کرے اگرچہ وہ اعتراض رائی کے دانہ کے برابر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ اعتراض سے سوائے محرومی کے کچھ حاصل نہیں ہوتا اور تمام مخلوق میں بدبخت شخص وہ ہے جو پیرانِ عظام کے اس بزرگ گروہ کا عیب بین ہو۔ نَجَّانَا اللّٰہُ سُبۡحَانَہٗ عَنۡ ھٰذَا الۡبَلَآءِ الۡعَظِیۡمِ۔

اور اپنے پیر و مرشد سے کرامتیں طلب نہ کرے، اگرچہ وہ طلب دل میں وسوسہ اور خطرہ کی طرح ہی گزرے۔ کیا تو نے کبھی سنا ہے کہ کسی مؤمن نے کسی پیغمبر سے معجزہ طلب کیا ہو؟ معجزے کے طالب تو کافر اور منکر لوگ ہوا کرتے ہیں۔

اگر شبہ پیدا شود در دل خاطر آنرا بی توقف عرض نماید اگر حل نشود تقصیر بر خود بنہد آواز خود را بر آوازِ او بلند نکند و سخن بلند با و نگوید کہ سوءادب است و ہر فیضی و فتوحی کہ برسد آنرا بتوسطِ پیر تصور نماید۔

ترجمہ: اگر مرید کے دل میں کوئی شبہ پیدا ہو تو بلا توقف عرض کر دے اگر حل نہ ہو تو پھر بھی اپنی تقصیر سمجھے اور پیر کی طرف کسی قسم کی کوتاہی یا عیب منسوب نہ کرے۔ جو واقعہ ظاہر ہو پیر سے پوشیدہ نہ رکھے اور واقعات کی تعبیر اسی سے دریافت کرے اور جو تعبیر خود طالب پر ظاہر ہو وہ بھی عرض کر دے اور اس میں درستی یا خطا کو اسی سے طلب کرے اور اپنے کشف پر ہر گز بھروسہ نہ کرے کیونکہ اس جہاں میں حق، باطل کے ساتھ اور ثواب، خطا کے ساتھ ملا جلا ہے اور بلا ضرورت و بے اذن اس سے جدا نہ ہو کیونکہ غیر کو اس کے اوپر اختیار کرنا ارادت کے خلاف ہے اور اپنی آواز کو پیر کی آواز پر بلند نہ کرے اور اونچی آواز سے اس کے ساتھ گفتگو نہ کرے کہ یہ بے ادبی میں داخل ہے اور مرید کو جو فیوض اور فتوحات حاصل ہوں ان کو پیر کی وساطت سے تصور کرے۔

اور اگر فی الواقعہ دیکھے کہ کوئی فیض کسی دوسرے بزرگ سے ملا ہے تو اس کو بھی اپنے پیر کا ہی فیض سمجھے کیونکہ پیر کمالات وفیوض کا جامع ہے۔ وہ خاص فیض پیر سے مرید کی خاص استعداد کے مناسب بزرگوں میں سے ایک بزرگ کے کمال کے موافق کہ جس سے یہ صورتِ افاضہ (فیض دینا) ظاہر ہوئی ہے مرید کو پہنچا ہے اور وہ پیر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جو اس فیض سے مناسبت رکھتا ہے، اس شیخ کی صورت میں ظاہر ہوا ہے۔ بواسطۂ ابتلاء یا غلبۂ محبت مرید نے اس کو دوسرا شیخ خیال کیا ہے اور فیض اس کی طرف سے محسوس کیا ہے یہ بڑا بھاری مغالطہ ہے۔ اللہ تعالیٰ لغزش سے محفوظ رکھے اور سید البشر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل پیر کی محبت اور اعتقاد پر ثابت قدم رکھے۔

الغرض طریقت سراسر ادب ہے۔ مثل مشہور ہے کوئی بے ادب خدا تک نہیں پہنچا اور اگر مرید بعض اوقات آداب بجالانے میں اپنے آپ کو قصوروار جانے اور کما حقہ اس کو ادا نہ کر سکے اور

کوشش کے باوجود بھی آداب پورے نہ کر سکے تو اس کو معاف ہے لیکن قصور اور کوتاہی کا اعتراف ضروری ہے۔ اگر نعوذ باللہ پیر کے آداب کی رعایت بھی نہ کرے اور اپنے آپ کو قصور وار بھی نہ جانے تو وہ ان بزرگوں کی برکتوں سے محروم رہتا ہے۔

ہر کرا روئے بہ بہبود نہ بود — دیدن روئے نبی سود نہ بود

جس کی قسمت میں نہ وہ بہبود تھی — دیدِ پیغمبر اسے بے سود تھی[1]

بینہ نمبر ا

حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کو پیر کی رضا کے پردے کے پیچھے رکھا گیا ہے لٰہذا جب تک مرید اپنے آپ کو پیر کی پسندیدہ چیزوں میں گم نہ کر دے اللہ تعالیٰ کی رضامندیوں میں نہیں پہنچ سکتا۔ مرید کی آفت پیر کی ایذاء اور ناراضگی میں ہے۔ اس کے سوا جو لغزش ہو اس کا علاج ممکن ہے، لیکن ایذائے پیر کا علاج کسی چیز سے ممکن نہیں کیونکہ مرید کے لئے بد بختی کی جڑ اور بنیاد پیر کی ناراضگی ہے۔ اَلْعِیَاذُ بِاللہِ۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر مزید یوں رقم طراز ہیں:

اعتقادات اسلامیہ میں خلل اور احکامِ شرعیہ کی بجا آوری میں سُستی کا واقع ہو جانا، پیر کی ناراضگی اور غضب کے نتائج و ثمرات میں سے ہے۔ احوال و مواجید کہ جن کا تعلق باطن سے ہے ان میں جس قدر خلل اور سُستی واقع ہوتی ہے اس کا کیا ذکر کروں۔ اگر باوجود آزارِ پیر کے احوال

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۲۹۲)

ومواجید میں کچھ اثر باقی رہے تو اس کو استدراج سمجھنا چاہیئے کیونکہ پیر کے ناراض ہو جانے کا نتیجہ عاقبت کی خرابی اور نقصان ہے۔[1]

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ یہ آداب شیخ کامل کے ہیں۔ شیخ ناقص اور گندم نماز جو فروش خلاف شرع پیروں اور ملنگوں کے لئے یہ آداب ہر گز نہیں ہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۱۰۳ تا ۱۱۳)

[1](مبدأو معاد منہا، ص۳۸)

مکتوب نمبر ۸۸

[یہ مکتوب بھی پہلوان محمود کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ کس قدر نعمت ہے کہ بندہ ایمان اور نیکی میں اپنے سیاہ بال سفید کرلے۔ اور جوانی میں خوف غالب رہے اور بڑھاپے میں رجاء۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیشہ اپنے ساتھ رکھے۔ خدا تعالیٰ کی کتنی بڑی نعمت ہے کہ بندہ ایمان اور نیکی میں اپنے جوانی کے سیاہ بال سفید کرلے۔

حدیثِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں وارد ہے:

مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ غُفِرَ لَهُ۔

ترجمہ: جو شخص اسلام کی پابندی میں بوڑھا ہوا اس کی مغفرت ہو جائے گی۔[1]

جانبِ اُمید کو ترجیح دیں اور مغفرت کا ظن غالب رکھیں۔ کیونکہ جوانی میں خوف زیادہ درکار ہے اور بڑھاپے میں رَجا اور اُمید کا غلبہ زیادہ ہونا چاہیئے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً]

تشریح

اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق ایمان کی دو شرائط ہیں:

۱۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خوف ۲۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے رحمت کی اُمید

اور ان دونوں کا برابر ہونا ضروری ہے، کیونکہ جب ان کا توازن برقرار نہیں رہے گا تو لازمی طور پر انسان کے افعال میں بگاڑ پیدا ہوگا۔ مثال کے طور پر جب ایک انسان کے دل سے اللہ سبحانہٗ

---

[1] (رواہ الترمذی، ابواب الجهاد، باب ما جاء فی فضل من شاب شیبة فی سبیل الله، رواہ النسائی، کتاب الجهاد، باب ثواب من رمی بسهم فی سبیل الله عز وجل، بروایت کعب بن مرہ بالفاظِ مختلفه ابو داؤد)

وتعالیٰ کے خوف کا عنصر ختم ہو جائے اور وہ رحمتِ الٰہی کی اُمید ہی سے وابسطہ ہو جائے تو ایسا انسان گناہوں سے اجتناب نہیں کرے گا اور حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کو بھی تلف کرے گا اور ستم بالائے ستم یہ ہو گا کہ ایسا شخص اپنے غیر شرعی افعال پر توبہ بھی نہیں کرے گا۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر لوگ نماز وروزہ کی پابندی نہیں کرتے اور ضروریاتِ دین کی طرف توجہ نہیں دیتے کیونکہ ان نیک اعمال کے ترک پر وارد ہونے والے عذاب کا خوف ہی اُن کے دل سے نکل چکا ہوتا ہے اور بخشش ومغفرت کی اُمید میں حد سے زیادتی اُنہیں اس طرف راغب ہی نہیں ہونے دیتی۔

دوسری صورت میں اگر انسان کے دل میں خوف کا غلبہ بڑھ جائے اور رحمت کی اُمید ختم ہو جائے یا اس میں کمی واقع ہو جائے تو ایسے انسان کی زندگی غیر متوازن ہو جائے گی۔ وہ ہر وقت خوف زدہ رہے گا اور غلبۂ خوف کی وجہ سے دُنیاوی اُمور (جن کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اُسے مکلف کیا ہے اُنہیں) ادا نہیں کر سکے گا اور یوں حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے محروم ہو کر اپنا دنیاوی واخروی نقصان کرے گا۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى شَابٍّ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ، فَقَالَ: كَيْفَ تَجِدُكَ؟، قَالَ: وَاللّٰهِ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، إِنِّي أَرْجُو اللّٰهَ، وَإِنِّي أَخَافُ ذُنُوبِي، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا يَجْتَمِعَانِ فِي قَلْبِ عَبْدٍ فِي مِثْلِ هَذَا الْمَوْطِنِ إِلَّا أَعْطَاهُ اللّٰهُ مَا يَرْجُو وَآمَنَهُ مِمَّا يَخَافُ۔

ترجمہ: حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ایک جوان شخص کے پاس تشریف لے گئے وہ قریب المرگ تھا آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: تم (اپنے دل کی کیفیت کو) کیسا پا رہے ہو؟ اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ومغفرت کا اُمیدوار ہوں اور اپنے گناہوں کی وجہ سے خوف میں مبتلا ہوں۔ رسول اللہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: اگر (ایسے موقع پر) کسی مؤمن کے دل میں یہ دونوں چیزیں (اُمید اور خوف) جمع ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اُسے اس کی اُمید کے مطابق عطا فرماتے ہیں اور اس چیز سے اس کو دور فرما دیتے ہیں جس سے وہ ڈرتا ہے۔[1]

پس ثابت ہوا کہ انسان کے دل میں خوف اور اُمید میں اعتدال کا ہونا انتہائی ضروری ہے اور ان دونوں عناصر کا غیر متوازن ہونا انسان کی عملی زندگی کے لئے خطرناک ہے لیکن۔۔۔۔! زیرِ نظر مکتوب میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے جو نقطہ بیان کیا ہے وہ بھی قابلِ غور ہے۔

انسان جب بلوغت کی حد کو پہنچتا ہے تو شیطان کی قوتِ تسلط حرکت میں آجاتی ہے اور وہ دن بہ دن انسان کو گمراہی کی طرف راغب کرنے لگتا ہے۔ جب انسان عالمِ شباب میں داخل ہوتا ہے تو اس کی قوتِ شہوانی اَوج پر پہنچ جاتی ہے اور گناہوں کی لذت اور جوانی کا نشہ اسے شیطان کے ساتھ دوستی کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں ایسے حالات میں گناہوں سے بچنا اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت کو اختیار کرنا انتہائی مشکل ہو جاتا ہے۔ تو اس مشکل پر قابو پانے کے لئے عین جوانی کے دور میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف کا ہونا ضروری ہے اور اگر خوف غالب نہ ہو تو زندگی شریعت کے مطابق نہیں گزر سکتی۔ پس جس انسان کی زندگی میں نیک اعمال کی جھلک نظر آنے لگے اور برائیوں سے اجتناب کرنے لگے تو سمجھ جانا چاہیئے کہ اس کے دل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خوف پیدا ہو چکا ہے۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۳، ص ۳۰۲، الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي مصر)

جوانی کا زمانہ گزرنے کے بعد انسان کے قویٰ جسمانی اور لذتِ شہوانی میں ضعف طاری ہونے لگتا ہے اور ساری زندگی باشرع گزارنے والے کے اعمال میں بھی کمی آجاتی ہے اور اعمالِ صالحہ کا تسلسل برقرار رکھنا مشکل ہو جاتا ہے ایسی حالت میں اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف کا غلبہ ہو گا تو اُس بوڑھے اور ناتوان انسان کی اندرونی حالت میں بگاڑ آئے گا اور وہ زمانۂ پیری میں قلبی و دماغی توازن کو برقرار نہیں رکھ پائے گا پس ایسی حالت میں اُس کے اطمینان کے لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت کی اُمید کا غالب ہونا ضروری ہے تاکہ دُنیا سے رُخصت ہونے والے دور میں وہ رحمٰن ورحیم خدا کی بخشش کی اُمیدیں لے کر اس کی جناب میں حاضر ہو۔

عین جوانی کے عالم میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف کی دولت مل جانا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی خاص عنایت ہے۔

صوفیاء کرام نے فرمایا ہے کہ:

دَر جوانی توبہ کردن شیوۂ پیغمبری
وقت پیری گرگ ظالم می شود پرہیز گار

ترجمہ: جوانی اور شباب کے عالم میں توبہ اور گناہوں سے اجتناب کرنا پیغمبروں کا شیوہ تھا (تو اب جسے جوانی میں یہ نعمت مل گئی گویا اُس نے پیغمبروں کی سُنت کو ادا کر لیا کیونکہ) بڑھاپے کی عمر میں تو ظالم بھیڑیا بھی پرہیز گار بن جاتا ہے (کیونکہ ناتوانی کے اس دور میں ظلم وزیادتی تو اس کے بس میں ہی نہیں رہتی)۔

ایک حدیث میں حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم میں اپنے بندے پر دو خوف اور دو اَمن کبھی جمع نہیں کروں گا، جو دُنیا میں مجھ سے خوف کھاتا ہے میں اُسے آخرت میں امن دوں گا اور جو دُنیا میں مجھ سے نڈر ہوتا ہے میں قیامت کو اس پر خوف طاری کروں گا۔

حضرت احمد بن سہل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے یحییٰ بن اکثم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا معاملہ کیا بولے کہ مجھے بلا کر فرمایا او بد اطوار بوڑھے تو کیا کچھ کرتا رہا؟ میں نے عرض کیا کہ پروردگار تیری طرف سے مجھے یوں تو نہیں بتایا گیا (کہ اللہ تعالیٰ ایسے سختی کے ساتھ پیش آئے گا) ارشاد فرمایا تجھے کیا بتایا گیا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ ''مجھ عبد الرزاق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے معمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے حدیث بیان کی اور اُنہوں نے زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے اُنہوں نے عروہ سے، انہوں نے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے، انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے اُنہوں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے بیان کیا کہ اللہ جل جلالہٗ کا ارشاد ہے کہ جو مسلمان بحالتِ اسلام بوڑھا ہو جاتا ہے، اگر میں اسے عذاب دینے کا ارادہ کروں تو مجھے اس سے حیا آتی ہے'' اور اے پروردگار میں تو بہت ہی بوڑھا ہوں۔ ارشاد ہوا کہ عبد الرزاق نے سچ کہا ہے اور زہری نے بھی سچ بیان کیا ہے اور عروہ نے بھی سچ کہا ہے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بھی سچ کہا ہے اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بھی سچ ارشاد فرمایا ہے اور جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی سچ نقل کیا اور خود میں نے بھی سچ ہی کہا ہے۔ اے یحییٰ میں ایسے شخص کو عذاب نہیں دوں گا جو بحالتِ اسلام بڑھاپے کو پہنچا ہو (یعنی بلوغت آتے ہی نیک اعمال کرنے لگا اور اطاعتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

واصحابہ وسلم میں ہی جوانی گزار دی اور اسی حالت میں بوڑھا ہوگیا) پس اللہ تعالیٰ کے اسی ارشاد کی بدولت مجھے جنت میں داخل کر دیا گیا۔[1]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: "سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، إِمَامٌ عَادِلٌ، وَشَابٌّ نَشَأَ بِعِبَادَةِ اللهِ، وَرَجُلٌ كَانَ قَلْبُهُ مُعَلَّقًا بِالْمَسْجِدِ إِذَا خَرَجَ مِنْهُ حَتَّى يَعُودَ إِلَيْهِ، وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللهِ فَاجْتَمَعَا عَلَى ذَلِکَ وَتَفَرَّقَا، وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللهَ خَالِيًا فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ، وَرَجُلٌ دَعَتْهُ امْرَأَةٌ ذَاتُ حَسَبٍ وَجَمَالٍ فَقَالَ: إِنِّي أَخَافُ اللهَ، وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ فَأَخْفَاهَا حَتَّى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا تُنْفِقُ يَمِينُهُ"۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: جس دن اللہ کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا، اس روز اللہ تعالیٰ سات شخصوں کو اپنے سائے میں جگہ دیں گے:

۱۔ عادم حاکم

۲۔ وہ جوان جس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے نشوونما پائی ہو۔

۳۔ وہ شخص جو مسجد سے نکلتا ہے تو واپس مسجد جانے تک اس کا دل اسی میں لگا رہتا ہے۔

۴۔ ایسے دو شخص جو آپس میں اللہ تعالیٰ کے لئے محبت کرتے ہیں اسی محبت کی وجہ سے اکٹھے ہوتے ہیں اور اسی کی وجہ سے جدا ہوتے ہیں۔

۵۔ وہ شخص جو تنہائی میں اللہ تعالیٰ کو یاد کرے اور اس کی آنکھیں بھر آئیں۔

---

[1] (تنبیہ الغافلین باحادیث سید الانبیاء والمرسلین للسمرقندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، باب ما یرجی من رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

۶۔ وہ شخص جسے حسین و جمیل اور حسب نسب والی عورت زنا کے لئے بلائے اور وہ یہ کہہ کر انکار کردے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں۔

۷۔ ایسا شخص جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ اس کے بائیں ہاتھ کو بھی خبر نہیں ہوتی کہ دائیں ہاتھ نے کیا خرچ کیا۔[1]

مندرجہ بالا احادیث کو نمونے کے طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ مکتوباتِ ہذا کے قاری میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے خوف کی نعمت کی طرف رغبت پیدا ہو اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت کی اُمید کی کرن بھی روشن رہے۔ اور اس موضوع پر آیاتِ قرآنی اور احادیث نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا لاتعداد ذخیرہ موجود ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ ایمان اور اعمال صالحہ بجالانے کی حالت میں بوڑھا ہونے کو عظیم نعمت قرار دے رہے ہیں۔ دراصل جب سالک عمر بھر اوامر کا اکتساب اور نواہی سے اجتناب کرتا ہے اور بالآخر اس پر بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونے شروع ہو جاتے ہیں تو اسے خاتمہ بالایمان اور انجام بالخیر کی فکر دامن گیر ہوتی ہے جس پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایسے عمر رسیدہ شخص کو بخشش اور مغفرت کا مژدہ سنایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الإِسْلَامِ غُفِرَ لَهُ۔[2] سے عیاں ہے۔

ایک روایت میں طویل عمر میں نیک اعمال کی کثرت کرنے پر مبارک باد دی گئی ہے۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص۵۹۸، الناشر: شرکۃ مکتبۃ و مطبعۃ مصطفی البابي الحلبي - مصر)

[2] مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الإِسْلَامِ كَانَتْ لَهُ نُورًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (کنز العمال، ج۱۵، ص۶۷۲)

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَكَثُرَ عَمَلُهُ۔[1]

ایک روایت میں یوں ہے:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ أَيُّ النَّاسِ خيرٌ؟ قَالَ: مَن طَالَ عمُرُه وحسُنَ عَمَلُه. قَالَ: فَأَيُّ النَّاسِ شَرٌّ؟ قَالَ: مَنْ طَالَ عُمُرُهُ وَسَاءَ عَمَلُهُ۔

یعنی ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لوگوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ ارشاد فرمایا جس کی عمر طویل ہوئی اور اس نے نیک عمل کئے۔ عرض کیا لوگوں میں سب سے برا کون ہے؟ فرمایا جس کی عمر طویل ہوئی اور اس نے بُرے عمل کئے۔[2]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اس امر کی تلقین فرمارہے ہیں کہ مؤمن پر عالمِ شباب میں حق تعالیٰ کے قہر وغضب اور ناراضگی وجلال کے خوف کا غلبہ ہونا چاہیئے تاکہ وہ ارتکابِ معاصی سے مجتنب رہے جبکہ بڑھاپے میں قنوطیت ومایوسی کی بجائے حق تعالیٰ کی وسعتِ رحمت اور عفو وکرم کی بدولت رجائیت ومغفرت کا پہلو غالب رہنا چاہیئے کیونکہ مایوسی گناہ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللهِ (الزمر ۵۳) سے واضح ہے بلکہ حق تعالیٰ کے ساتھ حسن ظن رکھتے ہوئے حسن خاتمہ اور بخشش کی امید رکھنی چاہیئے۔ جیسا کہ حدیثِ قدسی: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي۔[3] سے واضح ہے۔

---

[1] (حلیہ لابی نعیم)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۵۰، ترمذی، باب الزھد، ص ۵٦)

[3] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۹٦)

حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

مغفـــرت دارد امیـــد از لطفـــــ تو　　　زانکہ خود فرمودۂ لَاتَقْنَطُوا

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ سالکین طریقت کے لئے حسن خاتمہ کا قول قطعی نہیں کیونکہ حکمِ قطعی وحی سے وابستہ ہے، ایسے ہی بذریعہ الہام حسن خاتمہ یا سوئے خاتمہ کا حکم بھی قطعی نہیں ہوتا کیونکہ الہام ظنی دلیل ہے، البتہ اکابرین کے متعلق حسن خاتمہ کا ظن غالب رہنا چاہیئے لیکن ایک ظن سے دوسرے ظن تک آسمان وزمین کا فرق ہے۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ خوف اور رجاء (اُمید) ایمان کے دو بنیادی اجزاء ہیں جن کے درمیان ایمان ہوتا ہے۔ جیسا کہ: اَلْاِیْمَانُ بَیْنَ الْخَوْفِ وَالرِّجَاءِ۔[1] سے عیاں ہے۔ ان میں سے اگر ایک جزو بھی مفقود ہو جائے تو بندۂ مومن دائرۂ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔ البتہ ایک دوسرے پر غالب اور مغلوب کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے وضاحت فرمائی ہے کہ عالمِ شباب میں خوف زیادہ درکار ہے اور بڑھاپے میں رجا غالب ہونی چاہیئے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۱۱۷ تا ۱۲۰)

[1] (جامع لطائف التفسیر، القماش، ج ۲، ص ۳۳۵)

مکتوب نمبر ۸۹

[ماتم پُرسی کے متعلق میرزا علی خاں کی طرف صادر فرمایا:

حق سبحانہٗ وتعالیٰ راہِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر استقامت نصیب فرمائے۔

انسان کے لئے مطابقِ فرمانِ خداوندی:

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت چکھنی ہے۔

موت سے چارہ نہیں۔

طُوبَى لِمَنْ طَالَ عُمْرُهُ وَكَثُرَ عَمَلُهُ۔

ترجمہ: تومبارک ہے وہ شخص جس کی عمر زیادہ ہو اور نیک اعمال بھی زیادہ ہوں۔ [1]

یہ موت ہی ہے جو مشتاق لوگوں کو تسلی دیتی ہے، اور دوست کو دوست سے ملانے کا ذریعہ بنتی ہے۔

مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللَّهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللَّهِ لَآتٍ (العنکبوت ۵)

ترجمہ: جسے اللہ سے ملنے کی امید ہو تو بے شک اللہ کی میعاد ضرور آنے والی ہے۔

ہاں پسمندگان اور حضور کی دولت سے محروم غیرِ حق تعالیٰ میں گرفتار لوگوں کا حال موت کے ذریعہ اپنے مطلوب تک پہنچ جانے والوں اور قیدِ دُنیا سے رہائی پانے والوں کے مقابلہ میں بہت ہی خراب اور ابتر ہے۔ آپ کی ولی نعمت مرحومہ کا وجود اس زمانے میں بسا غنیمت تھا۔ اب تم پر لازم ہے کہ احسان کا بدلہ احسان سے دو اور دعا و صدقہ کے ذریعہ ہر آن مدد کرتے رہو۔

فَإِنَّ الْمَيِّتَ كَالْغَرِيقِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۲۰۷، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

ترجمہ: بے شک میت ڈوبتے ہوئے انسان کی طرح ہے وہ ہر وقت دعا کا منتظر رہتا ہے جو اسے باپ یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔[1]

نیز یہ بھی چاہیئے کہ ان کی موت سے اپنے مَرنے کی عبرت پکڑیں۔ اور اپنے آپ کو مکمل طور پر حق تعالیٰ کی رضا کے کاموں کے حوالے کر دیں اور دُنیا کی زندگی کو سامانِ غرور کے ماسوا کچھ شمار نہ کریں۔ اگر دنیوی ساز و سامان کی کچھ بھی قدر و قیمت ہوتی تو کفار بد کردار کو ایک بال برابر بھی دُنیا کی کوئی چیز نہ دی جاتی۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمھیں ماسواء اللہ تعالیٰ سے اعراض اور اپنے جنابِ قدس کی طرف توجہ کی سعادت نصیب فرمائے۔ بحرمۃ سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا۔ وَالسَّلَامُ وَالْاِکْرَامُ۔]

تشریح

صالحینِ اُمت اپنی حیاتِ ظاہری میں ہر وقت وصلِ خداوندی کی جستجو میں رہتے ہیں لیکن انسان کی حیاتِ ظاہری ہی دراصل وصلِ الٰہی میں رکاوٹ ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔

ترجمہ: موت ایک پُل ہے جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔[2]

تو موت کا آنا ایک لازمی اَمر ہوا تاکہ مشتاقانِ الٰہی کا ہجر ختم ہو اور وہ اپنے معشوقِ حقیقی سے ملاقات کر سکیں۔ لیکن آج کے مادہ پرست دور میں اکثریت اُن لوگوں کی ہے جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۷۲۸، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

[2] (التفسیر المظھری، ج ۱، ص ۹۷، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ — الباکستان)

نافرمانی اور دُنیاوی لذتوں اور خواہشاتِ نفسانی میں مستغرق ہیں اور اسی استغراق کی وجہ سے موت کو یا تو یکسر بھلا بیٹھے ہیں یا موت کی یاد کرنا اس لئے ناگوار سمجھتے ہیں کہ موت آئے گی تو دُنیا کی یہ رونقیں ختم کر دے گی اور ایک اندھیری کوٹھڑی میں قید کرکے رکھ دے گی۔ لیکن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے وضاحت فرمادی کہ تم جس موت سے بھاگ رہے ہو وہ ایک اٹل فیصلہ ہے جو تمہارے پاس آکر رہے گا اور کسی بھی صورت میں اس سے بچاؤ ممکن نہیں ہے۔ پس دانشمندی یہی ہے کہ انسان موت کے بعد والے حالات کے لئے تیاری میں مشغول رہے تاکہ فلاح پاسکے۔ چونکہ موت نے ہر ایک دروازے پر دستک دینی ہے اس لئے جب یہ لازمی امر پیش آجاتا ہے تو مَرنے والے کے عزیز واقارب کے لئے پریشان کُن مرحلہ پیش آجاتا ہے اور میت کے گھر والے سوگوار ہو کر دردِ اَلم میں ڈوب جاتے ہیں ایسے عالم میں ان کے دُکھ دَرد میں شریک ہونا اور میت کے عالمِ برزخ والی زندگی میں صدقہ وخیرات اور دعاواستغفار سے مدد کرنا عین جائز ہے۔

مواہب میں منقول ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم قبیلہ بنی سلمہ میں اُمِ بشر ابن براءبن معرور سے ملنے کے لئے براء کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے۔ اُمِ بشر نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے کھانا تیار کیا جہاں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ظہر کا وقت آگیا اور اسی موقع پر قبلہ کی تبدیلی کا حکم بھی نازل ہوا۔

تو ثابت ہوا کہ کسی کے مرنے کے بعد اس کے گھر والوں کے پاس تعزیت کے لئے جانا سنتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے اور اسی سُنت کو ادا کرنے کے لئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اپنے ایک عقیدت مند کو یہ مکتوب لکھا ہے۔ جس میں آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے واضح طور پر یہ تعلیم بھی دی ہے کہ مُردے کے ساتھ دعا اور صدقات

وخیرات کے ذریعے مدد کرنے رہنا چاہیئے۔ لیکن اس وقت بد قسمتی سے کچھ بے دِین لوگوں نے یہ بے بنیاد بات گھڑ ڈالی ہے کہ میت کو ایصالِ ثواب کرنا ایک عبث فعل ہے۔ حالانکہ جس وقت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ مکاتیب صادر فرمائے اُس وقت محدثِ جلیل فقیہ العصر حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جیسی ہستی جلوہ افروز تھی۔ اگر ایصالِ ثواب کا فعل صحیح نہ ہوتا تو آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ضرور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے قول کارَد فرماتے۔ اور جب انہوں نے اس کارَد نہ کیا تو ثابت ہو گیا کہ پوری اُمت اس کارِ خیر میں متفق ہے۔ اور احادیثِ مبارکہ میں تو ایصالِ ثواب کے کئی ایک واضح دلائل موجود ہیں، مثلاً:

۱۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ جس گھر میں کوئی مر جائے پھر گھر والے اس کے لئے کچھ خیرات کریں تو حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نور کے ایک طباق میں اس کو لے کر میت کی قبر کے کنارے کھڑے ہو کر کہتے ہیں: "اے گہری قبر والے یہ تحفہ ہے جو تیرے گھر والوں نے تجھے بھیجا ہے اس کے لے لو اس طرح وہ مُردہ وہ تحفہ لے کر قبر میں جاتا ہے اور خوش ہوتا ہے، لیکن اس کے برابر قبر والے جن کو کچھ نہیں بھیجا جاتا وہ غمگین ہوتے ہیں"۔ [1]

۲۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی شخص کوئی نفلی خیرات کرے تو ماں باپ کی طرف سے کرے۔ اس خیرات کا ثواب اس کے ماں باپ کو ملے گا اور خود اس کے ثواب میں بھی کمی نہیں ہو گی۔ [2]

---

[1] (روہ طبرانی فی الاوسط)

[2] (رواہ دیلمی)

۳۔ حضرت حجاج بن دینار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ نیکی بالائے نیکی (یعنی دہری نیکی) یہ ہے کہ تو اپنی نماز کے ساتھ ماں باپ کے لئے بھی نماز پڑھے اور اپنے روزے کے ساتھ ان کے لئے بھی روزہ رکھے اور اپنے لئے خیرات کرنے کے ساتھ ان کے لئے بھی خیرات کرے۔[1]

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا جو شخص مر جائے اور اس پر روزے ہوں تو اس کا ولی اس کی طرف سے روزے رکھ لے۔ (متفق علیہ)

۵۔ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں جائے پھر سورۂ یٰسٓ پڑھے تو اللہ تعالیٰ ان مُردوں سے عذاب ہلکا کر دے گا اور اس قبرستان کے مُردوں کی تعداد کے موافق اس شخص کے لئے نیکیاں لکھی جائیں گی۔

٦۔ ایک حدیث میں ہے کہ اپنے مُردوں پر سورۂ یٰسٓ پڑھو۔ قرطبی نے کہا کہ جمہور کے نزدیک اس کا مطلب ہے مَرنے کے وقت سورۂ یٰسٓ کا پڑھنا۔ عبد الواحد مقدسی نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے قبرستان میں داخل ہونے کے وقت سورۃ یٰسٓ کا پڑھنا۔ طبری نے کہا ہے کہ دونوں حالتوں میں پڑھنا مراد ہے۔

---

[1] (رواہ ابن ابی شیبہ)

۷۔ حافظ شمس الدین بن عبد الواحد نے کہا ہے کہ لوگ ہمیشہ سے ہر شہر میں جمع ہو کر اپنے مُردوں کے لئے قرآن عظیم الشان پڑھتے رہے ہیں اور کسی نے اس کو ناجائز نہیں قرار دیا تو گویا اس پر اجماع ہو گیا۔

اس کے علاوہ بے شمار دلائل موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ مرنے والے کے لئے صدقہ وخیرات، قرآن عظیم الشان کی تلاوت اور ذکر واذکار سے ایصالِ ثواب کرنا بالکل جائز اور احسن اَمر ہے اور کسی بھی دور میں کسی بھی علاقے کے علماء ومشائخ نے بھی اس سے انکار نہیں کیا ہے تو چاہیئے کہ انسان اپنے عزیز واقارب اور اساتذہ ومشائخ کے لئے دعا گو رہے تاکہ ان کے ساتھ ساتھ خود اُسے بھی ثواب حاصل ہو۔

حکایت

حضرت صالح مری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں جمعہ کی شب میں جامع مسجد کے ارادے سے نکلا کہ نمازِ فجر وہاں ادا کروں۔ راستے میں میرا گزر ایک قبرستان سے ہوا۔ میں تھوڑی دیر کے لئے ایک قبر کے نزدیک بیٹھا رہا، اتفاقاً مجھے وہیں نیند آگئی۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ تمام مردے قبروں سے نکل نکل کر حلقہ وار بیٹھے ہیں اور باہم گفتگو کر رہے ہیں۔ ان میں ایک نوجوان شخص بھی ہے جس کے کپڑے صاف ستھرے نہیں ہیں اور ایک جانب الگ تھلگ اُداس بیٹھا ہے۔ اتنے میں کچھ نورانی طبق لئے ہوئے فرشتے آتے اور جن جن کے لئے تھا انہیں دے دیا اور وہ سب مُردے طبق لے کر اپنی اپنی قبروں میں واپس چلے گئے۔ صرف وہ ایک نوجوان مایوسی کے عالم میں خالی ہاتھ اپنی قبر میں واپسی کے لئے اٹھا تو میں نے پوچھا کہ تم غمگین کیوں ہو؟ اور یہ جو میں دیکھ رہا ہوں اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس نے کہا جو نورانی طبق تم نے دیکھے وہ زندوں کی طرف سے مُردوں کو بھیجے جانے

والے ثواب (تلاوت، دعا، ذکر اور صدقات وخیرات) ہیں۔ ان کے پاس ہر شبِ جمعہ اور جمعہ کو پہنچتے ہیں۔ اس کے بعد نوجوان نے طویل گفتگو کی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ میری ایک ماں ہی ہے مگر وہ بھی دُنیادار ہو کر مجھے بھول گئی ہے، اس نے نکاح کر لیا ہے اور مجھ سے غافل ہو گئی۔ اب مجھے یاد کرنے والا کوئی نہیں۔ میں نے اس سے اس کی ماں کا پتہ دریافت کیا، صبح کو میں اس کی ماں کے گھر گیا۔ پردہ کی آڑ سے اس نے بیٹے کا سب حال سُنا اور خوب روئی۔ پھر بولی اے صالح! وہ میرا بیٹا میرا لختِ جگر ہے۔ میں نے جس کے لئے اپنے شِکم کو مکان، اپنی چھاتیوں کو مشک اور اپنی آغوش کو بازی گاہ بنایا میں اسے کیونکر بھول سکتی ہوں؟ اب میں اس کے لئے دعا وصدقہ کرتی رہوں گی۔ اور یہ لو ایک ہزار درہم اس کے لئے میری طرف سے خیرات کر دو۔ میں نے اس کی طرف سے درہم خیرات کر دیئے۔ دوسری شب جمعہ کو پھر میں جامع مسجد کے ارادے سے نکلا اور اسی قبرستان میں آلیٹا، اور خواب میں پھر وہی منظر دیکھا کہ اہلِ قبور اپنی اپنی قبروں سے نکل رہے ہیں۔ اُن میں وہ نوجوان بھی تھا مگر اب اس کے جسم پر سفید لباس تھا۔ اور وہ بھی اوروں کی طرح خوش تھا۔ میرے قریب آیا اور کہا: اے صالح! اللہ تعالیٰ آپ کو میری طرف سے جزائے خیر دے۔ میرے پاس بھی ماں کا ہدیہ پہنچ گیا، میں نے پوچھا کیا اہلِ قبور بھی جمعہ کو جانتے ہیں؟ اس نے کہا: بے شک ہوا کے پرندے تک اس دن کو جانتے ہیں اور السلام السلام لیوم صالح کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس مبارک دن کی برکتیں ہم پر بار بار لائے۔ آمین

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ موت ایک اٹل قانون قدرت ہے جس سے کسی کو مجال انکار نہیں اور یہ ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کو فرار نہیں۔ ہر متنفس اور ذی روح نے موت کا ذائقہ چکھنا اور موت کے پُل سے گزرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (آل عمران ۱۸۵) اور مقولہ: اَلْمَوْتُ جَسْرٌ يُوْصِلُ الْحَبِيْبَ اِلَى الْحَبِيْبِ سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

موج ہے ہنگامہ آرا قلزم خاموش میں
ڈوب جاتے ہیں سفینے موت کی آغوش میں

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ موت کو پیغام وصل قرار دے رہے ہیں کیونکہ جب عشاق کو جمال یار کی تڑپ اور عشق الٰہی کی کسک بے قرار کر دیتی ہے تو وہ موت کو حیات پر ترجیح دیتے ہیں۔

بقول شاعر:

باناں پہن فقیری والا جلدی کرو تیاری
دل کر دا دلبر نوں ملیے کیہہ کرنی سرداری

ادھر حق تعالیٰ کو مشتاقان جمال الٰہی سے بڑھ کر ملاقات کا شوق ہوتا ہے۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی میں ہے:

طال شوق الأبرار إلى لقائي وإني إلى لقائهم لأشد شوقا۔

یعنی البتہ تحقیق ابرار کا شوق میری ملاقات کے لئے بہت بڑھ گیا ہے اور میں ان سے بھی زیادہ ان کا مشتاق ہوں۔[1]

تو انہیں وصال یار کا مژدہ سنایا جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ (العنکبوت ۵) سے عیاں ہے لیکن مشاہدۂ محبوب اور لقاء یار سے وہی لوگ شاد کام ہوں گے جو اس دنیا میں رؤیت سے سرفراز ہوں گے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَى فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَى (الإسراء ۷۲) سے مفہوم ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

جن کو درشن اِتے ہے ان کو درشن اُتے
جن کو درشن اِتے نئیں ان کو اِتے نہ اُتے

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں کہ رؤیت باری تعالیٰ کے دو طریقے ہیں:

رؤیت جمال اللہ

بغیر واسطہ مرآۃ کے آخرت میں حق تعالیٰ کا دیدار۔

رؤیت صفات اللہ

عکس انوار جمال الٰہی کا نگاہ قلب سے بواسطۂ آئینہ قلب دیدار کرنا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَأٰى۔ سے عیاں ہے۔ قلب، جمال الٰہی کے عکس کا آئینہ ہے۔

[1](احیاءعلوم الدین، ج۴، ص ۳۴۲)

کسی شاعر نے اس مفہوم کو کیا خوب بیان فرمایا:

دل آئینہ جمال شہنشاہ است

ویں ہر دو جہاں حجاب آں آئینہ است

نیز آپ تحریر فرماتے ہیں کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: المؤمن مرأة المؤمن۔[1] میں پہلے مؤمن سے مراد عبد مؤمن کا قلب ہے اور دوسرے مؤمن سے مراد اللہ تعالیٰ ہے۔

فَمَنْ رَاٰی صِفَاتَهٗ فِی الدُّنْیَا یَرٰی ذَاتَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ بِلَا کَیْفٍ۔

یعنی جس نے دُنیا میں صفات الٰہیہ کو دیکھا وہ آخرت میں ذات حق تعالیٰ کا بلا کیف دیدار کرے گا۔

اس رؤیت کو رؤیت قلبی کہا جاتا ہے، جس کے متعلق حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کا واضح ارشاد ہے:

اَجِیْعُوا بُطُوْنَکُمْ وَاظْمَأُوْا اَکْبَادَکُمْ۔۔۔لَعَلَّکُمْ تَرَوْنَ اللّٰہَ بِقُلُوْبِکُمْ۔

یعنی اپنے شکموں کو بھوکا رکھو اور اپنے جگروں کو پیاسا رکھو تاکہ تم اللہ تعالیٰ کا قلوب سے دیدار کر سکو۔

امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ملاحظہ ہو:

رَاٰی قَلْبِی رَبِّیْ بِنُوْرِ رَبِّیْ۔

یعنی میرے قلب نے اپنے رب کے نور سے اپنے رب کا دیدار کیا۔

---

[1] (مشکوۃ المصابیح، ص ۴۲۴)

مولائے کائنات سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ارشاد لَمْ اَعْبُدْ رَبًّا لَمْ اَرَاہُ۔ (یعنی میں اپنے رب کو دیکھ کر عبادت کرتا ہوں) سے مراد بھی رؤیت قلبی ہی ہے۔

اس رؤیت کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی شخص روشن دان سے آفتاب کی شعائیں دیکھ کر کہہ دے کہ میں نے آفتاب کو دیکھا ہے۔[1]

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ قلبِ عارف کی دو آنکھیں ہوتی ہیں:

ا۔ عینِ صغریٰ ۲۔ عینِ کبریٰ

عینِ صغریٰ

عالم درجات کی نہایت تک اسماء وصفات کے نور سے تجلیات صفات کا مشاہدہ کرتی ہے۔

عینِ کبریٰ

عالم لاہوت اور عالمِ قربت میں توحید احدیت کے نور سے انوار تجلیاتِ ذات کا مشاہدہ کرتی ہے۔[2]

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ یہ مشاہدہ کسی شیخ کامل و مکمل اور واصل باللہ کی مسلسل صحبت وخدمت سے حاصل ہوتا ہے، جس کی توجہات قدسیہ کی بدولت آئینۂ قلب صاف اور شفاف ہو جاتا ہے اور حجابات اٹھنے پر چشم بصیرت واہو جاتی ہے۔

---

[1] (سر الاسرار، ص ۲۶)

[2] (سر الاسرار، ص ۲۹)

جیسا کہ حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ رقم طراز ہیں:

طَوْرٌ وَرَاءُ الْعَقْلِ تَنْفَتِحُ فِيهِ يُدْرِكُ بِهَا مُدْرَكَاتٌ خَاصَّةٌ۔

یعنی ورائے عقل ایک اور جہاں ہے جس میں دوسری آنکھ کھلتی ہے جس کے ذریعے عالمِ غیب کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا اِيَّاهَا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے فرمان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکتوب گرامی آپ نے اپنے مُرشدِ برحق خواجہ بیرنگ حضرت خواجہ باقی باللہ دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال مبارک کے بعد اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے تحریر فرمایا ہے اور حضرت خواجہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وجود مسعود کو نعمتِ عظمیٰ قرار دیتے ہوئے آپ کے لئے دعا وصدقہ کی تلقین فرمائی ہے تاکہ کچھ نہ کچھ احسان کا بدلہ احسان کے ساتھ چکایا جاسکے۔ چونکہ اہل اللہ حق تعالیٰ کے انعام واحسان کا مظہر ہوتے ہیں اس لئے ان کا شکریہ ادا کرنا حق تعالیٰ کا ہی شکر گزار ہونا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: لَا يَشْكُرُ اللّٰهَ مَنْ لَا يَشْكُرُ النَّاسَ۔[1] سے عیاں ہے۔

دراصل بندگان خدا کے لئے قرآن خوانی، کلمہ طیبہ، استغفار، درود شریف وغیرہا پڑھنا اور بزرگان دین کے اعراس مقدسہ کی محافل ومجالس کا انعقاد ایصال ثواب کا بہترین ذریعہ ہیں جن میں دعائے مغفرت کے علاوہ صدقات وخیرات کا بھی اہتمام ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایصال ثواب کے متعلق اہل سنت وجماعت کا مؤقف بیان کر دیا جائے تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج۴، ص ۴۰۳، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

جب بندۂ مؤمن صدق نیت کے ساتھ نفلی عبادات بدنیہ اور صدقات مالیہ ادا کرتا ہے تو حق تعالیٰ اسے اجر و ثواب عطا فرماتا ہے تو وہ مسلمان اس اجر و ثواب کو فوت شدگان کے لئے بطور ہدیہ بخش سکتا ہے جو انہیں پہنچتا بھی ہے اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔

جیسا کہ عقائد اسلامیہ کی معروف درسی کتاب شرح عقائد نسفی میں یوں تصریح کی گئی ہے:

وفي دعاء الأحياء للأموات وتصدقهم عنهم نفع لهم خلافاً للمعتزلة۔

یعنی زندوں کا فوت شدگان کے لئے دعا کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا اس کے لئے نفع کا باعث ہے جبکہ فرقۂ ضالہ معتزلہ ایصال ثواب کا منکر ہے۔[1]

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نصیحت فرمائی ہے کہ جب تم قبرستان جاؤ تو سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھ کر ان کا ثواب اہل قبور کو پہنچاؤ کیونکہ وہ ان کو پہنچتا ہے۔

إذا دَخَلْتُم الْمَقَابِر فاقرؤوا بِفَاتِحَة الْكتاب والمعوذتين وقل هُوَ الله أحد وَاجْعَلُوا ذَلِك لأهل الْمَقَابِر فَإِنَّهُ يصل إِلَيْهِم۔[2]

فوت شدگان کے لئے دعائے مغفرت کرنے کے مبارک فعل کو حق تعالیٰ نے بطور استحسان و تعریف بیان فرمایا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ يَقُولُونَ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ (الحشر ۱۰) سے واضح ہے۔

میت کی قبر میں کیفیت ڈوبتے ہوئے فریادی کی مانند ہوتی ہے اور وہ نہایت بے قراری سے اپنے اعزہ و اقرباء کی طرف سے دعائے مغفرت کا منتظر ہوتا ہے۔

---

[1] (شرح العقائد النسفية، ج ۱، ص ۹۹، مكتبة أهل السنة والجماعة)

[2] (شرح الصدور، ج ۱، ص ۳۰۴، الناشر: دار المعرفة-لبنان)

جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ، الخ۔[1]

یعنی مردہ کی حالت قبر میں ڈوبتے ہوئے فریادی کی مانند ہوتی ہے وہ انتظار کرتا ہے کہ اس کے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے اس کو دعا پہنچے۔

اور جب اس کو کسی کی دعا پہنچتی ہے تو یہ دعا کا پہنچنا اس کو دنیا و مافیہا سے محبوب تر ہوتا ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے اہل قبور کو پہاڑوں کی مثل اجر و ثواب و رحمت عطا کرتا ہے اور بے شک زندوں کو تحفہ مُردوں کی طرف یہی ہے کہ ان کے لئے بخشش کی دعا کی جائے۔

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک مینڈھا ذبح فرما کر یوں دعا مانگی:

بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْ مِنْ مُحَمَّدٍ وَ آلِ مُحَمَّدٍ وَ مِنْ أُمَّةِ مُحَمَّدٍ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔

یعنی اے اللہ! اس کو میری طرف سے اور میری آل اطہار کی طرف سے اور میری اُمت کی طرف سے قبول فرما۔[2]

غرضیکہ کتاب و سنت کے شواہد صحابہ کرام، اہل بیت عظام، سلف صالحین، علمائے راسخین اور اولیائے کاملین کے معمولات سے واضح ہے کہ ایصال ثواب ایک جائز اور مستحسن امر ہے جس پر علمائے امت کا اجماع ہے۔ وَلِلّٰهِ الْحَمْد

---

[1](مشکوٰۃ، ص ۲۰۶)

[2](مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۴۵۷، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

ایصال ثواب کا مجددی طریقہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کے متعلق ایک مکتوب میں رقم طراز ہیں:

پیش ازین بچند سال ادبِ فقیر آن بودہ کہ اگر طعام می پخت مخصوص بروحانیات مطہرۂ آلِ عبا می ساخت۔۔۔ شبی در خواب می بیند کہ آن سرور حاضر است علیہ و علیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام فقیر بر ایشان عرض سلام می کند متوجہ فقیر نمی شوند و رو بجانب دیگر دارند درین اثناء بفقیر فرمودند کہ من طعام در خانہ عائشہ میخورم ہر کہ مرا طعام بخانہ عائشہ فرستد این زمان فقیر دریافت کہ سبب عدم توجہ شریف ایشان آن بود۔

ترجمہ: آج سے چند سال قبل (فاتحہ وایصال ثواب کے سلسلے میں) فقیر کا طریقہ یہ تھا کہ اگر کوئی کھانا پکاتا تو اس کا ثواب صرف آل عبا کی روحوں کو پیش کرتا۔۔۔ ایک رات فقیر نے خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تشریف فرما ہیں اور فقیر نے سلام عرض کیا مگر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنا چہرۂ اقدس دوسری طرف کیا ہوا ہے۔ اس دوران آپ نے ارشاد فرمایا: "میں کھانا عائشہ کے گھر کھاتا ہوں۔ مجھے جو بھی کھانا بھیجے عائشہ کے گھر بھیجے"۔ فقیر اس وقت جان گیا کہ چہرہ مبارک دوسری طرف پھیرے رکھنے کی وجہ یہی ہے کہ فقیر اس ایصال ثواب میں سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شریک نہیں کرتا تھا۔ اس واقعہ کے بعد فقیر ایصال ثواب میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلکہ تمام ازواجِ مطہرات کو شامل کرتا ہے۔

آپ ایک مکتوب میں یوں رقم طراز ہیں:

ایک دن خیال آیا کہ اپنے قریبی رشتہ دار فوت شدگان میں سے بعض کی روحانیت کے لئے صدقہ کیا جائے اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس نیت سے اس میت مرحوم کو خوشی حاصل ہوئی اور وہ خوش وخرم نظر آئی۔ جب اس صدقہ کے دینے کا وقت آیا تو پہلے حضرت رسالت خاتمیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کی روحانیت کے لئے اس صدقہ کی نیت کی جیسا کہ عادت تھی۔ بعد ازاں اس میت کی روحانیت کی نیت کرکے دے دیا، اس وقت اس متوفی میں ناخوشی اور اندوہ محسوس ہوا اور کلفت وکدورت ظاہر ہوئی، اس حال سے بہت متعجب ہوا اور ناخوشی وکلفت کی کوئی وجہ ظاہر نہ ہوئی۔ حالانکہ محسوس ہوا کہ اس صدقہ سے بہت برکتیں اس میت کو پہنچی ہیں لیکن اس میت میں خوشی اور سرور ظاہر نہیں ہوا۔

اسی طرح ایک دن کچھ نقدی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نذر کی اور اس نذر میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کو بھی داخل کیا اور ان کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا طفیلی بنایا اس امر میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی رضامندی معلوم نہ ہوئی۔ اسی طرح بعض اوقات جو میں درود بھیجتا تھا اگر اسی دفعہ میں تمام انبیاء علیہم السلام پر بھی درود بھیجتا تو اس میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خوشی ظاہر نہ ہوتی تھی۔ حالانکہ معلوم ہو چکا ہے کہ اگر ایک کی روحانیت کے لئے صدقہ کرکے تمام مؤمنوں کو شریک کرلیں تو سب کو پہنچ جاتا ہے اور اس شخص کے اجر میں سے کہ جس کی نیت سے دیا جاتا ہے کچھ کم نہیں ہوتا، کیونکہ إِنَّ رَبَّكَ وَاسِعُ الْمَغْفِرَةِ (النجم ۳۲) (کیونکہ تیرا رب بڑی بخشش والا ہے)۔

مدت تک یہ اشکال دل میں کھٹکتا رہا کہ اس صورت میں ناخوشی وناراضگی کی وجہ کیا ہے؟ آخر کار اللہ تعالیٰ کے فضل سے ظاہر ہوا کہ ناخوشی و کلفت کی وجہ یہ ہے کہ اگر صدقہ شرکت کے بغیر فوت شدہ کے نام پر دیا جائے تو وہ فوت شدہ اپنی طرف سے اس صدقہ کو تحفہ اور ہدیہ کے طور پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں لے جائے گا اور اس کے وسیلے سے برکات وفیوض حاصل کرے گا، اور اگر صدقہ دینے والا خود آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نیت کرے گا تو میت کو کیا نفع ہو گا۔ شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو میت کو صرف اسی صدقہ کا ثواب ملے گا اور عدم شرکت کی صورت میں اگر صدقہ قبول ہو جائے تو اس صدقہ کا ثواب بھی ملے گا اور اس صدقہ کے تحفہ اور ہدیہ کرنے کے فیوض وبرکات بھی حبیب رب العالمین علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس سے پائے گا۔ اسی طرح ہر اس شخص کے لئے کہ جس کو شریک کریں یہی نسبت کار فرما ہے کہ شرکت میں ایک درجہ ثواب ہے اور عدم شرکت میں دو درجہ کیونکہ اس کو متوفی اپنی طرف سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت میں پیش کرتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جو ہدیہ و تحفہ کوئی شخص کسی بزرگ کی خدمت میں لے جائے تو اس تحفہ کا بغیر کسی کی شراکت کے اگرچہ طفیلی ہو خود پیش کرنا بہتر ہے یا شرکت کے ساتھ؟ کچھ شک نہیں کہ شرکت کے بغیر بہتر ہے اور وہ بزرگ اپنے بھائیوں کو اپنے پاس سے دے تو یہ اس بات سے بہتر ہے کہ یہ شخص بے فائدہ دوسروں کو داخل کرے اور آل واصحاب جو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عیال کی طرح ہیں ان کو جو طفیلی بنا کر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ہدیہ میں داخل کیا جاتا ہے پسندیدہ اور مقبول نظر آتا ہے۔ ہاں عادت جاریہ یہ ہے کہ ہدیات مروجہ میں اگر کسی بزرگ کے ساتھ اس کے ہمسروں کو شریک کریں تو ادب اور اس کی رضامندی

سے دور معلوم ہوتا ہے اور اگر اس کے خادموں کو اس کا طفیلی بنا کر ہدیہ بھیجیں تو وہ پسند کرتا ہے۔ کیونکہ خادموں کی عزت اسی کی عزت ہے۔ پس معلوم ہوا کہ زیادہ تر فوت شدگان کی رضامندی افراد میں ہے صدقہ کے اشتراک میں نہیں۔ لیکن چاہیئے کہ جب میت کے لئے صدقہ کی نیت کریں تو اول آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نیت پر ہدیہ جدا کرلیں بعد ازاں میت کے لئے صدقہ کریں، کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حقوق دوسروں کے حقوق سے بڑھ کر ہیں اور اس صورت میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے طفیل اس صدقہ کے قبول ہونے کا بھی احتمال ہے۔ یہ فقیر فوت شدگان کے بعض صدقات میں جب نیت کے درست کرنے میں اپنے آپ کو عاجز پاتا ہے تو اس سے بہتر علاج کوئی نہیں جانتا کہ اس صدقہ کو آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نیت پر مقرر کرے اور اس متوفی کو آپ کا طفیلی بنائے، اُمید ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وسیلے کی برکت سے قبول ہو جائے گا۔ علماء نے فرمایا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا درود شریف اگر ریا وسمعہ سے ادا کیا جائے تب بھی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تک پہنچ جاتا ہے، اگرچہ اس کا ثواب درود بھیجنے والے کو نہ ملے کیونکہ اعمال کا ثواب نیت کے درست کرنے پر موقوف ہے اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے قبول کے لئے جو کہ مقبول و محبوب ہیں بہانہ ہی کافی ہے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۴۲۳ تا ۱۴۲۳)

---

[1] (مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۲۸)

زیارۃ القبور خصوصاً عید کے دن قبرستان جانا

نیز زیارۃ القبور روایات صحیحہ سے بھی ثابت ہے

عَنْ عَلْقَمَةَ بْنِ مَرْثَدٍ، وَحَمَّادٍ، أَنَّهُمَا حَدَّثَاهُ عَنْ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: "كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنِ الْقُبُورِ أَنْ تَزُورُوهَا، فَزُورُوهَا وَلَا تَقُولُوا: هَجْرًا"۔[1]

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کے زیارت سے۔ تو اب زیارت کرو قبروں کی لیکن بری بات زبان سے نہ کہو۔

عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا خَرَجَ إِلَى الْمَقَابِرِ قَالَ: «السَّلَامُ عَلَى أَهْلِ الدِّيَارِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللّٰهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، نَسْأَلُ اللّٰهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ»۔[2]

حضرت بریدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ جب قبرستان میں تشریف لے جاتے تو فرماتے (یہ الفاظ دعائیہ زبان مبارک پر ہوتے) السلام علی اھل الدیار الخ۔ کہ قبروں میں رہنے والے مسلمانو! سلامتی ہو تم پر ہم بھی ان شاءاللہ تم سے ملنے والے ہیں ۔ ہم اپنے لئے اور تمہارے لئے اللہ تعالیٰ سے عافیت کے خواستگار ہیں۔

عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ، أَنَّ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: «كُنْتُ نَهَيْتُكُمْ عَنْ زِيَارَةِ الْقُبُورِ، فَزُورُوهَا، فَإِنَّهَا تُزَهِّدُ فِي الدُّنْيَا، وَتُذَكِّرُ الْآخِرَةَ»[3]

---

[1] مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي كتاب الصلاة۔

[2] مسند أبي حنيفة رواية الحصكفي كتاب الصلاة۔

[3] سنن ابن ماجه ج ۱ ص ۱۰۵ بَابُ مَا جَاءَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ۔

حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے پہلے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت کرنے سے۔ تواب زیارت کرو قبروں کی کہ یہ دنیا میں زاہد (دنیا سے بے رغبت) بناتی ہے اور آخرت کی یاد دلاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ میں نے تم لوگوں کو (ابتداء میں) قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا (بوجہ قرب زمانہ جاہلیت کے کہ کفار اپنے بزرگوں کی زیارت پر کلمات قبیحہ وشرکیہ کہتے تھے اوران کو نافع اور ضار حقیقۃً سمجھتے تھے کہ یہ اصحاب القبور جو بھی کرنا چاہیں تو بغیر اذن الٰہی کر سکتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ان امور جزئیہ میں محتاج نہیں اور ماذون مطلق ہیں) مگر اب اجازت ہے جاسکتے ہو۔ اس میں تمہاری بہتری اور خیر کا پوراسامان ہے۔ (کیونکہ احکام شرعیہ واضح طور سے بیان ہوگئے ہیں توحید ورسالت کی حقیقت اوراس کی تعلیم قوم کے سامنے کھل کر بیان ہوگئی ہے عالم الغیب اور نافع وضار، مالک خیر وشر، حیی قیوم اور ظاہر وباطن کا جاننے والا مطلقاً ہر آن وہر زمان اور ہر مکان میں وہی ذات **وحدہ لاشریک لہ** ہے۔ اس کے ساتھ کوئی بھی ان صفات کمالیہ میں شریک نہیں۔ یہی اس میں مستقل اور فاعل ومختار ہے اور مخلوق میں بعض صرف ذرائع اوروسائل ہیں جن کے ذریعہ سے فیضان وجود وقضاء حاجات اور دافع بلاء وغیرہ فرماتے ہیں تو اصحاب القبوراوران میں اصحاب نبوت وولایت شفیع اوروسیلہ فیضان الٰہی ہیں اوران کی صحبت وزیارت سے تورقت قلب اور دنیا سے بے رغبتی اورآخرت کی یاد حاصل ہوتی ہے تواب تمہارے جانے میں کوئی خطرہ نہیں اب تو بوجہ مکمل مسلمان اوراحکام شرعیہ سے واقف ہونے کے ایسا قول اور فعل نہ کروگے جس سے عادت جاہلیت کی بو آتی ہو بلکہ اس سے اپنے آپ کو بچاؤگے۔) چونکہ پھر بھی عادت قدیمہ کی وجہ سے تقاضا بشری کے ماتحت خطرہ تھا کہ کچھ خلاف شرع بات زبان سے نہ نکالیں

توفرمایا(وَلَا تَقُولُوا: هَجْرًا) کہ باطل اوربری بات زبان سے نہ نکالو۔وہی بات کہنی چاہیئے جس سے اللہ تعالیٰ بھی راضی ہو اور صاحب قبر کو بھی تکلیف نہ ہو۔

استحباب زیارۃ القبور

روایات سے معلوم ہوا کہ زیارت القبور میں کوئی ممانعت نہیں بلکہ مستحب ہے اگرچہ قاعدہ اصولیہ (ان الامر بعدالحظر للحظر للاباحۃ)کی روسے مباح ہونی چاہیئے مگرجناب رسول اللہ ﷺ کابارباربارجنت البقیع میں زیارۃ القبورکیلئے جانااوراسی طرح شہداءاحدکی زیارت کے لئے میدانِ احدکی طرف تشریف لے جاناجوروایات صحیحہ سے ثابت ہے اس بات پر دلیل واضح ہے کہ یہ مستحب اور سنت ہے اگرچہ بعض نےواجب فرمایاہے لیکن جمہور محققین کامسلک استحباب ہے۔ واتفقوا على ندبها للرجال في قبور المسلمين وإن بلوا،[1] زیارۃ القبور مستحب ہے۔[2] کمافی البحر عن المجتبیٰ۔

اورہفتہ میں ایک بارزیارۃ القبورہونی چاہیئے۔کمافی مختارات النوازل مگرجمعرات، جمعہ اورہفتہ،پیر اورپھر بقول محمد بن واسع رحمہ اللہ تعالیٰ جمعہ کادن بہترہے۔

قَالَ ابْنُ حَجَرٍ فِي فَتَاوِيهِ: وَلَا تُتْرَكُ لِمَا يَحْصُلُ عِنْدَهَا مِنْ مُنْكَرَاتٍ وَمَفَاسِدَ كَاخْتِلَاطِ الرِّجَالِ بِالنِّسَاءِ وَغَيْرِ ذَلِكَ لِأَنَّ الْقُرُبَاتِ لَا تُتْرَكُ لِمِثْلِ ذَلِكَ، بَلْ عَلَى الْإِنْسَانِ فِعْلُهَا وَإِنْكَارُ الْبِدَعِ،بَلْ وَإِزَالَتُهَا إنْ أَمْكَنَ.اهـ.[3]

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے تویہاں تک فرمایاکہ زیارۃ القبورکوبوجہ منکرات ومفاسد کے جو وہاں ہوتی ہیں مثلاًمردوں اورعورتوں کااختلاط یااس قسم کے اور مفاسد اور

---

[1] دلیل الفالحین لطرق ریاض الصالحین ج۵ ص ۹ ۱ باب استحباب زیارۃ القبور للرجال۔
[2] شامی ردالمحتارج ا ص ۸۴۳۔
[3] ردالمحتارعلی الدر المختارباب مطالب فی زیارۃ القبورج ۲ ص ۲۴۲۔

منکرات (قماربازی، رقص اور ہیجڑوں وغیرہ کے گانے بجانے، غنڈوں اور فساقوں کے جمگھٹے) ترک کرنا نہیں چاہیئے کیونکہ جو اعمال صالحہ ہوں اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے وہ ایسے منکرات یا اقوال وافعال کی وجہ سے جو بوجہ جہالت زائرین سے صادر ہوتے ہیں نہیں چھوڑے جاسکتے بلکہ اگر اس کی قدرت میں روک ٹوک نہیں تو ان افعال واقوال کو برا سمجھتے ہوئے اور انکار کرتے ہوئے زیارۃ القبور کا شرف حاصل کرے اور اگر ممکن ہو اور اس کے بس میں ہو تو ان منکرات کا ازالہ بھی کرے۔

معلوم ہوا کہ زیارۃ القبور سے کسی کو روکنا اور منع کرنا نہیں بلکہ اہل علم اور زیارۃ القبور کے آداب سے واقف حضرات کو چاہئیے کہ عوام کو آداب زیارت سے مطلع کریں اور عملاً بھی آداب کی تعلیم دیتے ہوئے مزارات کا شرف حاصل کریں۔

فرض کریں کہ ایک شخص ہے کہ وہ دو رکعت نماز نفل یا فرض مسجد میں ناپاک کپڑوں کے ساتھ پڑھ رہا ہے یا وہ نماز میں دائیں بائیں اوپر نیچے بغیر کسی تردد کے دیکھ رہا ہے یا وہ قومہ، جلسہ، رکوع، سجود مسنون طریقہ سے نہیں ادا کر رہا تو کیا اس شخص کو ہم یہ کہیں گے کہ نماز حرام ہے۔ نماز مت پڑھو اور تمہیں مسجد میں نہیں آنا چاہیئے یا اس کو نہایت نرمی اور حکیمانہ رنگ میں (جب مخاطب جلالی طبیعت یا اس کی عمر کا اکثر حصہ جہالت اور اسی عادت غیر مشروعہ میں گزرا ہے) سمجھائیں گے۔ برادر، دوست، مہربان اور بزرگ وغیرہ جیسے اچھے اور مہذب الفاظ میں اس سے خطاب کریں گے اور اس کو بتائیں گے کہ دیکھئے اللہ تعالیٰ نے ہم پر نماز، روزہ، حج، زکوۃ، جہاد اور دین کی نشر واشاعت فرض کیا ہے اور پھر جناب رسول اللہ ﷺ نے قولاً وفعلاً ہمیں اس کی تعلیم دی ہے اور اس کا طریقہ سکھلایا ہے۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم نماز ادا کرنے کیلئے آؤ تو وضو کرو اور اس

طرح کرو۔ پھر نماز پڑھو تو اس طرح پڑھو اور اس میں رکوع و سجود اور قومہ و جلسہ ادا کرو تو اس طرح سے ادا کرو اور نماز کو سکون اور وقار، خشوع اور حضور سے ایسے پڑھا کرو۔ علی ہذا القیاس۔ تو تمام آداب اور واجبات اور سنن بمعہ فرائض کے ہم اس کو بتائیں گے تا کہ آئندہ وہ نماز صحیح اور مسنون طریقے سے ادا کرے۔

اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء و شہداء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کے مزارات اور مشاہد پر جانا شرعاً ممنوع نہیں بلکہ مستحب اور مسنون ہے۔ اب اگر کوئی اس مستحب اور مسنون فعل کو غلط اور منکر طور سے ادا کرے تو ہم اس کو سمجھائیں گے کہ دوست! زیارت اور مشاہد مبارکہ پر حاضری تو بہتر ہے باعث برکت و فیض اور تذکرہ آخرت ہے مگر جس طرح تم حاضری دیتے ہو اور جو اقوال وافعال زیارت کرنے کے وقت تم سے صادر ہوتے ہیں وہ ایسے ہیں جو اسی صاحب قبر بزرگ نے بھی نہیں کئے بلکہ اس کی ممانعت فرمائی ہے اگر ہمیں کچھ فیض و برکت حاصل کرنا ہے یا اللہ تعالیٰ سے اسی پیغمبر ﷺ یا ولی علیہ الرحمۃ کے وسیلہ سے سوال کرنا ہے تو اسی عقیدہ اور طریقہ کو اختیار کرنا پڑے گا جو ہمارے لئے مفید ہو اور اس پیغمبر ﷺ یا ولی علیہ الرحمۃ کیلئے باعث خوشی اور رفع درجات ہو لہذا زیارۃ القبور کے آداب جناب رسول اللہ ﷺ و صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور فقہاء و محدثین عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کی زبانی یہ ہیں اور اس کی روشنی میں ہم سب برکات اور دنیا و آخرت کی خوشی اللہ تعالیٰ کی رضا اور جناب رسول اللہ ﷺ کی شفاعت حاصل کر سکتے ہیں۔ آداب زیارۃ القبور کو ان شاء اللہ تعالیٰ اسی رسالہ کے آخر میں عرض کر دونگا۔

اور یا مقصد ادائے حق ہو کہ جا کر اپنے والد یا دوست کا حق بھی ادا کروں تو اس کو خاص والد یا دوست کی قبر پر جانا چاہئے۔

لخبر ابی نعیم من زار قبر والدیه او احدهما یوم الجمعة کان کحجة ولفظ البیهقی غفر له و کتب له براءة۔

کیونکہ ابو نعیم کی روایت ہے کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی تو اس کو ایک حج کی مانند (ان شاء اللہ تعالیٰ) تو ثواب ملے گا اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش اور جہنم سے بری ہو لکھ دے گا۔

وفی روایة ابن عدی عن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنه من زار قبر والدیه او احدهما یوم الجمعة فقرأیس غفر له کذافی شرح عین العلم للملاعلی القاری ج ۱ ص ۳۹۶۔

ایک دوسری روایت میں بھی ہے کہ جو ملا علی القاری نے ذکر کی ہے کہ جس نے اپنے والدین یا ان میں سے ایک کی قبر کی جمعہ کے دن زیارت کی اور سورہ یٰس پڑھ کر اس کا ثواب بخش دیا تو اس کی بخشش کی جائے گی۔

اور یا مقصد تانیس وانس اور رحمت ہو تو اس کو دوست اور محب کی قبر پر جانا چاہیئے۔

لخبر انس مایکون المیت فی قبره اذارأی من کان یحبه فی الدنیا (وفی شرح الشفاء للشهاب الدین الخفاجی ج۳ص ۱۱۵، ان المیت انس مایکون اذازاره من کان یحبه فی دار الدنیا وَفِي الْأَرْبَعين الطائية رُوِيَ عَن النَّبِي صلى الله عَلَيهِ وَسلم أَنه قَالَ آنس مَا يكون الْمَيِّت فِي قَبره إِذا زَارَهُ من كَانَ يُحِبهُ فِي دَار الدُّنْيَا)۔[1]

کیونکہ روایت میں ہے کہ جب میت کی قبر پر اس کا دوست اور محب آ جائے تو اس کے دیکھنے سے اس کو زیادہ انسیت اور محبت اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔

ولایسن سفر الرجل لاجل الزیارة الاقبر النبی ﷺ او عالم او صالح لانهم احیاء فی قبورهم ویعطی اللہ لارواحهم قوة الاجساد فیذهبون من الارض والسماء والجنة حیث

---

[1] شرح الصدور ص ۸۵۔

یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمرون اعدائھم ان شاءاللہ تعالیٰ ومن اجل ذلک الحیاۃ لاتأکل الارض اجسادھم ولااکفانھم۔[1]

اور کسی کو سفر کی زحمت کسی قبر کی زیارت کی وجہ سے نہیں اٹھانی چاہئے سوائے قبر نبی ﷺ۔یاعالم اور صالح کے کیونکہ یہ اپنی قبور میں زندہ ہیں اوراللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسمانی قوت کی طرح قوت عطافرمادیتاہے بلکہ اس سے بھی زیادہ قوت جس کی وجہ سے جہاں بھی جاناچاہیں توجاسکتے ہیں۔آسمان،زمین اور جنت ہر جگہ جاسکتے ہیں اوراگر اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتواپنے دوستوں کی امداد بھی کرتے ہیں اوردشمن کوشرمندہ،ذلیل اوربرباد کرلیتے ہیں چونکہ ان کی حیات بہت قوی ہے لہذاان کے کفن اوراجسام محفوظ رہتے ہیں اورزمین نقصان نہیں پہنچاتی۔

عید کے دن اور متبرک راتوں میں قبرستان جانا

وأفضل أيام الزيارة أربعة يوم الاثنين والخميس والجمعة والسبت والزيارة يوم الجمعة بعد الصلاة حسن ويوم السبت إلى طلوع الشمس ويوم الخميس في أول النهار وقيل في آخر النهار وكذا في الليالي المتبركة لا سيما ليلة براءة وكذلک في الأزمنة المتبركة كعشر ذي الحجة والعيدين وعاشوراء وسائر المواسم كذافي الغرائب۔[2]

ترجمہ:اورزیارت کے لئے افضل ترین دن پیر کادن ہے جمعرات اورجمعہ اورہفتہ اورزیارت جمعہ کے دن نماز کے بعد حسن ہے اورہفتہ کے دن طلوع آفتاب کے بعداور جمعرات کے دن اول النہاراور کہا گیاہے کہ آخرالنہاراوراسی طرح زیارت افضل ہے متبرک راتوں میں ضروربالضرور شب براءت میں اوراسی طرح متبرک زمانوں میں جیساکہ ذوالحجہ کے دس ایام اور عیدین اورعاشوراء اور باقی مواسم۔یہ عبارت غرائب میں ہے۔

---

[1] تفسیرمظھری ج ۱ ص ۱۵۲۔

[2] فتاویٰ الھندیۃ ج۵ ص ۳۵۰۔

فتاویٰ محمودیہ میں ہے:

مفتی محمود حسن گنگوہی ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ عید کا دن مسرت کا دن ہوتا ہے بسا اوقات مسرت میں لگ کر آخرت سے غفلت ہو جاتی ہے اور زیارت قبور سے آخرت یاد آتی ہے۔اس لئے اگر کوئی شخص عید کے دن زیارت قبور کرے تو مناسب ہے کچھ مضائقہ نہیں لیکن اس کا التزام خواہ عملاً ہی سہی جس سے دوسروں کو یہ شبہ ہو کہ یہ چیز لازمی اور ضروری ہے درست نہیں نیز اگر کوئی شخص اس دن زیارت قبور نہ کرے تو اس پر طعن کرنا یا اس کو حقیر سمجھنا درست نہیں۔[1]

عورتوں کا قبروں پر جانا

عورتوں کو قبروں پر جانے سے روکا گیا ہے اس حدیث کے پیش نظر جو ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔

وَرُوِيَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَحَسَّانَ، وَأَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «لَعَنْ زَائِرَاتِ الْقُبُورِ»[2]

کہ رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے۔

کیونکہ خواتین ضبط و تحمل پر قدرت نہیں رکھتیں۔اس لئے قبروں پر جا کر جزع فزع کرنے لگتی ہیں اور اکثر حد اعتدال سے بڑھ کر گستاخی بھی کر لیتی ہیں اور یہ سب ناجائز ہے۔ لہٰذا ہمارے فقہاء روایات کے اختلاف کی وجہ سے اس میں تفصیل کرتے ہیں۔ایک منع مطلقاً للحدیث المذکور ہے اور دوسرا جواز مطلقاً ہے۔لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا الحدیث

---

[1] فتاویٰ محمودیہ ج۹ص ۲۰۲۔

[2] السنن الصغير للبيهقي باب زيارة القبور ج ۲ ص ۳۷۔

كما ذكرت۔ کیونکہ ابتدائے اسلام میں مرد عورت دونوں کو منع کیا گیا تھا۔جب منع منسوخ ہوا تو اجازت مردوں عورتوں سب کو حاصل ہو گئی۔

تفصیل سوم **منع من وجه** اور **جواز من وجه** یعنی ایک لحاظ سے جائز اور دوسرے لحاظ سے منع، اگر مقصود زیارت سے ندبہ ونوحہ اور رونا پیٹنا وغیرہ کرنا ہو تب حرام ہے اور اسی وجہ سے جناب رسول اللہ ﷺ نے قبروں پر جانے والیوں پر لعنت کی ہے اور اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو تو جائز اور یہ محمل ہے حدیث **فزوروها** کی جس میں عام اجازت ہے مگر تحقیق یہ ہے کہ اگر عبرت اور برکت کیلئے ہو اور خوف، فتنہ وفساد نہ ہو تو جائز ورنہ نہیں۔پس بڑھیا عورتوں کے لئے جائز ہے کیونکہ ان میں خوف فتنہ نہیں اور جوان عورتوں کے لئے ناجائز۔جیسا کہ مساجد وجماعات میں آنا ناجائز ہے۔

مسلم شریف کی روایت ہے کہ:

أَنَّهَا سَمِعَتْ عَائِشَةَ زَوْجَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَقُولُ: «لَوْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأَى مَا أَحْدَثَ النِّسَاءُ لَمَنَعَهُنَّ الْمَسْجِدَ كَمَا مُنِعَتْ نِسَاءُ بَنِي إِسْرَائِيلَ»۔[1]

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ اگر دیکھتے ان منکرات وغیر شرعی امور کو جو عورتوں نے آپ ﷺ کے بعد ایجاد کئے ہیں اور وہ اس میں مبتلا ہوئی ہیں تو ضرور ان کو منع فرماتے جیسا کہ بنی اسرائیل کی عورتوں کو منع کیا گیا تھا۔

اس زمانہ میں جب خیر ون القرون کا زمانہ تھا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے عورتوں کی کم اعتدالی اور کم ضبطی کا اپنی فقاہت اور خداداد ذکاوت سے اندازہ لگایا کہ اگر یہ حالت جناب رسول اللہ ﷺ کی موجودگی میں ہوتی تو ضرور عورتوں کو مساجد کی حاضری سے منع فرماتے تو آج جب کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے زمانہ اور تعلیم سے اس قدر دوری ہے اور مسلمانوں کی مذہبی

---

[1] صحیح مسلم، بَابُ خُرُوجِ النِّسَاءِ إِلَى الْمَسَاجِدِ إِذَا لَمْ يَتَرَتَّبْ عَلَيْهِ فِتْنَةٌ، وَأَنَّهَا لَا تَخْرُجُ مُطَيَّبَةً، ج ۱ ص ۳۲۸۔

اورروحانی زندگی دن بدن تنزل میں جارہی ہے تو ایسے نازک اور پرفتن دور میں مستورات کو کس طرح زیارۃ القبور کی اجازت دی جائے۔ہاں اگر علمائے کرام جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں مستورات کو اس حدیث کی بناء پر کہ

"من حج البيت ولم يزرني فقد جفاني".[1]

"جو حج بیت اللہ کو آئے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر ظلم کیا"

"من زار قبري وجبت له شفاعتي".

"جس نے میری قبر کی زیارت کی اس کیلئے میری شفاعت واجب ہو گئی"

اجازت دیں تو مناسب ہے کیونکہ حضور ﷺ کے مزار اقدس کی وہ خصوصیات وبرکات ہیں جو اور میں نہیں آپ کے حرم کا وہ حصہ جو جسد اطہر سے ملا ہوا ہے وہ بیت اللہ اور عرش معلی سے بھی بہتر ہے اور صرف آپ ﷺ ہی کی زیارت کی خاطر سفر کرنا وسیلۂ شفاعت سے مشرف ہونا ہے۔"فكأنما زارني في حياتي" کے شرف سے مشرف ہونا ہے۔

قَالَ فِي شَرْحِ اللُّبَابِ: وَهَلْ تُسْتَحَبُّ زِيَارَةُ قَبْرِهِ - صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - لِلنِّسَاءِ؛ الصَّحِيحُ نَعَمْ بِلَا كَرَاهَةٍ بِشُرُوطِهَا عَلَى مَا صَرَّحَ بِهِ بَعْضُ الْعُلَمَاءِ. أَمَّا عَلَى الْأَصَحِّ مِنْ مَذْهَبِنَا وَهُوَ قَوْلُ الْكَرْخِيِّ وَغَيْرِهِ مِنْ أَنَّ الرُّخْصَةَ فِي زِيَارَةِ الْقُبُورِ ثَابِتَةٌ لِلرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ جَمِيعًا فَلَا إشْكَالَ. وَأَمَّا عَلَى غَيْرِهِ فَكَذَلِكَ نَقُولُ بِالِاسْتِحْبَابِ لِإِطْلَاقِ الْأَصْحَابِ، وَاَللَّهُ أَعْلَمُ بِالصَّوَابِ۔[2]

اورعلامہ شامی رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل فرمایاہے کہ شرح اللباب میں ہے کہ کیا مستورات کا جانا جناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر مستحب ہے ۔ صحیح یہ ہے کہ جائز اور مستحب

---

[1] (شفاء السقام الحديث الخامس مطبوعه مكتبه نوريه رضويه فيصل آباد ص ۲۹)

[2] ردالحمتار ج ۲ ص ۳۵۳۔

بلا کراہت ہے جب اپنی شرائط کے ساتھ ہو جو بعض علماء نے بیان کی ہیں اور بنابر اصح ہمارے مذہب حنفی کے (جو علامہ کرخی وغیرہ نے فرمایاہے وہ یہ ہے کہ اجازت زیارۃ القبور میں مرد اور عورت دونوں کو ثابت ہے) تو کوئی اشکال نہیں اور اس کے بغیر بھی ہم استحباب کے قائل ہیں بوجہ اطلاق اصحاب کے۔

بلکہ جناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس پر حاضری ان لوگوں کے اوپر واجب ہے جن کی استطاعت اور توفیق زادراہ ہو اور یہ بعض فقہاء کا مسلک ہے۔

اہل قبور سے خطاب اوران کا انس ورد سلام

اہل قبور اپنے عزیز اور مسلمان بھائیوں کے قبر پر آنے سے مانوس بھی ہوتے ہیں۔

اخرج ابن ابی الدنیافی کتاب القبور عن عائشة رضی اللہ تعالیٰ عنھاقالت قال رسول اللہ ﷺمامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا یستانس ورد علیه حتی یقوم۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ جو بھی اپنے عزیز بھائی مسلمان کی قبر پر جاکر سلام کہے اوراس کے پاس بیٹھ جائے تومیت اس کو سلام کا جواب دیتاہے اوراس کی رخصت تک اس سے مانوس بھی ہوتاہے۔ نیز:

واخرج ایضاً البیهقی فی الشعب عن ابی هریرة رضی اللہ تعالیٰ عنه قال اذامر الرجل بقبر یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام وعرفه و اذامر بقبر لا یعرفه فسلم علیه رد علیه السلام۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایاکہ جب کوئی مسلمان اپنی جان پہچان والے کی قبر پر گزرے اور اس کو سلام کرے تووہ صاحب قبر اس کو سلام کا جواب دیتاہے اور پہچانتاہے اوراگر صاحب قبر جان پہچان والانہ ہو اوراس نے سلام کیاتو صرف سلام کا جواب دیتاہے۔

واخرج ابن عبدالبر فی الاستذکار والتمھیدعن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھماقال قال رسول اللہ ﷺ مامن احدیمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیافیسلم علیہ الاعرفہ وردعلیہ السلام۔صححہ عبدالحق۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی اپنے مسلمان بھائی ،جان پہچان والے کی قبر سے گزرے اوراس کو سلام کرے تووہ صاحب قبر اس کو پہچانتاہے اور سلام کا جواب دیتاہے۔

وفی فتح الملھم ج ۲ ص ۵۰۸ علی ان الصواب ان المیت اھل للخطاب مطلقالماسبق من الحدیث مامن احد یمر بقبر اخیہ المؤمن کان یعرفہ فی الدنیافیسلم علیہ الاعرفہ وردعلیہ السلام۔

پس معلوم ہوا کہ اہل قبوراپنےزائرین سے جس وقت بھی جائیں مانوس ہوتے ہیں اوران کا سلام سن کر جواب دیتےہیں مگر ہم عوام الناس نہیں سنتے۔

واخرج الحاکم وصححہ والبیھقی عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ وقف علی مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حین رجع من احدفوقف علیہ وعلی اصحابہ فقال اشھدانکم احیاءعنداللہ فزوروھم وسلمواعلیھم فوالذی نفسی بیدہ لایسلم علیھم احدالاردواعلیہ الی یوم القیامۃ فی شرح الصدورو فی الباب عن ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنھمااخرجہ الطبرانی وفی الاوسط واخرج الحاکم وصححہ والبیھقی فی الدلائل من طریق العطاف بن خالدالمخزومی قال حدثنی عبدالاعلیٰ بن عبداللہ بن ابی بکر عن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان النبی ﷺ زارقبور الشھداءباحدفقال اللھم ان عبدک ونبیک یشھدان ھؤلاءشھداءوان من زارھم الی یوم القیامۃ ردواعلیہ۔

---

[1] شرح الصدور ص ۸۴۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ احد سے واپسی میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اوراس کے ساتھیوں کے پاس کھڑے ہو گئے اور خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اس بات کی گواہی دیتاہوں کہ تم خدا کے نزدیک زندہ ہو پس اے صحابہ ان کی زیارت کرواوران پر سلام کہو مجھے اس ذات کی قسم ہے جس کے دست قدرت میں میری جان ہے۔ قیامت تک جو شخص ان کی قبور کو آئے اور ان کو سلام کہے تو یہ سلام کا جواب دیتے رہیں گے۔

شہداءاور صلحاء کی قبور کو جب کوئی جائے اور سلام عرض کرے تو وہ جواب دیتے ہیں ایک اور روایت صحیحہ سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک دن جناب رسول اللہ ﷺ شہداء احد کے قبور کو تشریف لے گئے تو فرمانے لگے کہ اے باری الہ بے شک تیرا بندہ ورسول گواہی دیتاہے کہ یہ سب شہید ہیں اور جو قیامت تک ان کے مزارات پر آئے اوران پر سلام کہے تو یہ جواب دیتے رہیں گے۔

آداب زیارت قبور

بزرگوں کے مزارات پر جب آپ آجائیں تو زیارت کے آداب کو ضرور ملحوظ خاطر فرمائیں تب کچھ فیض ملے گا ورنہ سب تکلیف بے کار ثابت ہو گی۔ دنیامیں بھی جب آپ کسی سے ملتے ہیں تو اس کے سب آداب اور خوشنودی کے اسباب مہیا فرما کر ملنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر کسی بزرگ کامل سے آپ ملیں اور بے ادبی اور گستاخانہ کلمات اس کے سامنے کریں یاملاقات کے وقت اس سے اپنا کمر، پیٹ وغیرہ حصہ بدن میں سے ملیں یاالفاظ کفریہ منہ سے نکالیں تو وہ بزرگ کس قدر ناراض ہوں گے۔ اگر آپ کی مہمانی کی قدر وہ نہ کریں تو کسی سے دھکے دلوا کر اپنے احاطے سے نکالنے کی کوشش کریں گے۔

میرے دوستو!اسی طرح بزرگوں کے مزارات پر جاکرنہایت التزام سے آداب زیارت قبور کو جو صاحب شریعت نے تعلیم فرمائے ہیں اور سلف صالحین اور علماء ربانی کا معمول رہاہے اپنا معمول بنائیں ،ہم اس لئے جاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اوراپنے برگزیدہ بندوں کے طفیل ہمارے مقاصد پورے فرمائے،یایہ لوگ اللہ تعالیٰ کے جناب میں ہمارے لئے دعافرمادیں کہ ہمارا فلاں کام ہو جائے تو یہ جب ہی ہو گا کہ خلاف شریعت اور جاہلیت کے زمانہ کی رسوم سے ہم اپنی جان کو بچائیں۔

پس جب آپ کسی بزرگ کے مزار پر تشریف لے جاناچاہیں توبہتر ہو گا کہ آپ دورکعت نفل پڑھ کر اللہ تعالیٰ کی رضاکیلئے اوراس بزرگ کی روح پر ایصال ثواب فرمادیں اور جاتے وقت یہ عقیدہ رکھیں کہ کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے وہی مالک ہے اوراسی کے ہاتھ میں سب کچھ ہے، وہی عالم ظاہر وباطن کاہے وہی اگر چاہے توہو گا اگر نہ چاہے تونہ ہو گااوروہی متصرف فی الامورہے اوریہ بزرگ جس کی مزاراقدس پر جارہاہوں اس نے اپنی زندگی اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں گزاری ہے اوراللہ تعالیٰ کاخاص بندہ ہے بزرگوں اورنیک بندوں کی صحبت کاخاص اثر ہوتاہے خواہ وہ زندہ ہوں یاوصال پاچکے ہوں اوراللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہوتی ہیں اپنے بندوں پر حتیٰ کہ ان کے ہم نشیں کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نوازتاہے(لایشقی جلیسهم)اوربعدالوصال بھی اللہ تعالیٰ کی خاص نظر کرم ہوتی ہے اوران کے روح کا تعلق قبر مبارک اوربدن سے مکمل ہے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے زائرین کو دیکھتے ہیں اور پہچاننے والوں کو پہچانتے ہیں اوران کے سلام وکلام کو سنتے ہیں لہٰذامیں زیارت کو جاتاہوں اور علاوہ اور خیر وعبرت کے ان کے توسل سے اللہ تعالیٰ کی جناب میں سوال کروں گاکہ فلاں کام میرااللہ تعالیٰ ان کے طفیل اوربرکت سے سرانجام فرمادے یاجاکراس

بزرگ کے مزار پر کھڑے ہو کر اس سے سوال کروں کہ اللہ تعالیٰ عزوجل کے برگزیدہ بندے! اللہ تعالیٰ کی جناب میں میرے لئے دعا فرمائیے۔ یافلان کام کیلئے یافلان بن فلان کیلئے وغیرہ سوال فرمائیے کہ ایسا ہو جائے اور یہ عقیدہ رکھے کہ یہ بزرگان دین صرف وسائل اور ذرائع ہیں، کام کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے ہاں یہ ہے کہ چونکہ یہ بزرگان دین اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ محض فضل وکرم سے اپنے محبوبین کی دعا کو قبول فرماتا ہے۔(لو اقسم علی اللہ لابرہ کمافی الحدیث) یہاں تک اللہ تعالیٰ کے یہ محبوب بندے اپنے خالق ومعبود حقیقی پر بھروسہ رکھتے ہوئے جب قسم اٹھا کر فرماتے ہیں کہ یہ کام ہو گا تو اللہ تعالیٰ اپنے تعلق خاص کی وجہ سے ان کو اپنی قسم میں بری اور کامیاب فرماتا ہے اور ان کو رسوائے عالم نہیں فرماتا۔

وفی شرح اللباب للملاعلی القاری ثم من آداب الزیارة ماقالوا من انه یأتی الزائر من قبل رجل المتوفی لا من قبل رأسه لانه اتعب لبصر المیت بخلاف الاول لانه یکون مقابل بصره لکن هذا اذا امکنه۔ ومن آدابها ان یسلم بلفظ السلام علیکم علی الصحیح لا علیکم السلام فانه ورد السلام علیکم دار قوم مؤمنین وانا ان شاءاللہ بکم لاحقون ونسأل لنا ولکم العافیة، ثم یدعو قائماً طویلا وان جلس یجلس بعیدا اوقریبا بحسب مرتبته فی حال حیاته ۔شامی مختصرا ج ۱ ص ۸۴۳ وفی عین العلم ج ۱ ص ۳۹۴ ویسلم ویقف مستدبر القبلة الخ وفتح الربانی شرح مسند امام احمد ص ۱۸۷ قال الحافظ ابو موسیٰ الاصفهانی فی کتابه آداب زیارة القبور الزائر بالخیار ان شاء زار قائما وان شاء قعد کما یزور الرجل اخاه فی الحیاة فربما جلس عنده وربما زار قائماً او مالا (علی اختلاف الاحوال) قال ابو موسیٰ وقال الامام ابو الحسن محمد بن مرزوق الزعفرانی وکان من الفقهاء المحققین فی کتابه فی الجنازة ولا یستلم القبر بیده ولا یقبله قال وعلی هذا مضت السنة قال ابو موسیٰ وقال الفقهاء المتبحرون الخراسانیون المستحب فی زیارة القبور ان یقف مستدبر القبلة مستقبلا وجه المیت یسلم ولا یمسح القبر ولا یقبله ولا یمسه۔

وکذلک الداعی فی المسجدالنبوی ان یجعل وجهه الی القبرویسئل من المولیٰ الجلیل متوسلابنبیه الفخیم النبیل، کماذکره الملاعلی القاری رحمه اللہ تعالیٰ فی المسلک والمنقسط فقال ثم اعلم انه ذکربعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعه کالکرمانی والسروجی انه یقف الزائرمستقبل القبلة کذارواه الحسن رحمه اللہ تعالیٰ عن ابی حنیفة رحمه اللہ تعالیٰ ثم نقل عن ابن الھمام بان مانقل عن ابی اللیث مردودبماروی ابوحنیفة رحمه اللہ تعالیٰ عن ابن عمررضی اللہ تعالیٰ عنھماانه قال من السنة ان تأتی قبررسول اللہ ﷺ وتستقبل القبربوجھک ثم تقول السلام ایھاالنبی ورحمة اللہ وبرکاته ثم ایده بروایة اخری اخرجھاالمجدالدین اللغوی عن ابن المبارک قال سمعت اباحنیفة رحمه اللہ تعالیٰ یقول قدم ابوایوب السحتیانی واناب المدینة فقلت لانظرن مایصنع فجعل ظھره ممایلی القبلة ووجھه ممایلی وجه رسول اللہ ﷺ وبکی غیرمتباک فقام مقام فقیه ثم قال العلامة القاری بعدنقله وفیه تنبیه علی ان ھذاھو مختارالامام بعدماکان مترددافی مقام المرام ثم قال الجمع بین الروایتین ممکن الخ کلام الشریف فظھربھذاانه یجوزکلاالامرین لکن المختاران یستقبل وقت الزیارة ممایلی وجھه الشریف ﷺ وھوالماخوذبه عندناوعلیه عملناوعمل مشائخناوھکذاالحکم فی الدعاء کماروی عن مالک رحمه اللہ تعالیٰ لماسأله بعض الخلفاء(کمانقله القاضی عیاض فی الشفاءوذکرته فی کتاب الوسیلة الصادقة) وقدصرح به مولاناالگنگوھی فی رسالته زبدة المناسک وامامسئلة التوسل فقدذکرتھاوبینتھافی کتاب الوسیلة الصادقة فتدبر۔

لہٰذاجب آپ زیارت کو آناچاہیں تواس بزرگ کے پاؤں کی طرف سے آیاکریں کیونکہ اہل قبوراوراولیاءاللہ تواپنے زائرین کو دیکھتے ہیں اوران کارخ قبلہ کی طرف ہوتاہے توجب پاؤں کی طرف سے آناہوتاہے توانکودیکھنے میں تکلیف نہیں ہوتی بلکہ نظرآتے ہوئے سامنے آجاتے ہیں اورسر کی طرف سے نہ آئیں کیونکہ دیکھنے میں پھران کوتکلیف ہوتی ہے مثلاًاسی زندگی میں اگرایک دوست

محب میرے سامنے آئے تو مجھے دیکھنے میں کوئی تکلیف نہیں ہو گی اگر پیچھے کی طرف سے آئے یا شمال جنوب کی سمت پر لیٹا ہوا ہوں اور سر کی طرف سے آئے تو مجھے ضرور تکلیف سے دیکھنا پڑے گا۔

اسی طرح اہل قبور کی بھی رعایت کی گئی ہے کہ اس طرح قبر کو آنا چاہیئے جس سے انکو آپ سے ملاقات کرنے میں تکلیف نہ ہو لہٰذا صاحب قبر کے پاؤں کی طرف سے ہو کر قبلہ کی طرف پشت کر کے اتنا دور کھڑے ہو جائیں جس طرح اس دنیاوی زندگی میں اپنے دوست اور ملنے والوں سے ملاقات کے وقت دور کھڑے رہتے ہیں اور کھڑے ہو کر سلام عرض کریں۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، نَسْأَلُ اللهَ لَنَا وَلَكُمُ الْعَافِيَةَ۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ، وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ، أَنْتُمْ لَنَا فَرَطٌ وَنَحْنُ لَكُمْ تَبَعٌ، أَسْأَلُ اللهَ الْعَافِيَةَ لَنَا وَلَكُمْ۔

السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ وَأَتَاكُمْ مَا تُوعِدُونَ غَدًا مُؤَجَّلُونَ وَإِنَّا إِنْ شَاءَ اللهُ بِكُمْ لَاحِقُونَ۔

غرض یہ کہ سلام عرض کریں اوراحادیث سے مختلف الفاظ میں دعائیں منقول ہیں جو بھی میسر ہو عرض کریں (اسی طرح جناب رسول اللہ ﷺ کے مزار اقدس کے سامنے کھڑا ہونا ہے مگر وہاں پر السَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ، اور صلوۃ وسلام پڑھنا ہو گا۔)

قبر کے سامنے کھڑا ہونا یا بیٹھنا ہر دو جائز ہیں۔ یہ ضروری نہیں کہ آپ کھڑے رہیں۔(بعض حضرات سلام کرنے کے بعد دعا کے وقت سر کی طرف قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کرتے ہیں تو یہ بھی جائز ہے مگر مختار اول ہے۔)

سلام کے بعد قرآن شریف میں سے جو سورت یا آیات یاد ہوں بغرض ایصال ثواب پڑھیں۔ سورہ فاتحہ اور گیارہ مرتبہ قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ یا سورۂ یسین اگر پڑھیں تو اس کا ثواب بھی بہت زیادہ ہے۔اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے اس بزرگ کی بخشش اور رفع درجات کیلئے دعا مانگیں اور پھر اللہ تعالیٰ سے ان کے وسیلہ اور ذریعہ سے اپنے لئے اور دوستوں کیلئے دعا مانگیں دعا کر کے اپنی ضروریات و کام کاج یا واپسی کا انتظام کریں۔

قبر شریف کا طواف (جس سے صاحب قبر کو سخت تکلیف ہوتی ہے اور غضب کی نگاہ سے دیکھ دیکھ کر ناراض ہوتا ہے اور عبادت کی نیت سے طواف تو پھر کفر ہے جو ہر لحاظ سے باعث خسران اور تباہی ہے) اور اس کو ہاتھ بغرض ثواب وعبادت لگانا یا اس کو بوسہ یا پشت وچھاتی کے ساتھ ملنا گستاخی اور احادیث وفقہاء احناف کے مسلک کے خلاف اور باعث ناراضگی اللہ تعالیٰ ہے اور اپنے مقاصد میں اپنے آپ کو ناکام بنانا ہے اور نہ ایسے افعال سے صاحب قبر خوش ہوتا ہے بلکہ ان کے لئے باعث تکلیف ہے۔

پس اگر عوام میں سے اس فعل کا کوئی مرتکب ہو جائے تو بغیر کسی تأمل و تحقیق کے شرک اور کفر کا فتویٰ اس پر لگانا اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالنا ہے بلکہ اپنے لئے اور اس کے لئے استغفار پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگ کر احسن طریقہ سے سمجھانے کی کوشش فرمائیں۔

شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ فتاویٰ عزیزی ص (۴۲۵) اور (۴۲۶) میں فرماتے ہیں کہ جب عوام مؤمنین کی قبر کی زیارت کیلئے جائے تو پہلے قبلہ کی پشت کر کے اور میت کے سینہ کے سامنے منہ کرے اور سورہ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورۃ اخلاص تین مرتبہ پڑھے اور جب مقبرہ میں جائے تو یہ کہے۔ السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الدِّيَارِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ يَغْفِرُ اللهُ لَنَا وَلَكُمْ، وَإِنَّا إِنْ

شَاءَ اللّٰہُ بِکُمْ لَاحِقُونَ۔یعنی سلام ہے تم لوگوں پر اے اہل دیار مؤمنین اور مسلمین ، بخشش فرمادے اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم ان شاءاللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔

اور اگر منجملہ اولیاء اور صلحاء کے کسی بزرگ کی زیارت کیلئے جائے تو چاہیئے کہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف منہ کرکے بیٹھے اور اکیس مرتبہ چار ضرب سے یہ پڑھے۔«سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَۃِ وَالرُّوحِ» اور سورۃ قدر تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کرے اور دل کو اس بزرگ کے سینہ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کی روح کی برکات زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچے گی(اور یہی طریقہ ان کا کمال معلوم کرنے کیلئے بھی ہے۔)کہ فاتحہ اور درود اور«سُبُّوحٌ قُدُّوسٌ» کے بعد جب اپنا دل صاحب قبر کے سینہ کے سامنے کرے تو اگر اپنے دل میں راحت اور تسکین اور نور معلوم ہو تو جاننا چاہیئے کہ قبر کسی بزرگ صاحب کمال کی ہے(اور اگر صاحب قبر ایک مشہور اور صاحب کمال بزرگ ہے اور تواتر سے ان کا کمال ثابت ہوا ہے تو پھر معلوم کرنے کی کچھ ضرورت بھی نہیں۔)

میرے دوستو!یہ طریقہ اور آداب زیارۃ القبور کے ہیں اور وہی عقیدہ صحیحہ جو پہلے عرض کرچکا ہوں ہر زائر کو رکھنا چاہیئے اور یہی مسلک اہل السنت والجماعت اور اکابر دارالعلوم دیوبند کا معمول بہ اور مفتٰی بہ ہے۔

اولیاءاللہ تعالیٰ رحمہم اللہ تعالیٰ ودیگر قبروں کا طواف کرنا جائز ہے

مسلک متقسط میں ہے:

لایطوف ای لایدور حول البقعة الشریفة لان الطواف من مختصات الکعبة المنیفة فیحرم حول قبور الانبیاء والاولیاء۔

اور متبرک مقام کا طواف نہ کرے یعنی اس کے گرداگرد نہ گھومے، اس لئے کہ طواف کرنا کعبہ معظمہ کی خصوصیات سے ہے۔ لہذا انبیاء کرام اور اولیائے عظام کی قبروں کے آس پاس گھومنا (طواف کرنا) حرام ہے۔[1]

اوراگر غرض وغایت تعظیم نہ ہو اگر چہ طواف مقصد لذاتہ ہو جیسے قسم دوم میں۔ یا طواف مقصود لذاتہ نہ ہو اگرچہ غرض تعظیم ہو جیسے قسم سوم میں، تو بلاشبہ جائز ہے۔ اور اگر دونوں سے خالی طواف ہو جیسے قسم اول میں تو یہ بدرجہ اولیٰ۔ یہ بحمداللہ تحقیق ناصح ہے۔ جس سے حق متجاوز نہیں۔ وللہ الحمد طواف قبر بھی اس کلیہ سے باہر نہیں ہوسکتا اگر دونوں باتیں جمع ہیں یعنی طواف خود مقصود بالذات ہے اور اس سے تعظیم ہی مراد ہے تو بلاشبہہ حرام ہے۔ اوراگر طواف کسی اور فعل کا وسیلہ ہے مگر مکان مزار کے گرد قلعی کرنا یا فانوس کہ اس کے اطراف میں نصب ہیں ان کی روشنی کے لئے دورہ کرنا یا مساکین کہ گرد مزار بیٹھے ہیں ان پر کچھ تقسیم کے لئے پھیرا کرنا، یہ بلاشبہہ جائز ہے۔ یونہی اگر طواف مقصود بالذات ہو مگر اس سے غرض وغایت تعظیم مزار نہ ہو بلکہ مثلا محض تبرک و استفادہ ہو تو اس کے منع پر بھی شرع سے کوئی دلیل نہیں۔ مزار انور حضور سید اطہر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر تو ثابت ہے کہ روزانہ صبح کو ستر ہزار فرشتے نازل ہوتے ہیں اور مزار اطہر

---

[1] (المسلک المتقسط فی المنسک المتوسط مع ارشاد الساری باب زیارۃ سید المرسلین دارالکتب العربی بیروت ص ۳۴۲)

کے گرد حلقہ باندھے صلوٰۃ وسلام عرض کرتے شام کو وہ بدل دئے جاتے ہیں اور ستر ہزار اور آتے ہیں کہ صبح تک ماہ رسالت پر ہالہ ہو کر عرض صلوٰۃ وسلام کرتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ہر گلے رارنگ وبوئے دیگر است (ہر پھول کا ایک نیارنگ اور جداگانہ خوشبو ہے۔)

محبوبان خدا کے مقام متفاوت ہوتے ہیں اور افاضہ برکات میں ان کے احوال مختلف اور مفیض مستفیض میں کچھ نسبت خفیہ ہوتی ہے جو اسے معلوم نہیں کہ ان میں کس کے ساتھ حاصل ہے لہذا یہ دریوزہ گر محتاج روضہ اطہر کے گرد دورہ کرتا ہے اس امید پر کہ ان بندگان معصومین پر فردا فردا گزرے اور ان میں سے جس کسی کی نظر اس پر پڑ جائے اس کا کام بنادے، علامہ مناوی تیسیر شرح جامع صغیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت سیدی شیخ الشیوخ شہاب الملۃ والحق والدین سہروردی قدسنا اللہ الکریم ایام منٰی میں مسجد خیف شریف میں صفوں پر دورہ فرماتے ہیں (گھومتے رہتے تھے)۔ کسی نے وجہ پوچھی، فرمایا: **ان اللہ عبادا اذا نظروا الی احد اکسبوہ سعادۃ الابد**، اللہ کے کچھ بندے ہیں کہ جب ان کی نگاہ کسی پر پڑ جاتی ہے اسے ہمیشہ کی سعادت عطا فرماتی ہے میں اس نگاہ کی تلاش میں دورہ کرتا ہوں۔[1]

تو یہ تعرض نفحات رحمۃ اللہ ہوا جس کا خود حدیث میں حکم ہے۔ اولیائے کرام وارثان سرکار رسالت ہیں ممکن کہ ملائکہ انکے مزارات کے گرد بھی ہوں اور ایسے امور میں علم درکار نہیں۔ تعرض نفحات کی شان ہی یہ ہے کہ شاید ولعل پر ہو۔ معہذا مزارات اولیائے کرام ہر جانب سے ممر اقدام صلحائے عظام ہوتے ہیں، سیدنا عیسٰی علی نبینا الکریم وعلیہ الصلوٰۃ والتسلیم سے عرض کی گئی کہ حضور ایک جگہ قیام کیوں نہیں فرماتے، شہروں شہروں جنگلوں جنگلوں دورے کیوں فرماتے ہیں؟

---

[1] (التیسیر شرح الجامع الصغیر)

فرمایا:"اس امید پر کہ کسی بندہ خدا کے نشان قدم پر قدم پڑ جائے تو میری نجات ہو جائے" جب نبی اللہ ورسول اللہ کہ خمسہ اولوالعزم میں ہیں کہ صلوات اللہ وسلام علیھم، ان کا یہ ارشاد تواضع ہے تو ہم سخت محتاج ہیں علاوہ بریں یہاں تک نکتہ دقیقہ اور ہے۔ وَ مَا یُلَقّٰھَا اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ (حم السجدۃ ۳۵) (اس کو بڑی قسمت اور مقتدر والے ہی پاسکتے ہیں۔)[1]

شریعت مطہرہ نے انسان کے سر سے پاؤں تک جمیع جہات میں جدا جدا احکام رکھے ہیں، چہرہ پر جو احکام ہیں پاؤں پر نہیں۔ دہنے ہاتھ پر جو احکام ہیں پاؤں پر نہیں۔ وعلی ہذا القیاس اور احکام مختلفہ کے ثواب بھی مختلف رنگ کے ہیں۔ یونہی سر سے پاوں تک جملہ جوارح میں معاصی جدا جدا ہیں۔ اور ہر معصیت ایک جداگانہ رنگ کا مرض ہے۔ اور ہر مرض کا علاج اس کی ضد سے ہے۔ تو یہ مریض معاصی اس سراپا مجموعہ برکات کے گرد دورہ کرتا ہے کہ اس کے ہر عضو وہر جہت کی رنگ برنگ برکات سے فیض اور اپنے ہر عضو وہر جہت کا مرض دور کرے، امام مبرد کامل میں پھر امام علامہ عارف باللہ کمال الدین دمیری پھر سیدی علامہ محمد بن عبداللہ زرقانی شرح مواہب لدنیہ میں فرماتے ہیں: مما کفر به الفقهاء الحجاج انه رأى الناس يطوفون حول حجرته صلى الله تعالٰى عليه وسلم فقال انما يطوفون باعواد ورمة۔ یعنی حجاج نے مسلمانوں کو دیکھا کہ روضہ انور حضور سید عالم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کا طواف کررہے ہیں اس طواف پر اس نے ایک نہایت ملعون لفظ کہا جس پر فقہاء کرام نے اس کی تکفیر کی۔[2]

---

[1] (القرآن الکریم ۴۱/ ۳۵)

[2] (الشرح الزرقانی علی المواہب اللدنیہ)

وہ زمانہ بکثرت صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی رونق افروز کا تھا خصوصا مدینہ طیبہ میں تو یہ طواف کرنے والے حضرات اگر صحابہ کرام نہ تھے لا اقل تابعین تھے۔

مکتوب نمبر ۹۰

[خواجہ قاسم کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کی ترغیب میں کہ مکمل طور پر حق سبحانہٗ کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے۔ اور آج اس دولت کا حصول اس طبقہ علیہ نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم کے ساتھ اخلاص اور ان کی طرف توجہ اور رجوع کے ساتھ وابستہ ہے۔

حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس کمینی دنیا کو آپ کی نظر میں خوار و بے اعتبار کر دے اور آخرت کے حسن و جمال کو آئینۂ باطن میں آراستہ اور مزین کر دے۔ بحرمۃ سید البشر جو نظر کی کجی سے پاک وطاہر تھے علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔

آپ کا التفات نامہ گرامی معزز ہدیوں کے ساتھ موصول ہوا۔ آپ نے کرم نوازی فرمائی۔ جَزَاکُمُ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ خَیْرَ الْجَزَاءِ۔

جو نصیحت محبوں اور مخلصوں کو کی جاتی ہے سب کی سب یہی ہے کہ مکمل طور پر پوری توجہ اور رجوع جناب قدس خداوندی عزشانہٗ کی طرف میسر آنا چاہیئے اور غیرِ حق تعالیٰ سے اعراض کرنا چاہیئے۔

کار این ست غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: کرنے کا کام یہی ہے، اس کے سوا سب ہیچ ہے۔]

تشریح

محب اور محبوب میں فرق

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے مشارب سے فیض پانے والا سالک محب کہلاتا ہے۔ محب کو ظلی مقامات سے فیض آتا ہے۔ پہلے چار لطائف حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ مخصوص ہیں۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفتِ تکوین سے فیض آتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفتِ علم سے فیض ملتا ہے، حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صفتِ کلام سے فیض اخذ کرتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو صفتِ قدرت سے فیض آتا ہے۔ جبکہ ہمارے آقا و مولیٰ حضرت رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو شان العلم سے فیض ملتا ہے۔ شان العلم اور صفت العلم کے درمیان ایک پردہ ہے جو ان دونوں کو ایک دوسرے سے جدا کرتا ہے اور اسے برزخ کہتے ہیں۔ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسی جگہ سے فیض ملتا ہے، پس حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علاوہ باقی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے فیض اخذ کرنے والے سالک محب کہلاتے ہیں، جبکہ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے فیض لینے والے سالک محبوب کہلاتے ہیں، پس ہمارے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی الگ شان ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ مُحب کو مُرید اور محبوب کو مُراد بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

موسیٰؑ ز ہوش رفت از یک تجلی صفات

توؐ عین ذات می نگری و در تبسمی

ترجمہ: حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف تجلیٔ صفات سے ہوش و حواس کھو بیٹھے (اور بے ہوش ہو گئے) لیکن (اے آقا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) آپ عین ذاتِ خداوند اقدس کا مشاہدہ کر رہے ہیں اور (قوتِ باطنی کا یہ حال ہے کہ) تبسم بھی فرما رہے ہیں۔

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ ایک سالک جس نبی کے مشرب ہوتا ہے وہ عین اُس صفت پر فائز نہیں ہوتا جس صفت سے اُس نبی کو فیض ملتا ہے بلکہ اُس صفتِ خدا کا اثر سالک میں نمودار ہوتا ہے۔

مُحب وحدت در کثرت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا نظارہ کرتا ہے یعنی محب کو ہر چیز میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نظر آتا ہے، وہ ان کیفیات میں اپنے آپ کو بھی خدا سمجھنے لگتا ہے جبکہ محبوب اپنے آپ کو بندہ تصور کرتا ہے اور خدا کو خدا جانتا ہے۔

پس جو سالک مجذوبیت میں ہوتا ہے وہ محمدی المشرب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نہیں ہوتا بلکہ دوسرے مشارب میں سے کسی مشرب پر فائز ہوتا ہے۔ اور محب اور محبوب میں یہی باریک فرق ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ان مختلف مشارب کے لوگوں کو کیوں پیدا کیا ہے اور اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جس وقت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنی صفات کو عدمات کی طرف متوجہ کیا تو جس کسی صفت کے اثر سے کسی شخص نے زیادہ اخذ کیا وہ اسی مشرب پر ہو

گیا۔ مثلاً جس نے صفتِ تکوین کے اثر سے فیض اخذ کیا وہ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشرب پر ہو گیا اور جس نے صفتِ علم کے اثر سے فیض اخذ کیا وہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشرب پر ہو گیا اور جس نے صفتِ کلام کے اثر سے فیض اخذ کیا وہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشرب پر ہو گیا اور جس نے صفتِ قدرت کے اثر سے فیض اخذ کیا وہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مشرب پر ہو گیا اور جس نے شان العلم سے اخذِ فیض زیادہ کیا ہے وہ مشربِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر فائز ہو گیا۔ سالکوں میں قلب، روح، سر اور خفی کے لطیفہ پر احساس کرنے والے زیادہ ہوتے ہیں مگر اخفٰی کے لطیفہ پر احساس کرنے والے سالک بہت ہی کم ہیں تو سالک جس لطیفہ پر زیادہ احساس کرے وہ اسی لطیفہ کے مشرب پر ہوتا ہے۔

[آج اس دولتِ عظمیٰ کا حصول اس بلند طبقہ نقشبندیہ کے ساتھ کامل اخلاص اور اس کی طرف توجہ اور رجوع کے ساتھ وابستہ ہے۔ ریاضاتِ شاقہ اور مجاہداتِ شدیدہ سے بھی وہ چیز میسر نہیں آسکتی جو ان بزرگوں کی ایک صحبت سے میسر آجاتی ہے۔ کیونکہ ان بزرگوں کے طریقے میں نہایت بدایت میں درج ہے۔ یہ بزرگ پہلی صحبت میں وہ کچھ عطا کر دیتے ہیں جو منتہیوں کو انتہاء پر جا کر میسر آتی ہے۔ ان بزرگوں کا طریقہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی اول صحبت میں وہ کمالات میسر آگئے جو اولیاءِ امت کو نہایت پر پہنچ کر بھی شاید ہی میسر ہوں۔ اور یہ چیز نہایت کے بدایت میں درج ہونے کے طور پر ہے۔ تو تم پر ان اکابر کے ساتھ محبت وعقیدت رکھنا لازم ہے۔ کیونکہ اس محبت پر ہی معاملے کا دارومدار ہے۔ آپ پر اور تمام ہدایت کے پیروکاروں اور مصطفیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت کرنے والوں پر رحمت وسلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

ریاضتِ شاقہ سے شاذ ونادر ہی کوئی صوفی بن سکتا ہے، مگر کامل و مکمل اولیاء کرام کی مجلس میں اخلاص و محبت کے ساتھ بیٹھنے سے انسان جلد صوفی بن جاتا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ ریاضتِ شاقہ میں شیطان انسان کو غرور و تکبر اور وساوس کے ذریعے بہت جلد گمراہ کرتا ہے اور کامل و مکمل اولیاء کرام کی مجلس میں ایک مرتبہ محبت واخلاص کے ساتھ بیٹھنے سے سو سال کے برابر منازل طے ہو جاتی ہیں۔

اسی لئے حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

یک زمانہ صحبت باولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

ترجمہ: اگر میں دونوں جہانوں میں تھوڑی دیر کے لئے بھی دوست (شیخ کامل و مکمل) کے ساتھ سانس لوں (یعنی اُن کی مجلس اختیار کروں) تو میرے لئے دونوں جہان کا حاصل وہی سانس (مجلسِ اولیاء کرام) ہو گی۔

حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بہت زیادہ اطاعت و فرمانبرداری کی مگر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبتِ بابرکت اختیار نہ کر سکے۔ جس کی وجہ سے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعی کے درجہ تک تو پہنچ گئے مگر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ حاصل نہ کر سکے۔ اور ان کے برعکس حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قاتل تھے، حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پہلی صحبت بابرکت میں ایمان لانے سے صحابی

کے درجے تک پہنچ گئے۔ حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چونکہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کیا تھا تو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرمایا کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان تو لے آئے مگر میرے آمنے سامنے نہ بیٹھنا کیونکہ مجھے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یاد آتی ہے اس بات سے حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت زیادہ پریشان ہوئے کہ میں نے کتنا بڑا جُرم کیا ہوا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھے اپنی صحبت بابرکت میں آمنے سامنے بیٹھنے سے منع فرمادیا ہے تو حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی۔

اس پریشانی کے سبب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان کی یہ آیت مبارکہ نازل فرمائی کہ:

لَا تَقْنَطُوا مِنْ رَحْمَةِ اللّٰہِ (الزمر ۵۳)

ترجمہ: اللہ کی رحمت سے نااُمید نہ ہو۔

جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس کے بعد حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت وحشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اب میری مجلس میں جہاں جی چاہے بیٹھ جایا کرو۔ متوجہ ہونے کی بات ہے کہ حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ساری عمر ریاضتِ شاقہ کی مگر صحابی کے درجہ کو نہ پہنچ سکے اور حضرت وحشی بن حرب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک مجلس ہی میں صحابیت کے درجے تک پہنچ گئے کیونکہ صحبت میں محبت واخلاص اور دینِ اسلام کے احکامات سیکھنے کی نیت سے حاضر ہوں۔ اس کے ساتھ ساتھ باطنی طور پر تجلیاتِ الٰہی کا پَرتو بھی پڑتا رہے گا اور سلوک کی منازل طے ہوتی جائیں گی۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ ما سویٰ اللہ سے نجات اور غیرِ حق سے اعراض، فنائے قلب اور تزکیۂ نفس سے مربوط ہے۔ یہ نعمتِ عظمیٰ اور دولتِ قصویٰ ریاضاتِ شاقہ اور مجاہدات شدیدہ سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اخلاص اور ان کی توجہات قدسیہ کی بدولت حاصل ہوتی ہے۔

یوں معلوم ہوتا ہے جیسے تحدیثِ نعمت کے طور پر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اپنی طرف اشارہ فرمارہے ہیں کہ جو شخص اخلاص وارادات کے ساتھ ہماری مجلس میں حاضر ہو تو ہم اسے پہلی توجہ سے ہی فنائے قلب کا مرتبہ عطا کر دیتے ہیں جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو صحبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی برکت سے پہلی ہی مرتبہ وہ کچھ مل جاتا تھا جو جلیل القدر اولیائے کاملین کو انتہاء میں بھی مشکل سے ملتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس طریقہ کو بعینہٖ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا طریقہ فرمایا گیا ہے۔ وَلِلّٰہِ الْحَمْد

(البینات شرح مکتوبات، ج ۳، ص ۱۳۸)

مکتوب نمبر ۱۹

[شیخ کبیر کی طرف صادر فرمایا:

اس امر کے بیان میں کہ عالمِ قدس کی طرف پرواز کرنے کے لئے دو پر ضروری ہیں۔

ایک تصحیحِ عقائد اور دوسرا اعمالِ صالحہ کی بجا آوری۔ اور اعمالِ شریعت اور احوالِ حقیقت سے مقصود تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں روشن سُنت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت پر استقامت نصیب فرمائے۔

کرنے والا ضروری کام یہ ہے کہ اولاً علمائے اہل سنت وجماعت کی آراء کے مطابق عقائد درست کئے جائیں۔ کیونکہ فرقۂ ناجیہ (نجات پانے والا) یہی گروہ ہے۔ پھر اس کے بعد احکامِ فقہیہ کے مطابق علم و عمل کو اپنے اوپر لازم کر لینا چاہیئے۔ ان دو اعتقادی اور عملی پَروں کے حاصل ہونے کے بعد عالمِ قُدس کی طرف پرواز کرنا چاہیئے۔

کار این ست و غیر ایں ہمہ ہیچ

ترجمہ: کرنے کا کام یہی ہے، اس کے سوا سب ہیچ ہے۔

اعمالِ شریعت اور احوالِ طریقت و حقیقت سے مقصود اور غرض وغایت تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب ہے۔ جب تک نفس تزکیہ پزیر نہیں ہوگا اور قلب کو سلامتی نصیب نہیں ہوگی، ایمانِ حقیقی جس پر نجات کا انحصار ہے میسر نہیں آسکتا۔ سلامتی قلب اس وقت وجود میں آتی ہے جبکہ دل پر غیر خدا تعالیٰ کے خیالات کا گزرنا بالکل بند ہو جائے۔ اگر ہزار برس بھی گزر جائیں دل میں غیر خدا کا گزر نہ ہو، کیونکہ اس وقت ہی دل کو غیرِ خدا کا نسیان پورے طور پر میسر آتا ہے۔ اور اس کی نشانی یہ ہے

کہ اگر غیرِ خدا کو تکلف اور کوشش سے بھی دل میں لانا چاہیں تو نہ آ سکے۔ اس حالت کو لفظِ فنا سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ اس راستے میں پہلا قدم ہے۔ اس کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً۔]

تشریح

عالمِ قدس سے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی مراد منازلِ جذبہ وسلوک ہیں اور ان منازل کی طرف پرواز کرنے کے لئے دو پروں کا ہونا لازم وضروری ہے۔ جیسے ایک پرندے کو ہوا میں اُڑنے کے لئے دو پر درکار ہوتے ہیں۔ اگر ان میں نقص پیدا ہو جائے یا ایک پَر ٹوٹ جائے تو دوسرے اکیلے پر کے ساتھ اُڑنا ممکن نہیں رہتا۔ یہی حال سلوک کا ہے کہ اس کی باطنی پَرواز کے لئے دو ظاہری پَروں کا ہونا لازمی ہے۔ ان دو پَروں میں سے پہلا اور سب سے زیادہ ضروری پَر عقائد کی درستگی ہے اور حدیثِ مبارکہ کی رُو سے نجات پانے والے (ناجیہ فرقہ) اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح فرض ہے۔ اور اہل سنت وجماعت کے عقائد کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح فرض ہے۔ اور اہلِ سنت وجماعت کے عقائد کی اولین کتاب "فقہ اکبر" ہے جسے خود حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصنیف فرمایا ہے اور اس کی اَولین تشریح حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے خلفِ رشید حضرت حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "نورِ ظلم" کے نام سے کی ہے، مدارس میں پڑھائی جانے والی "شرح العقائد النسفی" بھی اس کی جامع شرح ہے، لیکن اسے سمجھنے کے لئے ابتدائی کتابوں کا کسی باعمل عالم سے پڑھنا ضروری ہے۔

آج کل عوام کی تو بات ہی کیا۔ خواص بھی عقائد کے لئے ان اصل کتابوں کی طرف رجوع نہیں کرتے اور اُردو میں لکھی جانے والی کُتب ورسائل سے ہی پڑھ لیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ

قُرونِ اولیٰ سے پوری اُمت کے علماء واسلاف نے جو عقائد سیکھے ہیں ان کے ساتھ موجودہ کتابوں اور رسائل کی مطابقت بھی ہے یا تحریف وترمیم کر دی گئی ہے۔ مسلکی اختلافات کی موجودہ حالت میں اگر ہم ان قدیم ومستند کتابوں کو کسوٹی اور فیصل مان لیں تو جھگڑا ہی ختم ہو جائے اور مسلکی گروہ بننے کا سلسلہ بھی رُک جائے لیکن اس کڑوی حقیقت کو کون تسلیم کرے گا۔

عقائد کی درستگی کے بعد احکاماتِ فقہیہ کا سیکھنا اور اس کے ساتھ ساتھ ان پر عمل کرنا دوسرا پَر ہے۔ اور ان مسائلِ ضروریہ کو بھی مستند کتابوں سے اخذ کرنا ضروری ہے۔ فقہی کُتب کے مترجمین نے عوام کی سہولت کے لئے عربی کُتب کو اُردو یا دیگر زبانوں میں منتقل کرکے جہاں عام لوگوں کو سہولت دی وہیں اس کے چند ایک بڑے نقصان بھی ہوئے اور وہ یہ کہ لوگوں نے اصل کتابوں کو چھوڑ ہی دیا اور اُردو کتب تک محدود ہو گئے۔

دوسرا نقصان یہ ہوا کہ عربی وفارسی قدیم کُتب کا اُردو میں ترجمہ کرتے وقت بہت زیادہ ترامیم کر دی گئیں اور موجودہ اختلافات کو کتابوں میں ضم کر دیا گیا۔ اب اگر کوئی مسائل سیکھنے کے لئے اسلامی کتب اٹھاتا بھی ہے تو اُسے یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ کتاب صحیح سند رکھنے والی کتابوں سے کتنی مختلف کر دی گئی ہے۔

دراصل عربی کتابوں میں جہاں مسائل بیان کئے جاتے تھے وہیں ساتھ ساتھ قوانینِ فقہ بھی بیان ہوتے رہتے تھے، جس سے طالب علم کی فقہی استعداد میں اضافہ ہوتا رہتا اور جب کوئی نیا مسئلہ پیش آتا تو قوانین واصولِ فقہ کی روشنی میں اس کا حل نکال لیا جاتا لیکن اُردو میں لکھی جانے والی عام کتابیں اس خاصیت سے خالی ہیں۔ اب لوگ اپنی ناقص عقل سے اپنی سہولت والے مسائل کا حل اپنی مرضی کے مطابق ہی نکال لیتے ہیں، اور انہیں یہ خیال بھی نہیں آتا کہ ہمارا یہ عمل فقہاء کرام کی

تصریحات کی کھلی مخالفت ہے۔ فقہاء واولیاء کرام کی شان میں گستاخیوں کا الزام تو دوسروں پر دھر دیتے ہیں لیکن اپنے افعال واعمال کی صورت میں ہونے والی بے ادبیوں کی طرف توجہ مبذول ہی نہیں ہوتی۔

تو چاہیئے کہ اُردو کُتب کے مطالعہ سے پہلے عربی میں موجود مستند کتابوں کو کسی تقویٰ دار عالم سے پڑھ لیا جائے تاکہ فقہ حنفی سے مخالفت نہ ہونے پائے، بعد ازاں اردو کتابوں کا مطالعہ ضرر رساں نہیں ہو گا۔

ان دو عملی پَروں کے حصول کے بعد سلوک کو طے کرنا ضروری ہے تاکہ نفسِ انسانی کا تزکیہ ہو اور قلب کو تصفیہ کی دولت نصیب ہو اور خطراتِ باطنی اور وساوسِ شیطانی سے سلامتی میسر آسکے۔ ایمانِ حقیقی، سلوک کے بغیر نہیں مل سکتا۔ اور فنا کی دولت کامل شیخ سے جذب وسلوک کی منازل طے کرنے کے بغیر ہاتھ نہیں آسکتی۔ اگر اس قانون پر عمل نہ کیا گیا تو دُنیا وآخرت ہاتھ سے نکل جائیں گی۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ سالک کو اپنے عقائد واعمال، اہل سنت وجماعت کے علماء وفقہاء کے مطابق درست کر لینے کے بعد راہِ طریقت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ یہ دونوں (اعتقادات واعمال) عالمِ قدس کی طرف روحانی سیر اور باطنی طیر کے لئے بنیادی پر کی حیثیت رکھتے ہیں۔

وَبِدُوْنِهٖ خَرْطُ الْقِتَادِ۔

کار این ست وغیر ایں ہمہ ہیچ

اس مصرع کا معرب ملاحظہ ہو:

هٰذَاهُوَ الْاَمْرُ والْبَاقِيْ مِنَ الْعَبَثُ۔

بینہ

واضح رہے کہ شریعت وسنت کے اعمال اور طریقت وحقیقت کے احوال سے مقصود نفس کا تزکیہ اور قلب کا تصفیہ ہے جو ایمانِ حقیقی کی علامت ہے اور اسی پر نجات کا دار و مدار ہے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۴۱، ۱۴۲)

مکتوب نمبر ۹۲

[یہ مکتوب بھی شیخ کبیر کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ اطمینانِ قلب ذکر سے نصیب ہوتا ہے، نظر واستدلال سے حاصل نہیں ہوتا، اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ پر ثابت قدم رکھے۔

أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ۲۸)

ترجمہ: سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے۔

اطمینانِ قلب کا راستہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر ہے۔ نظر واستدلال اس کا راستہ نہیں۔

پائے استدلالیاں چوبیں بود
پائے چوبیں سخت بے تمکیں بود

ترجمہ: اپنے مسلک کی بنیاد صرف دلائل پر رکھنے والوں کے پاؤں لکڑی کے ہیں، اور ظاہر ہے کہ لکڑی کے پاؤں بالکل کمزور ہوتے ہیں۔

کیونکہ ذکر کے ذریعے جنابِ قدس خداوندی کے ساتھ ایک گونہ مناسبت پیدا ہوتی ہے۔ اگر چہ وہ کچھ بھی مناسبت نہیں۔

چہ نسبت خاک را با عالم پاک

تاہم ذکر کے ذریعہ ذاکر اور مذکور کے درمیان ایک قسم کا تعلق پیدا ہو جاتا ہے جو محبت کا موجب بنتا ہے اور جب محبت کا غلبہ ہو جاتا ہے تو دل سے اطمینان کے سوا سب کچھ نکل جاتا ہے۔ اور جب معاملہ اطمینانِ قلب کے حصول تک پہنچ گیا تو ایسے شخص کو دولت اَبدی حاصل ہو گئی۔

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست　　　پاکی دِل زذکر یزدان ست

ترجمہ: جب تک تم میں جان ہے اس کے ذکر میں مصروف رہو، دل کی طہارت اللہ تعالیٰ کے ذکر ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلاً وَّاٰخِراً]

تشریح

راہِ تصوف کو گہری نظر سے جاننے والے صوفیاء نے اطمینانِ قلب کو ذکرِ الٰہی سے مشروط کیا ہے اور اس کے ثبوت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد نقل کیا ہے جس میں خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "سن لو اللہ کی یاد ہی میں دلوں کا چین ہے "۔

یعنی ان کے دلوں میں ایمان ویقین جم جاتا ہے اور ہر طرح کا شک زائل ہو جاتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

مَا مِنْ آدَمِيٍّ إِلَّا وَلِقَلْبِهِ بَيْتَانِ فِي أَحَدِهِمَا الْمَلَكُ، وَفِي الْآخَرِ الشَّيْطَانُ، فَإِذَا ذَكَرَ اللهَ خَنَسَ، وَإِذَالَمْ يَذْكُرِ اللهَ وَضَعَ الشَّيْطَانُ مِنْقَارَهُ فِي قَلْبِهِ وَوَسْوَسَ لَهُ۔

ترجمہ: ہر آدمی کے دل میں دو خانے ہوتے ہیں ایک فرشتے کا دوسرا شیطان کا، جب آدمی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے تو شیطان پیچھے کو ہٹ جاتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کی یاد نہیں کرتا تو شیطان اپنی چونچ آدمی کے دل میں چبھو دیتا ہے اور اس کو بہکاتا ہے۔ [1]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللّٰهِ۔

---

[1] (مرقاۃ المفاتیح، ج۴، ص ۱۵۹۹، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے منقول ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فرماتے تھے کہ ہر چیز کا صیقل (یعنی صفائی کرنے والا) ہوتا ہے اور دِلوں کا صیقل اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے۔[1]

ذکرِ الٰہی سے غافل لوگ جب صوفیاء وسالکین کو دیکھتے ہیں تو استہزاء کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ نکمے سارا دن بیٹھے رہتے ہیں اور ذکر کی صورت بنائے رکھتے ہیں، بھلا انہیں کس چیز نے مشغول کر رکھا ہے؟

باطن کے یہ اندھے لوگ کیا جانیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء وصفات میں کون کون سی عجیب کیفیات ہیں جن کی لذت نے ان صوفی وصافی لوگوں کو دُنیا کی لذتوں سے بے نیاز کر دیا ہے۔ یہ ذکرِ الٰہی ہی کی دولت ہے جو ایک مسلمان کو حقیقتِ ایمان، حقیقتِ نماز اور حقیقتِ قرآن سے واقف کرتی ہے جبکہ یادِ الٰہی سے غافل ان دولتوں سے محروم رہتے ہیں۔

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حق تعالیٰ تک رسائی کے لئے صرف منطقی اور عقلی استدلال کافی نہیں، کیونکہ حق تعالیٰ کی ذات منطق اور عقل سے وراء الوراء ہے۔ دینِ اسلام عقلی دلائل سے زیادہ مشاہدہ اور یقین کی قوت سے حقیقت تک لے جانا چاہتا ہے تاکہ سالک کے قلب وروح میں وجود باری تعالیٰ کا کامل احساس بیدار ہو جائے اور طالب ذات وصفات حق میں فنا ہو کر معرفت ورضا واطمینان کے مقام تک پہنچ جائے۔

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۷۰۵، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

سالک (بندہ) طالب ہے اور اللہ تعالیٰ مقصود و مطلوب ہے اور طالب اور مطلوب کے درمیان شیخ کامل وسیلہ اور برزخ ہے۔ جب کسی طالب صادق کو شیخ کامل و مکمل کی نسبت وبیعت وصحبت نصیب ہوتی ہے تو وہ اسے ذکر کی تلقین کرتا ہے۔ ذکر کی کثرت اور اس پر مداومت تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کا سبب بنتی ہے۔ ان دو کمالات (تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس) کے حصول کے بعد سالک کو اطمینانِ قلب حاصل ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: لِكُلِّ شَيْءٍ صِقَالَةٌ وَصِقَالَةُ الْقُلُوبِ ذِكْرُ اللهِ۔[1] سے اور ارشادات باری تعالیٰ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الأعلى ١٤) اور أَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ (الرعد ٢٨) سے عیاں ہے۔

نیز دورانِ ذکر ذاکر اور مذکور کے درمیان مناسبت اور تعلق و تعشق پیدا ہو جاتا ہے جو اختیار و تسلیم کا مؤجب ہوتا ہے۔ نتیجتاً ذاکر ساعت، فساعت تجلیات مذکورہ کے انعکاس سے منصبغ ہوتا جاتا ہے اور ہر لمحہ اس کا عدم ذاتی مرتفع ہوتا رہتا ہے اور اس کی جگہ تجلیات جانشین ہوتی جاتی ہیں۔

کسی عارف نے خوب کہا:

مرا دیگر بجائے من نہ بینی
چوں جاں آئی بجائے من نشینی

ایک بزرگ اس مفہوم کو یوں بیان فرماتے ہیں:

توئی از ہر دو عالم آرزویم   تراچوں یافتم از خود چہ گویم

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ج ٢، ص ٧٠٥، الناشر: المكتب الإسلامي - بيروت)

حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

فرازِ منظرِ چشمِ من آشیانہ تست

کرم نما و فرود آکہ خانہ خانہ تست

بینات

واضح رہے کہ تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کے بغیر محض استدلال سے اطمینانِ قلب کا حصول ممکن نہیں، کیونکہ نفس، ذاتی جبلت اور دعویٰ الوہیت کی بنا پر احکام سماویہ اور فرمودات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کا منکر و مخالف ہے۔

خواجۂ خواجگان حضرت مولانا خواجہ محمد یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سورۃ الحاقۃ کی تفسیر میں حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

چونکہ او مَنْ لَّمْ يَذُقْ لَمْ يَدْرِ بود

علم و تحصیلات او حیرت فزود

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت امام رازی کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

پائے استدلالیاں چوبین بود
پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

گر بہ استدلال کارِ دیں بدے
فخر رازی رازدارِ دیں بدے

اقبال مرحوم نے خوب کہا:

جمالِ عشق و مستی، نے نوازی

جلالِ عشق و مستی، بے نیازی

کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدر
زوالِ عشق و مستی، حرفِ رازی

نیز تنہا استدلال اور علم بے عمل چہرۂ حقیقت کو بے نقاب نہیں کر سکتے۔

غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت حافظ شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بے عمل واعظین کی مجلس وعظ سے منع فرمایا ہے:

عناں بمیکدہ خواہیم تافت زیں مجلس
کہ وعظ بے عملاں واجب است نشنیدن

حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے "علم حجاب اکبر است" یعنی علم سب سے بڑا حجاب ہے۔

اہل طریقت نے اس کے دو مفہوم بیان فرمائے ہیں:

اول: تزکیۂ نفس کے بغیر علم استدلال وصول مطلوب کا وسیلہ نہیں ہو سکتا۔

دوم: ایمان شہودی کی راہ میں علم حصولی کے علاوہ علم حضوری کی فنا بھی لازم ہے۔ کیونکہ جب تک سالک علم ماسویٰ سے فارغ نہیں ہو جاتا اسے علم حق (تعالیٰ) نصیب نہیں ہوتا یعنی اسے حق تعالیٰ کی معرفت حاصل نہیں ہوتی۔

تو از سرائے طبیعت نمیروی بیروں
کجا بکوئے حقیقت گذر توانی کرد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۴۵ تا ۱۴۸)

مکتوب نمبر ۹۳

[یہ مکتوب سکندر خان لودھی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ تمام اوقات ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رہنا چاہیئے۔

پانچوں نمازیں باجماعت ادا کرنے اور مستحب اوقات میں سُنَنِ مؤکدہ ادا کرنے کے بعد اپنے تمام اوقات کو ذکرِ الٰہی جل شانہٗ میں مصروف رکھنا چاہیئے۔ کھانے، سونے، آنے اور جانے غرض تمام اوقات میں ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیئے۔

ذکر کا طریقہ آپ کو بتا دیا گیا ہے، اس کے مطابق ذکر کرتے رہیں۔ اگر ذکر اور جمعیت میں فتور اور خلل محسوس کریں تو اول اس فتور کا سبب معلوم کرنا چاہیئے۔ پھر بارگاہِ خداوندی میں التجاء اور زاری کے ذریعے اس کوتاہی کی تلافی کرنی چاہیئے۔ اور اس ظلمت اور تاریکی کو دور کرنے کی کوشش اور سعی کرنی چاہیئے۔ اور اس میں شیخ اور پیر و مُرشد کو وسیلہ بنانا چاہیئے جس سے ذکر کی تعلیم حاصل کی ہو۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی تمام مشکل اُمور کو آسان کرنے والا ہے۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُودًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ (آل عمران ۱۹۱)

ترجمہ: جو اللہ کی یاد کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور کروٹ پر لیٹے۔

ذکر واذکار میں ہمیشگی کرنی چاہیئے مگر جب ذکر میں غفلت و کوتاہی محسوس ہو تو سب سے پہلے اس کا سبب معلوم کرنا چاہیئے کہ آیا اس کا سبب دُنیاوی اُمور ہیں یا شیطانی اُمور کیونکہ نفس و شیطان دونوں ہی انسان کے دُشمن ہیں۔ نفس اندر سے وساوس ڈالتا ہے اور شیطان باہر سے۔ بلکہ نفس میں

بھی وہ وسوسہ شیطان ہی کا ہوتا ہے، مگر نفسانی خواہشات شیطان کی بہ نسبت بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ نفسانی خواہشات سے انسان بہت جلد گمراہ ہوتا ہے اور شیطان جو کہ باہر سے وساوس ڈالتا ہے اس کا تدارک اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور لا حول و لا قوۃ الا باللہ العلی العظیم سے کیا جاتا ہے۔ اسی لئے نفس کے تزکیہ کی اشد ضرورت ہے، جب تک تزکیۂ نفس کی کیفیت حاصل نہ ہو جائے اس وقت تک خواہشاتِ نفسانی بہت زیادہ خطرناک ہوتی ہیں۔ جس طرح گدھے کے چمڑے کو دباغت کرکے اچھی طرح صاف اور رگڑ نہ لیں تو اُس وقت تک اس سے نماز نہیں ہو سکتی اسی طرح جب تک نفس کی رگڑائی اور اس کو اچھی طرح ذلیل و خوار نہ کرلے تو یہ ایمانِ حقیقی کی قابلیت نہیں پا سکتا۔

چار سلاسلِ طریقت کے چار امام و پیشوا ہوئے ہیں۔ سلسلۂ نقشبندیہ کے حضرت شاہِ نقشبند بہاؤالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور بعد ازاں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس، سلسلۂ قادریہ کے حضرت شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ، سلسلہ چشتیہ کے حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور سلسلہ سہروردیہ کے حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ۔ اور ان سب نے اپنے اپنے سلاسل کا سلوک طے کرنے کے لئے باذن اللہ ذکر و اذکار اور وظائف تعلیم فرمائے ہیں، اور ان اذکار میں اپنی مرضی سے کمی بیشی کرنے سے منع فرمایا ہے۔ علاوہ ازیں ذکر کرنے کا طریقہ کار بھی بتادیا ہے تاکہ اس طریقے کے مطابق ذکرِ الٰہی میں مصروف رہ کر انسان اپنے باطن کا تصفیہ و تزکیہ کر سکے لیکن جہاں شرعی اُمور میں مداخلت کرکے غیر ضروری اُمور کو شریعت میں مروج کر دیا گیا ہے، وہیں طریقت کی تعلیمات میں بھی ترامیم کرکے اپنی

مرضی کے اذکار شروع کر دیئے گئے ہیں، جس کی وجہ سے سلوک کے وہ اثرات سالکوں پر مرتب ہوتے نظر نہیں آتے جو پُرانے وقتوں میں نظر آتے تھے۔

مشائخِ کرام کو چاہیئے کہ وہ سلسلۂ تصوف میں اُن ہی تعلیمات کو دوبارہ رائج کریں جو ان کے سلسلہ کے امام نے بیان فرمائے ہیں تاکہ سالکینِ طریقت کی درست سمت میں پرواز ممکن ہو سکے۔

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایاہے کہ جب کوئی شخص اپنے سلسلہ کے اکابرین کی تعلیمات کی مخالفت کرتا ہے تو اس کے سلسلہ اور مشائخ کے فیوضات وبرکات اس پر منقطع ہو جاتے ہیں۔ پس ان کی تعلیمات کی مخالفت سے بچنا لازم وضروری ہے۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نماز پنجگانہ باجماعت ادا کرنے اور سنن مؤکدہ کی ادائیگی کے بعد ہمہ وقت ذکر میں مشغول رہنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ دراصل جب سالک شیخ کامل کی تعلیم کے مطابق ذکر پر استقامت اور مداومت اختیار کرتا ہے تو اس کے لطائف میں لطافت ونورانیت آجاتی ہے جو قلب کی صفائی کا باعث ہوتی ہے۔

بقول شاعر:

ذکر گو ذکر تا ترا جان ست　　　　پاکیٔ دل ز ذکرِ رحمٰن ست

بینات

واضح رہے کہ سالکین کے اعمال کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ اعمالِ مقربین　　　　۲۔ اعمالِ ابرار

ابتدائے سلوک میں ذکرِ اسمِ ذات، نفی اثبات، مراقبات اور تصورِ شیخ اعمالِ مقربین کے قبیل میں سے ہوتے ہیں اور تلاوتِ قرآن و نماز اعمالِ ابرار میں سے ہوتے ہیں، جبکہ انتہائے سلوک میں نماز اور تلاوت قرآن اعمالِ مقربین میں سے ہوتے ہیں اور اذکار و مراقبات اعمالِ ابرار سے۔ ہر عبادت اور ذکر اپنا مخصوص مقام رکھتی ہے، چنانچہ سورۃ الفاتحہ تشہد سے افضل ہے مگر قعدہ میں اس کا پڑھنا خطا ہے۔

جب سالک امراضِ قلبیہ اور اخلاقِ رذیلہ سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے اور نفسانی خباثتوں اور اندرونی نجاستوں سے محفوظ اور پاک ہو جاتا ہے تو انشراح صدر کی بدولت اس کے قلب پر ربانی انوار اور قرآنی اسرار کا نزول ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: لَا یَمَسُّهُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ (الواقعة ۷۹) سے عیاں ہے۔

بقول کسے:

عروسی معنائے قرآن حجاب آنگہ براندازد
کہ دار الملک ایمان را مجرد بیند از غوغا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز باطنی بندش کا ذکر فرما رہے ہیں، جسے اصطلاحِ صوفیاء میں قبض کہا جاتا ہے۔ دراصل جب کسی سالک کو شیخِ کامل ذکر کی تلقین کرتا ہے تو دورانِ سلوک سالک پر مختلف کیفیات واحوال کا ورود ہوتا ہے۔ اور کبھی کیفیت بسط سے سرشار ہوتا ہے اور کبھی کیفیت قبض سے لاچار۔

قبض کے مختلف عوامل اور متعدد اسباب ہو سکتے ہیں جیسے:

- محرمات کا ارتکاب اور مشتبہات کا اکتساب۔

- بعض اوقات رخصت پر عمل بھی اس کا مؤجب ہوتا ہے کیونکہ مشائخِ نقشبندیہ قدس اللہ اروا حھم عامل بعزیمت ہوتے ہیں اور رخصت سے حتی المقدور اجتناب کرتے ہیں۔
- ذکر سے اعراض بھی سبب بنتا ہے۔
- شیخ سے عدم رابطہ بھی وجہ ہو سکتی ہے۔
- دیگر مصلحتیں بھی کار فرما ہو سکتی ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَنَبلُو کُمۡ بِالشَّرِّ وَالۡخَیۡرِ فِتۡنَةً (الأنبیاء ۳۵) سے عیاں ہے۔

علاجِ قبض

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ قبض اور بسط دونوں سالک کے احوال ہیں، اور دورانِ سلوک لازماً پیش آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سالک کبھی صفاتِ جلالیہ کا مظہر ہوتا ہے اور کبھی صفاتِ جمالیہ کے انعکاس والطاف سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

سالک پر کیفیت قبض کبھی تو کسی گناہ وخطا کی وجہ سے آتی ہے اور کبھی بدوں زَلّت وارد ہو جاتی ہے۔ چونکہ سالک کے لئے ان کے درمیان تمیز و تفریق کرنا دشوار ہوتا ہے، فلہٰذا:

- سالک کو استغفار کی کثرت اور عفو وکرم کی طلب کرنی چاہیئے۔
- اس کا سبب معلوم کر کے اس کوتاہی کا تدارک کرنا چاہیئے۔
- حق تعالیٰ کے حضور آہ وزاری کرنا چاہیئے اور اس فتور اور ظلمت کے دور ہونے کی دعا کرنی چاہیئے۔
- یَابَاسِطُ کی تکرار بھی رفع قبض کے لئے فائدہ بخش ہے۔

- شیخ کامل کی صحبت اختیار کرنی چاہیئے کیونکہ اس کی توجہات قدسیہ، ظلمات کے پہاڑ توڑ دیتی ہیں اور کیفیت قبض رفع ہو جاتی ہے۔

بینہ

اربابِ طریقت کے نزدیک رخصت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔رخصتِ مقید ۲۔رخصتِ مطلق

رخصتِ مقید

سالک کو دورانِ سلوک توسطِ حال میں پیش آتی ہے۔

رخصتِ مطلق

سالک کو تکمیلِ سلوک کے بعد حاصل ہوتی ہے۔[1]

بینہ

یہ امر مستحضر رہے کہ سالکینِ طریقت کو دورانِ سلوک کیفیاتِ قبض وبسط سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ یہ سالک کے لئے ایسے ہی ضروری ہیں جیسا کہ نبی مکرم کے لئے وحی لازم ہے۔ جیسا کہ خواجۂ خواجگان عزیزان علی رامتینی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ارشاد فرماتے ہیں: اَلْقَبْضُ وَالْبَسْطُ فِی الْوَلِیّ کَالْوَحیِ لِلنَّبِیّ۔ یعنی کیفیات قبض وبسط ولی کے لئے ایسے ہی ضروری ہیں جیسے کہ نبی کے لئے نزول وحی ضروری ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۵۱ تا ۱۵۵)

---

[1] (نوادر المعارف قلمی)

مکتوب نمبر ۹۴

[خضر خان لودھی کی طرف صادر فرمایا:

اس اَمر کے بیان میں کہ انسان کے لئے عقائد کی درستی اور اعمالِ صالحہ کا بجالانا بہت ضروری ہے۔ تاکہ ان دو بازوؤں کے ساتھ عالمِ حقیقت کی طرف پرواز کر سکے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفویہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کے راستے پر استقامت نصیب فرمائے۔

وہ چیز جو ضروری ہے اور جس کے بغیر چارہ کار نہیں، یہ ہے کہ اولاً مطابق آرائے صحیحہ اہلِ سنت وجماعت جو فرقۂ ناجیہ ہے، اپنے عقائد درست کرنے چاہئیں۔ پھر احکامِ فقہ کے موافق فرائض، سنتیں، واجبات، مستحبات، حلال و حرام اور مکروہ و مشتبہ سب ضروری احکام کا علم حاصل کرنے کے بعد ان پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ جب یہ دونوں اعتقادی اور عملی بازو میسر آجائیں تو پھر اگر توفیقِ خداوندی جل سلطانہٗ دستگیری کرے تو ممکن ہے عالمِ حقیقت کی طرف پرواز نصیب ہو جائے۔ ان دو بازوؤں کے مہیا ہوئے بغیر عالمِ حقیقت کی طرف پرواز ناممکن اور محال ہے۔

محال است سعدی کہ راہِ صفا   تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

ترجمہ: اے سعدی! یہ بات ناممکن ہے کہ صفائی اور ہدایت کا راستہ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نقشِ قدم پر چلے بغیر نصیب ہو جائے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع نصیب فرمائے۔]

تشریح

احکاماتِ الٰہی کی دو اقسام ہیں: ایک وہ جنہیں اَمر کہا جاتا ہے۔ اس میں وہ احکام ہیں جنہیں ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اور ان میں سب سے عالی شان حکم وہ ہے جسے فرض کہا جاتا ہے۔ دوسرے نمبر والے حکم کو واجب، تیسرے کو سُنت اور چوتھے کو مُستحب کہا گیا ہے۔ ان کی ادائیگی میں بھی یہی ترتیب ملحوظ رکھنی چاہیئے۔ سب سے زیادہ توجہ فرائض کی ادائیگی پر ہونی چاہیئے، پھر واجبات وسنتوں وغیرہ پر۔ نوافل کا سب سے نچلا درجہ ہے۔ لیکن رواج اس کے برعکس ہو چکا ہے۔ لوگ فرض نماز میں تو کوتاہی کرتے رہتے ہیں لیکن نفلی اُمور کو بڑے اہتمام اور پابندی سے ادا کرتے ہیں جو کسی طرح بھی دانشمندی نہیں ہے، اور نہ ہی شرعی تعلیمات کے مطابق ہے۔

دوسری قسم کو نہی کہا جاتا ہے اور یہ وہ حکم ہے جو کسی کام کو نہ کرنے کا کہتا ہے۔ اس میں حرام ومکروہ شامل ہیں ضمنی طور پر اور تقویٰ کی رو سے مشتبہ بھی اسی میں داخل ہے۔ پس حرام اور مکروہ اشیاء سے تو ہر حال اور ہر صورت میں پرہیز کرنا عین ضروری ہے اور مشتبہ سے عام حالات میں بچنا بہتر ہے اور انتہائی مجبوری کی حالت میں ادا کر لینے کا جواز ہے۔ سالک کے لئے اس اصول کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ اپنے عقائد واعمال کو علمائے اہل سنت شکر اللہ سعیھم کے عقائد واعمال کے مطابق درست کرنا چاہیئے۔

ایک مکتوب میں آپ تصحیح عقائد واعمال کی نصیحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

(اردو ترجمہ ملاحظہ ہو)

اول: کتاب وسنت کے مطابق اپنے عقائد کی تصحیح کریں (جس طریقہ پر) علمائے حق نے کتاب وسنت کو سمجھا ہے اور اس سے اخذ کیا ہے کیونکہ ہمارا اور آپ کا جو سمجھنا ہے ان بزرگواروں کی فہم اور رائے کے موافق نہیں ہے، وہ حدود واعتبار سے ساقط ہے۔ کیونکہ ہر بدعتی اور گمراہ اپنے باطل احکام کو کتاب وسنت کے مطابق سمجھتا ہے اور ان کو وہیں سے اخذ کرتا ہے۔ وَالْحَالُ اَنَّهٗ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (حالانکہ ان سے حق کے متعلق کسی قسم کا بھی فائدہ نہیں ہوتا)۔

دوم: احکامِ شرعیہ (حلال وحرام، فرض، واجب) کا علم حاصل کرنا۔

سوم: علم کے مطابق عمل کرنا۔

چہارم: حصول تصفیہ وتزکیہ جو کہ خاص صوفیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔

لہٰذا جب تک اپنے عقائد کو درست نہ کریں، احکام شرعیہ کا علم کوئی فائدہ نہیں دیتا اور جب تک یہ دونوں متحقق نہ ہو جائیں عمل نفع نہیں دیتا اور جب تک یہ تینوں میسر نہ ہو جائیں تصفیہ وتزکیہ کا حاصل ہونا محال ہے۔

یہ چاروں رُکن اور ان کے متممات ومکملات اس طرح (ایک دوسرے سے وابستہ) ہیں جس طرح سنت فرض کو کامل کرتی ہے۔ اس کے بعد جو کچھ ہے وہ فضول اور بے کار باتوں میں داخل ہے۔ وَمِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ وَاِشْتِغَالُهٗ بِمَا يَعْنِيْهِ۔ [1]

---

[1] (دفتر اول، مکتوب ۱۵۷)

بینات

واضح رہے کہ عقائدِ صحیحہ اور اعمالِ صالحہ کے بغیر تجلیات کا ظہور اور عالمِ وجوب کا شہور ممکن نہیں۔

جوگیوں، ہندو برہمنوں اور یونانی فلسفیوں کو مجاہدہ وریاضت کے ذریعے قدرے صفائے باطن تو حاصل ہو جاتا ہے جو مکشوفات کونیہ کا باعث ہوتا ہے، مگر عالم وجوب کا کشف و شہود تزکیۂ نفس کے بغیر حاصل نہیں ہوتا اور تزکیۂ نفس شریعت و سنت کے مطابق عقائد واعمال کی درستی کے بغیر ممکن نہیں۔

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب فرمایا:

محال است سعدی کہ راہِ صفا　　　تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

یہ امر ذہن نشین رہے کہ صفائے باطن اور تزکیۂ نفس کے درمیان فرق یہ ہے کہ صفائے باطن تصحیح عقائد کے بغیر محض ریاضات شاقہ اور جوع وفاقہ سے حاصل ہو جاتا ہے جبکہ تزکیۂ نفس عقائد کی صحت اور شریعت کی متابعت سے مشروط ہے۔

صفائے نفس تانبے کو ملمع سازی کے ذریعے سونا بنانے کی مانند ہے، جبکہ تزکیۂ نفس عمل کیمیاء کے ذریعے مس خام کو خالص سونا بنانے کی طرح ہے۔ چنانچہ جب سالک مرشد کامل کی توجہات قدسیہ سے فیض یاب ہوتا ہے توبقول شاعریوں گویا ہوتا ہے:

در مس قلب من اے مظہر حق کن نظری

زانکہ اکسیر اثر نرگس شہلا داری

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں چند احکامِ فقہیہ کی اجمالاً تشریحات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

فقہائے احناف نے احکامِ تکلیفیہ کی متعدد اقسام بیان فرمائی ہیں ان میں سے پہلی قسم فرض ہے۔

فرض

فرض کے لغوی معنی تقدیر (مقرر کرنا) کے آتے ہیں۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

فرضِ قطعی اور فرضِ عملی

فرضِ قطعی

مَاثَبَتَ طَلَبُهُ مِنَ الشَّارِعِ طَلَبًا جَازِمًا بِدَلِيْلٍ قَطْعِيٍّ۔

یعنی وہ حکم جس میں شارع کی طرف سے طلب جازم ہو اور وہ دلیل قطعی سے ثابت ہو اسے فرض قطعی کہا جاتا ہے۔[1]

فرضِ عملی

مَاثَبَتَ طَلَبُهُ مِنَ الشَّارِعِ طَلَبًا جَازِمًا بِدَلِيْلٍ ظَنِّيٍ۔

یعنی وہ حکم جس کے متعلق شارع کی طلب جازم ہو مگر وہ دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

یاد رہے کہ فرض عملی واجب کے مترادف ہے کیونکہ عمل قطعی کا سبب ہے، مگر اس سے اعتقادِ قطعی کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔

---

[1] (معارف الاحکام وغیرھا، الفقه الاسلامی وادلة الزحیلی، ج ۱، ص ۴۹)

احکامِ فرض

مکلف پر فرضِ قطعی کا اعتقاد لازم ہے یہی وجہ ہے کہ ائمہ حنفیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کا منکر مطلقاً کافر ہے۔ جو شخص اس کو بلاعذر صحیح شرعی قصداً ایک بار بھی ترک کرے فاسق، مرتکب کبیرہ اور عذاب نار کا مستحق ہے جیسے نماز، روزہ، حج وغیرہا۔

واجب

واجب کا لغوی معنی سقوط ہے جبکہ اصطلاحی تعریف یہ ہے: مَا ثَبَتَ طَلَبُهُ مِنَ الشَّارِعِ طَلَبًا جَازِمًا بِدَلِيْلٍ ظَنِّيٍ۔ یعنی وہ حکم جس میں شارع کی طلب جازم ہو اور دلیل ظنی سے ثابت ہو (اسے واجب اعتقادی بھی کہا جاتا ہے)۔

احکامِ واجب

مکلف پر اس کا اعتقاد ضروری نہیں کیونکہ یہ ظنی ہے۔ اگر اس کا انکار کر دے تو اس سے کفر لازم نہیں آتا البتہ فسق لازم آئے گا۔

- مکلف کے لئے واجب پر عمل بہر طور لازم ہے کیونکہ عمل کے لئے دلیل قطعی کا ہونا ضروری نہیں بلکہ دلیل ظنی بھی کافی ہے۔
- اگر مکلف واجب کو حقیر جان کر ترک کرے گا تو اس سے کفر لازم آئے گا۔
- مکلف اس کے ترک پر عقابِ شدید کا مستحق ہو گا۔
- اس کے ترک سے عمل باطل نہیں ہوتا بلکہ اس کا وجود باقی رہتا ہے۔

البتہ اس کمی کا ازالہ درج ذیل اشیاء سے کیا جا سکتا ہے:

۱۔ اعادہ سے ۲۔ نماز میں سجدۂ سہو سے ۳۔ احکامِ حج میں فدیہ سے

یہ امر ذہن نشین رہے کہ بسا اوقات بعض واجبات کے بجالائے بغیر بھی مکلف کے بری الذمہ ہونے کا احتمال ہوتا ہے، مگر غالب ظن اس کی ضرورت کا ہی رہتا ہے۔ اور اگر کسی عبادت میں اس کا بجالانا ضروری ہو تو وہ عبادت ادا تو ہو جائے گی مگر ناقص رہے گی۔ مجتہد دلیل شرعی سے اس واجب کا انکار کر سکتا ہے۔ اس قسم کے واجب کا ایک بار ترک کرنا گناہِ صغیرہ اور چند بار ترک کرنا کبیرہ گناہ ہے، اسے واجب عملی کہا جاتا ہے۔

فرض اور واجب میں فرق

احناف کے نزدیک فرض اور واجب مترادف نہیں بلکہ متبائن ہیں۔

فرض: دلیل قطعی سے ثابت ہوتا ہے۔

جبکہ

واجب: دلیل ظنی سے ثابت ہوتا ہے۔

صاحب تلویح حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرض اور واجب میں تفریق کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

فَالْفَرْضُ لَازِمٌ عِلْمًا وَعَمَلاً حَتّٰی یُکَفَّرَ جَاحِدُہٗ وَالْوَاجِبُ لَازِمٌ عَمَلاً لَا عِلْمًا فَلَا یُکَفَّرُ جَاحِدُہٗ بَلْ یُفَسِّقُ۔

یعنی فرض پر اعتقاد اور عمل دونوں لازم ہیں یہاں تک کہ اس کا منکر کافر ہو جاتا ہے جبکہ واجب پر عمل تو لازم ہے اعتقاد لازم نہیں، اس کا منکر کافر نہیں ہوتا بلکہ فاسق ہو جاتا ہے۔[1]

---

[1](التلویح)

یہ امر مستحضر رہے کہ عمل کے اعتبار سے بھی فرض کا درجہ واجب کے درجہ سے اقویٰ ہے جسے ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھنا چاہیئے۔

فاتحہ کے متعلق احناف اور شوافع میں اختلاف ہے۔ شوافع کے نزدیک فاتحہ کے بغیر نماز باطل ہو جاتی ہے، جبکہ احناف کے نزدیک فَاقْرَءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ (المزمل ۲۰) کے پیش نظر مطلق قرأت فرض اور لَا صَلاَةَ إِلاَّ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ۔[1] کے پیش نظر فاتحہ واجب ہے۔ دونوں حکم موجود ہیں مگر کتاب و سنت میں مرتبہ کے اعتبار سے فرق یقیناً ہے اس لئے مطلق قرأت کو فرض اور فاتحہ کو واجب قرار دینا ہی بہتر ہے۔

سنت

هِيَ الَّتِيْ وَاظَبَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم تَعَبُّدًا مَعَ التَّرْكِ مَرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ بِلَا عُذْرٍ اَوْ لَمْ يَتْرُكْ اَصْلاً لٰكِنَّهٗ لَمْ يَنْكُرْ عَلَى التَّارِكِ۔

یعنی ایسی سنت جس پر نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے بطور عبادت مواظبت فرمائی ہو البتہ (بیانِ جواز کے لئے) کبھی اسے بلا عذر ترک بھی فرمایا ہو یا ترک نہ فرمایا لیکن تارک پر طعن نہ فرمایا ہو۔ اسے سنتِ مؤکدہ بھی کہا جاتا ہے۔

جیسے جماعت، اذان اور اقامت اس کا کرنا باعث ثواب ہے اس کا ترک مکروہ تحریمی ہے۔ نادراً تارک مؤجب عتاب ہے اور عادی تارک مستحق عذاب ہے۔

---

[1] (مسند احمد، ج ۲، ص ۴۲۰)

چنانچہ ایک روایت میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز باجماعت ادا نہ کرنے والوں کو تنبیہہ کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ۔

یعنی اگر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔[1]

بلکہ ایک روایت میں یوں بھی ہے: لَكَفَرْتُمْ۔[2] کہ تم کافر ہو جاؤ گے۔

سنت زائدہ

هِيَ الَّتِيْ لَمَا تَصْدُرُ مِنْهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ عَلىٰ وَجْهِ الْعِبَادَةِ بَلْ عَلىٰ وَجْهِ الْعَادَةِ۔

یعنی ایسی سنت جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بطور عبادت نہیں بلکہ بطور عادت کے صادر ہوئی ہو اسے سنت غیر مؤکدہ بھی کہا جاتا ہے جیسے لباس، کھانا، عمامہ باندھنا وغیرہ۔

اس سنت کا بجالانا باعث اجر وثواب ہے اور اس کا تارک اگرچہ عادی ہو مؤجب عتاب اور قابل ملامت نہیں۔ البتہ اس کا مسلسل ترک مکروہِ تنزیہی ہے۔

یاد رہے کہ سنن زوائد پر عمل مستحسن ہے کیونکہ جو عمل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خواہ بطور عبادت کیا ہو یا بطور عادت اس میں خیر ہی خیر ہے۔ بلکہ از راہِ محبت اس عمل کا بجالانا اُمتی کے لئے بلندیٔ درجات کا مؤجب اور قربِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کا باعث ہے۔

نیز ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کے مطابق عصر کی سنتیں (غیر مؤکدہ) ادا کرنے والے کو حق تعالیٰ کے رحم کا مستحق گردانا گیا ہے اور عذابِ نار سے بچاؤ کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۳۲)

[2] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۸۸)

واضح رہے کہ سنت کا درجہ نفل سے بہر طور بلند ہے، خواہ وہ سنتِ زائدہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ سنت نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا مبارک عمل ہے، یہ نسبت نفل کو حاصل نہیں۔

جیسا کہ حضرت صدر الشریعہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ التلویح میں رقم طراز ہیں:

اِنَّ النَّفلَ دُوْنَ سُنَنِ زَوَائِدَ لِاَنَّ سُنَنَ الزَّوَائِدَ صَارَتْ طَرِیْقَةٌ مَسْلُوْکَةٌ فِی الدِّیْنِ وَسِیْرَةِ النَّبِیِّ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بِخِلَافِ النَّفْلِ۔

یعنی نفل کا درجہ سنن زوائد سے کم ہے، کیونکہ سنن دین کا طریقہ جاریہ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا حصہ ہیں بر عکس نوافل کے کہ ان کو یہ شرف حاصل نہیں۔[1]

حرام

حرام کے لغوی معنی "منع" کے آتے ہیں اور یہ حلال کی ضد ہے۔

حرام کی تعریف

مَاثَبَتَ النَّھْیُ عَنْهُ شَرْعًا نَھْیًا جَازِمًا بِدَلِیْلٍ قَطْعِیٍّ۔

یعنی وہ فعل جس سے شریعتِ مطہرہ نے نہی جازم کے ساتھ منع کیا ہو اور وہ نہی دلیلِ قطعی سے ثابت ہو۔

فقہاء کرام نے تعلق حرمت کے اعتبار سے حرام کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

ا۔ حرام لذاتہٖ　　　　　۲۔ حرام لغیرہٖ

---

[1](التلویح)

حرام لذاتہ

مَاحَرَّمَہُ الشَّارِعُ بِاَصْلِہٖ اِبْتِدَاءً لِقُبْحِ عَیْنِیْہٖ۔

یعنی ضرر ذاتی کی بنا پر شارع جس کو ابتدا ہی میں حرام قرار دے دے جیسے قتل، زنا اور چوری وغیرہا۔

حرام لغیرہٖ

مَاحَرَّمَہُ الشَّارِعُ لِلَابِسَاتٍ خَارِجَۃٍ عَنْ ذَاتِہٖ۔

یعنی وہ جسے کسی خارجی شے کی بنا پر شارع نے حرام قرار دیا ہو جیسے باطل طریقہ سے مال کھانا، غصب شدہ زمین میں نماز ادا کرنا وغیرہا۔

احکامِ حرام

مکلف پر فرض کی مانند حرام کا اعتقاد لازم ہے اور اس کا انکار کفر ہے۔ جیسے جو شخص سود، زنا اور مردار کو حلال جانے وہ کافر ہو جائے گا۔

- اگر کوئی شخص حرام سمجھتے ہوئے اس کا مرتکب ہو تو وہ فاسق قرار پائے گا۔
- اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب بطور استہزاء کرتا ہے تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ احکامِ شرعیہ کا استہزاء کفر ہے۔ قطع نظر اس کے کہ وہ احکام دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہوں یا دلائلِ ظنیہ سے۔
- اس کا مرتکب عقابِ شدید کا مستحق ہو گا۔
- مکلف پر حرام سے اجتناب لازمی اور قطعی ہے۔

مکروہ

مکروہ کا لغوی معنی "قبیح" ہے اور یہ محبوب کی ضد ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں: مکروہِ تحریمی اور مکروہِ تنزیہی۔

مکروہِ تحریمی

مَاثَبَتَ النَّھْیُ عَنْہُ نَھْیًا جَازِمًا بِدَلِیْلٍ ظَنِّیٍ۔

یعنی وہ فعل جس سے شریعت مطہرہ نے نہی جازم کے ساتھ منع کیا ہو مگر وہ نہی دلیل ظنی سے ثابت ہو۔

احکامِ مکروہ تحریمی

مکلف کے لئے مکروہ تحریمی کا انکار کفر نہیں بلکہ فسق ہے۔

مکلف پر اس سے اجتناب قطعی اور ضروری ہے کیونکہ حرام اور مکروہ تحریمی میں فرق اعتقاد کے اعتبار سے ہے، عمل کے اعتبار سے ان دونوں میں کوئی فرق نہیں۔ اعتقاد کے لئے دلیلِ قطعی کا ہونا لازم ہے جبکہ عمل کے لئے دلیلِ ظنی بھی کافی ہوتی ہے۔

- اگر کوئی شخص حرام سمجھتے ہوئے اس کا مرتکب ہو گا تو وہ فاسق تصور کیا جائے گا۔
- اگر کوئی شخص اس کا ارتکاب بطور استہزاء کرے تو وہ کافر ہو جائے گا۔
- اس کا مرتکب عقاب کا حقدار ٹھہرے گا۔
- اگر کوئی مجتہد تاویل کے پیش نظر اس کا اکتساب کرے تو اسے فاسق تصور نہیں کیا جائے گا کیونکہ دلائل ظنیہ میں اجتہاد کی گنجائش ہوتی ہے۔

یاد رہے کہ بعض آئمہ نے دلیل قطعی و ظنی میں فرق کے باوجود مکروہِ تحریمی پر حرام کا اطلاق جائز قرار دیا ہے۔

جیسا کہ حضرت امام محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق منقول ہے:

يُطْلَقُ عَلَى الْمَكْرُوْهِ تَحْرِيْمًا اِسْمُ الْحَرَامِ۔

یعنی آپ مکروہ تحریمی پر جانب حرمت غالب ہونے کی بناء پر حرام کا اطلاق کرتے تھے۔

مکروہ تنزیہی

اَلْمَكْرُوْهُ مَاثَبَتَ النَّهْيُ عَنْهُ شَرْعًا نَهْيًا غَيْرَ جَازِمٍ۔

یعنی ہر وہ فعل جس سے شریعتِ مطہرہ نے منع کیا ہو مگر نہی غیر جازم ہو۔

احکامِ مکروہ تنزیہی

- اگر مکلف شریعتِ مطہرہ کے پیش نظر اسے ترک کر دے تو ثواب کا مستحق ہو گا۔
- اگر مکلف اس کا مرتکب ہو جائے تو مکروہ تحریمی کی نسبت کم سزا کا حق دار ہو گا۔
- اس کا ارتکاب بطور استخفاف حرام ہے۔

مستحب

فقہاء اور اصولیین کے نزدیک مستحب کے مختلف اسماء اور تعبیرات ہیں۔ مثلاً نفل، تطوع، احسان، حسن، سنت اور ندب۔

ندب کا لغوی معنی اَلدُّعَاءُ اِلٰی اَمْرٍ مُهِمٍّ۔ یعنی کسی اہم کام کی طرف بلانا۔

اصطلاحی تعریف

طَلَبٌ مِّنَ الشَّارِعِ غَيْرُ جَازِمٍ لِفِعْلٍ مَنْدُوْبٍ۔

یعنی شارع کی طرف سے فعل کی ایسی طلب جو جازم اور حتمی نہ ہو۔

صاحبِ بہارِ شریعت حضرت علامہ مفتی امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مستحب کی تعریف یوں تحریر فرمائی ہے:

وہ کہ نظر شرع میں پسند ہو مگر ترک پر کچھ ناپسندی نہ ہو خواہ خود حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اسے کیا یا اس کی ترغیب دی یا علمائے کرام نے پسند فرمایا۔ اگرچہ احادیث میں اس کا ذکر نہ آیا یا اس کا کرنا ثواب اور نہ کرنے پر مطلقاً کچھ نہیں۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۵۹ تا ۱۶۹)

---

[1] (بہارِ شریعت، جلد اول، حصہ دوم، ص ۲۸)

مکتوب نمبر ۹۵

[سید احمد بجواڑہ کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ انسان ایک نسخہ جامعہ ہے۔ اور انسان کا قلب بھی صفتِ جامعیت پر پیدا ہوا ہے۔ اور بعض مشائخ کے اقوال جو وسعتِ قلب وغیرہ کے بارے میں حالِ سُکر میں صادر ہوئے ہیں انہیں صحیح توجہات پر محمول کیا جائے۔ اور اس امر کے بیان میں کہ صحو سُکر سے افضل ہے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

انسان ایک نُسخہ جامع ہے۔ جو کچھ ساری موجودات میں ہے وہ سب کا سب تنہا انسان میں موجود ہے۔ لیکن عالمِ امکان کی اشیاء اس میں بطور حقیقت موجود ہیں، اور مرتبہ وُجوب بطورِ صورت۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مسبب الاسباب نے عالمِ دُنیا کو چار عناصر سے پیدا فرمایا اور انسان کو عالمِ ہست میں لانے کے لئے ان ہی عناصر کو کام میں لایا گیا۔ عالمِ کبیر کی تمام اشیاء کو انسان کے اندر پیدا فرمایا مثلاً عرشِ الٰہی کا نمونہ قلبِ انسانی ہے۔

حدیث مبارکہ میں آیا ہے کہ:

قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ۔

ترجمہ: مؤمن کا دل، اللہ کا عرش ہے۔[1]

جنت کا میٹھا پانی انسان کے منہ میں لعاب کی صورت میں، دوزخ کی حرارت انسان کے جسم کی تپش کی صورت میں اور سورج اور چاند کی روشنی انسانی آنکھ کے نور کی شکل میں موجود ہے۔ الغرض

---

[1](مرقاۃالمفاتیح، ج ا، ص ۲۰، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

جسدِ انسانی میں عالمِ کبیر کی تمام اشیاء کے نمونے پیدا کر کے عالمِ صغیر کا درجہ دے دیا۔ نہ صرف یہ بلکہ اپنی صفاتِ قدسیہ کا پَرتَو انسان پر ڈال کر اسے بھی صورتاً حي، قادر، سميع، بصير اور عالم بنا دیا۔ اسی لئے تو حضرت انسان کو خلیفۃ اللہ کہا گیا ہے۔ اور انسان ہے کہ خلافت کی عظیم ترین مسند سے اُتر کر اخلاقی پستی کے گہرے سمندر میں ڈوبتا چلا جارہا ہے اور اس کے اس طرح بے موت مَرنے پر آنسو بہانے والا بھی کوئی نہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

قلبِ انسانی حقیقتِ جامعہ ہے

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز قلبِ انسان کی وسعت اور عظمت کو بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح جسم انسانی جملہ موجودات و ممکنات کا ماحصل ہے، ایسے ہی قلبِ عارف (کامل) وجودِ انسانی کا لُبِ لُباب ہے۔ دراصل عارف کامل کے لطائف عشرہ کے باہمی اختلاط سے ایسی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے جو لطائف کے جدا جدا رہنے سے پیدا نہیں ہوتی۔ نیز بدنِ عارف میں اجزائے عشرہ کے باہمی امتزاج سے ایسی ہیئتِ وحدانی پیدا ہو جاتی ہے کہ عارف کا قلب ایسی کیفیات سے سرشار ہوتا ہے جو ناقصین اور عامۃ الناس کے اجسام اور قلوب کو میسر نہیں ہوتیں۔ بنا بریں اہل طریقت کے نزدیک قلب کو حقیقتِ جامعہ کہا جاتا ہے۔

قلب کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ قلبِ نوری ۲۔ قلبِ صنوبری

چونکہ قلبِ صنوبری قلبِ نوری کا ظرف ہے، فلہٰذا بواسطۂ ظرفیت و مظروفیت عالمِ قدس کے انوار، فیوضات و تجلیات قلبِ نوری سے قلبِ صنوبری پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ چونکہ بذات خود بے چون ہے اس لئے اس نے اہل اللہ کے قلب بھی یک گونہ بے چون تخلیق فرمائے ہیں، ورنہ بے چون کے چون میں سمانے کی کوئی گنجائش نہیں۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے:

لا یسعني أرضي ولا سمائي ولکن یسعني قلب عبدي المؤمن۔

یعنی زمین وآسمان میری وسعت نہیں رکھتے لیکن میری گنجائش میرے بندۂ مؤمن کا قلب رکھتا ہے۔[1]

بقول شاعر:

دو جہاں کی وسعتیں کہاں تجھ کو پا سکیں
اک میرا ہی دل ہے جہاں تو سما سکے

قلب نوری ہر قسم کے غبار سے پاک اور اغیار کی گرفتاری سے کلیتاً آزاد ہوتا ہے، یہی قلبِ حق تعالیٰ کا عرش ہے۔ جیسا کہ حدیثِ نبوی: قَلْبُ الْمُؤْمِنِ عَرْشُ اللّٰہِ۔[2] سے عیاں ہے۔ قدوۃ الابرار حضرت شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی قلب کو جوہر نورانی، عقل مستفاد، منبع اسرار، مطلع انوار اور عرش رحمٰن کہتے ہیں۔

دل بے معنی جوہر نورانی است
دل نہ از جسم او نے جسمانی است

---

[1](احیاء علوم الدین، ج۳، ص ۴۹۴، مسند الفردوس، ج ۱، ص ۳۰۰)
[2](تفسیر خواجہ یعقوب چرخی قدس سرہٗ العزیز، ص ۲۴۹)

آنکہ دانا گفت عقل مستفاد

در حقیقت داں کہ دل بود شش مراد

دل چہ باشد مطلع انوارِ حق

دل چہ باشد منبع اسرارِ حق

پیش سالک عرش رحمٰن است دل

جملہ عالم چوں تن وجان است دل

یہی قلب ذاتِ احد کا مظہر ہے جو اعتبارات سے مجرد ہے۔ جبکہ عرش، صفات کا مظہر ہے، اسی بناء پر صوفیائے کرام کے ہاں قلب کو عرش پر جزوی فضیلت حاصل ہے۔ کیونکہ قلب کو عالمِ قدس کے ساتھ حبی و عشقی تعلق حاصل ہے اور عرش، محبت و عشق کی نعمت سے محروم ہے۔

اسی لئے فرمایا گیا:

عرش و غزنین ہر دو یک طبق است

بلکہ غزنین شریف تر طبق است

یعنی عرش و غزنی دونوں مرتبے میں برابر ہیں بلکہ غزنی کا شرف عرش سے زیادہ ہے کیونکہ غزنی کے اولیاء کے قلوب میں جو عشقِ الٰہی ہے عرش اس عشق سے بے خبر ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ گنجائش سے مراد مرتبۂ وجوب کی صورت کی گنجائش ہے نہ کہ حقیقت کی کیونکہ وہاں حلول کی گنجائش نہیں ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حق سبحانہٗ کسی جہت میں نہیں ہے۔ وہ مکانی اور زمانی نہیں ہے۔ حق تعالیٰ کا ارشاد: الرَّحمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى (طٰهٰ ۵) اگرچہ بظاہر ثبوت جہت اور ثبوت مکان کا وہم پیدا کرنے والا ہے، لیکن حقیقت میں جہت اور مکان کی نفی کرتا ہے، کیونکہ یہ جہت اور مکان کا اثبات ایسے مقام (عرش) کے لئے کرتا ہے جہاں جہت اور مکان نہیں ہے۔ یہ تو حق تعالیٰ سبحانہٗ کی بے جہتی اور بے مکانی سے کنایہ ہے، فتامّل۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۷۳ تا ۱۷۵)

[إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ آدَمَ عَلَى صُورَتِهِ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔[2]]

تشریح

یہ دراصل طویل حدیث کا ایک جملہ ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ وَطُولُهُ سِتُّونَ ذِرَاعًا، الخ۔[3]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" میں اس حدیث کے تحت فرماتے ہیں: علماء کا اس حدیث کے معنی میں اختلاف ہے، بعض علماء تو اس حدیث کی

---

[1] (معارف لدنیہ معرفت، ص ۱۷)
[2] (صحیح البخاری، ج ۱۹، ص ۲۳۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)
[3] (صحیح بخاری، ج ۱۹، ص ۲۳۶، المکتبۃ الفاروقیۃ)

کوئی تاویل بیان نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں یہ حدیث احادیثِ صفات میں سے ہے، لہٰذا اس کی تاویل سے باز رہنا چاہیئے۔ کیونکہ اس طرح کے متشابہات میں سلف کا یہی مذہب ہے۔

بعض دوسرے علماء اس کی تاویل کرتے ہیں۔ اور اس کی مشہور تاویل یہ ہے کہ لفظِ صورت سے مراد صفت ہے جس طرح عام محاورات میں کہا جاتا ہے "اس مسئلے کی صورت یہ ہے" اور "فلاں معاملے کی صورتِ حال یہ ہے"۔ اب حدیث پاک کا معنی یہ ہوگا: "خدا تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو اپنی صفت پر پیدا فرمایا" یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ان صفات کا موصوف بنایا جو اس کی صفات کا پَرتَو ہیں۔ تو اسے حي، عالم، قادر، متکلم، سمیع، بصیر پیدا فرمایا۔

حدیث کی دوسری تاویل یہ ہے کہ یہ لفظ اضافتِ شرافت وبزرگی کے اظہار کے لئے ہے۔ جیسے بیت اللہ، روح اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو جمیل ولطیف صورت پر پیدا فرمایا اور آپ کی ذات کو منبع اسرار ولطائف بنایا۔

تیسری تاویل یہ ہے کہ ضمیرہٖ سے مراد حضرت آدم ہی ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو بشر کے بالکل ابتدائی حال پر بالکل ٹھیک اور متناسب الاعضاء پیدا فرمایا کہ آپ کا طول ساٹھ گز تھا۔ دوسرے انسانوں کی طرح (کہ وہ پہلے نطفہ، پھر مضغہ، پھر جنین ہوتے ہیں اور پیدائش کے بعد جسمانی نشو ونما پاتے ہیں) پیدا نہیں فرمایا۔

چوتھی تاویل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ایک صورتِ خاصہ پر پیدا فرمایا جو تمام مخلوقات کا نسخہ جامع ہے۔ کیونکہ کائنات میں ایسی کوئی مخلوق نہیں جس کی مثال صورتِ آدم میں نہ ہو۔ اسی لئے انسان کو عالمِ صغیر کہا جاتا ہے۔

پانچویں تاویل یہ ہے کہ صورت سے مراد شان اور اَمر ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام مسجودِ ملائکہ ہیں اور تمام کائنات کو مسخر کرنے والے اور ان میں تصرف کرنے والے ہیں۔

بعض جاہل صوفی اس حدیث کے یہ معنی کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی صورت پر پیدا کیا گیا ہے اور اللہ کی یہی صورت ہے جو انسان کی ہے۔ اس معنی کے مطابق اللہ تعالیٰ کا ذِی صورت اور جسم ہونا لازم آتا ہے اور اس سے اللہ تعالیٰ کا حدوث لازم آتا ہے۔ نیز یہ معنی آیۃ کریمہ: لَيۡسَ كَمِثۡلِهٖ شَيۡءٌ (الشوریٰ ۱۱) اور لَمۡ يَكُنۡ لَهٗ كُفُوًا اَحَدٌ (الإخلاص ۴) کے بالکل خلاف ہے۔ اس لئے اس حدیث کا یہ معنی ہرگز نہیں اور یہ معنی گمراہی اور کفر پر مشتمل ہے۔ محققین علماء کے نزدیک مذکورہ احادیث کی صحیح تاویلات میں سے جو چند ایک یہاں بیان کی گئی ہیں ان ہی پر اعتماد کیا جائے۔ وَاللّٰهُ يَهۡدِىۡ مَنۡ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسۡتَقِيۡمٍ۔ وَاللّٰهُ تَعَالٰى اَعۡلَمُ۔

[اور اسی جامعیت پر انسان کے دل کو پیدا کیا گیا ہے کہ جو کچھ پورے انسان میں ہے تنہا دل میں موجود ہے۔ لہٰذا قلبِ انسانی کو حقیقتِ جامعہ کہتے ہیں۔ قلب کی اسی وسعت و کشادگی کے متعلق بعض مشائخ نے جامعیت و وسعتِ قلب کے متعلق یوں خبر دی ہے کہ:

"اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے، قلبِ عارف کے ایک کونے میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو"۔]

تشریح

حدیث شریف میں آیا ہے کہ:

اَلۡمُؤۡمِنُ مِرۡاٰةُ الۡمُؤۡمِنِ۔

ترجمہ:(ایک)مؤمن(دوسرے)مؤمن کے لئے آئینہ ہے۔[1]

اب یوں کیجیئے کہ چھوٹا سا آئینہ لے کر اس کا رُخ چاند کی طرف کر دیں جو کہ اس آئینہ سے ہزاروں گنا بڑا ہے، تو اتنا بڑا چاند شیشے کے چھوٹے سے حصہ میں مکمل طور پر نظر آئے گا۔ تو کیا اس کا مطلب یہ لیں گے کہ چاند، شیشے کے ایک کونے میں سما گیا ہے؟ نہیں، ہر گز نہیں۔ بلکہ چاند کی صرف شبیہ آئینے میں نظر آتی ہے جبکہ اصل چاند تو آسمانوں میں جلوہ افروز ہوتا ہے۔ بالکل یہی مطلب ہے مشائخ کے اس قول کا جس میں اُنہوں نے کہا ہے کہ "اگر عرش اور جو کچھ اس میں ہے، عارف کے قلب کے ایک کونے میں ڈال دیں تو کچھ محسوس نہ ہو"۔

تو عارفِ حقیقی کا قلب جو انسانی اخلاقِ رذیلہ سے مصفٰی ہو چکا ہے، جب عالمِ کبیر کا مشاہدہ کرتا ہے تو اس کے صاف آئینے میں اُن تمام اشیاء کا عکس نظر آتا ہے، اور اسی عکس کو سالک حقیقی سمجھ لیتا ہے۔ حالانکہ ایسا ہوتا نہیں یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں مشائخ کا مندرجہ بالا قول حالتِ سُکر کا آئینہ دار ہے۔ صحو والے صوفیاء اس طرح کا کلام نہیں کرتے۔

[کیونکہ قلب عناصرِ اَربعہ، افلاک، عرش، کرسی، عقل، نفس اور مکانی اور لا مکانی اشیاء سب کا جامع ہے۔ تو چونکہ قلب لا مکانی اُمور پر بھی مشتمل ہے، لہٰذا عرش اور جو کچھ اس میں ہے قلب میں اس کی کچھ مقدار نہ ہوگی، کیونکہ عرش اور جو کچھ اس میں ہے باوجودِ وسعت وکشادگی کے دائرۂ امکان میں داخل ہے۔ اور مکانی چیز اپنی جگہ چاہے کتنی ہی وسیع کیوں نہ ہو لا مکانی کے سامنے تنگ ہی ہے اور کوئی قدر نہیں رکھتی۔ لیکن مشائخ قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم میں سے اَربابِ صحو جانتے ہیں کہ

---

[1] (رواہ سنن ابی داؤد، کتاب الادب، باب فی النصیحۃ والحیاطۃ، رواہ سنن کبری للبیھقی، کتاب قتال اھل البغی، باب مافی الشفاعۃ والذب عن عرض اخیہ المسلم من الاجر)

یہ حکم (قلب کا عرش سے بھی وسیع ہونا) سُکر پر مبنی ہے۔ اور شے کی حقیقت اور اس کے نمونے میں عدمِ امتیاز کے باعث ہے۔

عرشِ مجید جو ظہورِ تام کا محل ومقام ہے، اس سے بہت بلند ہے کہ قلبِ تنگ میں اس کی گنجائش ہو قلب کے اندر عرش کا جو کچھ نظر آتا ہے وہ عرش کا نمونہ ہے، حقیقتِ عرش نہیں۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ قلب کے آگے عرش کے نمونے کی کچھ حیثیت نہیں۔ کیونکہ قلب بے انتہاء اشیاء کے نمونوں کا جامع ہے۔ آئینہ جس میں آسمان اپنی تمام بڑائی اور اس میں موجود تمام اشیاء کے ساتھ دکھائی دیتا ہے یہ نہیں کہہ سکتے کہ آئینہ آسمان سے وسیع ہے۔ ہاں آسمان کی مثال اور اس کا عکس جو آئینے میں دکھائی دیتا ہے وہ آئینہ کے سامنے چھوٹا ہے۔ لیکن حقیقتِ آسمان آئینے سے بہت بڑی ہے۔ اس بحث کی ایک مثال سے وضاحت ہو جاتی ہے۔

مثلاً انسان میں کرۂ خاک کا عنصر پوشیدہ ہے۔ انسان کی جامعیت کا خیال کرتے ہوئے یہ نہیں کہہ سکتے کہ انسان کرۂ ارض سے وسیع ہے۔ بلکہ وجودِ انسان کی کرۂ خاک کے سامنے کچھ مقدار نہیں بلکہ اس کے سامنے انسان ایک چھوٹی سی چیز ہے۔ دراصل ایک چھوٹی چیز میں موجود نمونے کو حقیقت جانتے ہوئے یہ حکم لگا دیا جاتا ہے۔]

تشریح

حالتِ سُکر سالک کے نقص کی عکاس ہے۔ جب اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے کمال عنایت کر دیا جائے تو وہ حالتِ سُکر میں منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سے رجوع کر لیتا ہے اور توبہ واستغفار سے ان غلطیوں کا ازالہ کرتا ہے۔ لیکن تصوف کے اصول وقوانین سے نابلد انسان ان سُکری کلماتِ

سُکر کو اپنے لئے حجت و دلیل بنا لیتے ہیں۔ ان جہلاء کی ان غلطیوں اور لغزشوں سے ہی لوگ متنفر ہو کر تصوف و سلوک کے حقیقی مفہوم کا انکار کر دیتے ہیں۔

تو چاہیئے کہ کلماتِ سُکر کو شریعت کی کسوٹی پر پرکھیں، اگر صحیح نکلیں تو فبہا و نعمت اور اگر خلافِ شرع ہوں تو ان کی تقلید کرنا اور اُن کو قابلِ حجت سمجھنا غلطی ہی نہیں گناہ بھی ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز بعض صوفیاء کے اس قول پر تبصرہ فرما رہے ہیں کہ قلبِ عارف عالمِ خلق و عالمِ امر کے لطائف عشرہ، عرش و کرسی وغیرہا اور مکانی اور لا مکانی کا جامع ہے۔ آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ صوفیاء کا یہ قول سُکر کے قبیل سے ہے، حقیقتِ واقعہ یوں نہیں بلکہ قلبِ عارف میں ان اشیاء کی صورت، تمثال اور نمونے ہوتے ہیں جس طرح آئینے میں آسمان کا نمونہ ہوتا ہے اس کی حقیقت نہیں ہوتی کیونکہ آسمان کی وسعتیں تنگ آئینہ میں نہیں سما سکتیں۔

بینہ

واضح رہے کہ جسمِ انسانی میں عناصر عشرہ، عرش و افلاک وغیرہا اجمالی طور پر درج ہیں جس طرح گٹھلی میں جڑ، تنا، شاخیں، پھل، پھول، کانٹے وغیرہا پورا درخت مندرج ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۷۶)

[اسی قبیلہ سے ہے بعض مشائخ کا وہ کلام جو غلبۂ سُکر میں ان سے صادر ہوا ہے کہ جمع محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خدا تعالیٰ جل سلطانہٗ کی جمع سے زیادہ جامع ہے۔ ان مشائخ نے جب یہ دیکھا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حقیقتِ امکان اور مرتبہ وجوب کے جامع ہیں، تو انہوں نے یہ حکم لگا دیا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی جامعیت اللہ تعالیٰ شانہٗ کی جامعیت سے زیادہ ہے۔

یہاں بھی انہوں نے صورت کو حقیقت تصور کرتے ہوئے ایسا حکم لگایا۔ حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مرتبۂ وجوب کی صورت کے جامع ہیں، حقیقتِ وجوب کے جامع نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ وتقدس واجب الوجودِ حقیقی ہے۔ یہ حضرات اگر صورتِ وجوب اور حقیقتِ وجوب میں فرق کرتے تو ایسا حکم ہر گز نہ لگاتے۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کے احکامِ سُکریہ سے منزہ اور مبرا ہے۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بندے ہیں اور محدود ومتناہی ہیں اور اللہ تعالیٰ وتقدس غیر محدود اور غیر متناہی ہے۔]

تشریح

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ مجموعۂ جامع کلام میرے پاس ہے، اس کا مطلب یہ نہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے بھی زیادہ وسیع ہیں۔ بلکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مرتبۂ وجوب کی صورت کے جامع ہیں نہ کہ حقیقتِ وجوب کے جامع۔ مثال کے طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عالم ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عالم ہونا صورتاً ہے نہ کہ حقیقتاً کیونکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بندے ہیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علم کی حد معلوم شدہ ہے اس لئے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا علم عطائی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جتنا علم آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عطا فرمایاہے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس سے آگے بیان نہیں فرمایا جبکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات حقیقتاً عالم ہے اَزل سے اَبد تک۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک اہم مسئلہ بیان فرمارہے ہیں جس میں حضرت امام ربانی اور بعض صوفیائے وجودیہ کا اختلاف ہے۔ صوفیائے وجودیہ رحمہم اللہ تعالیٰ کے نزدیک چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم امکان اور مرتبۂ وجوب کی حقیقت کے جامع ہیں اور حق تعالیٰ سبحانہٗ کا تعلق محض مرتبۂ وجوب سے ہے۔ اس لئے جامعیتِ محمدی جمعِ الٰہی سے اجمع ہے۔ جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا مؤقف یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حقیقتِ امکان اور مرتبۂ وجوب کی صورت کے جامع ہیں، حقیقت کے جامع نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حقیقی واجب الوجود ہے، اس لئے اس کی ذات غیر محدود اور لامتناہی ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ممکن الوجود اور مخلوق ہیں اس لئے آپ حق تعالیٰ کے بندے، محدود اور متناہی ہیں۔

بینہ

یہ امر ذہن نشین رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک حق تعالیٰ کی صفات تین قسم کی ہیں:

۱۔ صفاتِ اضافیہ: جیسے "خالقیت" اور "رازقیت" ان کا تعلق عالمِ دُنیا کے ساتھ ہوتا ہے۔

۲۔ صفاتِ حقیقیہ: جیسے علم، قدرت، ارادہ، سمع، بصر اور کلام یہ صفات اپنے اندر اضافت کا ایک رنگ رکھتی ہیں۔

۳۔ حقیقتِ صرف: جیسے حیات اس میں اضافت کا کوئی امتزاج نہیں ہے۔ یہ قسم تینوں قسموں میں سب سے اعلیٰ اور جامع ترین ہے۔[1]

آپ کے نزدیک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تخلیق صفاتِ اضافیہ سے ہوئی ہے اور صفاتِ اضافیہ وجوب اور امکان کے درمیان برزخ ہیں۔ اسی بناء پر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خالق اور مخلوق کے درمیان رابطہ اور واسطہ ہیں کہ جمیع مخلوقات و موجودات کو انعامات، فیوضات وبرکات آپ کے وسیلے سے ہی نصیب ہوتے ہیں، اسی لئے آپ کو برزخ البرازخ اور برزخِ کبریٰ بھی کہا جاتا ہے۔

بقول شاعر شہیدی:

اُدھر اللہ سے واصل اِدھر مخلوق میں شامل
خواص اس برزخِ کبریٰ میں ہے حرفِ مشدد کا

یہاں ایک دقیق سوال ہے جس کا جواب علمائے راسخین، اولیائے کاملین اور صوفیائے محققین نے مرحمت فرمایا ہے۔

سوال یہ ہے کہ آیا حق تعالیٰ اس عالم میں سے ہے یاماسوائے عالم ہے۔ اگر حق تعالیٰ عالم میں سے نہیں تو ماسوائے عالم ہو گا دریں صورت حق تعالیٰ کا وجود محدود ہو جاتا ہے، کیونکہ ورائیت، محدودیت کو مثبت ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ حق تعالیٰ موجود ہے اور عالم موہوم ہے۔ لہٰذا موجود وہمی موجود خارجی کو محدود نہیں کر سکتا، واجب اور ممکن کی مثال نقطۂ جوالہ اور دائرۂ موہومہ کی سی ہے اور یہ امر مسلم

[1] (مبدأ ومعاد منها، ص ۵۹)

ہے کہ دائرۂ موہومہ، نقطۂ موجودہ کی تحدید نہیں کر سکتا۔ اگرچہ دائرہ کا کوئی بھی حصہ نقطہ کے اشراق وانوار سے خالی نہیں ہے لیکن دائرۂ محدد نقطہ نہیں ہے اور نقطہ کو محدود نہیں کر سکتے۔ اسی بناء پر دخول، خروج، اتصال اور انفصال کی نسبت بھی نقطہ نہیں رکھتی۔

سوال: نمود عالم پر موہومیت کا حکم لگانا سوفسطائیہ کا مذہب ہے کہ ان کے نزدیک عالم تابع خیال ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی بلند کو پست جانیں تو وہ پست ہے اور اگر کسی پست کو بلند خیال کریں تو وہ بلند ہے اس کا کیا جواب ہے؟

جواب: عالمِ موہوم ذہنی اختراع نہیں ہے کہ ازالۂ وہم سے زائل ہو جائے بلکہ عالم موہوم یقینی ہے جس پر عذاب وثواب ابدی مترتب ہوتا ہے یعنی یہ وہم، یقین اور رسوخ کے ساتھ ملاتی ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۷۶ تا ۱۷۹)

[یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ جو چیز احکامِ سُکر سے تعلق رکھتی ہے وہ مقامِ ولایت میں سے ہے۔ اور جو شے صحو سے تعلق رکھتی ہے وہ مقامِ نبوت سے ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی کامل اتباع کرنے والوں کو بواسطۂ صحوِ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے متبع ہونے کے طور پر اس مقام سے حصہ ملتا ہے۔]

تشریح

وحدت الوجودی مشرب رکھنے والے بعض مشائخ نے کہا ہے کہ ولایت مرتبۂ نبوت سے بلند درجہ رکھتی ہے (نعوذ باللہ من ذلک) یہ قول بھی سُکر کی حالت کی عکاسی کرتا ہے۔ وحدت الوجود والوں کی کوتاہ نظر جب وحدت الشہود اور مقاماتِ نبوت کے مشاہدے کو پا نہ سکی تو اُنہوں نے

وحدت الوجود اور راستۂ ولایت کو ہی شاہراہ سمجھ لیا اور نبوت جیسے عظیم مقام کو ایک ذیلی اور ضمنی چیز کا درجہ دے دیا۔ حالانکہ مقامِ نبوت کے سامنے ولایت ادنیٰ مقام رکھتی ہے۔

نبوت خالصتاً عطائے خداوندی اور وہبی چیز ہے۔ اور انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ سے فیض یاب ہوتے ہیں۔ نیز نبوت مقامِ اصل ہے جبکہ ولایت ظلی چیز ہے جس کے حصول میں کسب کو دخل ہے۔ نیز ولایت کو صفاتِ فعلیہ کے فیوض سے سیر اب کیا جاتا ہے، تو عقل سلیم رکھنے والوں کے لئے اس فرق کو سمجھنا آسان ہے۔ تصوف کے الف، با کا علم نہ رکھنے والوں کو اس معرفت کی طرف راہ نہیں ملی۔

[شیخ ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے پیروکار سُکر کو صحو سے افضل قرار دیتے ہیں۔

اسی لئے شیخ ابو یزید بسطامی قدس سرہٗ فرماتے ہیں:

لِوَائِی اَرْفَعُ مِنْ لِوَاءِ مُحَمَّدٍ۔

ترجمہ: میرا جھنڈا محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے سے زیادہ بلند ہے۔

یہ بزرگ اپنے جھنڈے کو ولایت کا جھنڈا قرار دیتے ہیں اور حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے کو نبوت کا جھنڈا۔ پھر لوائے ولایت کو جس کا رُخ سُکر کی طرف ہے اسے لوائے نبوت پر جس کا تعلق صحو سے ہے ترجیح دیتے ہیں۔]

تشریح

سُکر و صحو سلوک میں پیش آنے والی دو کیفیات ہیں، جنہیں مکتوب نمبر ۲ اور مکتوب نمبر ۸ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ یہاں پر یہ بات سمجھانی مطلوب ہے کہ حضرت بایزید بسطامی، حضرت منصور حلاج اور حضرت محی الدین ابن العربی رحمہم اللہ تعالیٰ اور ان جیسے دوسرے اولیاء کرام نے لمبا عرصہ

حالتِ سُکر میں گزارا ہے اور جو کچھ اُنہوں نے دورانِ مشاہدہ دیکھا یا اُنہیں پیش آیا انہوں نے غلبۂ احوال کے تحت بیان کر دیا۔ وہ پاکیزہ ہستیاں عقائد کے لحاظ سے ایسی نہ تھیں بلکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے عشق ومحبت میں اتنے غرق تھے کہ اپنے اقوال اور حقیقتِ معاملہ میں فرق ہی نہ کر سکے۔ اس لئے شریعت کی قلم اُن سے اُٹھ گئی اور ان کے حقیقتِ معاملہ کی وجہ سے ان کا مؤاخذہ نہ کیا لیکن بعد میں سُکر وصحو سے ناواقف لوگوں نے ان سُکر والوں کی تقلید شروع کر دی جو کسی بھی طور پر درست نہیں ہے۔ عقل وہوش رکھنے والے اگر یہی الفاظ منہ سے نکالیں گے تو شریعت کی بے باک قلم اُن کی گرفت کرے گی اور دائرۂ اسلام سے نکال باہر پھینکے گی۔

حالتِ سُکر میں رُک جانے والے صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کسی بھی طرح دین کی خدمت نہیں کر سکتے کیونکہ اُن کا رُخ صرف ذاتِ الٰہی کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور مشاہدۂ جمال اُنہیں تربیتِ سالکین کی طرف متوجہ ہونے ہی نہیں دیتا۔ اگر فضل ایزدی شاملِ حال ہو جائے اور ان کو اس مقام سے ترقی دے کر حالتِ صحو کی طرف لے جائے تو ان کا باطن ذاتِ الٰہی کے ساتھ مگن ہو جاتا ہے اور ان کا ظاہری رُخ عوام کی تربیتِ باطنی اور تعلیم وتعلم کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور اُن سے اشاعتِ دین اور احکاماتِ الٰہی کی ترویج کا کام لیا جاتا ہے۔ درجاتَ فضیلت ان ہی کے لئے مخصوص ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز کے ایک قول پر تبصرہ کرتے ہوئے ارشاد فرما رہے ہیں کہ حضرت شیخ نے اپنے جھنڈے کو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے سے بلند قرار دیا ہے، ان کے جھنڈے سے مراد ولایت کا جھنڈا ہے۔ اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جھنڈے سے

مراد نبوت کا جھنڈا ہے اور بعض صوفیاء کا قول "ولایت نبوت سے افضل ہے" اسی قبیل سے ہے۔ اس کی دلیل دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ ولایت میں توجہ خالق کی طرف ہوتی ہے اور نبوت میں توجہ مخلوق کی طرف ہوتی ہے۔ اس بات میں کوئی شک نہیں کہ مخلوق کی طرف توجہ کرنے سے خالق کی طرف توجہ کرنا افضل ہے، لہٰذا ولایت، نبوت سے افضل ہے۔

جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا مؤقف یہ ہے کہ ولایت، نبوت کا جزو ہے اور نبوت کل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نبوت ولایت سے افضل ہے خواہ ولایت نبی کی ہو یا ولی کی نیز آپ کے نزدیک تفضیل ولایت کے قائلین اربابِ سُکر اور اولیائے غیر مرجوعین میں سے ہیں اور مقامِ نبوت کے کمالات سے بے خبر ہیں۔ مقام نبوت کو مقامِ ولایت کے ساتھ ایسی نسبت ہے جیسی کہ غیر متناہی کو متناہی کے ساتھ ہوتی ہے۔ نبوت، نزولی مراتب میں کلیتاً مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے، جبکہ ولایت کو نزولی مراتب میں مخلوق کی طرف پوری توجہ میسر نہیں ہوتی، بلکہ اس کا باطن حق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، جبکہ ظاہر مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔ اس کی وجہ میسر یہ ہے کہ صاحبِ ولایت نے عروجی مقامات پوری طرح طے نہیں کئے اور نزول کر لیا ہے، اس لئے لازمی طور پر اس کو فوق کی نگرانی ہر وقت دامن گیر رہتی ہے، جو کلی طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہونے میں مانع ہے۔ برخلاف صاحب نبوت کے کہ اس نے عروجی منازل کی تکمیل کے بعد نزول فرمایا ہے، اس لئے وہ پورے طور پر مخلوق کو خالق کی طرف دعوت دینے میں متوجہ ہوتے ہیں۔

مزید برآں ولایتِ اولیاء حق تعالیٰ کے قرب کا سراغ دیتی ہے اور ولایتِ انبیاء حق تعالیٰ کی اقربیت کا نشان بتاتی ہے۔ ولایتِ اولیاء شہود کی طرف دلالت کرتی ہے اور ولایتِ انبیاء بے کیفی اور بے رنگی کی نسبت کا اثبات کرتی ہے۔ ولایتِ اولیاء اقربیت کو نہیں پہنچاتی کہ کیا ہے اور جہالت کو

نہیں جانتی کہ کہاں ہے اور ولایتِ انبیاء اقربیت کے باوجود قرب کو عین بُعد جانتی ہے اور شہود کو عین غیبت سمجھتی ہے۔

(مزید تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: البینات شرح مکتوبات، ج ۲، مکتوب ۷۷)

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سُکر اور صحو کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سُکر اور صحو کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلسُّکْرُ غَیْبَۃٌ بِوَارِدٍ قَوِیٍّ۔

یعنی سُکر وہ حالتِ غیبت ہے جو سالک پر قوی وارد کی وجہ سے طاری ہوتی ہے۔[1]

اَلصَّحْوُ رُجُوْعٌ اِلَی الْاِحْسَاسِ بَعْدَ الْغَیْبَۃِ بِوَارِدٍ قَوِیٍّ۔

یعنی وارد قوی کی وجہ سے غیبت کے بعد احساس کی طرف لوٹنے کو صحو کہا جاتا ہے۔[2]

- سُکر، مستی، بے خبری اور بے تمیزی کو کہا جاتا ہے جس میں سالک تجلیاتِ وجوبیہ کے واسطہ سے حواس اور احساس سے غائب ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تجلیات اُس کے شعور کو زائل کر دیتی ہیں، نیز سُکر اصحابِ مواجید کا حصہ ہے۔
- صحو سُکر کے بعد افاقہ، ہوش، باخبری اور ہوشیاری کو کہتے ہیں۔
- سُکر غلبۂ مدہوشی اور جذب و مستی کا نام ہے جس سے مراد اربابِ معانی کے نزدیک اللہ تعالیٰ کی محبت کا غلبہ ہے۔

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۱۱۶)

[2] (کتاب التعریفات، ص ۱۱۶)

- حالتِ سُکر میں سالک حال کا مشاہدہ کرتا ہے۔
- سُکر سراسر گُمان فنا ہے۔
- صحو سراسر دیدِ بقا ہے۔
- حالتِ صحو میں سالک علم کا مشاہدہ کرتا ہے۔
- سُکر مقامِ ولایت سے تعلق رکھتا ہے۔
- صحو مقامِ نبوت سے تعلق رکھتا ہے۔

صحو اور سُکر کے متعلق اہل طریقت کا اختلاف

سلطان العارفین حضرت شیخ بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے متبعین سُکر کو صحو پر فوقیت دیتے ہیں، جبکہ سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے متبعین صحو کو سکر پر فضیلت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ سُکر محل آفت ہے۔

قدوۃ المشائخ حضرت شیخ ابو الفضل ختلی جنیدی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ سُکر بازیچۂ اطفال ہے اور صحو رزم گاہ مرداں ہے۔

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ صاحبِ سُکر کے حال کا کمال صحو میں ہوتا ہے اور صحو کا کم ترین درجہ بشریت کی بیچارگی کی رؤیت وادراک ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک صحو سُکر سے افضل ہے کیونکہ صحو سُکر کو متضمن ہے کہ صحو سُکر کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

صحو کل ہے اور سُکر جزو ہے بایں طور کہ صحو سُکر کے بعد ہے اور سُکر مستلزمِ صحو نہیں، فلہٰذا سُکر جزو کے حکم میں ہے اور صحو کل کے حکم میں ہے۔

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز نے سُکر کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ سُکر از راہ مؤدت ۲۔ سُکر از راہِ محبت

پہلی قسم کا سُکر معلول ہوتا ہے کہ رؤیت نعمت سے ظہور پزیر ہوتا ہے، دوسری قسم کا سُکر بے علت ہوتا ہے کہ رؤیت منعم سے پیدا ہوتا ہے۔ نعمت پر نظر رکھنے والا ذاتی نقطہ نظر سے دیکھتا ہے جبکہ منعم کو سامنے رکھنے والا منعم میں محو ہوتا ہے اور اپنی ذات کو نظر انداز کر دیتا ہے اگرچہ وہ حالتِ سُکر میں ہوتا ہے مگر اس کا سُکر بھی صحو ہوتا ہے۔

صحو کی بھی دو قسمیں ہیں:

۱۔ صحو از روئے غفلت ۲۔ صحو از روئے محبت

پہلی قسم کا صحو حجاب اعظم ہے اور دوسری قسم کا صحو کشفِ ابین (عین مشاہدہ) ہے۔ غرضیکہ سُکر اور صحو کی حدود ملتی جلتی ہیں ایک کی انتہاء دوسرے کی ابتداء ہے۔[1]

سُلطان العارفین

حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز

کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی طیفور بن عیسٰی بن آدم، کنیت ابویزید اور لقب سلطان العارفین ہے۔ آپ ۱۳۶ھ کو شہر بسطام (نیشاپور) میں متولد ہوئے۔ آپ مادر زاد ولی تھے۔ آپ کی والدہ فرماتی ہیں کہ جب آپ میرے شکم میں تھے تو جب کبھی میں مشتبہ لقمہ کھا بیٹھتی تو آپ میرے پیٹ میں تڑپنا

---

[1] (کشف المحجوب)

شروع کر دیتے جب تک قے نہ کر دیتی اور وہ لقمہ میرے جسم سے نکل نہ جاتا آرام نہ کرتے۔

سبحان اللہ!

آپ کے دل میں بچپن سے ہی تلاشِ حق کی جستجو پیدا ہو گئی تھی۔ جب والدہ ماجدہ نے اپنا حق معاف کرکے راہِ خدا کے لئے وقف کر دیا تو آپ شہر بسطام سے نکل کر تیس سال تک شام کے جنگلوں میں عبادت وریاضت اور مجاہدے کرتے رہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس کام کو میں سب سے مؤخر سمجھتا تھا وہ سب سے مقدم نکلا اور وہ والدہ کی رضا ہے۔ اور فرمایا کہ جو کچھ میں ریاضات ومجاہدات اور مسافرت میں ڈھونڈتا رہا وہ والدہ کی خدمت ورضا میں ہی پایا۔

آپ فرماتے ہیں کہ ابتدائے احوال میں مجھے وحدانیت کی طرف روحانی سیر اور باطنی طیر میسر ہوئی تو میرے رستے میں بہشت ودوزخ آئے مگر میں نے ان کی طرف کوئی توجہ نہ کی، یہاں تک کہ میں ایک پرندہ بن گیا جس کا جسم احدیت سے اور بال وپر قِدم سے بنے تھے۔ میں فضائے ہویت میں پرواز کرتا رہا، حتیٰ کہ فضائے ازلیت میں داخل ہو گیا اور شجر احدیت کا مشاہدہ کیا۔ جب بنظر غائر دیکھا تو ہر طرف مجھے میں ہی نظر آیا جو اللہ تعالیٰ کا غیر ہے، میں پکار اُٹھا خدایا! جب تک میری (انا) موجود ہے تیری ذات تک رسائی محال ہے، ابھی تو مجھے میری انانیت سے چھٹکارا حاصل نہیں ہوا، بتا میں کیا کروں؟

فرمان آمد کہ یا بایزید خلاص تو از توئی تواند در متابعت دوست ما بستہ است دیدہ را بخاک قدم وی اکتحال کن و بر متابعت وی مداومت کن۔

یعنی حکم ہوا اے بایزید! تیری خودی سے تیری خلاصی ہمارے دوست (رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کی متابعت سے وابستہ ہے۔ ان کے مبارک قدموں کی خاک کو اپنی آنکھوں کا سُرمہ بنااور ان کی متابعت پر مداومت اختیار کر۔

اہل طریقت اسے حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز کی معراج کہتے ہیں۔[1]

ایک مرتبہ آپ نے اپنے پاؤں مبارک پھیلائے تو ایک مرید نے بھی آپ کی دیکھادیکھی پاؤں پھیلا دیئے، پھر جب آپ نے اپنے پاؤں سمیٹے تو اس مرید نے بھی پاؤں سمیٹنے کی کوشش کی، مگر اس کے پاؤں مفلوج ہو کر رہ گئے۔ آخری دم تک اس کی یہی حالت رہی، کیونکہ اس نے مُرشد کے پاؤں پھیلانے کو معمولی بات سمجھ کر مُرشد کی برابری کرکے بے ادبی کی تھی۔ اَلْعَیَاذُ بِاللہِ۔

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز آپ کی شان بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اَبُو یَزِیْد مِنَّا بِمَنْزِلَةِ جِبْرَئِیْلٍ مِنَ الْمَلَائِکَةِ۔

یعنی شیخ بایزید ہم (اولیائے کرام) میں ایسے ہیں جیسے ملائکہ میں سیدنا جبرئیل علیہ السلام۔[2]

ایک مقام پر یوں فرمایا:

میدانِ توحید میں چلنے والوں کی انتہا بایزید کی ابتداء ہے۔

اقبال مرحوم نے خوب کہا:

شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنید و بایزید تیرا جمال بے نقاب

---

[1](ماخوذ از کشف المحجوب فارسی، ص ۲۶۰)

[2](کشف المحجوب فارسی، ص ۱۱۳)

آپ بڑے صائب الرائے اور صاحب اجتہاد تھے، لیکن علم ظاہری کو ترک کر کے راہِ ولایت پر گامزن ہو گئے تھے، اس لئے علومِ ظاہری میں آپ کا کمال ظاہر نہیں ہوا۔

لوگوں نے بہت سی شطحیات آپ کی طرف منسوب کر دی ہیں، حالانکہ آپ کا ارشاد گرامی ہے کہ راہِ شریعت پُلِ صراط سے زیادہ باریک اور پُر خطر ہے۔ سالک پر لازم ہے کہ ہر حالت میں ایسی روش اختیار کرے کہ اگر اسے بلند مقامات واعلیٰ احوال میسر نہ آئیں اور وہ گر پڑے تو دائرۂ شریعت میں ہی گرے۔ ہر چیز چھن جائے تو کم از کم شرعی اعمال اس سے نہ چھوٹیں، کیونکہ احکام شرعیہ پر عمل ترک کر دینا مرید کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

آپ نے بعمر ایک سو پچیس سال ۱۵ شعبان المعظم ۲۶۱ھ بسطام میں وصال فرمایا۔ مزار فائض الانوار والآثار بسطام شریف میں ہی ہے۔

ملحوظہ

امام الاولیاء حضرت سیدنا امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ساتھ آپ کی بیعت کے سلسلہ میں مشائخ کے دو اقوال ملتے ہیں:

ایک قول بطریق اویسیت فیض یاب ہونے کا ہے کہ حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روحانیت سے آپ نے تربیت حاصل کی۔

بعض کتب میں آپ کی لقائے صوری یوں منقول ہے:

عَنِ الْاِمَامِ عَلِی الرِضَا عَنِ الْاِمَامِ مُوْسٰی الْکَاظِمْ عَنِ الْاِمَامِ جَعْفَرُ الصَّادِقْ (رحمہم اللہ تعالیٰ)۔

اس طرح آپ حضرت شیخ معروف کرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے برادرِ طریقت ہیں۔

دوسرا قول حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے براہِ راست بطریق بیعت فیض یاب ہونے کا ہے کہ آپ کی حضرت امام جعفر صادق رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے ملاقات و بیعت ثابت ہے۔ چنانچہ شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز نے اپنے رسالہ مشائخ طرق اربعہ میں نقل فرمایاہے جو باقیات باقی کے آخر میں بطور ضمیمہ شائع ہو چکاہے۔ ملاحظہ ہو:

شیخ بایزید بسطامی را نسبت وبیعت بحضرت امام بحق ناطق جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چنانکہ امام غزالی در کتاب "طیب القلوب" خود آوردہ اند کہ شیخ بایزید بہ امام جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیعت فرمودہ ودوام ذکر اللہ و شکری شکری گفتی تاآنکہ از دنیا رحلت فرمودہ اند۔

یعنی حضرت شیخ بایزید بسطامی کو حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نسبت و بیعت حاصل تھی، چنانچہ حضرت امام غزالی اپنی کتاب "طیب القلوب" میں رقم طراز ہیں کہ حضرت شیخ بایزید نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دست حق پرست پر بیعت فرمائی اور وصال مبارک تک دوام ذکر الٰہی پر کاربند رہے۔

چنانچہ منقول ہے کہ آپ ایک روز حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت اقدس میں حاضر تھے، حضرت امام نے فرمایا اے بایزید! اس کتاب کو طاق سے اتار لاؤ۔ حضرت بایزید نے عرض کیا کہ طاق کہاں ہے؟ حضرت امام نے فرمایا کہ تم اتنی مدت سے یہاں ہوا بھی تک تم نے طاق بھی نہیں دیکھا۔ آپ نے عرض کیا کہ مجھے طاق سے کیا کام جو سر پر اٹھاؤں میں سیر و نظارہ

کے لئے آپ کے پاس نہیں آیا۔ حضرت امام نے فرمایا کہ جب ایسا ہے تو اب تم بسطام کو چلے جاؤ تمہارا کام پورا ہو گیا۔[1]

بینہ

عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ سلسلہ نقشبندیہ و کبرویہ میں حضرت رسالت مآب علیٰ صاحبہا الصلوات سے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واسطے سے ہمارے اس آج کے دن تک ذکر من و عن پہنچا ہے اور واسطوں میں کوئی فتور واقع نہیں ہوا ہے۔[2]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۷۹ تا ۱۸۶)

[اسی قبیلہ سے ہے یہ جملہ جو بعض سے صادر ہوا ہے:

اَلْوَلَایَۃُ اَفْضَلُ مِنَ النَّبُوَّۃِ۔

ترجمہ: ولایت نبوت سے افضل ہے۔

یہ بات کہنے والوں کا خیال ہے کہ ولایت کا رُخ خدا تعالیٰ کی طرف ہے اور نبوت کا مخلوق کی طرف اور اس میں شک نہیں کہ خالق کی طرف رُخ مخلوق کی طرف رُخ ہونے سے افضل ہے۔

اور بعض نے اس جملے کی یوں توجیہ کی ہے کہ نبی کی ولایت اس کی نبوت سے افضل ہے۔ لیکن اس فقیر کے نزدیک اس طرح کی باتیں دور از کار ہیں۔ کیونکہ نبوت میں رُخ صرف مخلوق کی طرف نہیں بلکہ مخلوق کی طرف توجہ کے باوجود حق تعالیٰ کی طرف بھی توجہ موجود رہتی ہے۔ نبی علیہ السلام کا باطن خدا تعالیٰ کے ساتھ ہوتا ہے اور ظاہر مخلوق کے ساتھ۔ اور جس کی کل توجہ مخلوق کی طرف ہو

---

[1] (تذکرۃ الاولیاء)

[2] (مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۳۶)

اور خالق سے بالکل غیر متعلق ہو، ایسا شخص بد قسمت ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات تمام موجودات سے افضل ہیں۔ لہٰذا بہترین دولت ونعمت بھی ان ہی کا حصہ ہے۔ ولایت نبوت کا جزو ہے اور نبوت کُل ہے۔ لہٰذا نبوت ہی افضل ہے، خواہ نبی کی ولایت ہو یا ولی کی ولایت۔ تو ثابت ہوا کہ صحو سُکر سے افضل ہے کیونکہ سُکر صحو میں مندرج ہے۔ جس طرح ولایت نبوت میں مندرج ہے۔ وہ صحو اور ہوش جو عوام الناس کو حاصل ہے خارج از بحث ہے۔ اس صحو پر سُکر کو ترجیح دینا ایک بے معنی اَمر ہے لیکن وہ صحو جو سُکر کو متضمن ہے البتہ سُکر سے افضل ہے۔

علومِ شرعیہ جن کا مصدر ومنبع مرتبۂ نبوت ہے سراسر صحو ہے اور علومِ شرعیہ کے مخالف جو کچھ ہے سُکر سے ہے۔ صاحبِ سُکر معذور ہوتا ہے، تقلید کے لائق صحو کے علوم ہیں۔ سُکر کے علوم لائقِ تقلید نہیں ہیں۔۔۔۔۔۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں علومِ شرعیہ کی تقلید پر ثابت قدم رکھے۔ ان علوم کے سرچشمہ اور مصدر پر صلوٰۃ وسلام اور تجلیات کا نزول ہوتا رہے۔ اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائے جو آمین کہے۔

اور وہ جو حدیث قدسی میں وارد ہے:

لا يسعني أرضي ولا سمائي ولكن يسعني قلب عبدي المؤمن۔

ترجمہ: میں اپنی زمین اور اپنے آسمان میں نہیں سما سکتا۔ ہاں میں اپنے بندۂ مؤمن کے دل میں سما سکتا ہوں۔[1]

تو اس گنجائش سے مراد مرتبۂ وُجوب کی صورت کی گنجائش ہے۔ حقیقتِ رب کا سمانا مراد نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے لئے کسی شے میں حلول کرنا محال ہے، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔

---

[1] (احیاءعلوم الدین، ج۳، ص ۴۹۴، مسند الفردوس، ج ۱، ص ۳۰۰)

پس ثابت ہو گیا کہ قلب کا لا مکانی ذات کو شامل ہونا لا مکانی کی صورت کے اعتبار سے ہے نہ حقیقت کے لحاظ سے۔ حقیقت کے لحاظ سے عرش اور جو کچھ اس میں ہے اس کی ذاتِ واجب کے سامنے کچھ مقدار اور حیثیت نہیں۔ یہ حکم لا مکانی ذات کی حقیقت کے سامنے مخصوص ہے۔]

تشریح

۷۲ فرقوں میں سے ایک فرقہ ایسا ہے جسے حلولیہ کہتے ہیں اس کے عقائد میں سے ایک اہم عقیدہ یہ ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ انسان کے جسم میں حلول کر لیتا ہے (نعوذ باللہ من ذلک) ایسا عقیدہ رکھنا کفر ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ حلول سے پاک و منزہ ہے یونہی جاہل اور گمراہ ایسے لوگ بھی ہیں جو بظاہر تصوف کے ساتھ منسلک ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ہمارے پیر و مُرشد میں حلول کر لیا ہے تو ان کا یہ قول بھی کھلی گمراہی ہے اور تصوفِ حقیقی کی بدنامی کا سبب ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ایسے گمراہ کُن عقائد سے محفوظ رکھے اور اس طرح کے عقائد رکھنے والوں کو ہدایت نصیب فرمائے، آمین۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ان صوفیاء کے مؤقف پر تبصرہ فرما رہے ہیں جنہوں نے تفضیل ولایت کے قول کی توجیہہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ چونکہ ولایت میں توجہ حق کی طرف ہوتی ہے اور نبوت میں مخلوق کی طرف۔ اس لئے ولایت، نبوت سے افضل ہے۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبوت میں توجہ، محض مخلوق کی طرف ہی نہیں ہوتی بلکہ مخلوق کی طرف توجہ ہونے کے ساتھ ساتھ خالق کی طرف بھی توجہ ہوتی ہے۔ وہ بظاہر خلق کے ساتھ ہوتے ہیں مگر بباطن حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبوت میں توجہ محض مخلوق کی طرف ہی نہیں ہوتی بلکہ مخلوق کی طرف توجہ ہونے کے ساتھ ساتھ خالق کی طرف بھی توجہ ہوتی ہے۔ وہ بظاہر خلق کے ساتھ ہوتے ہیں مگر بباطن حق کے ساتھ ہوتے ہیں۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا یہ موٴقف عروجی منازل اور کمالاتِ نبوت کے ابتدائی اور درمیانی احوال میں تھا، مگر نزولی مراتب میں حقیقت آشکارا ہونے پر آپ کا یہ موٴقف ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات رشد وہدایت اور تبلیغ ودعوت کے لئے مکمل طور پر مخلوق کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔ تکمیلی مراتب میں انہیں فوق کی نگرانی کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایسے ہی علمائے راسخین اور اولیائے کاملین جو نبوت کی نیابت اور رسالت کی خلافت پر متمکن ہوتے ہیں انہیں بھی دعوت وتبلیغ میں فوق کی نگرانی کی حاجت نہیں رہتی، بلکہ وہ کلیتاً مخلوق کو دعوت دینے کی طرف مشغول رہتے ہیں۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جس طرح مقامِ نبوت کے احوال تین قسم کے ہوتے ہیں ابتداء، وسط اور انتہاء ایسے ہی نبوت کی تبعیت ووراثت میں مقامِ ولایت کے احوال بھی تین قسم کے ہوتے ہیں بدایت، وسط اور نہایت۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز قلب کی وسعت کا ذکر فرما رہے ہیں۔ گو قلب عارف تجلیات عالم وجوب کی گنجائش رکھتا ہے لیکن یہ مرتبۂ وجوب کی صورت اور تمثال ہوتے ہیں، حقیقت نہیں ہوتی۔ نیز قلب حق تعالیٰ کی گنجائش کا محل ہے مگر حالیت، محلیت اور ظرفیت و مظروفیت سے پاک ہے جس کا ادراک عقل سے وراء ہے جیسے آئینہ میں صورت، ظرفیت اور مظروفیت کے تصور سے بالا ہے۔

سوال: حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب تجلیاتِ ذات سبحانہٗ کا محل ہے اور بعض دیگر فرمودات سے معلوم ہوتا ہے کہ قلب خود ذاتِ حق تعالیٰ سبحانہٗ کا محل ہے ان متضاد اقوال میں مطابقت کیسے ہو گی؟

جواب: حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا پہلا قول ابتدائی اور درمیانی اوقات واحوال سے تعلق رکھتا ہے اور قولِ ثانی آپ کے انتہائی احوال سے متعلق ہے اور یہی قول معتبر ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ قلبِ عارف میں ظہور حق سبحانہٗ کا معاملہ بے نمون، بے چگون اور بے کیف ہوتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۸۸ تا ۱۹۰)

مکتوب نمبر ۹۶

[محمد شریف کی طرف صادر فرمایا:
نیک کام میں ٹال مٹول اور تاخیر کرنے سے روکنے اور ڈانٹنے میں۔ اور متابعتِ شریعت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام پر اُبھارنے اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔
اے فرزند! آج جبکہ فرصت کا وقت ہے اور سکون ودل جمعی کے تمام اسباب میسر ہیں، ٹال مٹول اور تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں، زندگی کے بہترین اوقات کو جو اٹھتی جوانی کا زمانہ ہے، بہترین اعمال یعنی اپنے مالک ومولیٰ تعالیٰ وتقدس کی طاعت وعبادت میں صرف کرنا چاہیئے۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت وعبادت میں سُستی اور ٹال مٹول نہیں کرنی چاہیئے۔
حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:
ھلک المسوفون۔
ترجمہ: آج کا کام کل پر چھوڑنے والے ہلاک ہوگئے۔[1]
پس جو عبادت اور نیک کاموں کی ادائیگی میں سُستی کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو ہلاکت کی طرف لے کر جارہے ہیں۔ اور یہ عمل فرقۂ مرجیہ کا عمل ہے اور مرجیہ جہنمی ہیں۔
کتنے لوگ ہیں جنہیں ادائیگیٔ نماز کے لئے فرصت میسر ہوتی ہے، لیکن وہ یہ سوچتے ہوئے نماز ترک کردیتے ہیں کہ "کل شروع کرلیں گے" اور کتنے لوگ ہیں جن کے پاس حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے مال ودولت بھی ہوتی ہے اور صحت وتندرستی بھی لیکن یہ کہتے کہتے موت آجاتی ہے کہ اگلے

---

[1](روح البیان، ج۴، ص ۱۸۵، الناشر: دار الفکر - بیروت)

سال کر لیں گے اور پھر اُن کی زندگی میں اگلا سال آتا ہی نہیں۔ کتنے لوگ ہیں جو اپنے چہروں سے داڑھی کو منڈواتے رہتے ہیں رو کو تو کہتے ہیں کہ ابھی جوانی کا موسم ہے بعد میں رکھ لیں گے، لیکن بعد کے زمانے سے پہلے ہی دُنیا کو خیر باد کہہ دیتے ہیں۔ تو ثابت ہوا کہ کل کی بات محض وسوسۂ شیطانی ہے اور اس وسوسہ کے ذریعے شیطان انسان کو نیک اعمال سے محروم کر دیتا ہے۔

[اور نصاب موجود ہونے کی صورت میں زکوٰۃ ادا کرنا بھی ضروریاتِ اسلام میں سے ہے۔ اسے بھی رغبت بلکہ خدا کا احسان جانتے ہوئے ادا کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم سے پورے دن رات میں صرف پانچ وقت عبادت کے لئے مقرر کئے ہیں اور بڑھنے والے مال اور چرنے والے مویشیوں میں صرف چالیسواں حصہ تحقیقتاً یا تقریباً فقراء کے لئے معین فرمایا ہے۔ اور مباحات کے استعمال کے میدان کو فراخ کر دیا ہے۔ بہت ہی بے انصافی ہے کہ دن رات کی ساٹھ گھڑیوں میں دو گھڑی بھی حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طاعت میں صرف نہ کیا جائے۔ اور چالیس حصوں میں سے صرف ایک حصہ بھی فقراء کو نہ دیا جائے۔ اور مباحات کے وسیع دائرے سے پاؤں باہر نکال کر حرام اور مشتبہ چیزوں تک لے جایا جائے۔

موسمِ جوانی میں جو نفسِ امارہ کی سلطانی کا زمانہ ہے اور شیطانِ لعین کے غلبے کا وقت ہے، تھوڑے عمل کو زیادہ ثواب کے ساتھ قبول فرماتے ہیں۔ اور کل جب اَرذلِ عُمر تک پہنچادیں گے اور حواس اور قویٰ سُست ہو چکے ہوں گے اور سکون ودل جمعی کے اسباب منتشر ہو جائیں گے، حسرت وپشیمانی کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا۔ اور بہت ممکن ہے کہ کل بڑھاپے کے وقت تک فرصت نہ دیں۔ اور ندامت وپشیمانی کی فرصت جو ایک طرح کی توجہ سے میسر نہ آئے، اور اَبدی عذاب اور دائمی سزا جس کے متعلق پیغمبرِ صادق علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا نے خبر دی ہے۔ اور

نافرمان لوگوں کو ڈرایا ہے اور در پیش ہے، اس سے ضرور دوچار ہونا پڑے گا۔ آج شیطانِ مردود خدا تعالیٰ جل سلطانہٗ کے کرم کا دھوکا دے کر مداہنت میں ڈالتا ہے، اور خدائے سبحانہٗ کے عفو کا بہانہ کر کے گناہوں کا ارتکاب کراتا ہے۔]

تشریح

جوانی کے ایام میں تھوڑی سی اطاعت وعبادت کرنے کا اجر وثواب بڑھاپے کی بہ نسبت بہت زیادہ ہے کیونکہ جوانی کے دنوں میں نفسِ امارہ اور شیطانِ لعین دونوں ہی انسان پر غالب ہوتے ہیں اور انسان ان دونوں کے ساتھ دن رات جہاد میں مصروف رہتا ہے اسی لئے بڑھاپے میں اگر انسان اطاعت وعبادت میں بہت کوشش بھی کرے تب بھی اُسے جوانی میں کی ہوئے اطاعت وعبادت کے برابر ثواب نہیں ملتا اس کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں انسان نہ تو صحیح طریقے سے استنجاء اور وضو کر سکتا ہے نہ قرآن عظیم الشان کی تلاوت اور نہ ہی نماز میں قیام، رکوع، سجدہ، قومہ اور جلسہ صحیح طریقے سے ادا کر سکتا ہے اور اس کے برعکس جوانی میں یہ سب اعمال انسان بہت ہی احسن طریقے سے ادا کر لیتا ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سُستی، غفلت اور تسویف وتاخیر ترک کرنے کی نصیحت فرما رہے ہیں اور پانچ وقت کی نماز باجماعت اور زکوٰۃ ادا کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں، جن کی قدرے تفصیلات ہدیۂ قارئین ہیں:

نماز

ایمان کے بعد جملہ عبادات وجمیع طاعات میں سب سے بہترین عبادت وطاعت نماز ہے۔ جس کا ہر رکن حق تعالیٰ کی حمد وثناء اور تعظیم و تسبیح پر مشتمل ہے۔ نماز بر وقت اور باجماعت ادا کرنا باہمی اتحاد ویگانگت، اتفاق وموانست، الفت ومواخات اور محبت ومساوات کا عملی مظاہرہ ہے۔ اور مسلمانوں کی شوکت وسطوت اور وقار وعظمت کا بہترین نمونہ ہے، جو آقا وغلام اور شاہ وگدا کے سارے امتیازات مٹا دیتا ہے۔

بقول اقبال مرحوم:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود وایاز
نہ کوئی بندہ رہا، نہ کوئی بندہ نواز
بندہ وصاحب ومحتاج وغنی ایک ہوئے
تیری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے

نماز باجماعت ادا کرنے کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب میدانِ جہاد اور حالتِ خوف میں بھی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے کا حکم کتاب وسنت میں صراحتاً موجود ہے تو حالتِ امن میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنا کس قدر اہم ولازم ہو گا؟

بقول اقبال مرحوم:

آ گیا عین لڑائی میں اگر وقتِ نماز
قبلہ رو ہو کے زمیں بوس ہوئی قومِ حجاز

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد گرامی ہے:

وَلَوْ أَنَّكُمْ صَلَّيْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ كَمَا يُصَلِّي هَذَا الْمُتَخَلِّفُ فِي بَيْتِهِ، لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ، وَلَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ۔

یعنی اگر تم نے جماعت ترک کرنے والے اس شخص کی طرح اپنے گھروں میں نماز ادا کرلی تو تم اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت کے تارک ہو جاؤ گے اور اگر تم نے اپنے نبی کی سنت ترک کر دی تو تم گمراہ ہو جاؤ گے۔ بلکہ ایک روایت میں یوں بھی ہے لَكَفَرْتُمْ[1] کہ تم کافر ہو جاؤ گے۔[2]

حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک نماز با جماعت سنت مؤکدہ ہے جبکہ بعض فقہائے کرام اور مشائخ عظام کے نزدیک جماعت واجب ہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہاں جماعت فرضِ عین ہے۔

زکوٰۃ ادا کرنے کی فرضیت

زکوٰۃ دین اسلام کا اہم اور بنیادی رُکن ہے جو غریبوں کے ساتھ ہمدردی و خیر خواہی اور مسکینوں کی دستگیری و غمگساری کا بہترین ذریعہ ہے۔ زکوٰۃ ہر مسلمان مرد وزن، عاقل، بالغ، صاحبِ نصاب پر حاجتِ اصلیہ سے زائد مال پر سال گزرنے کے بعد ادا کرنا فرض عین ہے، جس کا منکر دائرۂ اسلام سے خارج اور اس کا تارک کبیرہ گناہ کا مرتکب اور مردود الشہادۃ ہے جس کے ترک پر کتاب و سنت میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۸۸، باب التشدید فی ترک الجماعۃ)

[2] (صحیح مسلم، ج ۱، ص ۲۳۲)

جیسا کہ آیت کریمہ میں ہے:

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ (٣٤) يَوْمَ يُحْمَى عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنْفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ (التوبة ٣٥)

یعنی اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوش خبری سناؤ دردناک عذاب کی، جس دن وہ تپایا جائے گا جہنم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لیے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

ایک مقام پر یوں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ (آل عمران ١٨٠)

اس آیت کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہو اور وہ اس سے زکوٰۃ ادا نہ کرتا ہو تو روزِ قیامت اس کا مال ایک گنجے سانپ کی صورت اختیار کرے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے، پھر وہ گنجا سانپ اس شخص کے گلے کا ہار اور طوق بن جائے گا اور مالک کی دونوں باچھیں پکڑ کر کہے گا اَنَا مَالُکَ اَنَا کَنْزُکَ یعنی میں تیرا ہی مال ہوں اور تیرا ہی خزانہ ہوں۔[1]

ایک روایت میں یوں ہے:

وَمَا خَالَطَتِ الزَّکوٰۃُ مَالاً اِلَّا اَھْلَکَتْہُ۔

---

[1](مشکوٰۃ، ص ۱۵۵)

یعنی زکوٰۃ کسی مال میں خلط ملط نہیں ہوتی مگر اسے ہلاک کر دیتی ہے۔[1]

ایک حدیث میں یوں ہے:

حصنوا أموالکم بالزکاۃ۔

یعنی زکوٰۃ کے ذریعے اپنے مالوں کو مضبوط قلعوں میں داخل کر لو۔[2]

ایک مقام پر یوں ارشاد ہے:

مَنْ اَدّٰی زَکوٰۃَ مَالِہٖ فَقَدْ ذَھَبَ عَنْہُ شَرُّہٗ۔

یعنی جو شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرتا ہے اس (مال) سے اس کا شر دور ہو جاتا ہے۔[3]

یاد رہے کہ قرآن مجید میں زکوٰۃ کو صدقہ سے بھی موسوم کیا گیا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ (التوبۃ ٦٠) سے عیاں ہے۔

علمائے شریعت نے صدقہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ صدقۂ واجبہ ۲۔ صدقۂ نافلہ

صدقۂ واجبہ

زکوٰۃ اور فطرانہ وغیرہا کو کہا جاتا ہے۔

صدقۂ نافلہ

صدقہ واجبہ کے علاوہ صدقات اور خیرات صدقۂ نافلہ کے زمرہ میں آتے ہیں۔

---

[1] (مشکوٰۃ، ص ١٥٧)

[2] (کشف الغمہ في معرفۃ الائمۃ، ج ۱، ص ۱۰۴ دار الاضواء، بیروت، لبنان)

[3] (کشف الغمہ، ج ۱، ص ١٧٨)

مشائخ طریقت نے زکوٰۃ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

زکوٰۃ طریقت اور زکوٰۃ شریعت

کسی عالم نے از راہ آزمائش حضرت شیخ ابو بکر شبلی قدس سرہٗ العزیز سے دریافت کیا کہ فرمایئے! زکوٰۃ کتنے درہم، سونے، چاندی پر واجب ہوتی ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم کون سا جواب چاہتے ہو؟ مذہب فقہاء کے اعتبار سے یا مذہب فقراء کے اعتبار سے؟ عالم نے عرض کیا دونوں طرح جواب ارشاد ہو۔

آپ نے فرمایا فقہاء کا مذہب تو یہ ہے کہ دو سو درہم پر جب ایک سال گزر جائے تو پانچ درہم نکال دے اور فقراء کا مذہب یہ ہے کہ جو مال و دولت ہو سب راہِ خدا میں لٹا دے، اس کے بعد جانِ عزیز شکرانہ کے طور پر پیش کر دے۔ عالم نے کہا کہ میں نے تو ائمہ دین سے جو مذہب حاصل کیا ہے اس میں تو یہ نہیں ہے، اس مسئلہ میں آپ کا امام کون ہے؟ فرمایا حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہ جو کچھ ان کے پاس تھا سب کچھ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں پیش کر دیا اور جگر گوشہ کو شکرانہ کے طور پر نذر کر دیا۔ [1]

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ صدقہ ٔواجبہ (زکوٰۃ) کی ادائیگی میں محض حق تعالیٰ کے حکم کی بجا آوری ہے اور صدقہ ٔنافلہ کی ادائیگی میں منشاء بسا اوقات نفسانی خواہشات ہوتی ہیں۔ لہٰذا ادائے فرض میں ریا و سمعہ کی آمیزش اور گنجائش نہیں ہے اور ادائے نوافل میں ریا و سمعہ کا گمان ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ

---

[1] (مکتوبات صدی، مکتوب ۳۴ وغیرھا)

ادائے زکوٰۃ میں اظہار واعلان بہتر ہے تا کہ اپنے سے تہمت دور ہو جائے اور صدقہ ٔ نافلہ کو پوشیدہ طریقے سے دینا بہتر ہے جو قبولیت کے زیادہ لائق ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ ادائے زکوٰۃ سے مقصود حُب دولت کو فنا کرنا اور باہمی مساوات قائم کرنا ہوتا ہے، تا کہ قلبِ مؤمن حب دولت سے بیزار اور جذبہ ٔ ایثار سے سرشار ہو سکے۔

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

حُبِّ دولت رافنا سازد زکوٰۃ
هم مساوات آشنا سازد زکوٰۃ
دل زحَتّٰی تُنۡفِقُوۡا محکم کند
زر فزاید الفتِ زر کم کند

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۹۳ تا ۱۹۸)

[معلوم ہونا چاہیئے کہ اس دُنیا میں جو آزمائش وابتلا کا مقام ہے، دوست و دُشمن کو رَلا ملِا دیا گیا ہے اور دونوں کو رحمت میں شامل کیا گیا ہے۔ آیہ کریمہ:

وَرَحۡمَتِي وَسِعَتۡ كُلَّ شَيۡءٍ (الأعراف ۱۵۶)

ترجمہ: اور میری رحمت ہر چیز کو گھیرے ہے۔

اس مضمون کو ظاہر کرتی ہے۔ اور قیامت کے دِن دُشمن کو دوست سے جُدا کر دیں گے۔

آیہ کریمہ: وَامۡتَازُوا الۡيَوۡمَ أَيُّهَا الۡمُجۡرِمُونَ (یٰس ۵۹)

ترجمہ: اور آج الگ پھٹ جاؤ اے مجرمو۔

اس بات کی خبر دیتی ہے۔ اس وقت رحمت کا قرعہ دوستوں کے نام نکلے گا، اور دشمنوں کو محرومِ مطلق اور واضح طور پر ملعون قرار دیں گے۔

اور آیہ کریمہ: **فَسَأَكْتُبُهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ (الأعراف ١٥٦)**

ترجمہ: تو عنقریب میں نعمتوں کو ان کے لیے لکھ دوں گا جو ڈرتے اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور وہ ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔

اس معنی کی شاہد و گواہ ہے۔ یعنی میں اپنی رحمت ثابت کر دوں گا ان لوگوں کے لئے جو کفر و معاصی سے پرہیز کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے کرم و رحمت کو آخرت میں ابرار و نیک کردار اہلِ اسلام کے لئے مخصوص کر دیا ہے۔ ہاں مطلق اہلِ اسلام کے لئے بھی اگر خاتمہ اچھا ہوا تو رحمت سے حصہ ملے گا۔ اگرچہ زمانہ دراز کے بعد عذابِ دوزخ سے نجات پائیں گے۔ لیکن گناہوں کی تاریکی اور آسمان سے نازل شدہ احکامِ خداوندی سے لاپرواہی کرنے والا کیسے کہہ سکتا ہے کہ وہ دُنیا سے نورِ ایمان سلامتی کے ساتھ لے جائے گا؟ علمائے دین نے فرمایا ہے کہ گناہِ صغیرہ پر اصرار گناہِ کبیرہ تک پہنچا دیتا ہے اور گناہِ کبیرہ پر اصرار کفر تک لے جاتا ہے۔ **عِیاذاً بِاللہِ سُبْحَانَہُ**۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
که دل آزرده شوی ورنہ سخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تیرے سامنے تھوڑا سا غمِ دل بیان کیا ہے، میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہو گا، ورنہ باتیں بہت ہیں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ بحرمت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اپنے پسندیدہ کاموں کی توفیق نصیب کرے۔

دوسری مقصودی بات یہ ہے کہ حاملِ رقعہ مولانا اسحاق فقیر کا آشنا اور مخلص ہے، قدیم زمانہ سے ہمسائیگی کا حق بھی رکھتا ہے۔ اگر آپ سے مدد واعانت طلب کرے تو اس کی طرف خصوصی توجہ فرمائیں۔ موصوف فنِ کتابت وانشاء سے بھی بقدر ضرورت واقفیت رکھتا ہے۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

نماز وروزہ کی طرح زکوٰۃ بھی فرضِ عین ہے اور سال کے گزنے پر نصاب کا مالک ہونے کی شرط پر اس کا ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے، لیکن فی زمانہ زکوٰۃ کو فرض ادا کرنے والے تو بہت ہی کم ہیں۔ دوسری طرف ہمارے ملک میں بینکوں کے ذریعے وصولیٔ زکوٰۃ کا نظام ہی غلط ہے۔ زکوٰۃ کو یکم رمضان سے مشروط کیا ہوا ہے۔ آپ ۳۰ یا ۲۸ شعبان کو اپنی رقم اکاؤنٹ میں جمع کروائیں تو اگلے دن یعنی یکم رمضان کو ہی بینک کی طرف سے آپ کی رقم سے زکوٰۃ وصول کرلی جائے گی جو ابھی آپ پر فرض ہی نہیں ہوئی۔ اور جن پر فرض ہوتی ہے وہ ادا ہی نہیں کرتے۔

زکوٰۃ کی ادائیگی کا جو نظام اسلام نے دیا ہے اگر اس کے مطابق زکوٰۃ کو بروقت مستحق کو پہنچا دیا جائے تو بڑی حد تک غربت کا خاتمہ ہو جائے اور ادائیگی زکوٰۃ کی برکات سے دیگر معاملات بھی حل ہو جائیں لیکن ادائیگی زکوٰۃ تو کُجا لوگ دوسروں کے مال پر نظریں جمائے بیٹھے ہوتے ہیں۔

مختلف اموال میں زکوٰۃ کا نصاب اور طریقۂ ادائیگی فقہ حنفی کی بنیادی کتاب القدوری میں بیان کیا گیا ہے جس کی تفصیلات بڑی کُتبِ فقہ میں موجود ہیں۔ کسی عالم فاضل سے اس کی تفصیلات کو معلوم کر کے زکوٰۃ کو بروقت ادا کر دینا ہی ضروری ہے۔ (دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

روزِ قیامت مؤمن اور کافر جدا جدا کر دیئے جائیں گے

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اور حضرت ابن العربی قدس سرہٗ العزیز کے درمیان ایک اختلاف ہے۔

حضرت ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک مسلمانوں اور کافروں سب کا انجام رحمت ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ (الأعراف ۱۵٦) سے ثابت ہے۔ کیونکہ قریب الموت کفار کو بھی ایمان نصیب ہو جاتا ہے۔

چنانچہ رقم طراز ہیں:

مَا یُقْبِضُ اللّٰہُ اَحَداً اِلَّا وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔

یعنی قبضِ روح کے وقت ہر کوئی مؤمن ہی مرتا ہے۔[1]

اور کفار کے لئے عذابِ دوزخ تین حقبہ (ایک حقبہ اسی برس کی مدت ہے) تک ثابت ہے، اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ آگ ان کے حق میں بَرْداً وَّ سَلَامًا ہو جائے گی، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام پر ہو گئی تھی اور حق جل وعلا کی وعید میں خلاف کرنے کو جائز سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اہلِ دل میں سے کوئی بھی کفار کے دائمی عذاب کی طرف نہیں گیا ہے۔[2]

جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا مؤقف یہ ہے کہ قیامت کے روز حساب و کتاب کے بعد مؤمنوں کو جنت میں بھیج دیا جائے گا اور کافروں کو دوزخ میں جھونک دیا جائے گا۔ مؤمنوں کے لئے اجر و ثواب اور کفار کے لئے ابدی ودائمی عذاب ہو گا جو کبھی ختم نہیں ہو گا، اور نہ ہی ان کے

---

[1] (فصوص الحکم، کلمۂ موسویہ)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲٦٦)

عذاب میں کبھی تخفیف ہو گی اور نہ ہی انہیں مہلت دی جائے گی۔ جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّ اللهَ لَعَنَ الْكَافِرِينَ وَأَعَدَّ لَهُمْ سَعِيرًا (٦٤) خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (الأحزاب ٦٥) اور لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ (البقرة ١٦٢) سے عیاں ہے۔ مؤمنوں اور کافروں کے حق میں "وسعت رحمت" صرف دنیا میں مخصوص ہے لیکن آخرت میں کافروں کو رحمت کی بُو تک نہیں پہنچے گی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

إِنَّهُ لَا يَيْأَسُ مِنْ رَوْحِ اللهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْكَافِرُونَ (یوسف ٨٧)

اگر کسی گناہ گار مؤمن کو حالت نزع سے پہلے پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو بھی اس کی نجات کی بہت بڑی اُمید ہے کیونکہ اس وقت تک توبہ کے قبول ہونے کا وعدہ ہے اور اگر وہ توبہ وانابت سے مشرف نہ ہوا تو پھر اس کا معاملہ خدائے جل سلطانہٗ کے سپرد ہے، اگر چاہے تو معاف کر دے اور بہشت میں بھیج دے اور اگر چاہے تو بقدر گناہ عذاب دے اور آگ سے یا بغیر آگ کے سزا دے لیکن آخر کار وہ نجات پائے گا اور انجام کار اس کے لئے جنت ہے۔ کیونکہ آخرت میں رحمتِ خداوندی جل سلطانہٗ سے محروم ہونا کافروں کے لئے مخصوص ہے۔ اور جو کوئی بھی ذرہ برابر ایمان رکھتا ہے، وہ رحمتِ الٰہی کا امیدوار ہے۔ اگر وہ گناہ کے باعث ابتداء میں رحمت خداوندی سے محروم رہا تو آخر میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عنایت سے رحمت میسر ہو جائے گی۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔[1]

---

[1] (مکتوبات دفتر دوم، مکتوب ٦٧)

جو لوگ کافر ہیں اور راہ راست سے لوگوں کو روکتے ہیں اگر ان کا خاتمہ کفر پر ہوا تو وہ کبھی بھی بخشے نہیں جائیں گے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يَغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (محمد ۳۴) سے واضح ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اعمالِ صالحہ اور افعال حسنہ بجالانے پر اپنے بندوں سے اجر وثواب اور انعامات وعنایات کا وعدہ فرمایا ہے، اور وعدہ خلافی اللہ تعالیٰ کی شان کے خلاف ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيعَادَ (آل عمران ۹) سے واضح ہے۔

خلف وعید

اللہ تعالیٰ نے احکامِ الٰہیہ کی خلاف ورزی کرنے اور اعمال نامرضیہ کے ارتکاب کرنے پر عذاب کی دھمکی دی ہے اور اس کا بندوں سے وعدہ کیا ہے جسے وعید کہا جاتا ہے۔ بعض اشاعرہ کے نزدیک خلف وعید جائز ہے کہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کے لطف ورحمت کا اظہار ہے، یہی حضرت ابن عربی قدس سرہٗ العزیز کا مؤقف ہے۔

جبکہ علمائے محققین کے نزدیک خلف وعید جائز نہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ: مَا يُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَيَّ وَمَا أَنَا بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ (ق ۲۹) سے عیاں ہے، اور یہی حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا مؤقف ہے۔

کفار کے لئے دائمی عذاب کے نہ ہونے پر اہل دل (صوفیاء) کا اجماع صرف شیخ ابن عربی قدس سرہٗ کا اپنا کشف ہے اور کشف میں خطا اور غلطی کی بہت گنجائش ہے، اور خصوصاً وہ کشف جو مسلمانوں کے اجماع کے مخالف ہو اس لئے اس کا کچھ اعتبار واعتماد نہیں ہے۔[1]

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶)

حق تعالیٰ کو کفر کے ساتھ ذاتی عداوت ہے

بینہ

یاد رہے کہ حق تعالیٰ کو کفر اور کافری کے ساتھ ذاتی عداوت ہے اور آفاقی معبودان باطلہ (لات ومنات وغیرہا) اور ان کے پجاری ذاتی طور پر حق تعالیٰ کے دشمن ہیں اور دوزخ کا دائمی عذاب اس برے فعل کی سزا ہے اور نفسانی خواہشات کے معبود اور تمام بُرے اعمال یہ نسبت نہیں رکھتے کیونکہ ان کی عداوت اور غضب، ذاتی نسبت سے نہیں ہے۔ اگر غضب ہے تو وہ صفات کی طرف منسوب ہے اور اگر عقاب وعتاب ہے تو افعال کی طرف راجع ہے۔ لہٰذا دوزخ کا دائمی عذاب ان کے گناہوں کی سزا نہیں ہوئی، بلکہ حق تعالیٰ نے ان کی مغفرت کو اپنی مشیت اور ارادہ پر منحصر رکھا ہے۔ جب حق تعالیٰ کی کفر اور کافروں کے ساتھ ذاتی عداوت پایۂ تحقیق کو پہنچ گئی تو لازماً رحمت ورأفت جو "صفاتِ جمال" میں سے ہے آخرت میں کافروں کو نہ پہنچے گی اور رحمت کی صفت، ذاتی عداوت کو دور نہیں کرے گی کیونکہ جو چیز ذات کے ساتھ تعلق رکھتی ہے اس چیز کی نسبت جو صفت سے تعلق رکھتی ہے زیادہ قوی اور بلند ہے۔ لہٰذا اقتضائے صفت مقتضائے ذات کو تبدیل نہیں کرسکتے۔ اور حدیث قدسی: سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي۔[1] میں غضب سے مراد غضبِ صفاتی سمجھنا چاہیئے جو گناہ گار مؤمنوں کے ساتھ مخصوص ہے نہ کہ غضب ذاتی جو مشرکوں کے ساتھ مخصوص ہے۔[2]

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۵۶)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۶۶)

گناہوں کے ارتکاب سے نورِ ایمان متاثر ہوتا ہے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ غیر شرعی افعال کے ارتکاب، ناپسندیدہ اعمال کے اکتساب اور ہندوانہ رسومات کے رواج سے بندۂ مؤمن کے قلب پر غلیظ اور کثیف حجابات آجاتے ہیں کہ جن کی بنا پر اس کا نور ایمان متاثر اور آئینۂ قلب مکدر ہو جاتا ہے، جس کا بنیادی سبب احکامِ شرعیہ کی طرف سے جسارت و بے پرواہی اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی طرف سے جرأت و بے باکی ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمان کا خاتمہ بالخیر مخدوش ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالْخَوَاتِيمِ۔[1] سے واضح ہے۔

بندۂ مؤمن کے قلب کا گناہوں کی وجہ سے محجوب و مستور ہونے کا تذکرہ حدیث پاک میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُؤْمِنَ اِذَا اَذْنَبَ كَانَتْ نُكْتَةٌ سَوْدَاءُ فِيْ قَلْبِهٖ فَاِنْ تَابَ وَاسْتَغْفَرَ صُقِلَ قَلْبُهٗ وَاِنْ زَادَ زَادَتْ حَتّٰى تَعْلُوَ قَلْبَهٗ فَذَالِكُمُ الرَّانُ الَّذِىْ ذَكَرَ اللّٰهُ تَعَالٰى كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ۔

یعنی بندۂ مؤمن جب کسی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کے قلب پر سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے۔ اگر وہ توبہ واستغفار کرلے تو اس کا دل صاف کر دیا جاتا ہے اور اگر توبہ نہ کرے تو نکتہ کی سیاہی زیادہ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ اس کے قلب پر چھا جاتی ہے۔ پس وہ ران ہے جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں: كَلَّابَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففین ۱۴) سے کیا ہے۔

---

[1] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۹۷۸، باب العمل بالخواتیم)

قلبی حجاب کی اقسام

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز نے قلب پر چھانے والے حجابات کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں: حجاب رینی اور حجاب غینی۔

حجابِ رینی

لغتِ عرب میں زنگ کو کہتے ہیں یہاں اس سے مراد طبعی اور پیدائشی ہے یہ کفر اور گمراہی کا حجاب ہوتا ہے جو ایمان کے سوا کسی چیز سے دور نہیں ہوتا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ مؤمن کو بھی کلمہ طیبہ کی تجدید و تکرار کی تلقین فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: جددوا إیمانکم بقول: لا إله إلا الله۔ [1] سے عیاں ہے۔

اللہ تعالیٰ نے کفار کے متعلق ارشاد فرمایا:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلَى قُلُوبِهِمْ مَا كَانُوا يَكْسِبُونَ (المطففین ۱۴)

ایک جماعت کے نزدیک رین وہ حجاب ہے جو کسی طرح بھی زائل نہیں ہوتا کیونکہ کافر قبول اسلام سے محروم ہی رہتا ہے اور جو قبولیت اسلام سے مشرف ہوتا ہے وہ علمِ الٰہی میں مؤمن ہوتا ہے۔

حجابِ غینی

غین تاریکی کو کہا جاتا ہے، یہاں اس سے مراد عارضی اور طبعی ہے۔ یہ وہ حجاب ہے جو توبہ واستغفار سے اٹھ جاتا ہے۔

اس کی دو قسمیں ہیں:

حجابِ خفیف اور حجابِ غلیظ

---

[1] (مجمع الزوائد الهيثمی، ج ۲، ص ۲۴۹)

حجابِ غلیظ

یہ حجاب غافلین اور کبائر کے مرتکبین کے قلوب پر چھا جاتا ہے، اس حجاب کے اتفاع کے لئے توبہ ضروری ہے۔

حجابِ خفیف

یہ حجاب سب کے دلوں پر آسکتا ہے، خواہ ولی ہوں یا نبی (علیہم الصلوٰۃ والسلام)۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّهُ لَيُغَانُ عَلَى قَلْبِي وَإِنِّي لَأَسْتَغْفِرُ اللهَ فِي الْيَوْمِ مِائَةَ مَرَّةٍ۔

یعنی میرے قلب انور پر ہلکا سا غبار طاری کر دیا جاتا ہے اور میں روزانہ سو بار استغفار کرتا ہوں۔[1]

اس حجاب کے لئے رجوع الی اللہ درکار ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک غین، مضغۂ گوشت پر عارض ہوتا ہے نہ کہ حقیقتِ جامعہ پر کیونکہ وہ کلیۃً غین سے باہر آگئی ہے۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

عروض غین بر مضغہ است نہ بر حقیقت جامعہ کہ او بکلیۃ از غین برآمدہ است۔[2]

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۰۳)

[2] (مبدأ ومعاد منہا، ص ۱۳)

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ قلوب پر حجاب خفیف کے طاری ہونے کی مثال اس آئینہ کی سی ہے کہ جب کوئی شخص اس آئینہ کے سامنے سانس لیتا ہے، تو وہ ہلکا سا دھندلا جاتا ہے مگر چند لمحوں کے بعد پھر اپنی پہلی حالت پر آجاتا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز گناہ کے ارتکاب پر جسارت اور اصرار کی مذمت بیان فرما رہے ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نیکی اور گناہ کی تعریفات اور تقسیم کو قدرت وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا جائے تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْق۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے نیکی اور گناہ کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي صَدْرِكَ وَكَرِهْتَ أَنْ يَطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔

یعنی نیکی حسن خلق کا نام ہے اور گناہ وہ ہے جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو لوگوں کا اس پر آگاہ ہونا ناپسند کرے۔[1]

ایک مقام پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

الإِثْمُ حَوَازُ الْقُلُوبِ۔

یعنی گناہ وہ ہے جو دلوں میں کھٹکے۔[2]

ایک مقام پر گناہ کے متعلق یوں بھی مروی ہے:

الْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ۔

---

[1] (صحیح مسلم، تفسیر البر والاثم، ج ۲، ص ۳۱۴)

[2] (شعب الایمان، ج ۵، ص ۴۵۸)

یعنی گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے اور اس سے سینے میں تردد پیدا ہو خواہ لوگ تمہیں اس کے جواز کا فتویٰ دیں۔[1]

گناہ کی اقسام

علماء کرام نے گناہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

گناہِ صغیرہ اور گناہِ کبیرہ

حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ گناہِ کبیرہ کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

أن الکبیرۃ کل ذنب رتب الشارع علیه حداً أو صرح بالوعید فیه۔

یعنی ہر وہ ناپسندیدہ فعل جس کے ارتکاب پر حضرت شارع نے کوئی حد مقرر فرمائی ہو یا اس پر عذاب کی وعید سنائی ہو اسے گناہِ کبیرہ کہا جاتا ہے۔[2]

بعض علماء نے گناہِ کبیرہ اور گناہِ صغیرہ کے متعلق یوں صراحت فرمائی ہے:

گناہِ کبیرہ وہ ہے جس پر شریعتِ مطہرہ میں کوئی حد مقرر ہو یا اس پر کوئی وعید وارد ہوئی ہو یا اس کی ممانعت میں دلیل قطعی نازل ہوئی ہو اور وہ فعل شنیع دینِ متین کی حرمت کی ہتک کا باعث ہو۔۔۔ اور جو گناہ اس قسم کا نہ ہو وہ صغیرہ ہے۔

گناہِ کبیرہ کے تعیین میں علماء کرام کا اختلاف ہے، جیسا کہ علمِ کلام اور فقہ کی کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔

روایات میں درج ذیل گناہوں کو کبیرہ گناہ فرمایا گیا ہے:

۱۔ حق تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۴۲)

[2] (تفسیر البیضاوی، ج ۲، ص ۱۷۸)

۲۔ قتلِ بے گناہ

۳۔ پاکباز عورت پر بہتان

۴۔ یتیم کا مال کھانا

۵۔ زنا

۶۔ میدانِ جہاد سے فرار

۷۔ والدین کی نافرمانی

ایک روایت میں ہے:

أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِابْنِ عَبَّاس كَمْ الْكَبَائِر سَبْع ؟ قَالَ هُنَّ إِلَى سَبْع مِائَةٍ أَقْرَب مِنْهَا إِلَى سَبْع غَيْر أَنَّهُ لَا كَبِيرَة مَعَ اِسْتِغْفَار وَ لَا صَغِيرَة مَعَ إِصْرَار۔

یعنی کسی شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے دریافت کیا کہ کبیرہ گناہوں کی تعداد کتنی ہے کیا وہ سات ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ تو سات سو تک ہیں۔ ان میں سے اقرب سات ہیں۔ استغفار و توبہ کرنے کے بعد کوئی گناہ کبیرہ نہیں ہے اور اصرار کرنے پر کوئی گناہ صغیرہ نہیں ہے (یعنی وہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے)۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ أَخْطَأَ بِخَطِيئَةٍ, وَ أَذْنَبَ ذَنْبًا, ثُمَّ نَدِمَ فَهُوَ كَفَّارَتُهُ۔

یعنی جس شخص نے کسی گناہ کا ارتکاب کیا پھر اس پر نادم ہوا تو یہ ندامت اس گناہ کا کفارہ ہے۔[2]

---

[1](تفسیر ابن کثیر، ج ۱، ص ۲۰۲)

[2](المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۰۵۵۹)

ایک روایت میں یوں ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ الرَّجُلَ اِذَا قَالَ اَسْتَغْفِرُکَ وَ اَتُوْبُ اِلَیْکَ ثُمَّ عَادَ ثُمَّ قَالَھَا ثُمَّ عَادَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ کُتِبَ فِی الرَّابِعَۃِ مِنَ الْکَبَائِرِ۔

یعنی جب کوئی شخص کہتا ہے کہ (اے اللہ) میں تجھ سے بخشش مانگتا ہوں اور تیرے حضور توبہ کرتا ہوں پھر اس نے گناہ کیا اور پھر اسی طرح کہا پھر تیسری مرتبہ گناہ کیا اور معذرت کی، پھر چوتھی مرتبہ کیا تو کبیرہ گناہ لکھا جاتا ہے۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ایک شب مجھے نمازِ تہجد کے بعد خیال آیا کہ بارگاہِ قدس جل سلطانہٗ میں متوجہ ہو کر گناہِ کبیرہ کی تعیین کو سمجھنا چاہیئے تو قدرے تامل کے بعد بتایا گیا کہ گناہ کبیرہ صرف سات ہیں، جیسا کہ حدیث مبارکہ میں ہے، سات موبقات مہلکات سے بچو جن کی جڑ شرک ہے اور شرک کے علاوہ چھ گناہ اس کے گرد گھومتے ہیں، گویا شرک ایک تنا ہے اور چھ کبائر اس کی شاخیں ہیں۔ ان کے علاوہ دیگر گناہ صغیرہ کے دائرہ میں داخل ہیں۔ بعض صغائر کی تعیین بھی آپ فرماتے تھے مثلاً سود کھانا، جھوٹ بولنا، غیبت کرنا کہ ان کو آپ شرکِ صغیرہ فرماتے تھے۔[2]

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ شرعی ممنوعات کے ارتکاب کے بعد ندامت کا پیدا نہ ہونا بلکہ گناہ کے بعد لذت اور خوشی محسوس ہونے سے خدا کی پناہ، کیونکہ گناہ سے

[1] (دیلمی)
[2] (حضرات القدس، جلد دوم)

لذت حاصل کرنا گناہ پر اصرار کے مترادف ہے اور صغائر پر اصرار کبائر تک پہنچا دیتا ہے اور کبائر پر اصرار کفر کی دہلیز ہے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۹۹ تا ۲۰۹)

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۵۳)

مکتوب نمبر ۹۷

[شیخ درویش کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ عبادتِ خداوندی سے مقصود یقین کا حاصل کرنا ہے۔ اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم مفلسوں کو حقیقتِ ایمان سے مشرف فرمائے بحرمت سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات اتمہا ومن التسلیمات اکملہا۔

جس طرح پیدائش انسانی سے مقصود عباداتِ شرعیہ کا بجالانا ہے اسی طرح ادائے عبادت سے مقصود دولتِ یقین کا حاصل کرنا ہے جو حقیقتِ ایمان ہے۔ ممکن ہے کہ یہ آیہ کریمہ:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر ۹۹)

ترجمہ: اور مرتے دم تک اپنے رب کی عبادت میں رہو۔

میں اسی طرف اشارہ ہو۔ اس لئے کہ کلمہ حتّٰی جس طرح غایت کے معنی کے لئے آتا ہے معنی علیّت کے لئے بھی آتا ہے۔ علیّت کے لئے ہونے کی صورت میں تقدیرِ عبارت یوں ہو گی۔ ای لاجل ان یاتیک الیقین۔ یعنی تاکہ تم کو یقین حاصل ہو جائے۔ گویا وہ ایمان جو ادائے عبادات سے پہلے ہوتا ہے وہ صورتِ ایمان ہے، نہ کہ حقیقتِ ایمان جسے یہاں یقین سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ عزشانہٗ فرماتا ہے:

یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا (النساء ۱۳۶) اَیْ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ صُوْرَۃً اٰمِنُوْ حَقِیْقَۃً بِاَدَاءِ وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الْمَامُوْرَۃ۔

ترجمہ: اے ایمان والو! ایمان لاؤ۔ یعنی اے صورتاً ایمان لانے والو، عبادات مامورہ کی ذمہ داریوں کو ادا کر کے حقیقتاً ایمان لاؤ۔

فنا اور بقا سے مقصود (کہ ولایت اسی دولت کے حاصل کرنے سے عبارت ہے) یہی یقین ہے اور بس۔ اور اگر فنا فی اللہ اور بقا باللہ سے کوئی اور معنی مراد لیں جس سے حق تعالیٰ کے مخلوق میں حلول کا وہم پڑے تو یہ بلا شبہ الحاد اور بے دینی ہے۔ غلبۂ حال اور سُکر کے وقت میں ایسی چیزیں ظاہر ہو جاتی ہیں جن سے آخر کار آگے گزرنا چاہیئے اور استغفار کرنا چاہیئے۔

ابراہیم بن شیبان جو مشائخ طبقات (طبقہ رابعہ) میں سے ہیں (قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم) فرماتے ہیں:

"فنا اور بقا کا علم اخلاص وحدانیت اور صحتِ عبودیت کے گرد گھومتا ہے۔ اس کے ماسوا سب مغالطے اور بے دِینی کی باتیں ہیں۔"

اس بزرگ نے بالکل درست فرمایا ہے۔ ان کا یہ کلام ان کی استقامت کی خبر دیتا ہے۔ فنا فی اللہ سے مراد یہ ہے کہ بندہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا کے کاموں میں فنا ہو جائے۔ اسی طرح سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ وغیرہ کے معنی ہیں۔

فقیر دوسری تکلیف آپ کو یہ دیتا ہے کہ درستی کے نشانات والے میاں شیخ اللہ بخش صلاح و تقویٰ اور فضیلت سے آراستہ ہیں۔ جماعتِ کثیر ان سے وابستہ ہے۔ کسی بارے میں اگر جناب سے مدد طلب کریں تو اُمید ہے کہ توجہ شریف ان کے حال کی طرف مبذول فرمائیں گے۔

آپ پر اور ہر متبعِ ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔]

تشریح

ایمان کا پہلا درجہ وہ ہے جسے ایمان بالغیب کہا جاتا ہے۔ اور ایمان بالغیب کا ایک مرتبہ وہ ہے جو عوام کا حصہ ہے اور دوسرا مرتبہ خواص بلکہ اخص الخواص کا نصیب ہے۔ اس کے پہلے درجہ کو ایمانِ تقلیدی کہا جاسکتا ہے۔

دوسرے درجہ میں ایمانِ استدلالی ہے جو علماء کے ساتھ منسوب ہے کیونکہ عجائباتِ عالم سے خالقِ عالم کا استدلال کرنا علم ہی کے ذریعے ممکن ہے۔

تیسرے درجہ میں ایمانِ شہودی ہے جو متوسط صوفیاء کا حصہ ہے کیونکہ عوام اور علماء کے ایمان کو شہود کے ساتھ ساتھ مشاہدہ کرنا ان صوفیاء کے ساتھ ہی خاص ہے جن کے باطن سے نفسانی وشیطانی حجاب اٹھ چکا ہو۔

اور چوتھا اور آخری درجہ ایمانِ حقیقی کا ہے۔ یہ منتہی سالکوں کو عطا کیا جاتا ہے جو صورتِ ایمان سے حقیقتِ ایمان کی طرف جاچکے ہوں، اور شریعت و طریقت کو بصورتِ کمال جمع کر چکے ہوں۔

مندرجہ بالا تفصیل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ ابتدا میں ایمان بالغیب و ایمانِ تقلیدی کے بغیر چارہ نہیں۔ پھر حصولِ علم کے بعد بات استدلال پر پہنچے گی اور علم کے ساتھ سلوک کی برکات کے طفیل ایمانِ شہودی عنایت ہو گا اور یہ شرائط پوری کرنے کے بعد اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہوا تو ایمانِ حقیقی میسر آئے گا۔ تو اب لوگوں کے اُن بے بنیاد دعووں کی کیا حیثیت رہی جو نہ تو اسماء وصفات کا علم رکھتے ہیں، نہ فقہی مسائل و فروعات کا اور نہ ہی سلوک و تصوف میں کسب کرتے ہیں اور دعوے ہیں ایمانِ شہودی و حقیقی کے۔ اور حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی تصریحات سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی ہے کہ ایمانِ حقیقی سے پہلے جتنے درجات ہیں وہ مقصود

نہیں ہیں، مقصود و مطلوب ایمان کا وہ مرتبہ ہے جسے ایمانِ حقیقی کہا گیا ہے۔ اور ایمانِ حقیقی کے حصول کے لئے وہ عباداتِ ظاہری جن کا انسان مکلف ہے لازم و ضروری ہیں۔ ان کی ادائیگی کے بغیر ایمانِ حقیقی کا میسر آنا ناممکن ہے، سوائے اُس شخص کے جس پر اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضل ہو جائے اور ایسے فضل کے حامل کروڑوں نہیں بلکہ اربوں میں ایک یا دو ہی ہوتے ہیں ہر کس و ناکس نہیں ہو سکتا۔

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جن عبادات مامورہ کا انسان کو مکلف فرمایا گیا ہے ان سے مقصود حصول یقین ہے جسے حقیقتِ ایمان کہا جاتا ہے۔

اہل طریقت نے ایمان کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

صورتِ ایمان اور حقیقتِ ایمان

ارشاد ربانی جل سلطانہٗ: یَاأَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا (النساء ۱۳۶) کی تفسیر کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں:

اَیْ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ صُوْرَۃً اٰمِنُوْ حَقِیْقَۃً بِاَدَاءِ وَظَائِفِ الْعِبَادَاتِ الْمَامُوْرَۃ۔

یعنی اے لوگو! جو ظاہری طور پر ایمان لائے ہو عبادات مامورہ کے وظائف ادا کر کے حقیقی طور پر ایمان لاؤ۔

دوسرے مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاعْبُدْ رَبَّکَ حَتّٰی یَأْتِیَکَ الْیَقِیْنُ (الحجر ۹۹)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفسرین کرام نے یقین سے مراد موت لی ہے اور کلمہ حَتّٰی کو نہایت وغایت کے معنی میں لیا ہے۔ اور عبادت پر استقامت کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جبکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کلمہ حَتّٰی کو سبب اور علت کے معنی میں لیتے ہیں۔ آپ کے نزدیک آیت کی تفسیر یوں ہو گی: لِاَجَلِ اَنْ یَّاتِیَکَ الْیَقِیْن۔ یعنی اپنے رب کی عبادت کر۔۔۔ تاکہ تجھے یقین حاصل ہو جائے۔ گویا جو ایمان عبادت کرنے سے پہلے ہے وہ ایمان کی صورت ہے نہ کہ ایمان کی حقیقت، جسے آیت مبارکہ میں یقین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ یقین (حقیقتِ ایمان) کا حصول ولایت پر موقوف ہے جو فنا اور بقا سے حاصل ہوتی ہے، اسی کو معرفت کہتے ہیں۔ جس کے لئے انسان کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ صورتِ ایمان کو ایمانِ مجازی بھی کہتے ہیں، اسے صورتِ معرفت بھی کہا جاتا ہے۔ اور حقیقتِ ایمان کو ایمانِ حقیقی کہتے ہیں۔ اس کو حقیقت معرفت سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ ایمان مجازی زوال سے محفوظ نہیں ہوتا۔ جبکہ ایمانِ حقیقی خلل سے محفوظ اور زوال سے مامون ہوتا ہے۔ حدیث شریف: اللَّهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا وَيَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ۔[1] میں ایمانِ حقیقی کے لئے ہی دُعا کی نصیحت فرمائی گئی ہے۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا بِصَدْقَۃِ النَّبِیِّ الْاَمِیْنِ عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالتَّسْلِیْم

[1] (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

علمائے عظام اور صوفیائے کرام کے ایمان میں فرق

جانشین امام ربانی عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز اس کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، ملاحظہ ہو:

معرفت کی دو قسمیں ہیں:

قسم اول: وہ معرفت ہے جسے علمائے عظام نے بیان فرمایا ہے، قسم دوم وہ معرفت ہے کہ جس کے ساتھ صوفیائے کرام ممتاز ہیں۔

پہلی قسم نظر واستدلال سے مربوط ہے اور دوسری قسم کشف و شہود سے منوط ہے۔

پہلی قسم دائرۂ علم میں داخل ہے جو تصور و تعقل کے قبیل سے ہے اور دوسری قسم دورۂ حال میں داخل ہے اور جنس تحقق (متصف ہونے) سے ہے۔

پہلی قسم وجود عارف کو فنا کرنے والی نہیں ہے جبکہ دوسری قسم وجود سالک کو فنا کرنے والی ہے کیونکہ اس طریقہ میں معرفت فنا فی المعروف (حق تعالیٰ) سے عبارت ہے۔

قرب نے بالا و پستی رفتن است

قرب حق از قید ہستی رستن است

یعنی اوپر نیچے جانے کا نام قرب نہیں بلکہ حق تعالیٰ کا قرب قیدِ ہستی سے رہائی پانے کا نام ہے۔

پہلی قسم علم حصولی کی قسم سے ہے اور ادراک مرکب ہے۔ اور دوسری قسم علمِ حضوری کے قبیل سے ہے اور ادراکِ بسیط ہے کیونکہ اس مقام میں حق سبحانہٗ حاضر ہے بجائے نفس سالک کے کہ وہ فنا حاصل کر چکا ہے۔

قسم اول نفس کی منازعت وانکار کے باوجود حصول معرفت ہے۔ کیونکہ اس مقام میں نفس اپنی صفات رذیلہ پر قائم ہے، فطری امارگی اور تمرّد سے نہیں نکلا اور جبلّی طغیان وسرکشی سے باز نہیں آیا۔ اس مقام میں اگر ایمان ہے تو صورت ایمان ہے اور اگر اعمالِ صالحہ ہیں تو اعمال کی صورت ہیں کیونکہ نفس ابھی تک اپنے کفر پر ہے اور اپنے آقا کی عداوت پر قائم ہے۔

حدیث قدسی میں ہے:

عَادِ نَفْسَک فَإِنَّهَا انْتَصَبَتْ لِمُعَادَاتِي۔

تو اپنے نفس کی مخالفت کر بلاشبہ وہ میری مخالفت پر کمربستہ ہے۔[1]

لہٰذا اس ایمان کو ایمان مجازی کہتے ہیں، یہ ایمان زوال و خلل سے محفوظ نہیں ہے۔

اَلْمَجَازُ یَنْفِیْ۔ (مجاز کی نفی ہو جاتی ہے)۔

معرفت کی قسم ثانی چونکہ وجود سالک کی مُفنی (فنا کرنے والی) ہے اور نفس کے مسلمان و مطیع ہو جانے کی نتیجہ بخش ہے اس لئے اس مقام میں ایمان زوال سے محفوظ اور خلل سے مامون ہے۔ حقیقتِ ایمان اس مقام میں موجود ہے اور اعمالِ صالحہ کی حقیقت اس مقام میں ثابت ہے اور حقیقت منتفی نہیں ہوتی۔ بقا اس لئے لازم ہے گویا حدیث شریف: اللَّهُمَّ أَعْطِنِي إِيمَانًا وَيَقِينًا لَيْسَ بَعْدَهُ كُفْرٌ۔[2] (اے اللہ میں تجھ سے ایسا ایمان مانگتا ہوں جس کے بعد کفر نہ ہو) اور آیتِ کریمہ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ (النساء ۱۳۶) (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم پر ایمان لاؤ) میں اسی ایمان کی طرف اشارہ ہے۔

[1] (تبیین الحقائق، لعثمان بن علی الذیلعی، ج ۲، ص ۸۵)

[2] (سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۴۱۹)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی معرفت کے طالب رہے ہیں کہ اس قدر علم واجتہاد کے باوجود حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ہم رکاب جاتے تھے اور ارادت کے جملہ آداب و شرائط کو ملحوظ خاطر رکھتے۔ شاگردوں نے عرض کیا کہ حدیث، فقہ، اجتہاد اور دیگر علوم میں آپ کی مثال نہیں، لہٰذا اس مجذوب الحال کے ساتھ چلنا آپ کے شایانِ شان نہیں۔ حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ارشاد فرمایا ان تمام علوم کو جاننے میں میں بہتر شمار ہوتا ہوں لیکن خدا تعالیٰ کو وہ مجھ سے بہتر جانتے ہیں یعنی وہ خدا تعالیٰ کو مجھ سے بہتر پہچانتے ہیں۔ اس لئے میں ان کی صحبت وخدمت میں حاضر ہوتا ہوں اور یوں عرض کرتا ہوں: حَدِّثْنِيْ عَنْ رَّبِّيْ (یعنی مجھے میرے رب کی کوئی بات سناؤ)۔

حضرت امام اعظم کوفی صوفی قدس سرہٗ العزیز نے عمر کے آخری دو سال میں جو اجتہاد اور استنباط کو ترک کرکے عزلت اختیار فرمائی تھی، چنانچہ اس کے بارے سوال پر انہوں نے جواباً فرمایا: لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ۔ (اگر یہ دو سال نہ ہوتے تو نعمان ہلاک ہو جاتا)[1] یعنی آپ اسی معرفت کی تحصیل و تتمیم میں لگے رہے اور اسی ایمان (حقیقتِ ایمان) کی تکمیل میں مصروف رہے جو کہ اس معرفت کا ثمرہ ہے ورنہ وہ اعمال میں بہت بلند درجہ رکھتے تھے۔ کون سا عمل ہے جو اجتہاد اور استنباط کے درجہ کو پہنچ سکتا ہے اور کون سی طاعت وعبادت ہے جو درس و تعلیم کے پایہ تک جاتی ہے؟

جاننا چاہیئے کہ کامل طور پر قبولیت اعمال کمالِ ایمان کے مطابق ہے اور اعمال کی نورانیت کمالِ اخلاص سے مربوط ہے۔ ایمان جس قدر زیادہ کامل اور اخلاص جتنا زیادہ مکمل ہوگا اعمال کا نور و قبول اور کمال کچھ اور ہی ہوگا۔ کمالِ ایمان اور تمام اخلاص معرفت کے ساتھ وابستہ ہے، اور چونکہ یہ

---

[1] (کشف الجانی، ج ۱، ص ۱۸)

معرفت اور ایمان حقیقی فنا اور موت قبل الموت سے وابستہ ہے پس جس شخص کا قدم فنا میں جتنا زیادہ راسخ ہو گا وہ ایمان میں اسی قدر زیادہ کامل ہو گا اسی لئے حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان امت کے ایمان پر فوقیت لے گیا: لَوْ وُزِنَ اِیْمَانُ اَبِیْ بَکْرٍ مَعَ اِیْمَانِ اُمَّتِیْ لَرَجَحَ۔[1] (اگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا میری اُمت کے ایمان سے وزن کیا جائے تو ابو بکر کا ایمان بھاری رہے گا) کیونکہ وہ فنائیت میں فرد کامل تھے۔ نیز حدیث مبارکہ: مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّنْظُرَ اِلیٰ مَیِّتٍ یَمْشِیْ عَلٰی وَجْهِ الْاَرْضِ فَلْیَنْظُرْ اِلیٰ اِبْنِ اَبِیْ قَحَافَةَ۔ (جو شخص زمین پر چلتی پھرتی لاش کو دیکھنا چاہے تو اسے چاہیئے کہ وہ ابو قحافہ کے بیٹے (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو دیکھ لے)۔ یہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اسی معنی کی تائید کرتا ہے کیونکہ حصول فنا میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تخصیص تمام صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں حصول فنا کے باوجود ان (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ) میں اس معنیٰ (فنائیت) کے کمال پر دلیل ہے۔[2]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۱۳ تا ۲۱۸)

[1] (المفصل لعلی بن نایف الشحود، ۱۲۱/۱۱۱)

[2] (ماخوذ از تحفۃ الجمال خزانۃ الاحوال و مکتوبات معصومیہ، دفتر دوم، مکتوب ۲۱)

مکتوب نمبر ۹۸

[شیخ زکریا کے بیٹے عبد القادر کی طرف صادر فرمایا:

احادیثِ نبویہ علیٰ مصدر ہا الصلوٰۃ والسلام والتحیہ کی روشنی میں نرمی اختیار کرنے کی ترغیب اور سختی ترک کر دینے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ مرکزِ عدالت پر استقامت عطا فرمائے۔

حضور نبی اکرم علیہ من الصلوات افضلہا و من التسلیمات اکملہا کی چند احادیث جو وعظ و تذکیر اور نصیحت سے متعلق ہیں لکھی جاتی ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ان کے مطابق عمل کی توفیق عطا کرے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

۱۔ إِنَّ اللّٰہَ رَفِيقٌ يُحِبُّ الرِّفْقَ وَيُعْطِي عَلَى الرِّفْقِ مَا لَا يُعْطِي عَلَى الْعُنْفِ وَمَا لَا يُعْطِي عَلَى مَا سِوَاہُ۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ لطف ونرمی فرمانے والا ہے۔ نَرمی کو دوست رکھتا ہے اور نرمی کرنے پر وہ کچھ عطا کرتا ہے جو سختی کرنے پر عطا نہیں کرتا۔ اور نہ نرمی کے ماسوا کسی اور چیز پر عطا کرتا ہے۔[1]

ایک روایت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا:

۲۔ عَلَيْکَ بِالرِّفْقِ وَإِيَّاکَ وَالْعُنْفَ اَوِ الْفُحْشَ إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُونُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۴۸۶، المکتبۃ الفاروقیۃ)

ترجمہ: اے عائشہ! نرمی کو ہاتھ سے نہ جانے دینا اور سختی اور زبان درازی سے بچنا۔ کیونکہ رفق ونرمی سے شے میں زیبائش ہے۔ اور جب کسی شے رفق ونرمی کو نکال لیا جائے تو وہ شے داغ دار ہو جاتی ہے۔[1]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

۳۔ مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ۔

ترجمہ: جو کوئی لطف ونرمی کی اچھی عادت سے محروم ہے وہ نیکی سے محروم ہے۔[2]

اور حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام والتحیہ نے یہ بھی فرمایا:

۴۔ إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا۔

ترجمہ: تم سب میں سے مجھے زیادہ محبوب وہ ہے جو اخلاق کے اعتبار سے زیادہ اچھا ہے۔[3]

۵۔ مَنْ أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنَ الرِّفْقِ، أُعْطِيَ حَظَّهُ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَ الآخِرَةِ۔

ترجمہ: جسے لطف ونرمی سے حصہ عطا کیا گیا اسے دُنیا اور آخرت کی نیکی میں سے حصہ عطا کیا گیا۔[4]

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ بھی ارشاد ہے:

۶۔ الحَيَاءُ مِنَ الإِيمَانِ، وَ الإِيمَانُ فِي الجَنَّةِ، وَ البَذَاءُ مِنَ الجَفَاءِ، وَ الجَفَاءُ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: حیا ایمان سے ہے اور ایمان جنت کی چیز ہے اور بیہودہ گوئی برائی سے ہے اور برائی دوزخ میں جانے والی چیز ہے۔[5]

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۸۷، المکتبة الفاروقية)
[2] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۴۸۳، المکتبة الفاروقية)
[3] (صحیح بخاری، ج ۲، ص ۱۰۶، المکتبة الفاروقية)
[4] (شرح السنة للبغوی، ج ۱۰، ص ۳۱۹)
[5] (سنن الترمذی، ج ۴، ص ۳۶۵، الناشر: شركة مكتبة و مطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

۷۔وَإِنَّ اللّٰہَ لَيُبْغِضُ الفَاحِشَ البَذِيءَ۔

ترجمہ: اور بے شک اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے حد سے بڑھنے والے بیہودہ گو کو۔[1]

۸۔أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ أَوْ بِمَنْ تَحْرُمُ عَلَيْهِ النَّارُ، عَلَى كُلِّ قَرِيبٍ هَيِّنٍ سَهْلٍ۔

ترجمہ: کیا میں تمہیں نہ بتاؤں کہ کون آتشِ دوزخ پر حرام ہے اور کس پر آتشِ دوزخ حرام ہے؟ ہر آسان روی اختیار کرنے والے، نرم طبع، لوگوں سے نزدیک نرم خو آدمی پر۔[2]

۹۔ المؤمنون هينون لينون كالجمل الأنف ، إن قيد انقاد ، وإن أنيخ على صخرة ، استناخ۔

ترجمہ: مؤمن نرم طبع اور مطیع فرمان ہوتے ہیں جس طرح مہار پڑا ہوا اونٹ، اگر اسے کھینچا جائے تو اطاعت کے لئے گردن رکھ دیتا ہے اور اگر کسی پتھر پر بٹھایا جائے تو بیٹھ جاتا ہے۔[3]

۱۰۔مَنْ كَظَمَ غَيْظًا وَهُوَ يَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُنَفِّذَهُ دَعَاهُ اللّٰہَ عَلَى رُءُوسِ الخَلَائِقِ يَوْمَ القِيَامَةِ حَتَّى يُخَيِّرَهُ فِي أَيِّ الحُورِ شَاءَ۔

ترجمہ: جو شخص اپنا غصہ پی گیا حالانکہ وہ اسے جاری کرنے پر قادر تھا تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز تمام لوگوں کے سامنے اسے بلائے گا یہاں تک کہ وہ جو حور منتخب کرنی چاہے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے اختیار ہوگا۔[4]

۱۱۔أَنَّ رَجُلًا قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْصِنِي قَالَ لَا تَغْضَبْ فَرَدَّدَ مِرَارًا قَالَ لَا تَغْضَبْ۔

---

[1] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۳۶۲، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[2] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۵۴، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

[3] (شرح السنة للبغوی، ج۱۳، ص ۸۶، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق_بيروت)

[4] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۶۵۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

ترجمہ: ایک شخص نے نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے وصیت کی درخواست کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا غصہ نہ کرنا اس نے بار بار وصیت کی درخواست کی آپ نے ہر بار اسے یہی فرمایا غصہ نہ کیا کر۔[1]

۱۲۔أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ الجَنَّةِ، كُلُّ ضَعِيفٍ مُتَضَعِّفٍ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ، أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِأَهْلِ النَّارِ، كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُتَكَبِّرٍ۔

ترجمہ: کیا میں تمہیں بہشت میں جانے والے لوگ نہ بتاؤں؟ وہ ہر ایسا شخص ہے جسے لوگ کمزور اور حقیر جانیں لیکن اگر وہ خدا تعالیٰ پر کسی کام کی قسم کھائے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم پوری کرے۔ کیا میں دوزخ میں جانے والوں کی خبر نہ دوں؟ وہ ہر ایسا شخص ہے جو تلخ مزاج، سخت گو، جھگڑالو اور تکبر کرنے والا ہے۔[2]

۱۳۔إِذَا غَضِبَ أَحَدُكُمْ وَهُوَ قَائِمٌ فَلْيَجْلِسْ فَإِنْ ذَهَبَ عَنْهُ الْغَضَبُ وَإِلَّا فَلْيَضْطَجِعْ۔

ترجمہ: جب تم میں سے کسی کو غصہ آئے اور وہ کھڑا ہو تو بیٹھ جائے۔ ایسا کرنے سے اگر غصہ ختم ہو جائے تو فبہا ورنہ لیٹ جائے۔[3]

۱۴۔إن الغضب ليفسد الإيمان كما يفسد الصبر العسل۔

ترجمہ: بے شک غصہ ایمان کو اس طرح تباہ کرتا ہے جس طرح ایلوا شہد کو تباہ کرتا ہے۔[4]

۱۵۔مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللهُ، فَهُوَ فِي نَفْسِهِ صَغِيرٌ، وَفِي أَعْيُنِ النَّاسِ عَظِيمٌ، وَمَنْ تَكَبَّرَ وَضَعَهُ اللهُ، فَهُوَ فِي أَعْيُنِ النَّاسِ صَغِيرٌ، وَفِي نَفْسِهِ كَبِيرٌ، حَتَّى لَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِمْ مِنْ كَلْبٍ أَوْ خِنْزِيرٍ۔

---

[1] (صحیح البخاری، ج۱۹، ص۴۷، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (سنن الترمذی، ج۴، ص۷۱۷، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي-مصر)

[3] (سنن ابی داؤد، ج۴، ص۲۹۵، الناشر: دار الکتاب العربي-بیروت)

[4] (شعب الایمان للبیہقی، ج۶، ص۳۱۱، الناشر: دار الکتب العلمیۃ-بیروت)

ترجمہ: جو شخص اللہ تعالیٰ کے لئے تواضع اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے رفعت وبلندی عطا کرتا ہے۔ وہ اپنی ذات کو حقیر جانتا ہے مگر لوگوں کی نظروں میں وہ بزرگ ہوتا ہے۔ اور جو متکبر بنتا ہے اللہ تعالیٰ اسے نیچا کرتا ہے، تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر ہوتا ہے۔ لیکن خود اپنے آپ کو بڑا خیال کرتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کی نگاہوں میں کتے اور خنزیر سے بھی حقیر اور خوار ہوتا ہے۔[1]

١٦۔ قال موسى بن عمران عليه السلام يا رب من أعز عبادك عندك؟ قال: من إذا قدر غفر۔

ترجمہ: حضرت موسیٰ بن عمران علٰی نبینا وعلیہ الصلوات والتسلیمات نے عرض کیا اے رب! تیرے نزدیک تیرے بندوں میں زیادہ باعزت کون ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو قدرت رکھنے کے باوجود بخش دے۔[2]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

١٧۔ من خزن لسانه ستر الله عورته ومن كف غضبه كف الله عنه عذابه يوم القيامة ومن اعتذر إلى الله عز وجل قبل عذره۔

ترجمہ: جو شخص اپنی زبان کی نگہداشت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عیب پوشیدہ رکھے گا۔ اور جو اپنے غصے کو روکے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس سے عذاب روک لے گا۔ اور جو اللہ عزوجل کی بارگاہ میں عذر خواہی کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے عذر کو قبول فرمائے گا۔[3]

---

[1] (شعب الایمان للبیهقی، ج١٠، ص٤٥٥، الناشر: مکتبة الرشد بالرياض، بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي)
[2] (شعب الایمان للبیهقی، ج٦، ص٣١٩، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)
[3] (شعب الایمان للبیهقی، ج٦، ص٣١٥، الناشر: دار الكتب العلمية-بيروت)

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یہ بھی فرمایا:

۱۸۔ مَنْ كَانَتْ لَهُ مَظْلَمَةٌ لِأَخِيهِ مِنْ عِرْضِهِ أَوْ شَيْءٍ فَلْيَتَحَلَّلْهُ مِنْهُ الْيَوْمَ قَبْلَ أَنْ لَا يَكُونَ دِينَارٌ وَلَا دِرْهَمٌ إِنْ كَانَ لَهُ عَمَلٌ صَالِحٌ أُخِذَ مِنْهُ بِقَدْرِ مَظْلَمَتِهِ وَإِنْ لَمْ تَكُنْ لَهُ حَسَنَاتٌ أُخِذَ مِنْ سَيِّئَاتِ صَاحِبِهِ فَحُمِلَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: جس شخص پر اس کے مؤمن بھائی کا کوئی حق ہو۔ یعنی ظلماً اس سے کوئی چیز لی ہو چاہیئے کہ اس سے آج ہی معاف کروالے اس سے پہلے کہ اس کے پاس نہ دینار رہے اور نہ درہم۔ اگر اس کے پاس نیکیاں ہوں گی تو وہ باندازہ ظلم اس سے لے لی جائیں گی۔ اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہیں ہوں گی تو مظلوم کی بُرائیاں لے کر اس پر ڈال دی جائیں گی۔[1]

نبی اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بھی فرمایا:

۱۹۔ أَتَدْرُونَ مَا الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِينَا مَنْ لَا دِرْهَمَ لَهُ وَلَا مَتَاعَ فَقَالَ إِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ أُمَّتِي يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلَاةٍ وَصِيَامٍ وَزَكَاةٍ وَيَأْتِي قَدْ شَتَمَ هَذَا وَقَذَفَ هَذَا وَأَكَلَ مَالَ هَذَا وَسَفَكَ دَمَ هَذَا وَضَرَبَ هَذَا فَيُعْطَى هَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ وَهَذَا مِنْ حَسَنَاتِهِ فَإِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهُ قَبْلَ أَنْ يُقْضَى مَا عَلَيْهِ أُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِي النَّارِ۔

ترجمہ: جانتے ہو مفلس اور تنگ دست کون ہے؟ لوگوں نے عرض کی ہم میں مفلس وہ ہوتا ہے جس کے پاس درہم اور سامان نہ ہو۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا میری اُمت میں سے بڑا مفلس اور تنگ دست وہ شخص ہے جو قیامت کے روز نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کو قتل کیا ہوگا اور کسی کو مارا پیٹا ہوگا، تو ایک حق دار کو بھی اس کی

[1] (صحیح البخاری، ج۸، ص ۳۲۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

نیکیاں دی جائیں گی، اور دوسرے کو بھی۔ پھر اگر اس کی نیکیاں اس کے ذمے حقوق کی ادائیگی سے پہلے ہی ختم ہو جائیں گی تو اہلِ حقوق کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے جائیں گے اور پھر اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔[1]

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو لکھا کہ مجھے کوئی ایسا خط لکھیں جس میں مختصر وصیت درج ہو۔ تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں لکھا:

۲۰۔ سَلَامٌ عَلَيْکَ. أَمَّا بَعْدُ: فَإِنِّي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّهِ صَلَّى اللّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ اللّهِ بِسَخَطِ النَّاسِ كَفَاهُ اللّهُ مُؤْنَةَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَاءَ النَّاسِ بِسَخَطِ اللّهِ وَكَلَهُ اللّهُ إِلَى النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَيْکَ۔

ترجمہ: السلام علیکم کے بعد واضح ہو کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ جو شخص لوگوں کی ناراضگی کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی رضا کا طالب رہتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لئے لوگوں کے بوجھ اور گرانی سے کافی ہو گا۔ اور جو اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کو نظر انداز کرے گا اور لوگوں کو راضی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے لوگوں کے سپرد کر دے گا۔ یعنی اس کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے گا۔ والسلام علیک۔[2]

حضور نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم وبارک نے سچ فرمایا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشادات پر عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

---

[1](صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۴۵۹، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2](سنن الترمذی، ج ۴، ص ۶۰۹، الناشر: شرکۃ مکتبۃ ومطبعۃ مصطفی البابي الحلبي -مصر)

یہ احادیث اگرچہ بلاترجمہ لکھی گئی ہیں تاہم آپ حضرت شیخ جیو کی طرف رجوع کریں اور ان کے معانی سمجھنے کی کوشش کریں تاکہ ان کے مطابق عمل نصیب ہو۔ دُنیا کا قیام بہت تھوڑے عرصہ کے لئے ہے۔ اور عذاب آخرت بہت سخت اور دائمی ہے۔ عقلِ دور اندیش کو کام میں لانا چاہیئے اور اس دُنیا کی بے حلاوت ترو تازگی سے دھوکا نہیں کھانا چاہیئے۔ اگر دُنیاداری کی وجہ سے کسی کی عزت و آبرو ہوتی تو کفار دُنیادار سب سے زیادہ صاحبِ عزت ہوتے۔ ظاہر دُنیا پر فریفتہ ہونا بے عقلی ہے۔ چند روزہ فرصت کو غنیمت جاننا چاہیئے اور رب تعالٰی کی خوشنودی کے کاموں میں کوشش کرنی چاہیئے اور خلقِ خدا کے ساتھ نیک سلوک کرنا چاہیئے۔

اَلتَّعْظِیْمُ لِاَمْرِ اللهِ وَالشَّفْقَةُ عَلٰی خَلْقِ اللهِ۔ یعنی اللہ تعالٰی کے حکم کی تعظیم اور مخلوقِ خدا پر شفقت و مہربانی نجاتِ اُخروی کی دو عظیم بنیادیں ہیں۔ مخبرِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا ہے نفس الامر کے عین مطابق ہے۔ معاذ اللہ مسخرہ پن اور بیہودگی کا اس میں قطعاً کوئی شائبہ نہیں۔ خوابِ خرگوش کب تک۔ آخر سخت ذلت و رسوائی کا منہ دیکھنا پڑے گا۔

اللہ تعالٰی فرماتا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (المؤمنون ۱۱۵)

ترجمہ: تو کیا یہ سمجھتے ہو کہ ہم نے تمہیں بیکار بنایا اور تمہیں ہماری طرف پھرنا نہیں۔]

تشریح

عوام الناس کی اصلاح اور رُشد وہدایت کا ذمہ اللہ سبحانہٗ وتعالٰی نے عُلماء اور مشائخ کرام کے سپرد کیا ہے اور اس عظیم کام کے عوض نجاتِ اُخروی کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور پھر اصلاحِ اُمت کے لئے اپنے پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ذریعے سے تبلیغ اور احکامِ

الٰہیہ کے پہنچا دینے کا طریقہ کار بھی بتلا دیا۔ اور دورانِ بیان اور وعظ و نصیحت کے لب ولہجہ اور طریقۂ گفتار کا سلیقہ بھی واضح فرما دیا، تاکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اختیار کئے ہوئے طریقۂ مبارک کی پیروی میں اُمتِ مرحومہ کو دین کی طرف راغب کیا جائے۔

آج علمی بیان کی مجالسِ علماء کے حال کا بنظرِ غور مطالعہ کیا جائے تو جو طریقہ امام الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تعلیم فرمایا ہے اس کی جھلک کم ہی جگہوں پر نظر آتی ہے۔ مقررین حضرات مساجد میں لاؤڈ اسپیکر اور ساؤنڈ سسٹم کے باوجود چیخ چیخ کر اپنے مخصوص انداز میں مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ ان کی جسمانی حرکات کو دیکھ کر بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ ان کا جوش وخروش اور بازوؤں کو لہرا لہرا کر داد لینے کا انداز کس قدر دلکش نظر آتا ہے۔ لیکن اس کی کوئی مثال سُنتِ مطہرہ میں کہیں نہیں ملتی۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب منبر پر تشریف فرما ہوتے اور دورانِ گفتگو کوئی جوش والا جملہ آجاتا تو زیادہ سے زیادہ اپنی شہادت والی مبارک اُنگلی کا رُخ لوگوں کی طرف فرما دیتے لیکن عمل کی دولت سے کورے، تقاریر کے شوقین اور داد لینے کے خواہشمندوں نے اُس مسنون طریقے کو بہت زیادہ ترقی دے دی ہے۔ یہ جب تک لوگوں کی زبانوں سے زبردستی "سبحان اللہ" نہ کہلوائیں آگے چلتے ہی نہیں۔ انہیں کون سمجھائے کہ علم کی دولت کو اپنے عمل میں اخلاص کے ساتھ مزین کرنے والے علماءِ حق کی گفتگو میں منجانب اللہ ہی وہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے کہ سُننے والے بے اختیار ہو کر خود ہی سبحان اللہ کہہ دیتے ہیں ان سے سبحان اللہ کہلوانے کی ضرورت نہیں پڑتی۔

اس اُمت کا ایک بہت بڑا حصہ مشائخِ عظام اور صوفیاءِ عظام کے ساتھ منسلک ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اسے اپنے مُقربین کے ساتھ قلبی اُنس ومحبت کے رشتے کے ساتھ جکڑا ہوا ہے جس کی وجہ

سے لوگ اپنے دِینی و دُنیاوی مسائل کے حل کے لئے خانقاہوں کی طرف آتے جاتے رہتے ہیں، لیکن چند ایک مقامات پر متمکن قابلِ احترام حضرات کے ہاتھوں میں ڈنڈوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا جو کہ آنے والے سالکین کے سروں پر بجتے نظر آتے ہیں اور اوپر سے گالیوں کا تحفہ مزید نکھار پیدا کر دیتا ہے۔ یہ طریقہ اور یہ سلوک کسی بھی طور پر سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم یا سُنتِ اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مطابق نہیں ہے تاہم یہ کہا جاسکتا ہے کہ راہِ عشق و محبت کے وہ سالک جو وارداتِ الٰہی سے مغلوب ہو کر مجذوب بن جاتے ہیں وہ اس طرح کے افعال میں بے اختیار ہوتے ہیں لیکن اس کے لئے ہمیں پہلے ایک مقدمہ سمجھنا چاہیئے۔

اولیاء کرام رحمھم اللہ تعالیٰ کی دو اقسام ہیں

۱۔ اولیاء کرام کی پہلی قسم وہ ہے جسے ولیٔ متعدی کہتے ہیں۔ یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ایسے ولی جن کی ولایت اور اس کے فیوضات وبرکات اور توجہاتِ عالیہ بقیہ مخلوقِ خدا کو بھی مستفید کر سکے اور اپنے سلسلۂ طریقت کے ساتھ منسلک ہونے والوں کی روحانی منازل طے کروا کے اُنہیں بھی مقامِ ولایت کی طرف عروج وانجذاب دے سکیں۔ ایسے اولیاء کرام کا باطن ہمہ تن اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف متوجہ رہتا ہے۔ اور ان کے ظاہر کو مخلوق کی رُشد وہدایت کے لئے نزول دے کر مخلوق کے ساتھ وابستہ کر دیا جاتا ہے۔ پس اگر ایسا ولی اللہ مل جائے اور لطائف کا احساس ہونے لگے تو ان کی محافل ومجالس کو غنیمت جان کر ان سے مستفید ہونا چاہیئے۔

۲۔ دوسری قسم ان اولیاء اللہ کی ہے جنہیں ولی لازمی یا عام اصطلاح میں مجذوب کہا جاتا ہے۔ چونکہ ایسے ولی ظاہری وباطنی ہر دو لحاظ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ واصل ہوتے ہیں اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا عشق ان پر اس قدر غالب رہتا ہے کہ انہیں مخلوق کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت ہی نہیں

ملتی۔ یہ ہمہ تن عروج سے بہرہ ور لیکن نزول کی دولت سے محروم رہتے ہیں۔ بدیں وجہ مخلوق کو فائدہ نہیں دے سکتے۔ اگر کوئی ایک واقعہ ایسا رونما ہوا ہو تو وہ قابلِ مثال اور لائقِ تقلید نہیں۔ تاہم ایسے مقربینِ خدا کا انکار جائز نہیں بلکہ انہیں بھی عزت واحترام سے یاد کرنا چاہیئے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصل وارث وہی علماء ہیں جو علومِ ظاہری کے ساتھ باطن کی دولت بھی رکھتے ہوں اور اس عظیم فضلِ خدا کے ذریعے سے سُنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تارکین کو دین کی طرف راغب کرنے میں مصروف ہوں لیکن شریعت کی ترویج اور تصوف کی نورانیت کو تقسیم کرنے میں صبر و تحمل اور لب ولہجہ کی نرمی کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب فرعون کو دعوتِ اسلام دینے کے لئے بھیجا تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہدایت کی کہ فرعون کے ساتھ دین کی بات کرنے میں نرمی اختیار کرنا۔ تو جب ایک ازلی کافر کے ساتھ نرمی کا حکم ہو تو اُمتِ محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے گنہگار مؤمنوں کے ساتھ سختی سے پیش آنے کا کیا جواز ہو سکتا ہے؟ ہاں جب ارادی طور پر اور اسلام دُشمن طاقتوں کی منصوبہ بندی کے تحت دینِ حقہ کا استہزا کیا جائے اور شانِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی توہین ہونے لگے اور اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی اتباع کی بجائے ان کو بُرے الفاظ کے ساتھ یاد کیا جانے لگے تو معاملہ نرمی سے گرمی کی طرف نکل جاتا ہے۔

معتزلہ، قدریہ، مرجیہ، سوفسطائیہ اور فلاسفہ یہ پانچوں فرقے مندرجہ بالا حدیث نمبر ۱۹ میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان میں سے معتزلہ کہتے ہیں کہ جب قیامت کے روز کسی سے گالی دینے کے عوض نیکی لی جائے گی تو (نعوذ باللہ من ذلک) اس نیکی اور گالی کا موازنہ کس طرح کیا جائے گا؟ یعنی یہ فرقہ اعمال کے موازنہ سے منکر ہیں جبکہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ

بروزِ قیامت عدل کا ترازو رکھا جائے گا اور عدل وانصاف کے ساتھ سارے اعمال کو اس میں تولا جائے گا۔ اسی طرح سوفسطائیہ فرقہ کہتا ہے کہ جنت ودوزخ اور اعمال کو تولا جانا سب خیالی باتیں ہیں اور ان کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اخلاقِ حسنہ، عادات کریمانہ اپنانے اور اخلاق ردیہ وعادات نامرضیہ ترک کرنے کی نصیحت فرمارہے ہیں۔ بالخصوص نرمی اختیار کرنے اور بدگوئی ودرشت خوئی سے اجتناب کی تلقین فرمارہے ہیں۔ چونکہ اچھی عادات اور اعلیٰ اخلاق حق تعالیٰ کی پسندیدہ ہیں اس لئے بندۂ مؤمن کو متخلق باخلاق اللہ اور متصف بصفات اللہ ہونے کا حکم فرمایا گیاہے۔ جیسا کہ تَخلّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللهِ وَ اتّصِفُوْا بِصِفَاتِ اللهِ۔ سے واضح ہے۔

دراصل حق تعالیٰ صاحبِ رحم وجمال بھی ہے اور صاحبِ غضب وجلال بھی، یہی وجہ ہے کہ بعض صوفیاء نے جمع اضداد کا قول کر دیا لیکن اس کے غضب پر اس کی رحمت غالب ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدسی: سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي۔[1] سے عیاں ہے۔ چونکہ حق تعالیٰ خود عفو، رحیم، رفیق اور کریم ہے، اس لئے وہ عفوورحم اور رفق وکرم کو زیادہ پسند فرماتا ہے۔ بنابریں اپنے بندوں کو بھی ان ہی عادات وصفات سے منصبغ دیکھنا چاہتا ہے۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۵٦)

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ حق تعالیٰ جہاں رحیم، کریم، اور حلیم ہے وہاں وہ جبار، قہار اور عزیز بھی ہے۔ وہ اتنی جلدی گرفت نہیں کرتا بلکہ باگ ڈور ڈھیلی چھوڑ دیتا ہے تاکہ سرکش و معصیت کار اور عصیاں شعار مزید گناہ کرلیں جیسا کہ یہ آیۃ کریمہ: أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِأَنْفُسِهِمْ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا (آل عمران ۱۷۸) سے عیاں ہے۔ مگر جب کوئی شخص شریعتِ مطہرہ کی قائم کردہ حدود پھلانگتا اور ان سے تجاوز کرتا ہے، حالانکہ حدود کے قریب جانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے تو حق تعالیٰ کا غضب و جلال جوش میں آتا ہے۔ نتیجتاً ایسا شخص اس کے قہر و غضب کی گرفت میں آجاتا ہے، جس سے چھوٹنا نہایت مشکل ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ (البقرۃ ۱۹۰) اور إِنَّ بَطْشَ رَبِّكَ لَشَدِيدٌ (البروج ۱۲) سے عیاں ہے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللّٰهِ سُبْحَانَهٗ۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ انسانوں کا باہمی رفق و رحم اور شفقت و کرم ذاتیات کے حوالے سے ہے، تاکہ کینہ و عداوت اور انتقام و رقابت جیسی عادات رذیلہ کا انہدام ہو، البتہ حدود شرعیہ کے قیام، تربیتی نظام اور انتظامی امور میں کسی قسم کی رُورعایت اور شفقت و نرمی کی گنجائش نہیں ہے۔

چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلَى، الخ (البقرۃ ۱۷۸)

ترجمہ: یعنی اے ایمان والو! تم پر فرض ہے کہ جو ناحق مارے جائیں ان کے خون کا بدلہ لو۔

نیز ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

مُرُوا أَوْلَادَكُمْ بِالصَّلَاةِ وَهُمْ أَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِينَ وَاضْرِبُوهُمْ عَلَيْهَا وَهُمْ أَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِينَ۔

یعنی اپنی اولاد کو جب کہ وہ سات سال کی عمر کو پہنچ جائیں نماز کا حکم دو اور جب ان کی عمر دس سال کی ہو تو انہیں نماز ادا نہ کرنے پر مارو۔[1]

علاوہ ازیں ایک مقام پر یوں ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

لا تضع عصاک عن أھلک۔[2]

بینہ نمبر ا

یہ امر ذہن نشین رہے کہ مبلغین کو تبلیغ و موعظت، نہایت حکمت عملی ، سلیقہ شعاری اور احسن و مثبت انداز سے کرنا چاہیئے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: ادْعُ إِلَى سَبِيلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ (النحل ۱۲۵) سے واضح ہے تاکہ اس کے اثرات وبرکات کی بدولت لوگ کشاں کشاں دینِ اسلام کی طرف راغب ہوں اور اعمالِ صالحہ بجالانے میں وہ کسی قسم کی عار محسوس نہ کریں اور معاشرے کی تشکیل و تعمیر اسلامی نہج پر استوار ہو۔ بصورت دیگر سخت کلامی، دشنام طرازی اور درشت لہجے سے امن و آشتی کی فضا مکدر ہو جاتی ہے اور اپنے بھی بد ظن ہو کر راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

بقول اقبال مرحوم:

کوئی کارواں سے ٹوٹا کوئی بد گماں حرم سے
میر کارواں میں نہیں ہے خوئے دلنوازی

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۸)

[2] (کنز العمال، ج ۱۱، ص ۵۷۶)

بینہ نمبر ۲

یہ بھی واضح رہے کہ جو شخص انبیائے کرام، اولیائے عظام، علمائے اعلام اور اہلِ حق پر طعن و تشنیع کرتا ہے (حالانکہ ان ہی نفوسِ قدسیہ کے ذریعے اسلام کی شمع فروزاں ہوئی اور ہم دولتِ ایمان سے مشرف ہوئے) ایسے بے ادب، بے باک، گستاخ، حیاسوز اور کینہ توز لوگوں کی اصل میں فرق ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: **عُتُلٍّ بَعْدَ ذٰلِکَ زَنِیمٍ (القلم ۱۳)** سے عیاں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کی نحوست کے اثرات متعدی ہوتے ہیں جو دوسروں کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیتے ہیں اسی بناءپر اس قسم کے لوگوں سے دور رہنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

دور شو از اختلاط یارِ بد — یار بد بد تر بود از مارِ بد

مار بد تنہا بر جان می زند — یار بد بر جان و بر ایمان زند

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے وہ احادیث مبارکہ نقل فرمائی ہیں جن میں مؤمنوں کی علامات، غصہ کے مضرات اور اس کا علاج تجویز فرمایا گیا ہے۔ دراصل غصہ ایک روحانی واخلاقی مرض ہے جس میں انسان کے حواس معطل اور ذہنی توازن برقرار نہیں رہتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایسی حالت میں ثالث کو فریقین کے درمیان فیصلہ بھی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ فیصلہ کو کسی اور وقت پر مؤخر اور ملتوی کر دینا چاہیئے تاکہ اس میں کسی قسم کی نفسانی خواہشات اور بہیمانہ اطوار کا عمل دخل نہ رہے۔ جیسا کہ حدیثِ مبارکہ: **لَا یَقْضِیَنَّ حَکَمٌ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانُ۔**[1] سے عیاں ہے۔

---

[1] (کنز العمال، ج ۶، ص ۱۰۳)

جب کوئی شخص صاحب منصب وثروت ہو اور غصہ کے اقتضاء واجراء پر پوری قدرت بھی رکھتا ہو اور متعلقہ شخص ماتحت اور کمزور بھی ہو اندریں حالات انسان بدزبانی، فحش گوئی اور گالی گلوچ پر خوامخواہ اتر آتا ہے، جس میں بندۂ مؤمن کے ایمان کے فاسد ہونے کے قوی امکانات ہوتے ہیں ایسی صورتِ حال میں ایمان کو بچانے کے لئے غصہ کو پینا اشد ضروری ہے۔ تاکہ وہ زبانی آفات سے مامون اور حیوانی حرکات سے محفوظ رہے۔ یہی بندۂ مؤمن کی علامت ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ (آل عمران ۱۳۴) سے آشکار ہے۔

زیرِ نظر ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں دوسروں کو حقیر وخفیف جاننے اور خود کو تعظیم وکبیر سمجھنے کی مذمت فرمائی جارہی ہے اور تواضع اختیار کرنے اور تکبر سے اجتناب کرنے کی نصیحت فرمائی گئی ہے تاکہ بندۂ مؤمن ہر قسم کے اخلاقِ رذیلہ اور عادات نامرضیہ سے نجات حاصل کرسکے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں تواضع اور تکبر کی قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم ومکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْق۔

تواضع

تواضع اس قلبی کیفیت کو کہتے ہیں جس کا اظہار بندۂ مؤمن کی عاجزانہ حرکات وسکنات، عادات واطوار اور کردار وافعال سے ہوتا ہے۔

۱۔ تواضع مذموم ۲۔ تواضع محمود

تواضع مذموم

علماء وصوفیاء کا ارباب بست وکشاد اور اصحاب متاع وثروت کی خوشامد کرنا اور ان کے آگے سر نیاز خم کرنا تواضع مذموم کہلاتا ہے۔ چونکہ ان کی ملاقات وصحبت زہرِ قاتل ہے اور ان کے مرغن لقمے اور تر نوالے قلبی حجاب کا باعث ہوتے ہیں۔

اسی لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے تواضع مذموم کی مذمت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

مَنْ تَوَاضَعَ لِغَنِيٍّ لِغِنَاهُ ذَهَبَ ثُلُثَا دِيْنِهِ۔

جس شخص نے کسی صاحبِ ثروت کی اس کی دولت کی وجہ سے تواضع کی اس کے دین کا دو تہائی حصہ برباد ہوگیا۔[1]

پس افسوس وہلاکت ہے اس شخص کے لئے جس نے اربابِ دولت کی ان کی دولت مندی کی وجہ سے تواضع کی۔

تواضع محمود

ارکانِ سلطنت اور امرائے مملکت کا علمائے ربانیین اور اولیائے کاملین کے ساتھ ادب ونیاز اور عجز وانکسار کے ساتھ پیش آنا تواضع محمود کہلاتا ہے۔ اس قسم کے لوگ قابلِ احترام اور مبارکباد کے مستحق قرار دیئے گئے ہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

طُوبَى لِمَنْ تَوَاضَعَ مِنْ غَيْرِ مَنْقَصَةٍ۔

---

[1] (اسنی المطالب، محمد بن درویش، الرقم: ۱۳۷۸)

یعنی خوشخبری ہے اس شخص کے لئے جو صاحبِ ثروت ہو کر بھی تواضع اختیار کرے۔[1]

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ علمائے ربانیین اور اہل اللہ کا دولت مندوں اور بادشاہوں کے ساتھ میل ملاپ محض تائید ملت اور ترویج شریعت کے لئے ہوتا ہے، ذاتی اغراض اور نفسانی خواہشات کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

تکبر

یہ ایسا روحانی اور مہلک مرض ہے جس کا اظہار اخلاق رذیلہ اور عادات ذمیمہ سے ہوتا ہے۔

اہلِ طریقت نے اس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

ا۔ تکبر مذموم　　　　۲۔ تکبر محمود

تکبر مذموم

مخلوق خدا کی تعظیم نہ کرنا بلکہ انہیں حقیر و ذلیل جان کر خود کو ان سے بہتر و اعلیٰ سمجھنا۔

دراصل تکبر حق تعالیٰ کی صفت اور چادر ہے جس میں اسے کسی قسم کا اشتراک گوارا نہیں۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: الْمُتَكَبِّرُ سُبْحَانَ اللهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ (الحشر ۲۳) اور حدیثِ قدسی: الْكِبْرِيَاءُ رِدَائِي وَالْعَظَمَةُ إِزَارِي فَمَنْ نَازَعَنِي وَاحِدًا مِنْهُمَا أَدْخَلْتُهُ النَّارَ۔[2] سے عیاں ہے۔

ایک مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِينَ (النحل ۲۳)

---

[1] (سنن الکبریٰ للبیھقی، کتاب الزکوٰۃ، رقم الحدیث: ۷۵۵۲)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۳۳)

یعنی اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَحَدٌ فِي قَلْبِهِ مِثْقَالُ حَبَّةِ خَرْدَلٍ مِنْ كِبْرِيَاءَ۔

یعنی جس شخص کے قلب میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہے وہ جنت میں داخل نہیں ہو گا۔[1]

تکبر محمود

غلبۂ حق کی بنا پر سالک کے قلب و نظر سے ماسوی اللہ کی محبت و قدر و منزلت کے اٹھ جانے اور دنیا و مافیہا کے ہیچ و حقیر جاننے کو تکبرِ محمود کہتے ہیں۔

بینہ نمبر ا

یہ امر ذہن نشین رہے کہ اہل اللہ کا دنیادار متکبرین کے ساتھ بے اعتنائی و بے پرواہی اور بے نیازی کے ساتھ پیش آنا تکبر محمود کے قبیل سے ہے۔

جیسا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں، ملاحظہ ہو:

ہاں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی امت کے متقی لوگ تکلف سے بری ہیں۔ اَمَّا التَّكَبُّرُ مَعَ الْمُتَكَبِّرِيْنَ صَدَقَةٌ۔ (یعنی تکبر کرنے والوں کے ساتھ تکبر کرنا صدقہ ہے) کسی شخص نے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے متعلق کہا کہ یہ شخص متکبر ہے آپ

---

[1] (صحیح مسلم، کتاب الایمان، ج ۱، ص ۶۵)

نے (جواباً) فرمایا: تکبرِ من از کبریائی اوست۔ یعنی میرا تکبر کبریا (حق تعالیٰ) کی جانب سے ہے۔[1]

کوئی شخص خواہ صوم وصلوٰۃ کا پابند ہی کیوں نہ ہو اسے پھر بھی حقوق العباد کا ہر حال میں خیال رکھنا پڑے گا۔ چنانچہ اگر اس نے دشنام طرازی، الزام تراشی، حرام خوری، دل آزاری اور قتل ناحق وغیرہا کا ارتکاب کیا ہو تو اسے دُنیا میں ہی اپنا حساب وکتاب بے باق کر لینا چاہیئے تاکہ کل روز قیامت کسی قسم کی پریشانی وپشیمانی کا سامنانہ کرنا پڑے کیونکہ حق داروں کے حقوق ادا کرنے ہی پڑیں گے۔ جیساکہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَتُؤَدُّنَّ الحُقُوقَ إِلَى أَهْلِهَا يَومَ القِيَامَةِ۔[2] سے عیاں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ظلم کی قدرے وضاحت کر دی جائے تاکہ فہم مکتوبات میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيق۔

ظلم کی مذمت

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ظلم کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَضْعُ الشَّیْءِ فِیْ غَیْرِ مَوْضِعِهٖ وَفِی الشَّرِیْعَةِ هُوَ التَّصَرُّفُ فِیْ مِلْکِ الْغَیْرِ وَمُجَاوَزَةِ الْحَدِّ۔

یعنی کسی چیز کے نامناسب اور غیر موزوں مقام پر رکھنے کو ظلم کہتے ہیں اور اصطلاح شریعت میں مِلک غیر میں تصرف کرنے اور حد سے تجاوز کرنے کو ظلم کہا جاتا ہے۔[3]

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۸)

[2] (ریاض الصالحین، باب تحریم الظلم، ص ۱۰۲)

[3] (کتاب التعریفات، ص ۶۲)

ظلم رحم کا متضاد ہے، یہ ایسی وحشیانہ حرکت اور بہیمانہ عادت ہے جس کی کتاب وسنت میں شدید مذمت فرمائی گئی ہے۔

چند آیاتِ کریمہ اور احادیث مبارکہ پیش خدمت ہیں، ملاحظہ ہوں:

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ حَمِيمٍ وَلَا شَفِيعٍ يُطَاعُ (غافر ۱۸)

یعنی ظالموں کا نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ شفاعت کرنے والا جس کی بات مانی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

المُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ المُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَيَدِهِ۔

یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

كُلُّ المُسْلِمِ عَلَى المُسْلِمِ حَرَامٌ، دَمُهُ وَمَالُهُ وَعِرْضُهُ۔

ہر مسلمان کا خون، اس کا مال اور اس کی عزت، دوسرے مسلمان پر حرام ہے۔[2]

ایک مقام پر یوں ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

الْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يَخْذُلُهُ وَلَا يَحْقِرُهُ بِحَسْبِ امْرِئٍ مِنَ الشَّرِّ أَنْ يَحْقِرَ أَخَاهُ الْمُسْلِمَ۔[3] وَفِيْهِ اَيْضًا: سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوقٌ وَقِتَالُهُ كُفْرٌ۔

---

[1] (ریاض الصالحین، باب تحریم الظلم، ص ۱۰۴)
[2] (مسند احمد، ج ۳، ص ۲۷۷)
[3] (صحیح مسلم، ج ۲، ص ۳۱۷)

یعنی مسلمان مسلمان کا بھائی ہے نہ اس پر ظلم کرتا ہے نہ اسے ذلیل کرتا ہے اور نہ اسے حقیر جانتا ہے۔۔۔۔ کسی انسان کے برا ہونے کے لئے یہی کافی ہے کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کو حقیر سمجھے نیز مسلمان کو گالی دینا گناہ اور اس سے لڑنا کفر ہے۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

مَنْ مَشَى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهُ وَهُوَ يَعْلَمُ أَنَّهُ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْإِسْلَامِ۔

یعنی جو شخص ظالم کو تقویت دینے کے لئے اس کا ساتھ دے یہ جانتے ہوئے کہ وہ ظالم ہے تو وہ اسلام سے خارج ہو جاتا ہے۔[2]

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا (المائدة ۳۲)

یعنی جس نے کسی انسان کو قتل کیا سوائے قصاص اور زمین میں فساد کرنے کے جرم میں تو گویا اس نے تمام انسانوں کو قتل کر دیا۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

من أعان ظالما سلطه الله عليه۔

یعنی جو شخص کسی ظالم کی مدد کرے تو اللہ تعالیٰ ظالم کو اسی پر مسلط کر دیتا ہے۔[3]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک مقام پر ارشاد فرمایا:

وَلَا يَقِفَنَّ أَحَدُكُمْ مَوْقِفًا يُضْرَبُ فِيهِ رَجُلٌ ظُلْمًا ; فَإِنَّ اللَّعْنَةَ تَنْزِلُ عَلَى مَنْ حَضَرَهُ حِينَ لَمْ يَدْفَعُوا عَنْهُ۔

---

[1] (مسند ابی یعلی، ج۴، ص ۳۲۰)

[2] (مشکوٰۃ، ص ۴۳۶)

[3] (کنز العمال، ج۳، ص ۴۹۹)

تم میں سے کوئی شخص اس جگہ کھڑا نہ ہو جہاں کسی مظلوم کو مارا جا رہا ہو کیونکہ جو لوگ وہاں موجود ہوتے ہیں لیکن اس سے ظلم کو دور نہیں کرتے ان پر لعنت نازل ہوتی ہے۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَطْلُ الْغَنِيِّ ظُلْمٌ۔

یعنی مالدار شخص کا ٹال مٹول کرنا ظلم ہے۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ضَرَبَ سَوْطًا ظُلْمًا اُقْتُصَّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔

یعنی جو شخص ظلماً کسی کو ایک کوڑا بھی مارے گا قیامت کے روز اس سے بدلہ لیا جائے گا۔[3]

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ ظَلَمَ قِيدَ شِبْرٍ مِنَ الأَرْضِ، طُوِّقَهُ مِنْ سَبْعِ أَرَضِينَ۔

یعنی جو شخص بالشت بھر زمین ظلماً ہتھیائے گا اللہ تعالیٰ روزِ قیامت سات زمینوں کا طوق اس کے گلے میں ڈالے گا۔[4]

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں بھی مرفوعاً روایت ہے:

من رضي عمل قوم كان شريک من عمل به۔

یعنی جو شخص کسی قوم کے کسی کام سے راضی ہوا وہ اس پر عمل کرنے والے کا شریک ہے۔[5]

---

[1] (مجمع الزوائد، ج ٦، ص ٢٨٧)

[2] (صحیح بخاری، ج ١، ص ٣٢٣)

[3] (جامع ترمذی، ج ٢، ص ٢٢)

[4] (ریاض الصالحین، باب تحریم الظلم، ص ١٠٣)

[5] (فتح الباری لابن حجر، ج ٢٠، ص ٩٠)

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ عقائد اہل سنت وجماعت اور اعمال صالحہ کے بعد اکل حلال اور صدق مقام حصول ولایت کے لئے بنیادی ارکان ہیں، جن کی بدولت سالک کو علم وحکمت، عشق ورقت، سوز وگداز اور ادب ونیاز حاصل ہوتا ہے، جو سلوک طے کرنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

علم وحکمت زاید از نان حلال　　　　عشق ورقت آید از نانِ حلال

محمد اقبال مرحوم نے اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

سر دیں صدق مقال اکل حلال
خلوت وجلوت تماشائے جمال

بینہ نمبر ۲

یہ بھی واضح رہے کہ لقمۂ حلال کے بغیر عبادات وطاعات اور حسنات ودعوات حریم قدس میں شرفِ قبولیت حاصل نہیں کر سکتیں۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: مَطْعَمُهُ حَرَامٌ، وَمَشْرَبُهُ حَرَامٌ، وملبسُهُ حرامٌ، وَغُذِّيَ بِالْحَرَامِ، فَأَنَّى يُسْتَجَابُ لِذَلِكَ۔[1] سے عیاں ہے۔

بقول شاعر:

میری شب وروز دعائیں جو نہیں قبول ہوتیں
میں سمجھ گیا یقیناً ابھی مجھ میں کچھ کمی ہے!

---

[1](مشکوٰۃ،ص ۲۴۱)

بینہ نمبر ۳

یہ امر ذہن نشین رہے کہ مظلوم کی دود آہ اور بد دعا سے بچنا چاہیئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور مظلوم کی دعا کے درمیان کوئی پردہ حائل نہیں ہوتا۔

جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

اتَّقِ دَعْوَةَ الْمَظْلُومِ، فَإِنَّهَا لَيْسَ بَيْنَهَا وَبَيْنَ اللهِ حِجَابٌ۔[1]

دوسری روایت میں ہے:

اتقوا دعوة المظلوم وإن كان كافرا، فإنه ليس دونه حجاب۔[2]

حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

ستم کش گر آہے بر آرد ز دل — زند سوز او شعلہ در آب و گل

بآزار مظلوم مائل مباش — ز دود دل خلق غافل مباش

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے وہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات نقل فرمایا ہے جسے امیر المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی درخواست پر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے انہیں تحریر فرمایا تھا۔ چونکہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امارت و بادشاہت کے عہدہ پر متمکن تھے اس لئے حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ان کے منصب کے پیش نظر یہ ارشاد گرامی تحریر فرمایا۔ چونکہ مکتوب الیہ کو دنیوی عیش و آرام اور لوگوں پر غلبہ و حکومت حاصل تھی اس لئے حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے بھی یہ حدیث مبارکہ تحریر فرمائی ہے جس میں لوگوں کو خوش کرنے کی بجائے اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کی نصیحت

---

[1] (سنن الترمذی، ج ۲، ص ۲۲)

[2] (کنز العمال، ج ۳، ص ۵۰۰، الناشر: مؤسسة الرسالة)

فرمائی گئی ہے، جو بندۂ مؤمن کے لئے سب سے بڑی دولت ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَرِضْوَانٌ مِنَ اللّٰهِ أَكْبَرُ (التوبة ۷۲) سے عیاں ہے۔ اور حق داروں اور رشتہ داروں کے حقوق کے سلسلے میں ایسی حرکات وسکنات اور افعال واعمال سے قطعاً مجتنب رہنا چاہیئے جن میں احکامِ شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کی مخالفت پائی جائے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لا طاعة للمخلوق في معصية الخالق۔[1] سے واضح ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۲۲۱ تا ۲۳۷)

[فقیر کو اگرچہ اس بات کا احساس ہے کہ آپ کا وقت اس طرح کی باتیں سُننا گوارا نہیں کرتا۔ جوانی کا آغاز ہے، دنیوی نعمتیں میسر ہیں، لوگوں پر حکومت وغلبہ بھی حاصل ہے (ایسے حالات میں نصیحت کی بات سُننا مشکل ہے) لیکن تمہارے حالات پر شفقت کے طور پر یہ باتیں کر رہا ہے۔ ابھی کچھ نہیں بگڑا توجہ اور رجوع الی اللہ کا وقت موجود ہے۔ اطلاع کرنا شرط ہے۔

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

ترجمہ: اگر گھر میں کوئی موجود ہے تو ایک ہی حرف کافی ہے۔]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

[1] (کنز العمال، ج۵، ص ۲۹۷)

مکتوب نمبر ۹۹

[ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

اس استفسار کے جواب میں جو انہوں نے دوامِ آگاہی کی کیفیت اور اس کا حالتِ نیند کے ساتھ جمع ہونا جو سراسر غفلت اور تعطیل ہے کے متعلق کیا تھا۔

آپ کے التفات نامہ گرامی نے مشرف فرمایا۔ آپ نے دوامِ آگاہی کی کیفیت اور اس کا حالتِ نیند کے ساتھ جمع ہونا جو سراسر غفلت اور بے کاری ہے، پوچھا تھا۔ اس دولت کے حصول کے متعلق اس سلسلہ کے بعض اکابر نے خبر دی ہے۔

مخدومِ گرامی!! اس اشکال کا حل ایک مقدمہ پر مبنی ہے جس کا بیان ضروری ہے۔ میں کہتا ہوں کہ روحِ انسانی کے اس پیکرِ جسمانی کے ساتھ تعلق قائم ہونے سے پہلے ترقی و عروج کی راہ بند تھی۔ اور

وَمَامِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ (الصافات ۱۶۴)

ترجمہ: اور فرشتے کہتے ہیں ہم میں ہر ایک کا ایک مقام معلوم ہے۔

کے پنجرے میں محبوس و مقید تھی۔ لیکن اس جوہرِ نفیس کی فطرت و سرشت میں جسم میں آنے کے بعد عروج کی استعداد موجود تھی۔ اور اس استعداد کی بنا پر ہی انسان کی فضیلت فرشتہ پر ثابت ہوئی ہے۔ حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے کمالِ کرم سے اس نورانی جوہر کو اس جسم کے ظلمانی پیکر کے ساتھ جمع کر دیا۔ تو پاک ہے وہ ذات جس نے نور اور ظلمت اور اَمر اور خلق کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور جب کہ یہ دونوں چیزیں حقیقت میں ایک دوسرے کی نقیض واقع ہوئی تھیں تو حکیمِ مطلق

جل سلطانہٗ نے اس اجتماع کو بر قرار رکھنے کے لئے اور اس انتظام کو موجود رکھنے کے لئے روح کی نفس کے ساتھ عشق و گرفتاری کی نسبت قائم کر دی۔ اور اس گرفتاری کو اس انتظام کا سبب بنا دیا۔

اور آیہ کریمہ:

لَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ فِي أَحْسَنِ تَقْوِيمٍ (۴) ثُمَّ رَدَدْنَاهُ أَسْفَلَ سَافِلِينَ (التین ۵)

ترجمہ: بے شک ہم نے آدمی کو اچھی صورت پر بنایا، پھر اسے ہر نیچی سے نیچی سی حالت کی طرف پھیر دیا۔

میں اسی بیان کی طرف اشارہ ہے۔ اور روح کا یہ تنزل و گرفتاری حقیقت میں مدح بمایشبہ الذم کے قبیلہ سے ہے۔ تو اس نسبتِ حُبی کے باعث روح نے اپنے آپ کو مکمل طور پر عالمِ نفس میں ڈال دیا۔ اور اپنے آپ کو اس کا تابع کر دیا۔ بلکہ اپنے آپ کو بھی بھلا دیا اور اپنے آپ کو نفسِ امارہ کے ساتھ تعبیر کرنا شروع کر دیا۔ روح میں یہ ایک دوسری لطافت ہے جو اس کی فطرت میں رکھ دی گئی ہے۔۔ اس لطافت کے کمال کے باعث روح جس طرف بھی رُخ کرتی ہے۔ اسی کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔ تو جب اپنے آپ کو فراموش کر دیتی ہے، تو اپنی سابقہ آگاہی کی نسبت جو وجوبِ تعالیٰ و تقدس کے مرتبہ میں ہے اسے بھی فراموش کر دیتی ہے۔ اور اپنے آپ کو پورے طور پر غفلت کے سپرد کر دیتی ہے، اور ظلمت کا حکم اختیار کر لیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی اور بندہ نوازی سے انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا۔ اور ان اکابر کے توسل سے اپنی طرف لوگوں کو بلایا۔ اور روح کو نفس کی مخالفت کا جو روح کا معشوق ہے حکم دیا۔ پس جو شخص واپس لوٹ آیا تو اس نے عظیم کامیابی حاصل کر لی۔ اور جس نے اپنا سر اوپر نہ اٹھایا اور زمین کے ساتھ چمٹ رہنا ہی پسند کیا تو دور کی گمراہی میں جا گرا۔]

تشریح

روحِ انسانی کو ایک طرح کی بے چونی حاصل ہے اور اسے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے ایک خاص نورانیت عطا کی ہے۔عالمِ ممکنات کی رونقیں اسی کے ساتھ وابستہ کی ہیں اور جہاں سے روح علیحدہ کی تو اسے موت کا نام دے دیا۔تو گویا زندگی ہی کا دوسرا نام روح یا پھر یوں کہہ لیں کہ زندگی روح کی محتاج ہے اور جہاں روح نہیں وہاں زندگی ہی نہیں۔اس کے برعکس روح کو جس پنجرے میں بند کیا(یعنی نفس میں،اُسے)مکدر و تاریک بنا دیا۔

روح میں قوتِ غلبہ بھی موجود ہے اور صفتِ مغلوبیت کی حامل بھی ہے۔تو جہاں اس نے نفس پر قابو پالیا صفاتِ ملکی کا ظہور ہونے لگا،بلکہ معاملہ ملائکہ سے بھی آگے نکل گیا اور جہاں روح مغلوب ہو گئی اور نفس نے غلبہ حاصل کر لیا تو وہاں کا معاملہ چوپایوں سے بھی نیچے گر گیا۔أُولَئِکَ کَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ (الأعراف ۱۷۹) سے اسی طرف اشارہ ہے۔

روح جب نفس کو مغلوب تو اس کی صفاتِ رذیلہ کو فانی کر دیتی ہے اور صفاتِ حمیدہ کا پرَتو ڈال کر ہر لمحہ اور ہر لحظہ کے لئے خالق ومالکِ کائنات کی طرف متوجہ کر دیتی ہے۔ان صفات کے حامل انسان کو ولی کہا جاتا ہے۔اس کی نیند بھی(جو بظاہر غفلت کا نام ہے)عین بیداری کی صفات حاصل کر لیتی ہے اور ایسی نیند یادِ الٰہی سے غافل نہیں ہونے دیتی۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

تَنَامُ عَيْنَایَ وَ لاَیَنَامُ قَلْبِی۔

ترجمہ: میری آنکھیں (تو) سو جاتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا (نیند میں بھی بیدار رہتا ہے)۔[1]

اور چونکہ یہ حقیقت ہے کہ اولیاءِ اُمت ہی اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے حقیقی وارث ہیں تو ان قدسی صفات کو حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بقیہ صفات کی طرح اس صفت سے بھی حصہ ملتا ہے اور اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں یہ لوگ بھی عین نیند کی حالت میں بیدار رہتے ہیں۔

یہ حالت کامل اولیاء کا حصہ ہے، عام مؤمنین اور ابتدائی سالکین اس کیفیت کے ساتھ ممتاز نہیں ہوتے۔ بلکہ ان کا ظاہر و باطن نفس کی نفسانی خواہشات کی وجہ سے غفلت میں پڑا رہتا ہے، اور جب تک ہر کام میں اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل دولت سے فیض یاب نہیں ہوتے اس کیفیت سے بہرہ ور نہیں ہوتے۔ اور اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل دولت سے مراد ظاہر و باطن کی مکمل تابعداری ہے۔

یہ بات بھی سمجھنی چاہیئے کہ ہر انسان کا ایک اسمِ تخلیقی ہے جس کے پَرتو پڑنے سے انسان زندہ ہوا ہے۔ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسی اسم سے اس انسان کی پرورش کی جاتی ہے اس لحاظ سے اس کو اسمِ مُربی کہا جاتا ہے۔ اور جو اسم کسی سالک کا اِسمِ مُربی ہے وہی اس کے لئے اسمِ اعظم ہے اور اس کی روح اور جملہ لطائف اسی اسم کے تکرار سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں۔ پس اسمِ اعظم کے معاملہ میں مشائخ کرام سے نہ پوچھیں کہ کون سا اسمِ اعظم ہے اس لئے کہ ہر سالک کا اسمِ اعظم جدا اور الگ ہوتا ہے۔ ذکرِ کثیر اور اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے اسمِ اعظم کا راز

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۸۰، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

دریافت ہو سکتا ہے لیکن اس معاملہ کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے عام لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہے۔ جسے چاہتا ہے اُسے عطا فرما دیتا ہے۔

[اب ہم اس اشکال کا جواب بیان کرتے ہیں۔

اس مقدمہ سے معلوم ہوا کہ رُوح کا نفس سے اجتماع ہو جاتا ہے۔ بلکہ روح نفس میں فنا اور اس کے ساتھ بقا حاصل کر لیتی ہے۔ پس لازماً جب تک یہ اجتماع اور انتظام موجود ہے، ظاہر کی غفلت عین باطن کی غفلت ہے۔ اور جب یہ انتظام خلل پزیر ہوتا ہے، اور باطن کی محبت سے اعراض کر کے اپنا منہ ابطن بطون (حق تعالیٰ) کی طرف کر لیتا ہے تو فانی کے ساتھ پیدا شدہ فنا و بقا و بزوال ہو کر باقی حقیقی ذات تعالیٰ و تقدس کے ساتھ فنا و بقا حاصل کر لیتا ہے۔ اس وقت ظاہر کی غفلت باطنی حضور پر کچھ اثر انداز نہیں ہوتی۔ غفلت ظاہر باطن پر کیسے اثر انداز ہو سکتی ہے جبکہ باطن نے ظاہر کی طرف پوری طرح پشت کر لی ہے۔ اور ظاہر سے باطن کی طرف کوئی شے گھس نہیں سکتی۔ پس جائز ہے کہ ظاہر غافل ہو اور باطن آگاہ۔ اور اس میں استحالہ نہیں۔

مثلاً روغنِ بادام جب تک پھوک کے ساتھ مخلوط ہے دونوں کا ایک حکم ہے۔ اور جب روغن پھوک سے الگ ہوا دونوں کا حکم الگ ہو گیا۔ تو اب ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہیں ہو گا۔

اس طرح کے صاحبِ دولت کو اگر چاہتے ہیں تو جہان کی طرف واپس لے آتے ہیں اور عالم کو اس وجود شریف کے توسط سے نفسانی تاریکیوں سے نجات عطا کرتے ہیں۔ اس صاحبِ دولت کو بطورِ سیر عن اللہ باللہ علم کی طرف نیچے لاتے ہیں۔ اس کا پورا رُخ خلق کی طرف ہو جاتا ہے بغیر اس کے کہ مخلوق میں گرفتار ہو۔ کیونکہ وہ اپنی سابقہ گرفتاری پر ہی قائم ہے۔ اسے اس کے اختیار کے بغیر اس عالم میں لائے ہیں۔

پس یہ منتہی جناب قدس خداوندی تعالیٰ وتقدس سے رُوگردانی اور مخلوق کی طرف رُخ کرنے میں تمام مبتدیوں کے ساتھ صورتاً شریک ہے۔ لیکن حقیقت میں ان کے ساتھ کچھ مناسبت نہیں رکھتا۔ ایک گرفتاری سے دوسری گرفتاری تک بڑا فرق اور فاصلہ ہے۔

نیز مخلوق کی جانب رُخ کرنے میں یہ منتہی بے اختیار ہے۔ اسے اس میں کچھ رغبت نہیں۔ بلکہ مخلوق کی طرف اس توجہ میں بھی اسے حق تعالیٰ کی رضا مقصود ہے، اور مبتدی میں مخلوق کی طرف یہ توجہ ذاتی اور طبعی اور رغبت وچاہت سے ہے، اور خدا تعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہے۔

ہم مبتدی اور منتہی کے درمیان ایک اور فرق بیان کرتے ہیں:

مبتدی کو یہ بات میسر ہے کہ عالم سے رُوگردانی کرکے اپنے رُخ حق تعالیٰ وتقدس کی طرف کر لے۔ لیکن منتہی کے لئے خلق سے اعراض محال ہے۔ ہر وقت مخلوق کی طرف رُخ اور توجہ اس کے مقام کو لازم ہے ہاں مگر جبکہ اس کی دعوت کا کام مکمل کر لیا ہو اسے دارِ فنا سے دارِ بقا کی طرف منتقل کر دیتے ہیں۔ اس وقت ندائے اَللّٰھُمَّ الرَّفِیْقِ الْاَعْلیٰ اس کا نقد سرمایہ ہوتا ہے۔

مشائخِ طریقت قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم نے مقامِ دعوت میں مختلف باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک جماعت نے اس مقام کو جمع توجہ بین الحق والخلق سے تعبیر کیا ہے۔ یہ اختلاف احوال ومقامات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ ہر ایک نے اپنے مقام سے خبر دی ہے، صحیح علم اللہ تعالیٰ کو ہے۔

اور وہ جو سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے اَلنِّھَایَۃُ ھِیَ الرُّجُوْعُ اِلَی الْبِدَایَۃِ کہ نہایت ابتداء کی طرف رجوع کرنے کا نام ہے۔ یہ اس مقامِ دعوت کے موافق ہے جو اس مسودہ میں تحریر ہوا ہے۔ کیونکہ ابتداء میں پورا رُخ مخلوق کی طرف ہوتا ہے۔

حدیث مبارک:

تَنَامُ عَيْنَایَ وَلاَ يَنَامُ قَلْبِی۔

ترجمہ: میری آنکھیں (تو) سو جاتی ہیں، لیکن میرا دل نہیں سوتا (نیند میں بھی بیدار رہتا ہے)۔[1]

جو آپ نے تحریر فرمائی تھی اس میں دوامِ آگاہی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ اس میں آپ نے اپنے اور اپنی اُمت کے حالات کے جاری رہنے سے عدمِ غفلت کی خبر دی ہے۔ اسی بنا پر نیند آپ کے وضو کو نہیں توڑتی تھی۔ اور جب کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی اُمت کی محافظت میں بکریوں کے ریوڑ کے پاسباں اور نگہبان کی طرح ہے۔ لہٰذا غفلت اس کے منصبِ نبوت کے شایانِ شان نہیں۔

اور حدیث شریف:

لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلاَ نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔

ترجمہ: مجھے اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک وقت نصیب ہوتا ہے، جس میں میرے ساتھ نہ تو فرشتۂ مقرب شریک ہو سکتا ہے اور نہ کوئی مُرسل نبی۔[2]

صحیح ہونے کی صورت میں تجلی ذاتی برقی کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے۔ اور وہ تجلی بھی جنابِ قدس خداوندی جل سلطانہٗ کی طرف رُخ کرنے کو مستلزم نہیں۔ بلکہ یہ تجلی اسی جانب سے ہے۔ متجلیٰ لہ کا اس میں کچھ دخل نہیں۔ یہ تجلی معشوق کے عاشق میں سیر کرنے کی مانند ہے۔ عاشق تو سیر کرنے سے سیر ہو چکا ہے۔

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۸۰، الناشر: دار الكتاب العربي-بيروت)

[2] (مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: دار الفکر، بیروت-لبنان)

آئینہ صورت از سفر دور است

کاں پزیرا ے صورت از نور است

ترجمہ: صورت کا آئینہ سفر کے اعتبار سے دور ہے۔ لیکن اپنی نُورانیت کی وجہ سے صورت کو قبول کرتا اور اپنی طرف کھینچتا ہے۔

جاننا چاہیئے کہ خلق کی طرف رجوع کرنے کی صورت میں زائل شدہ حجابات پھر واپس عود نہیں کرتے۔ بے پردگی کے باوجود اسے مخلوق کے ساتھ مشغول کیا گیا ہے اور مخلوقات کی فلاح و نجات اس کے ساتھ مربوط کر دی گئی ہے۔ ان بزرگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو بادشاہ سے کمال قُرب رکھتا ہو اور بادشاہ اور اس کے درمیانی کوئی معنوی اور صوری حجاب حائل نہ ہو۔ اس کے باوجود اسے صاحبِ حاجت لوگوں کی خدمات پر مامور کیا گیا ہو۔ یہ مبتدی اور منتہی مرجوع (مخلوق کی طرف لوٹائے گئے) کے درمیان ایک اور فرق ہے۔ کیونکہ مبتدی صاحبِ حجابات ہے، لیکن منتہی کے آگے سے سب حجابات اُٹھ چکے ہیں۔

آپ پر اور تمام متبعینِ ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔]

تشریح

معرفت کے دو درجے ہیں

ایک درجہ معرفتِ صوری کا ہے جو عام مؤمنوں اور ابتدائی سالکوں کے لئے ہے۔ ایمان کے ابتدائی درجوں والے سالکوں کی معرفت بھی اسی زمرے میں آتی ہے۔

دوسرا درجہ معرفتِ حقیقی کا ہے جو ایمانِ حقیقی کے ساتھ وابستہ ہے۔ یہ معرفت اس وقت نصیب ہوتی ہے جب سالک کا نفس اپنی نافرمانی والی صفات سے مکمل طور پر باز آ جائے اور قلبِ حقیقی کی تصدیق کی طرح احکامِ شریعت کی تصدیق کرنے لگے۔

عوام اور خواص میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ عوام کہتے ہیں کہ ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ سے بہت ڈرتے ہیں لیکن اُن کا ڈر اور خوف بھی عجیب چیز ہے کہ خوف کا دعویٰ کرنے کے باوجود نماز وروزہ اور دیگر احکام سے لاپرواہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے نفس نے ابھی تک تصدیق کی دولت سے حصہ نہیں پایا ہے اور محض زبانی دعووں تک ہی محدود ہیں جبکہ خواص کا نفس بھی چونکہ تصدیق کی دولت سے مستفید ہو جاتا ہے اس لئے ایسے لوگوں کے منہ سے دعوے ظاہر نہیں ہوتے بلکہ عمل ظاہر ہوتے ہیں اور خوف کی حقیقی علامات نظر آتی ہیں۔ معرفتِ حقیقی ان ہی خوش نصیبوں کا حصہ ہے۔

منتہی سالک دو طرح کے ہوتے ہیں: ایک وہ جو مقامِ ولایت تو حاصل کر لیتے ہیں لیکن کمال کے آخری درجے تک نہیں پہنچتے۔ اس لئے ان کی دعوت بھی اتنی کارگر نہیں ہوتی جتنی اکمل اولیاء کی ہوتی ہے۔

دوسرے منتہی وہ ہیں جو معرفت وایمان کی حقیقی منزل کو پا لیتے ہیں اور اس منزل کا حصول اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خاص فضل واحسان ہے۔ ایسے سالک کے ظاہر وباطن کو مخلوق کی رُشد وہدایت کے لئے رجوع عنایت کیا جاتا ہے۔ لیکن کمال کی بات یہ ہے کہ ایسے اولیاء کرام مخلوق میں رہتے ہوئے بھی کسی دَم اپنے محبوبِ حقیقی سے غافل نہیں ہوتے بلکہ مرکزِ تجلیات کا مظہر ہوتے ہیں ان کا باطن نفس کی پراگندگی سے مصفٰی ہو چکا ہوتا ہے۔

سُلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

خانہ خالی کن از اعیار و بجو یارِ معین

این محال است کہ ضدین یک دَم می طلبی

ترجمہ: اے معین دل کے خانے کو اغیار (یعنی نفس و شیطان، بغض وعداوت، حسد وکینہ اور شہوت کی عادات) سے خالی کر اور پھر اپنے دوست (یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ) کو طلب کر کیونکہ یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی والی باتیں بھی تجھ میں موجود ہوں اور تجھے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وصل بھی مل جائے۔

اول بِروبخانہ پس آن مہمان طلب

آئینہ شوی شال پَری طلعت آن طلب

ترجمہ: پہلے اپنے (دل کے) گھر کو جھاڑو سے اچھی طرح صاف کرو پھر مہمان کو آنے کی دعوت دو (جب دل کا آئینہ صاف ہو جائے تو اس میں دوست کی صورت نظر آنے لگے گی)۔

اس کیفیت والے سالک کے بارے میں حضرت مجددالف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا وصل پالینے کے بعد اس کا مکمل رُخ مخلوق کی طرف کر دیا جاتا ہے، تاکہ وہ اپنے نبی کی اتباع میں مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف کھینچ لے۔ جیسے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم جب دُنیا سے رُخصت ہو رہے تھے تو بار بار "اُمّتِیْ اُمّتِیْ" پکار رہے تھے۔ کیونکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو عروجِ حقیقی کے بعد کامل نزول عطا کیا گیا تھا۔ اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی مبارک زندگی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ

مشغول تھی اور اسی بات سے کفار مغالطے کا شکار ہو کر کہنے لگے کہ یہ عجیب نبی ہے جو کھاتا پیتا بھی ہے اور بازاروں میں بھی گھومتا ہے۔(**نعوذ باللہ من ذلک**)

جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا وصال ہوا تو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بہت زیادہ غمگین رہنے لگیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو تسلی دیتے اور صبر کی تلقین کرتے تھے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے جواب کو شاعر نے پشتو زبان میں یوں بیان کیا ہے کہ:

زره ته ک سل تسلئ ور کرم
سترکو ليدلي جانان کله هيره وينه

ترجمہ: اگر میں اپنے دل کو سو بار بھی تسلی دوں تو پھر بھی اپنی آنکھوں سے دیدار کئے ہوئے محبوب کو میں کیسے بھول سکتی ہوں۔

آخری اہم بات جو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں فرمائی ہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علمِ غیب کے بارے میں ہے جسے آج کل مسلکی رنگ دے کر اختلافات کا شکار کر دیا گیا ہے حالانکہ اس میں کسی قسم کے اختلاف کا پہلو نہیں ہے۔

سب سے پہلے تو یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیئے کہ جس طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتِ بابرکات میں کسی چیز کی شرکت محال اور ناممکن ہے۔ اسی طرح اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفات میں بھی کسی بھی لحاظ سے کوئی چیز اور کوئی بشر شریک نہیں ہے۔ غیر اللہ کا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات وصفات میں شریک

وحصہ دار ہونے کا عقیدہ رکھنا ہی وہ گناہ ہے جسے اکبر الکبائر کہتے ہیں اور یہی وہ واحد گناہ ہے جس کے بارے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں صراحت کے ساتھ فرمادیا کہ:

إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ (النساء ۴۸)

ترجمہ: بے شک اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ کفر کیا جائے اور کفر سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتا ہے۔

ثابت ہوا کہ شرک ہی وہ گناہ ہے جس کی معافی و بخشش کسی بھی صورت میں ممکن نہیں ہے، سوائے اس کے کہ شرک کرنے والا اپنے گناہ سے خلوصِ نیت کے ساتھ توبہ کرے اور کلمہ شہادت کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید کرے اور آئندہ کے لئے شرک سے ہر صورت میں اجتناب کرے، چاہے بالذات ہو، چاہے شرک بالصفات۔ اور اسی طرح حیات وقدرت اور سمع وبصر اور کلام وغیرہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ ہیں۔ اسی طرح علم بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذاتی صفت ہے او علمِ غیب بھی اسی زمرے میں ہے جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خاصہ ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ بلا شرکتِ غیر اس علم کا واحد ویکتا مالک ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں فرمایا ہے کہ:

عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا (۲۶) إِلَّا مَنِ ارْتَضَى مِنْ رَسُولٍ (الجن ۲۷)

ترجمہ: غیب کا جاننے والا تو اپنے غیب پر کسی کو مسلط نہیں کرتا، سوائے اپنے پسندیدہ رسولوں کے۔

اور یہ بات کسی دلیل کی محتاج نہیں ہے کہ تمام تر انبیاء ورُسل علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے جس طرح اُس نے تاجدارِ انبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو پسند فرمایا ہے اُس طرح

کسی نبی کو پسند نہیں فرمایا اور جو علوم و درجات آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے مختص فرمائے ہیں اور کسی نبی کے لئے نہیں فرمائے اور جب انبیاء کرام علیہم الصلوات والتسلیمات میں سے کوئی نبی (اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ایمانِ حقیقی کے ساتھ ان جملہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے قدموں کی خاک کے طور پر قبول فرمائے) آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ برابری نہیں کر سکتے تو باقی مخلوق کس کھاتے میں ہے؟

پس ثابت ہوا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ محض اپنی رضا و عطا سے جسے چاہے، جتنا چاہے اور جب چاہے علم عطا کر دے اور اُسے روکنے والا کوئی نہیں کیونکہ وہ غیب کے خزانوں کا آپ ہی مالک ہے۔ اور یہ بھی ثابت ہو گیا علمِ غیب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے لئے ذاتی اور کُلی ہے لیکن مخلوقات میں سے جسے عطا ہو اُس کے لئے ذاتی نہیں بلکہ عطائی ہے اور علمِ عطائی سے کسی قسم کی شرکت لازم نہیں آتی۔

مندرجہ بالا چند سطریں اس موضوع پر اپنا مسلک اور عقیدہ ظاہر کرنے کے لئے لکھی ہیں ورنہ اس موضوع پر بے شمار دلائل موجود ہیں لیکن یہاں دلائل اکٹھے کرنا مقصود نہیں، نہ ہی مکتوبات شریف کی یہ شرح اس تفصیل کی متحمل ہو سکتی ہے۔ مذہب کی تقلید کرنے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ حدِ اعتدال کو قائم رکھیں اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علم کو ذاتی نہ سمجھیں اور نہ ہی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے علمِ غیب کا انکار کریں۔ اور مکتوبات شریف کی یہ شرح پڑھنے والے یہ بات بھی جان لیں کہ اس طرح کے باریک مسائل بالخصوص عقائد سے تعلق رکھنے والے دقیق مسائل کی بحث میں پڑ کر اپنے ایمان کو خطرے میں نہ ڈالیں۔ یہ مسائل علماء کے ساتھ خاص ہیں ان معارف تک عوام کی عقلی رسائی انتہائی مشکل ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حق تعالیٰ نے کمال حکمت کے ساتھ روح کو جسمِ انسانی کے قفس میں محبوس کر دیا۔

فَسُبْحَانَ مَنْ جَمَعَ بَيْنَ النُّوْرِ وَ الظُّلْمَةِ وَ قَرَنَ الْاَمْرَ بِالْخَلْقِ۔

مگر روحانی ارتقاء و عروج کو عبادات شرعیہ، سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات اور ریاضات شاقہ کے ساتھ مربوط کر دیا تاکہ یہ رجعت قہقری کرکے دوبارہ عالمِ قدس تک رسائی حاصل کر لے۔ چونکہ عامۃ الناس میں عالمِ خلق اور عالمِ امر کے لطائف عشرہ کے باہمی اختلاط والتباس کی بناء پر ایک کی غفلت دوسرے کی غفلت کو متضمن ہوتی ہے جبکہ صوفیائے کاملین کے پیکر جسمانی میں لطائف عالم خلق کے اثرات لطائف عالم امر پر غالب نہیں ہوتے۔ بلکہ عالمِ اَمر کے برکات وفیوضات عالمِ خلق کے لطائف کو مغلوب ومتاثر کر دیتے ہیں، بنابریں عارف کامل کا متوجہ بخلق ہونا متوجہ الی اللہ ہونے میں حائل نہیں ہوتا اسی لئے ان کی غفلت ظاہری، غفلتِ باطنی کا باعث نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: تَنَامُ عَيْنَایَ وَ لَا يَنَامُ قَلْبِی۔[1] (یعنی میری آنکھیں سوتی ہیں لیکن میرا قلب انور نہیں سوتا) سے مفہوم ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اس حقیقت کو ایک مثال کے ذریعے بیان فرمایا ہے کہ روغنِ بادام جب تک پھوک (بادام کا ملغوبہ یا کھلی) کے ساتھ مخلوط ہے دونوں کا ایک ہی حکم ہے، اور جب روغن کھلی سے جدا ہو گیا دونوں کے لئے الگ الگ احکام ہو گئے تو اب ایک کا حکم دوسرے پر جاری نہیں ہو گا۔ اسے مرتبۂ احسان وعرفان سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اسی مقصد کے لئے جنات اور

---

[1] (مشکوٰۃ، ص ۴۷۹)

انسانوں کی تخلیق فرمائی گئی ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاریات ٥٦)اَی لِیَعْرِفُوْنَ سے واضح ہے۔

بینہ

واضح رہے کہ معرفت کی دو اقسام ہیں:

صورتِ معرفت اور حقیقتِ معرفت

صورتِ معرفت

یہ عامۃ المسلمین کو خدا تعالیٰ کی معرفت تقلیدی طور پر حاصل ہوتی ہے اس کی ذات اور صفات پر استدلالی اعتبار سے ایمان رکھتے ہیں اور قضایائے شرعیہ کی تصدیق قلب کے ساتھ تو کرتے ہیں مگر بہ ایں ہمہ ان میں نفس امارہ کا انکار و منازعت قائم رہتی ہے۔

حقیقتِ معرفت

یہ ہے کہ عارف کے جملہ اعضاء وجوارح حق تعالیٰ کی معرفت سے آشنا ہو جاتے ہیں چونکہ عارف کا قلب تصدیق سے شادکام اور اس کا نفس ایمان واطاعت واطمینان سے فائز المرام ہو جاتا ہے اور اس کے لطائف عالمِ اَمر کا تصفیہ اور لطائف عالم خلق کا تزکیہ ہو جاتا ہے اسی بناء پر احکامِ شرعیہ اور اوامر دینیہ کی بجا آوری پر عارف کے لطائف عالمِ اَمر، مسرور اور لطائف عالمِ خلق محفوظ ہو جاتے ہیں۔ اسی حقیقت کو ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: خِيَارُهُمْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ خِيَارُهُمْ فِي الْإِسْلَامِ إِذَا فَقِهُوا۔[1] میں بیان فرمایا گیا ہے۔

---

[1](مشکوٰۃالمصابیح، ص ٣٢)

کسی شاعر نے خوب کہا:

بعد ازیں دست من و دامن دوست
بعد ازیں گوش من و حلقۂ یار
بے غم و درد تو صد حیف ز عمری کہ گزشت
پیش ازیں کاش گرفتار غمت می بودم

حضرت سلطان اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت نواب مکرم خان مرحوم (جن کی عمر ۶۴ برس تھی اور ایمانِ حقیقی اور حقیقت معرفت سے مشرف تھے) سے استفسار فرمایا کہ تمہاری عمر کتنی ہے؟ انہوں نے عرض کیا عالی جاہ! میری عمر چار برس ہے۔ حضرت اورنگ زیب نے حیرت سے پوچھا کیا کہہ رہے ہو؟ انہوں نے عرض کیا کہ عروۃ الوثقیٰ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز کی خدمت عالیہ میں چار سال گزارے ہیں، اسے ہی عمر حقیقی شمار کرتا ہوں۔ بقیہ ساری عمر میرے حساب و شمار میں نہیں ہے کیونکہ وہ تو ہوا و ہوس اور نفسانی خواہشات میں گزری ہے۔

بقول شاعر:

عمر ہماں است کہ با یار بسر رفت
باقی ہمہ بے حاصلی و بے خبری بود

اسی مفہوم کو شاعر نے بزبان اردو یوں بیان کیا ہے:

حقیقت میں وہی سرمایۂ عمر گرامی ہے
جو لمحاتِ حسیں ہم ان کی محفل میں گزار آئے

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس عارفِ کامل کا تذکرہ فرمارہے ہیں جو عروجی منازل اور نزولی مراتب کی تکمیل کے بعد کلیۃً مخلوق کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے اور مخلوق کی رُشد وہدایت میں مشغول ہو جاتا ہے، اور اس کا لوگوں کے ساتھ امتزاج واختلاط حق تعالیٰ کے ساتھ حضور میں حاجب ومانع نہیں ہوتا۔

مقنن قوانین طریقت سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز نے اسی کیفیت کے متعلق ارشاد فرمایا ہے:

اَلنِّھَایَۃُھِیَ الرُّجُوْ عُ اِلَی الْبِدَایَۃِ۔

یعنی نہایت بدایت کی طرف ہی رجوع کرنا ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے اس مکتوب گرامی میں مبتدی سالک اور منتہی عارف کے درمیان فرق چار طرح سے بیان فرمایا ہے:

اول: یہ کہ مبتدی بخلاف منتہی کے مخلوق کی طرح دنیا میں پھنسا ہوا ہے۔

دوم: یہ کہ مخلوق کی طرف متوجہ ہونا منتہی کے لئے غیر اختیاری وبغیر رغبت کے صرف رضائے حق کی وجہ سے ہے اور مبتدی میں مخلوق کی طرف رجوع ہونا ذاتی اغراض، برغبتِ خویش اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کے بغیر ہے۔

سوم: یہ کہ مبتدی کو خلق سے روگردانی کرکے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا آسان ہے اور منتہی کے لئے مخلوق سے اعراض کرنا محال ہے اور مخلوق کی طرف متوجہ رہنا اس کے مقام کے لئے لازم ہے۔

چہارم: یہ کہ مبتدی صاحبِ حجابات ہوتا ہے جبکہ منتہی سے سارے حجابات اور پردے اٹھ جاتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے مقامِ دعوت کے تعین و تقرر میں صوفیائے طریقت کے مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں۔ صوفیاء کرام کی ایک جماعت کا مؤقف ہے کہ عارف اس وقت مقامِ دعوت کے منصب پر متمکن ہو سکتا ہے جب اسے جمع توجہ بین الحق والخلق کا مرتبہ میسر آجائے۔ یہ وہ مرتبہ ہے جس میں سالک و عارف ظاہری طور پر مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے، لیکن باطنی طور پر خالق کی طرف متوجہ رہتا ہے کہ اس نے مقاماتِ عروج کو پوری طرح طے نہیں کیا اور نزول کر لیا ہے اس لئے اسے لازماً فوق کی نگرانی ہمہ وقت دامن گیر رہتی ہے، جو کلیتاً اس کی توجہ خلق کے ساتھ ہونے میں مانع ہے۔ بس اسی بناء پر یہ مرتبہ کامل مرتبہ نہیں ہے۔ اس مرتبے میں فیضان ولایت کا غلبہ ہوتا ہے جبکہ محققین طریقت کے دوسرے گروہ کے نزدیک مقامِ دعوت کے قابل وہ عارف ہوتا ہے جو ظاہری اور باطنی طور پر مکمل مخلوق کی طرف متوجہ ہو۔ یہ مقام منتہی حقیقی عارف کا ہے کیونکہ اس میں نفس اور روح دونوں کا نزول ہوتا ہے اور وہ مخلوق کی رشد و ہدایت کے لئے کلیتاً مخلوق کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس مرتبے میں کمالاتِ نبوت کا غلبہ ہوتا ہے جو اقربیت کا نشان بتاتا ہے۔ اس گروہ کے سرخیل حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا مؤقف بھی یہی ہے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کے ایک سوال کا جواب ارشاد فرمارہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: تَنَامُ عَيْنَايَ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي۔[1] سے معلوم

---

[1] (سنن ابی داؤد، ج ۱، ص ۸۰)

ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حالتِ نیند میں حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے تھے جبکہ عارف کامل ظاہری اور باطنی طور پر کلیتاً مخلوق کی طرف ہی متوجہ رہتا ہے مطابقت کیسے ہوگی؟

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز جواباً ارشاد فرماتے ہیں کہ مذکورہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں دوام آگاہی مراد نہیں بلکہ اس سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہمہ وقت امت کی طرف توجہ مبذول رکھتے ہیں۔ غفلت منصب نبوت کے شایان شان نہیں۔ کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم عروجی کمالات سے فارغ ہیں اور مخلوق خدا کی ہدایت ورہنمائی کے لئے کلیتاً متوجہ الی الخلق ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم لوگوں کی رشد وہدایت کے لئے کلیتاً خلق کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

حدیث: لِي مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِي فِيهِ مَلَكٌ مُقَرَّبٌ، وَلَا نَبِيٌّ مُرْسَلٌ۔[1] میں تجلی ذاتی برقی کی طرف اشارہ ہے اور اس تجلی سے یہ ہرگز لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم دورانِ نماز خالق کی طرف متوجہ ہو جاتے، بلکہ یہ تجلی حق تعالیٰ کی طرف سے عاشق میں معشوق کی سیر کے قبیل سے ہے۔

[1](مرقاۃ المفاتیح، ج ۱، ص ۵۸، الناشر: دار الفکر، بیروت - لبنان)

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ منصب دعوت وارشاد پر متمکن عارف جو مکمل طور پر متوجہ الی الخلق ہوتا ہے اور اس کے لطائفِ عالمِ اَمر کا تصفیہ اور لطائفِ عالمِ خلق کا تزکیہ ہو چکا ہوتا ہے وہی تجلیاتِ الٰہیہ کا مظہر ہوتا ہے۔

بقول شاعر:

روتوزنگارازرُخ خودپاک کن　　　بعدازاں آن نوررااداراک کن

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جس سالک کی کدوراتِ بشریہ عاداتِ ردیہ اور اخلاقِ رذیلہ زائل نہیں ہو جاتیں کلیتاً اس کا تصفیہ وتزکیہ نہیں ہو جاتا اگرچہ متوجہ الی الحق ہی کیوں نہ ہو، مظہر تجلیات نہیں بن سکتا۔

سلطان الہند حضرت خواجہ معین الدین حسن چشتی قدس سرہٗ العزیز تاجدار اجمیر شریف فرماتے ہیں:

خانہ خالی کن ازاغیارو بجویار معین
ایں محال است کہ ضدین یکدم می طلبی

شاید اسی بناء پر عارف کامل حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے دریا عبور کرتے ہوئے اپنے مرید کو کہا تھا تومرایاد کن ومن خدارایاد می کنم (یعنی تو مجھے یاد کر اور میں خدا کو یاد کرتا ہوں) ان عارف کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ ان کے اور حق تعالیٰ کے درمیان سارے حجابات اٹھ گئے ہیں اس

لئے وہ مظہر تجلیات بن چکے تھے، جبکہ مرید مبتدی تھا، ابھی تک تصفیہ وتزکیہ کے مراحل ومدارج طے نہ کرنے کی وجہ سے اس کے درمیان اور حق تعالیٰ کے درمیان حجابات حائل تھے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عارفِ کامل اگرچہ متوجہ بخلق ہوتا ہے لیکن مظہرِ تجلیات اور مہبط فیوضات ہوتا ہے مگر جو سالک اگرچہ متوجہ الی الخلق ہی کیوں نہ ہو مظہرِ تجلیات تب ہی ہوتا ہے جب اس کے لطائف مطہر ومزکی ہوجاتے ہیں۔

بقول شاعر:

اول بروب خانہ پس آں مہماں طلب
آئینہ شو وصال پری طلعتاں طلب

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۴۱ تا ۲۴۹)

مکتوب نمبر ۱۰۰

[مُلا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

ان کے اس سوال کے جواب میں جو انہوں نے کہا تھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے فرمایا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

آپ کے التفات نامۂ گرامی نے مشرف فرمایا، جو آپ نے کرم نوازی کے طور پر تحریر فرمایا تھا۔ آپ نے لکھا تھا کہ شیخ عبد الکبیر یمنی نے کہا ہے کہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ عالم الغیب نہیں ہے۔

مخدوم گرامی! فقیر اس طرح کی باتیں سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ میری رَگِ فاروقی بے اختیار حرکت میں آتی ہے، اور اس طرح کی باتوں کی تاویل وتوجیہ کی فرصت نہیں دیتی۔ چاہے ایسی باتوں کا قائل شیخ عبد الکبیر یمنی یا شیخ اکبر شامی۔ محمد عربی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام درکار ہے، نہ کہ محی الدین عربی کا اور صدر الدین قونیوی یا عبد الرزاق کاشی کا کلام۔ ہمیں نص کے ساتھ کام ہے، فص کے ساتھ نہیں۔ فتوحاتِ مدنیہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے کلامِ مجید میں علمِ غیب کے ساتھ اپنی صفت کرتا ہے اور اپنے آپ کو عالم الغیب فرماتا ہے۔ اس ذات سبحانہٗ سے علم غیب کی نفی کرنا بہت قبیح اور بُرا ہے۔ اور فی الحقیقت حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی تکذیب ہے۔ غیب کا کوئی اور معنیٰ کرنا بھی اسے بُرائی سے نہیں نکال سکتا۔

كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ (الکهف ۵)

ترجمہ: کتنا بڑا بول ہے کہ ان کے منہ سے نکلتا ہے۔

کاش میں سمجھتا کہ انہیں اس طرح کے صریح خلافِ شریعت کلمات زبان پر لانے پر کون سی چیز اُبھار رہی ہے۔

منصور اگر **اَنَا الْحَقّ** کہے اور بسطامی **سبحانہٗ** کا نعرہ لگائے تو یہ حضرات معذور ہیں اور غلبۂ احوال کے تحت مغلوب ہیں۔ لیکن اس طرح کا کلام احوال میں سے نہیں، علم سے تعلق رکھتا ہے اور تاویل کا متقاضی ہے۔ اس طرح کی باتوں کو معذوری پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ اور یہاں کوئی تاویل بھی قابل قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ صرف اہلِ سُکر کا کلام کسی تاویل پر محمول کیا جاتا اور ظاہری معنی سے پھیرا جاتا ہے۔ اور اگر اس کلام کے متکلم کا اس طرح کے کلام کے اظہار سے مقصود خلق کی ملامت اور ان کی نفرت ہے تو یہ بھی بُرا اور قبیح ہے، مخلوق کی ملامت حاصل کرنے کے اور بھی بہت سے راستے ہیں۔ کیا ضرورت ہے کہ انسان اپنی ملامت کے لئے اپنے آپ کو کُفر کی حد تک پہنچائے؟ اور جب کہ آپ نے اس کلام کی تاویل کے متعلق کہا اور استفسار فرمایا ہے تو "**سوال کا جواب ملنا چاہیئے**" کے مطابق مجبوراً اس باب میں کچھ عرض کرتا ہے۔ اور غیب کا علم اللہ سبحانہٗ ہی کو ہے۔

اس کی ایک تاویل تو یہ کی گئی ہے کہ غیب معدوم ہے اور علم معدوم کے ساتھ متعلق نہیں ہو سکتا۔ یعنی جب کہ غیب حق سبحانہٗ کی نسبت سے معدومِ مطلق اور لا شے محض ہے تو علم کے اس کے ساتھ متعلق ہونے کے کوئی معنی نہیں۔ کیونکہ صرف معلومیت اسے مطلق علومیت اور لاشیئہ محض سے باہر نہیں نکال سکتی۔ جس طرح یہ کہنا درست نہیں کہ **اللہ تعالیٰ** اپنے شریک کا عالم ہے۔ کیونکہ اس **ذات تعالیٰ و تقدس** کا شریک اصلاً موجود نہیں اور لا شے محض ہے۔ ہاں مفہومِ غیب اور مفہومِ شریک کا تصور ہو سکتا ہے لیکن ہمارا یہ کلام شریک اور غیب کے مصداق میں ہے نہ کہ ان کے مفہوم میں۔

اور یہی حال ہے ان تمام محالات کا جن کا مفہوم تو ممکن التصور ہے اور ان کے مصداق ممتنع التصور ہیں۔ کیونکہ معلومیت انہیں استحالہ سے باہر لے آتی ہے۔ اور کم از کم وجودِ ذہنی تو ان کو عطا کر دیتی ہے۔

اور جو اعتراض آپ نے مولانا محمد روجی کی توجیہ پر کیا ہے درست ہے۔ مرتبۂ احدیتِ مجردہ میں نسبتِ علمیت کی نفی مطلق علم کی نفی کو مستلزم ہے۔ علمِ غیب کی نفی کی تخصیص کی کوئی وجہ نہیں۔ مولانا محمد روجی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی توجیہ پر آپ کے اعتراض کے علاوہ ایک اور اعتراض وارد ہوتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اگرچہ مرتبہ احدیتِ مجردہ میں نسبتِ علمیت منتفی ہے۔ تاہم اللہ تعالیٰ کی عالمیت اپنے حال پر برقرار ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ذات سے عالم ہے، صفت سے عالم نہیں۔ کیونکہ صفت تو وہاں ہے ہی منتفی۔ اللہ تعالیٰ کی صفات کو منتفی جاننے والے بھی حق سبحانہٗ کے عالم ہونے کے قائل ہیں۔ حالانکہ صفتِ علم کو اس ذات سے مسلوب قرار دیتے ہیں، اور جو انکشافِ علمی صفت پر مرتب ہوتا ہے وہ اسے ذات پر مرتب مانتے ہیں۔ تو اسی طرح یہ بھی۔

اور وہ توجیہ جو آپ نے خود کی ہے۔ اور غیب سے مراد غیبِ ذات واجب تعالیٰ کو مراد لیا ہے اور علم کے تعلق کو اس کے ساتھ جائز قرار نہیں دیا۔ اگرچہ واجب تعالیٰ و تقدس کا علم ہی ہو۔ یہ سب توجیہات سے اقرب توجیہ ہے۔ لیکن فقیر کو واجب تعالیٰ کے اس کی ذاتِ بحت کے ساتھ علم کا تعلق نہ ہونے میں بحث ہے۔ کیونکہ عدمِ جواز کی جو وجہ آپ نے بیان کی ہے وہ احاطۂ معلوم کے لئے حقیقتِ علم کا تقاضا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذاتِ مطلق عدمِ احاطہ کی متقاضی ہے۔ لہٰذا اس تعلق سے دونوں جمع نہیں ہوسکتے۔

اس جگہ ایک اور خدشہ ہے کیونکہ یہ چیز علمِ حصولی میں درکار ہے۔ جہاں قوتِ علمیہ میں معلوم کی صورت کا حصول ہوتا ہے۔ لیکن علمِ حضوری میں یہ چیز کچھ درکار نہیں۔ اور ہماری بحث علمِ حضوری میں ہے حصولی میں نہیں۔ لہٰذا اس میں کوئی خرابی نہیں کہ واجب سبحانہٗ وتعالیٰ کا علم اس کی ذات کے ساتھ بطریقِ حضور ہو نہ بطریقِ حصول۔ وَاللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى سَيِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِهِ الطَّاهِرِيْنَ وَسَلَّمَ وَبَارَكَ۔ وَالسَّلَامُ اَوَّلاً وَّ اٰخِراً]

تشریح

پچھلے مکاتیب میں یہ بات مکرر بیان کی جاچکی ہے کہ کچھ صوفیاء وحدت الشہود کے مسلک ومشرب والے ہوتے ہیں اور کچھ وحدت الوجود والے۔ وحدت الشہود والے عالمِ صحو میں ہوتے ہیں اور ان کے معارف قرآن واحادیثِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہوتے ہیں۔ جبکہ وحدت الوجودی صوفیاء اہلِ سُکر ہیں اور ان کا کلام لائقِ تقلید نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کے کلام کے مقابلے میں کلامِ خداوندی اور کلامِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو ہی ترجیح حاصل ہے۔

شیخ عبدالکبیر یمنی کا مندرجہ بالا قول بھی سُکر کے کلمات میں سے ہے، جس میں انہوں نے کہا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ عالمِ غیب نہیں ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے وضاحت فرمائی ہے کہ اس قول کے ساتھ ساتھ وہ تمام اقوال جو اہلِ سُکر سے ادا ہوئے ہیں وہ قابلِ تاویل ہیں اور ان کلاموں کی وجہ سے اہلِ سُکر پر کفر کا فتویٰ صادر کرنے کی بجائے ان کی توجیہ بیان کی جانی چاہیئے تاکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت کے غلبہ کے تحت مغلوب ہو جانے والے سالک کو کفر کے حوالے کرنے کی بجائے معذور خیال کیا جائے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان سُکر والوں کے کلمات کو

اپنے لئے حجت ودلیل کا درجہ نہ دیا جائے۔ اسی نقطۂ نظر کے تحت حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے اس مکتوب میں واضح توجیہات فرمائی ہیں۔

قرآن عظیم الشان میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے کئی ایک مقامات پر علمِ غیب کو اپنی طرف منسوب کیا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ (الأنعام ٥٩)

ترجمہ: اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی انہیں وہی جانتا ہے۔

اگر علمِ غیب کو اللہ سبحانہٗ تعالیٰ سے ہی منفی کر دیا جائے تو پھر اور کون ہو گا جو اس کا مالکِ حقیقی ہو۔ اس بحث کو قدرے اختصار کے ساتھ سابقہ مکتوب کی تشریح میں بیان کر دیا گیا ہے۔

اہلِ سُکر کا کلام پڑھنے سے پہلے احناف کے عقائد سیکھ اور جان لیا ضروری ہیں، تاکہ سُکری باتوں کا ان عقائد کے ساتھ موازنہ کر لیا جائے۔ اگر عقائد کا علم نہ ہو گا تو یہ پتہ نہیں چل سکے گا کہ یہ کلام عقائدِ ضروریہ کے موافق ہے یا مخالف۔ اور اگر مخالف کلام کو دل میں جگہ دے دی تو اہلِ سُنت وجماعت سے نکل کر ۷۲ گمراہ فرقوں میں سے کسی فرقے میں جانا پڑے گا اور سب گمراہ فرقوں کا جہنمی ہونا احادیث سے ثابت ہے۔

قرآن عظیم الشان وحی جَلی ہے اور کافی حد تک مجمل ہے۔ احادیثِ مبارکہ وحی خفی ہیں اور قرآن کی تفصیل وتفسیر ہیں۔ مثلاً قرآن عظیم الشان نے نماز کا صرف حکم دیا ہے، اوقات ورکعات اور دیگر ضروری مسائل کو بیان نہیں کیا۔ ان مسائل کی وضاحت وصراحت احادیثِ متواترہ، احادیثِ مشہورہ اور احادیثِ احاد نے بیان کی ہے اور ان کی درجہ بندی اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ

عنہم کی صحبتوں کے فیض یافتہ فقہاء کرام نے کی ہے۔ اور ان ہی کا مسلک وراستہ درست سمت کو جاتا ہے۔ احادیثِ مبارکہ اور فقہی علوم سے بے بہرہ لوگ اکثر کہہ دیتے ہیں کہ "اس بات کا ذکر تو قرآن عظیم الشان میں کسی جگہ موجود نہیں ہے" اگر تمام اعمال کا قرآن عظیم الشان میں ذکر ہونا ہی لازمی اور ضروری ہو تو پھر نماز اور حج جیسے اہم فرائض کی ادائیگی نا ممکن ہو جائے گی اور کیا اس بناء پر ان فرائض کی تکمیل کو چھوڑ دیا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ جن چیزوں کو قرآن عظیم الشان نے بیان نہیں فرمایا بیان کرنے میں تغایر ہے وہاں احادیث فیصلہ کرتی ہیں اور جہاں احادیث خاموش ہیں یا ان کا بیان مختلف ہے وہاں فقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔

یہ بات سمجھنے کے قابل ہے کہ قرآن عظیم الشان تمام علوم کا جامع اور منبع و سرچشمہ ہے۔ کوئی بات یا کوئی معاملہ ایسا نہیں جسے اس میں ذکر کرنہ دیا گیا ہو۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَلَا رَطْبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ (الأنعام ۵۹)

ترجمہ: اور نہ کوئی تر اور نہ خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔

لیکن کون ہے وہ شخصیت جو علومِ ضروریہ یعنی صرف و نحو، فقہ وحدیث، تفسیر وعقائد اور ناسخ و منسوخ وغیرہ علوم کے بغیر قرآن عظیم الشان سے اپنے مطلوبہ مسائل ومعاملات کا استنباط واستخراج کر سکے۔

بزرگانِ دین نے فرمایا ہے کہ جو شخص قرآن عظیم الشان کو سمجھنے کے لئے چودہ ضروری علوم سیکھتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے پندرھواں ایسا علم عطا فرماتا ہے جو محض وہبی اور عطائی ہے۔ اور حضور

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ ”جو جانی ہوئی چیزوں پر عمل کرتا ہے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اسے انجانی چیزوں کا علم عطا فرماتا ہے“۔

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

عالم الغیب ہونا حق تعالیٰ کا خاصہ ہے

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حق تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کی نفی کرنے والوں کی تردید اور ان کی باطل تاویلات وتوجیہات کی تغلیط فرمارہے ہیں۔ دراصل عالم الغیب ہونا حق تعالیٰ کا خاصہ ہے جس کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ جیسا کہ ارشادات باری تعالیٰ: عَالِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ (الأنعام ۷۳) اور قُلْ إِنَّمَا الْعِلْمُ عِنْدَ اللّٰهِ (الملک ۲۶) سے عیاں ہے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں غیب کی تعریف اور اس کی اقسام بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔

غیب

لغتِ قرآن کے جلیل القدر امام حضرت علامہ راغب اصفہانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ میں ”اَلْغَیْب“ کے تحت فرماتے ہیں:

مالا يقع تحت الحواس ولا تقتضيه بداية العقول وإنما يعلم بخبر الأنبياء عليهم السلام۔

یعنی غیب سے مراد وہ اشیاء ہیں جو حواس اور عقول سے بالاتر ہوں اور انبیائے کرام علیہم السلام کے بتانے سے ان کا علم ہو۔[1]

حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ کی تفسیر میں غیب کی دو قسمیں بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

وَھُوَ قِسْمَانِ قِسْمٌ لَا دَلِیْلَ عَلَیْہِ وَھُوَ الْمَعْنٰی بِقَوْلِہٖ تَعَالٰی وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا ھُوَ وَ قِسْمٌ نُصِبَ عَلَیْہِ دَلِیْلٌ کَالصَّانِعِ وَصِفَاتِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَحْوَالِہٖ۔

یعنی غیب کی دو قسمیں ہیں، ایک قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور یہ معنیٰ ارشاد باری تعالیٰ: وَعِنْدَہٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا إِلَّا ھُوَ (الأنعام ۵۹) سے ثابت ہے۔

اور دوسری قسم جس پر کوئی دلیل (عقلی یا نقلی) قائم کی جاسکے جیسے صانع تعالیٰ، اس کی صفات، روز قیامت اور اس کے احوال۔

حضرت علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اہل سنت وجماعت کا عقیدہ بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

العلم بالغیب أمر تفرد بہ اللہ تعالی، لا سبیل إلیہ للعباد إلا بإعلام منہ تعالی وإلھام بطریق المعجزۃ أو الکرامۃ۔

یعنی غیب جاننا ایک ایسی بات ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے، بندوں کو اس تک کوئی راہ نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے بتانے یا الہام فرمانے کے، معجزہ یا کرامت کے طریقے پر۔[2]

---

[1] (مفردات للراغب الأصفھانی، ج ۱، ص ۳۶۷، الناشر: دار المعرفۃ، لبنان)

[2] (شرح العقائد النسفیۃ، ج ۱، ص ۹۸، مکتبۃ أھل السنۃ والجماعۃ)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

چنانچہ بر علم غیب کہ مخصوص باوست سبحانہٗ خاص رسل رااطلاع می بخشد۔

یعنی علم غیب جو اس سبحانہٗ ہی کے لئے مخصوص ہے اپنے خاص رسولوں کو اس سے اطلاع بخشا ہے۔[1]

آیات کریمہ: عَالِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلَى غَيْبِهِ أَحَدًا (الجن ۲۶) اور اللّٰہ یَجْتَبِي مِنْ رُسُلِهِ مَنْ يَشَاءُ (آل عمران ۱۷۹) میں یہی مؤقف بیان فرمایا گیا ہے۔

غوث الثقلین حضرت سیدنا شیخ عبد القادر جیلانی قدس سرہٗ العزیز تحدیث نعمت کے طور پر ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ بُؤْبُؤَةَ عَيْنِي فِي اللَّوْحِ الْمَحْفُوظِ وَاَنَا غَائِصٌ فِي بِحَارِ عِلْمِ اللّٰہِ۔

یعنی میرا گوشۂ چشم لوح محفوظ میں رہتا ہے اور میں اللہ تعالیٰ کے علم کے سمندروں میں غوطہ زن رہتا ہوں۔[2]

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ حق تعالیٰ کا علم غیر متناہی، لا محدود اور قدیم ہے جبکہ انبیائے عظام اور اولیائے کرام کا علم متناہی، محدود اور حادث ہے۔ عَلَيْهِمُ الصَّلَوَاتُ وَالتَّسْلِيْمَات

[1] (دفتر اول، مکتوب ۳۱۰)

[2] (زبدۃ الاسرار)

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا علم غیب نصوص قطعیہ اور ارشادات نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) سے ثابت ہے اس لئے اس کا انکار جائز نہیں۔ اہل اسلام کے درمیان اس مسئلہ میں اختلاف قابلِ افسوس ہے، اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو حق پر استقامت عطا فرمائے۔ آمین

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ سالک کو شہرت کی آفت اور نفس کی مخالفت کے پیش نظر ایسے ناپسندیدہ کلمات کے اعلان واظہار سے اجتناب کرنا چاہیئے جو بندۂ مؤمن کے لئے دائرۂ اسلام سے خارج ہونے کا مؤجب ہوں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ملامت کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

بعض اہل طریقت مخلوق خدا کے ہجوم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے ایسے افعال واعمال اور حرکات وکلمات کا قصداً ارتکاب کر دیتے ہیں جو عند اللہ تو مذموم نہیں ہوتے البتہ عامۃ الناس قلت علم وفہم کی بناء پر اس کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے بد ظن ہو کر بھاگ جاتے ہیں۔ جو مشائخ ملامت کے طریقہ اور روش کو اختیار کرتے ہیں انہیں فرقۂ ملامتیہ کہا جاتا ہے۔

اسباب ملامت

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز نے ملامت کے تین اسباب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ راست روی ۲۔ خلاف ورزی کا قصد ۳۔ ترک (شریعت)

راست روی کی صورت یہ ہے کہ سالک دینِ حق کی حفاظت اور معاملات شریعت کی رعایت کرتا ہے اور لوگ اسے ملامت کرتے ہیں مگر وہ لوگوں کی ملامت کی پرواہ کئے بغیر سب سے بے نیاز ہو کر اپنے کام میں مشغول رہتا ہے۔

قصد خلاف ورزی کی صورت یہ ہے کہ جب کوئی شخص ابنائے جنس میں اعلیٰ منصب پر فائز ہو اور لوگوں کے درمیان اچھی شہرت کا حامل ہو، مگر اس کا قلب جاہ و منصب اور رجوع خلق سے متنفر ہو جائے اور وہ سب سے جدا ہو کر یادِ خدا میں مشغول ہو جائے اور لوگ طعن و ملامت کرتے ہوئے اس سے بھاگ جائیں۔

ترکِ شریعت پر ملامت کی صورت یہ ہے کہ کسی شخص کو طبعاً کفر و ضلالت پکڑ لے اور وہ ترکِ شریعت اور انکارِ متابعت کو اختیار کر لے اور یوں کہے کہ یہ تو ملامت کا ایک طریقہ ہے جس کو میں نے اختیار کیا ہے۔(ملامت کی یہ صورت انسان کو ایمان واسلام سے محروم کر دیتی ہے۔اَلْعِیَاذُ بِاللهِ)

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ یہ تو گزشتہ زمانہ میں ملامت کا طریقہ تھا اگر آج کوئی شخص طریقہ ٔملامت کو اختیار کرنا چاہے تو وہ دو رکعت نماز نفل طویل قیام و قرأت کے ساتھ ادا کرے یا شریعتِ مطہرہ پر مکمل طور پر کاربند ہو جائے تو لوگ اسے منافق اور ریاکار کہنا شروع کر دیں گے۔[1]

بینات

واضح رہے کہ ملامت کے باعث سالک عجب، خود بینی اور غرور کے فتنہ میں مبتلا ہونے سے محفوظ ہو جاتا ہے اور اسے عشق و محبت میں مزید استحکام نصیب ہوتا ہے۔

---

[1](کشف المحجوب)

- اہل اللہ کے نزدیک ملامت قربِ حق کی علامت ہے یہی وجہ ہے کہ جس طرح عوام کالانعام اپنی مقبولیت پر خوش ہوتے ہیں اسی طرح اہل اللہ متروک الخلائق ہونے پر نازاں وفرحاں ہوتے ہیں۔
- یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ اپنے مقبولین اور مخلصین کو لوگوں کی نگاہوں میں ناپسندیدہ اور مطعون کر دیتے ہیں تا کہ لوگوں کی نظر ان کے باطن کی طرف متوجہ نہ ہو۔

جیسا کہ حدیثِ قدسی ہے:

اَوْلِيَائِیْ تَحْتَ قَبَائِیْ لَا يَعْرِفُهُمْ غَيْرِیْ اِلَّا اَوْلِيَائِیْ۔

یعنی میرے دوست میری قبائے قدرت کے نیچے چھپے ہوتے ہیں، جنہیں میرے اور میرے اولیاء کے سوا کوئی نہیں پہچان سکتا۔

- واضح رہے کہ وہ صوفیائے کرام جو مسند دعوت وارشاد پر متمکن ہیں انہیں ملامت سے اجتناب کرنا چاہیئے کہ لوگ ان سے متنفر نہ ہوں تا کہ وہ لوگوں کے قلوب کا تصفیہ اور ان کے نفوس کا تزکیہ کر سکیں۔
- یہ بھی واضح رہے کہ اگر کوئی سالک سُکرِ وقت اور غلبۂ حال کی بنا پر کسی ایسے قول و فعل کا مرتکب ہو جو بظاہر شریعت مطہرہ سے متصادم ہو تو اسے مجانین کی مانند معذور سمجھ کر اس کے خلاف شرع قول و فعل کی تاویل کرنی چاہیئے تا کہ عامۃ المسلمین سوء ظن کے فتنہ سے بھی محفوظ ہو جائیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۵۳ تا ۲۵۸)

اللّٰھم اغفر لکاتبہ و لمن سعی فیہ و لو الدیھم و لاساتذیھم و لاھل بیتھم اجمعین

آمین یا رب العالمین

مکتوب نمبر ۱۰۱

[ملا حسن کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

اس گروہ کے رد میں جو کاملین کو ناقص خیال کر کے ان پر زبان اعتراض دراز کرتا ہے۔

اَحْسَنَ اللّٰہُ سُبْحَانَہٗ حَالَکُمْ وَ اَصْلَحَ بَالَکُمْ۔ (اللہ تعالیٰ آپ کے حال کو حسن عطا کرے اور آپ کے دل کی اصلاح فرمائے)۔

مولانا محمد صدیق نے آپ کا مکتوب شریف آکر دیا۔ حَمْدًا لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ کہ آپ نے ہم دور افتادہ لوگوں کو فراموش نہیں کیا۔ بحسبِ ظاہر آپ نے نفسِ انسانی پر جو اعتراضات وارد کئے ہیں وضاحت سے فقیر کے ذہن میں آئے۔ ہاں اتنی بات تو ٹھیک ہے کہ نفس کے زمانۂ امارگی میں اس پر اعتراض کیا جائے۔ لیکن اس کے مطمئنہ ہو جانے کے بعد اس پر اعتراض کی گنجائش نہیں۔ کیونکہ اطمینان کے مقام پر پہنچ کر نفس حق سبحانہٗ سے راضی ہو جاتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس سے راضی۔ پس وہ خدا تعالیٰ کا پسندیدہ اور مقبول ہو جاتا ہے، اور مقبولِ خدا پر اعتراض روا نہیں۔ اور نفسِ مطمئنہ کی مراد حق کی مراد ہو جاتی ہے۔ اس لئے کہ اس دولت کا حصول تخلق باخلاق اللہ کے وقت ہوتا ہے۔ اس کا قدسی صحن ہم پست فطرت لوگوں کے اعتراض سے بلند وبرتر ہے۔ ہم جو کچھ کہتے ہیں وہ ہماری طرف لوٹتا ہے۔

اگہ از خویشتن چو نیست جنیں ۔۔۔۔ چہ خبر وار داز چنان وچنیں

ترجمہ: پیٹ میں پڑا ہوا بچہ جب اپنے آپ سے واقف نہیں تو وہ اِدھر اُدھر سے کیا خبر رکھے گا۔

بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جاہل لوگ اپنے کمالِ جہل کے باعث نفسِ مطمئنہ کو نفسِ امارہ تصور کر لیتے ہیں، اور امارگی کے احکام مطمئنہ پر جاری کر دیتے ہیں۔ جس طرح کفار نے انبیاء کرام علیہم

الصلوات والتسلیمات کو دوسرے لوگوں کی طرح سمجھتے ہوئے ان کی نبوت ورسالت کا انکار کیا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں ان اکابر اور ان کے متبعین علیہم الصلوات والتسلیمات کے انکار سے پناہ میں رکھے۔]

تشریح

شانِ رسالت کو اس کا حقیقی درجہ نہ دینے والوں کی جہالت کی وجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نفوسِ طیبہ اور عام لوگوں کے نفوس میں جو فرق و تفاوت ہے اُسے سمجھنا ان بے عقلوں کے فہم سے بعید تر ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اصالتًا اور اولیاء کرام کو تبعًا اور وراثتًا عروجِ کامل کے بعد نزول کی کیفیات دی جاتی ہیں، جن کے اثرات سے ان کی زندگیاں بظاہر عوام کی طرح نظر آتی ہیں اور یہیں سے کفار و منافقین کو مغالطہ لگتا ہے اور وہ ان عالی صفات بزرگوں کو اپنے جیسا بشر کہنے لگتے ہیں۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلۡ إِنَّمَآ أَنَا۠ بَشَرٌ مِّثۡلُكُمۡ يُوحَىٰٓ إِلَيَّ أَنَّمَآ إِلَٰهُكُمۡ إِلَٰهٌ وَٰحِدٌ (الکھف • ۱۱)

ترجمہ: تم فرماؤ ظاہر صورت بشری میں تو میں تم جیسا ہوں مجھے وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے۔

تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام و دیگر مخلوق کے درمیان فرق کو خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ ان حضرت کی طرف تو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے افضل فرشتے کو وحی دے کر بھیجا جاتا ہے اور اگر (بفرضِ محال) تمہاری طرف بھی وحی آتی تو پھر تم اور یہ ایک جیسے بشر ہوتے لیکن اگر تم وحی کی دولت سے محروم ہو تو پھر یہ تمہاری طرح بشر کیسے ہو سکتے ہیں، علاوہ ازیں بھی ان مقدس

ہستیوں کو کوئی ایک وجوہ سے ایسی فضیلت حاصل ہے جس کے ساتھ ہمسری کرنا یا ہمسری کا دعویٰ کرنا عبث و بے معنی ہے۔

فقہاء کرام کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہٖ وسلم ذات میں تو بشر ہیں لیکن صفات میں نور ہیں اور چونکہ نور و بشر کے دونوں الفاظ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے ثابت ہیں اس لئے ان میں سے کسی ایک سے کبھی انکار کرنا خلافِ عقیدہ ہے۔

انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام قبل النبوت بھی اور بعد از نبوت بھی ہر طرح کے گناہ سے معصوم و محفوظ ہیں اور اولیاء کرام صرف محفوظ ہیں معصوم نہیں۔ اس لئے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام تو کجا اولیاء کرام کو بھی اپنی طرح بشر کہنا غلطی ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے کمال کی وجہ سے ان کے نفسوں کو اطمینان کی دولت دی ہے اور بقیہ مخلوق جھوٹ، غیبت، قتل وزنا اور سود ورشوت جیسے کبیرہ گناہوں کے ساتھ ساتھ ہزاروں صغیرہ گناہوں میں ملوث ہوتی ہے تو پھر برابری و ہمسری کیسی؟

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے کہ:

اشقیاء را دیدۂ بینا نبود!

نیک وبد در چشمِ شاں یکساں نمود

ہمسری با انبیاء بر داشتند

اولیاء را ہم چو خود پنداشتند

گفتہ اینک ما بشر ایشاں بشر

ما و ایشاں بستۂ خوابیم و خورا

ایں ندانستند ایشاں از عمیٰ

ہست فرقے درمیاں بے انتہا

۱۔ بد بختوں کو چشمِ بینا نصیب نہیں تھی۔ اس لئے اچھا اور بُرا ان کی نگاہ میں یکساں تھا۔

۲۔ ان بد بختوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ ہمسری اور برابری کا دعویٰ کیا اور اولیاء اللہ کو اپنی طرح گمان کیا۔

۳۔ اور یوں کہا کہ ہم بھی بشر ہیں اور یہ بھی بشر ہیں۔ ہم اور یہ انبیاء و اولیاء سونے اور کھانے کے پابند ہیں۔

۴۔ اندھے پن کے باعث ان بد بختوں نے یہ جانا کہ ہم میں اور ان میں بے انتہا فرق ہے۔ (یعنی اپنے آپ کو ان پاک ہستیوں سے بہتر جانا)

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رحمہم اللہ تعالیٰ کو اپنی طرح جاننا شقاوت و بد بختی ہے اور گمراہی اور ان کے کمالات کے انکار کا پیش خیمہ ہے۔

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب نفسِ امارہ نفسِ مطمئنہ ہو جاتا ہے تو وہ حق تعالیٰ سے راضی ہو جاتا ہے اور حق تعالیٰ اس سے راضی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (الفجر ۲۸) سے آشکارا ہے۔

درحقیقت اطمینان نفس کا مسئلہ نہایت پیچیدہ ہے اور صوفیائے کرام نے اپنے اپنے نفس کے پیش نظر مختلف قول کئے ہیں۔

چنانچہ کسی عارف نے اس کے متعلق یوں کہا ہے:

ہرچنـــد نفـــس مطمئنہ گردد　　　　ہرگز زصفاتـــ خود نگردد

اہل طریقت نے نفس مطمئنہ کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں جن کا تعلق بالترتیب ولایات سہ گانہ اور کمالات نبوت سے ہے (ولایات سہ گانہ سے مراد ولایت صغریٰ، ولایتِ کبریٰ اور ولایتِ ملاء اعلیٰ ہیں)۔

- ولایتِ صغریٰ میں سالک کے اصلاحِ نفس کا معاملہ تجلیاتِ ظلیہ سے مربوط ہوتا ہے اس مرتبے میں نفس مطمئنہ کمال تک نہیں پہنچتا بلکہ مورد اعتراض ہوتا ہے۔
- ولایتِ کبریٰ میں سالک کے اطمینان نفس کا معاملہ ولایت انبیائے عظام سے مربوط ہوتا ہے اس مرتبے میں تجلیات صفات ثمانیہ کی بدولت تزکیۂ نفس زیادہ ہوتا ہے، لہٰذا چنداں اعتراض کی گنجائش نہیں رکھتا۔
- ولایتِ ملاء اعلیٰ میں عارف کے اصلاحِ نفس کا معاملہ شیونات واعتبارات سے مربوط ہوتا ہے۔اس مرتبے میں نفس مطمئنہ تکمیلی مراحل میں ہوتا ہے۔
- کمالاتِ نبوت میں عارف کے تزکیۂ نفس کے ساتھ عناصر اربعہ کلی طور پر اصلاح یافتہ ہو جاتے ہیں اس لئے نفس میں کسی قسم کی مخالفت باقی نہیں رہتی، کیونکہ نفس عناصر اربعہ کا شیرہ اور لب لباب ہے، جیسا کہ مختلف اشیاء کے قوام سے عمل کیمیاء کے ذریعے ایک نیا معجون تیار ہو جاتا ہے جس کی تاثیر یکسر مختلف ہوتی ہے، ایسے ہی احکامِ شرعیہ اور سنن

نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) بجالانے اور شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ کی بدولت نفس امارہ کا تزکیہ ہو جاتا ہے اس بناء پر وہ ہر قسم کی مخالفت ومنازعت سے باز رہتا ہے۔ آیت کریمہ: فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (۲۹) وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰) میں اسی نفس کو دخول جنت کی بشارت سنائی گئی ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ جب عارف کے نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو وہ نفسانی وسواس اور شیطانی خطرات سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

اولیائے کاملین نے تزکیۂ نفس کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ تزکیۂ بدایت　　　　۲۔ تزکیۂ نہایت

تزکیۂ بدایت میں عارف کا نفس مکمل طور پر اصلاح یافتہ نہیں ہوتا جبکہ تزکیۂ نہایت میں عارف کامل کے نفس کا کلیتہً تزکیہ ہو جاتا ہے اس لئے وہ ہر قسم کے انکار ومنازعت سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

بینہ نمبر ۳

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے علل نفسانیہ اور امراض قلبیہ کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

امراضِ ذاتیہ　　　　اور　　　　امراضِ عارضیہ

امراضِ ذاتیہ

وہ ہیں کہ جو نفس کی وجہ سے وسواس کی صورت میں صادر ہوتی ہیں۔ ان امراض کو درونی اور ذاتی علے تیں بھی کہا جاتا ہے۔

امراض عارضیہ

وہ ہیں کہ جو شیطان کی وساطت سے وسواس کی صورت میں ظاہر ہوتی ہیں، انہیں بیرونی اور عارضی علتیں بھی کہا جاتا ہے۔

چنانچہ جب عارف کا نفس مطمئنہ ہو کر راضیہ اور مرضیہ ہو جاتا ہے تو نفس ذاتی امراض اور اندرونی وسواس سے رہائی پالیتا ہے اس لئے اگر اسے وسوسہ آئے تو وہ وسوسہ شیطانی اور بیرونی ہی ہوتا ہے اندرونی اور نفسانی نہیں ہوتا۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

بینہ نمبر ۴

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ امراض ذاتیہ اور امراض عارضیہ کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہے ایسا نہ ہو کہ کوئی ناقص اپنے زعم باطل کی وجہ سے اپنے آپ کو کامل سمجھ لے اور اپنے مرض ذاتی کو اپنا عارضی مرض خیال کرکے نقصان میں پڑ جائے۔ سترہ سال کے قریب ہو گئے کہ میں بھی اسی شبہ میں تھا اور فساد ذاتی کو فساد عارضی کے ساتھ خلط ملط پاتا تھا لیکن اب حق تعالیٰ سبحانہٗ نے حق کو باطل سے جدا کر دیا ہے اور مرض ذاتی کو مرض عارضی سے متمیز کرا دیا۔ [1]

---

[1] (دفتر سوم، مکتوب نمبر ۲۷)

بینہ نمبر ۵

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ ذکر قلبی احکام شرعیہ کے بجالانے اور نفس امارہ کی سرکشی کو دور کرنے میں ممد و معاون ہے۔

بینہ نمبر ٦

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ جب سالک حق تعالیٰ کے ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو شیطان اسے وسواس میں مبتلا کر دیتا ہے جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: الشَّیْطَانُ جَاثِمٌ عَلَی قَلْبِ ابْنِ آدَمَ فَإِذَا ذَکَرَ اللہَ خَنَسَ وَ إِذا غفلَ وسوس۔[1] سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۷

واضح رہے کہ اطمینان نفس کے باوجود نفس کی صفات کے باقی رکھنے میں متعدد فوائد و منافع ہیں۔ اگر نفس کو اس کی اپنی صفات کے ظہور سے بالکل روک دیا جائے تو ارتقاء کا رستہ مسدود ہو جائے گا اور روح فرشتے کا حکم پیدا کر لے گی اور اپنے (ایک ہی) مقام میں بند ہو کر رہ جائے گی، کیونکہ روح کی ترقی نفس کی مخالفت کے باعث ہے۔ اگر نفس میں مخالفت نہ رہے تو روح کو ترقی کہاں سے ہو گی؟[2]

بینہ نمبر ۸

ایسا عارف کہ جس کا نفس مطمئنہ ہو چکا ہو اس سے عزیمت و اولیٰ کے ترک ہونے پر اسے بارگاہِ قدس جل سلطانہٗ میں اس قدر ندامت، پشیمانی، الحاح اور آہ وزاری حاصل ہوتی ہے کہ ایک سال کا

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ۱۹۹)

[2] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۴۱)

کام (ارتقاء وغیرہا) اس کو ایک گھڑی میں حاصل ہو جاتا ہے کیونکہ نفس کے خلاف جہاد کو جہاد اکبر کہا گیا ہے۔ چنانچہ کفار کے خلاف جہاد سے واپسی پر گھروں میں جانے سے قبل حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجاہدین کو ادائے نماز کی تلقین فرماتے تھے جیسا کہ ارشاداتِ نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: مَرْحَبًا بِکُمْ قَدِمْتُمْ مِنَ الجِھَادِ الْاَصْغَرِ اِلَی الْجِھَادِ الْاَکْبَر۔[1] اور الْمُجَاھِدُ مَنْ جَاھَدَ نَفْسَهُ فِي طَاعَةِ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ۔[2] سے عیاں ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۶۱ تا ۲۶۲)

[1](تاریخ بغداد، ج۱۳، ص ۴۹۳)

[2](مسند احمد، ج۶، ص ۲۱)

مکتوب نمبر ۱۰۲

[ملا مظفر کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ سودی قرضہ میں مجموعی رقم حرام ہے، صرف زیادتی حرام نہیں۔ مثلاً ایک شخص نے دس ٹکے دو ٹکے کے حساب سے سود پر قرض لئے، تو پورے بارہ ٹکے حرام قرار پائیں گے نہ کہ سُود کے صرف دو ٹکے۔ اور اس کے متعلقات کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہٖ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی (اللہ تعالیٰ کے لئے حمد ہے، اور اس کے برگزیدہ بندوں پر سلام ہو۔)

آپ نے اس روز کہا تھا کہ سودی قرض میں رِبا صرف زیادتی ہے، اور بس۔ اور دس ٹکے قرض بحساب دو ٹکے سُود میں صرف دو ٹکے سُود کے ہی حرام ہیں، دس ٹکے حرام نہیں۔

جب بعض کُتبِ فقہ کی طرف رجوع کیا گیا تو ظاہر ہوا کہ شریعت میں ہر ایسا عقد جس میں زیادتی کی شرط ہو ربو اور سُود ہے۔ لہٰذا اس طرح کا سودی قرضہ بھی حرام قرار پائے گا۔ اور جو چیز بذریعہ حرام حاصل کی جائے وہ بھی حرام ہوتی ہے۔ پس وہ دس ٹکے بھی ربو اور حرام ہوں گے۔]

تشریح

حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

الرِّبَا ثَلَاثَةٌ وَسَبْعُونَ بَابًا، أَيْسَرُهَا مِثْلُ أَنْ يَنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ۔

ترجمہ: سود کے ۷۳ درجے (یعنی گناہ) ہیں ان میں سب سے چھوٹے درجے (کی مثال) یوں ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں کے ساتھ نکاح کرے۔ [1]

سُود کی تمام اقسام حرام ہیں اور حرام کو حلال سمجھنے والے پر فقہاء کرام نے کفر کا فتویٰ صادر فرمایا ہے۔ سُود کھانا گناہِ کبیرہ ہے اور ایسا گناہ ہے کہ یہ گناہ کرنے والے کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے جنگ کا چیلنج دیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ (۲۷۸) فَإِنْ لَمْ تَفْعَلُوا فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِهِ (البقرۃ ۲۷۹)

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود اگر مسلمان ہو، پھر اگر ایسا نہ کرو تو یقین کر لو اللہ اور اللہ کے رسول سے لڑائی کا۔

اہل حقیقت نے بیان کیا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے جنگ دوزخ ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے جنگ تلوار ہے۔

تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ یہ لفظ چاہتا ہے کہ باغی کی طرح سود خور سے توبہ طلب کی جائے تاکہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اوامر کی طرف لوٹ آئے، اور توبہ نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے۔

نیز اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے فرمایا ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً (آل عمران ۱۳۰)

ترجمہ: اے ایمان والو سود دونا دون نہ کھاؤ۔

---

[1] (المستدرک للحاکم، ج ۲، ص ۳۷، الناشر: دار المعرفة—بیروت، شعب الایمان للبیهقی، ج ۴، ص ۳۹۴، الناشر: دار الکتب العلمیة-بیروت)

اور سود کھانے سے دل میں اتنی قساوت پیدا ہو جاتی ہے جو اکثر کفر تک لے جاتی ہے۔

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خود حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے سُنا کہ:

مَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرِّبَا، إِلاَّ أُخِذُوا بِالسَّنَةِ، وَمَا مِنْ قَوْمٍ يَظْهَرُ فِيهِمُ الرُّشَا، إِلاَّ أُخِذُوا بِالرُّعْبِ۔

ترجمہ: جس قوم میں سُود کھلم کھلا ہو جاتا ہے ان کی پکڑ بصورتِ قحط ہوتی ہے۔ اور جس قوم میں رشوت کھلم کھلا ہو جاتی ہے وہ (دشمنوں کے) خوف (کے عذاب) میں پکڑے جاتے ہیں۔ [1]

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ:

لَعَنَ رَسُولُ اللہِ آکِلَ الرِّبَا وَمُوكِلَهُ وَشَاهِدَهُ وَكَاتِبَهُ۔

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سُود کھانے والے پر، کھلانے والے پر، اس کے گواہوں پر اور اس کے لکھنے والے پر لعنت فرمائی ہے۔ [2]

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ مبارک ہے کہ:

رَأَيْتُ لَيْلَةَ أُسْرِيَ بِي، لَمَّا انْتَهَيْنَا إِلَى السَّمَاءِ السَّابِعَةِ فَنَظَرْتُ فَوْقَ فَإِذَا أَنَا بِرَعْدٍ وَبَرْقٍ وَصَوَاعِقَ"، قَالَ: "فَأَتَيْتُ عَلَى قَوْمٍ بُطُونُهُمْ كَالْبُيُوتِ فِيهَا الْحَيَّاتُ تُرَى مِنْ خَارِجِ بُطُونِهِمْ، قُلْتُ: مَنْ هَؤُلَاءِ يَا جِبْرِيلُ؟ قَالَ: هَؤُلَاءِ أَكَلَةُ الرِّبَا۔

ترجمہ: جس رات مجھے معراج کا سفر کرایا گیا میں نے ساتویں آسمان پر اپنے (سر کے) اُوپر بجلی کی سی گرج اور چمک دیکھی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا: میں نے کچھ لوگ دیکھے کہ ان کے پیٹ ان کے سامنے ایسی کوٹھڑیوں کی طرح ہیں جن میں سانپ چلتے پھرتے باہر سے دکھائی

---

[1] (مسند أحمد، ج ۲۹، ص ۳۵۶، الناشر: مؤسسة الرسالة)

[2] (سنن النسائی، ج ۴، ص ۴۳۳)

دیتے ہیں میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا: (کہ) یہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا یہ سود کھانے والے ہیں۔[1]

علاوہ ازیں کُتبِ احادیث وتفاسیر میں بہت جگہوں پر سُود کے بارے میں وعیدیں وارد ہوئی ہیں تو چاہیئے کہ سُود کے ہر معاملے سے اجتناب ہو۔

آج کے دور میں تجارت میں ایسی سہولیات پیدا کر دی گئی ہیں جو سُود کے زمرے میں آتی ہیں اور جن سے لوگ ہیں تو بہت خوش لیکن انہیں یہ معلوم نہیں کہ ایسی تجارت عین سُود ہے ایسی تجارت کو بیع عینہ کہتے ہیں۔ جس کی ایک مثال یہ ہے کہ ایک چیز اگر نقدلی جائے تو وہ ایک ہزار روپے میں بکِے اور اُسی کو اگر اقساط میں خریدا جائے وہ بارہ سو میں پڑے اور یہ صورتِ حال اس قدر عام ہو چکی ہے کہ اسے سُود سمجھتا ہی کوئی نہیں۔ جبکہ کئی ایک علماء کی طرف سے اس کے جواز کا فتویٰ بھی حاصل کر لیا گیا ہے حالانکہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اس سُود کی مذمت فرمائی ہے۔

چنانچہ ارشاد ہے کہ:

اِذَاتَبَایَعْتُمْ بِالْعِیْنَۃِ وَاتَّبَعْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ ذَلَلْتُمْ وَظَھَرَ عَلَیْکُمْ عَدُوُّکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ سَلَّطَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ شِرَارَکُمْ فَیَدْعُوْا خِیَارُکُمْ فَلَایُسْتَجَابُ لَکُمْ۔

ترجمہ: جب تم لوگ بیع عینہ کروگے اور بیلوں کی دُم کے پیچھے چلو گے (جہاد چھوڑ کر زراعت وغیرہ میں مشغول ہو جاؤ گے) تو ذلیل ہو جاؤ گے اور تمہارا دشمن تم پر غالب ہو گا۔ اور ایک روایت

---

[1] (مسند احمد، ج ۱۴، ص ۲۸۵، مصنف ابن ابی شیبۃ، ج ۱۴، ص ۳۰۷)

میں ہے کہ اس وقت تم میں سے بدکاروں کو تم پر مسلط کرے گا، پس تمہارے نیکوکار دعا کریں گے مگر اُن کی دعا قبول نہ ہو گی۔[1]

تفسیر قرطبی میں یہ حدیث مبارکہ ان الفاظ میں نقل کی ہے کہ:

رُوِیَ أَبُوْ دَاؤُدَ عَنْ ابْنُ عُمَرَ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم یَقُوْلُ: إِذَا تَبَایَعْتُمْ بِالْعِینَةِ وَأَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَرَضِیتُمْ بِالزَّرْعِ وَتَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ مِنْكُمْ حَتَّى تَرْجِعُوا إِلَى دِينِكُمْ۔

ترجمہ: ابو داؤد نے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کی ہے انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب تم زیادہ قیمت کے ساتھ اُدھار چیزیں بیچنے لگو اور بیلوں کی دُمیں پکڑنے لگو اور کھیتی پر ہی راضی ہو جاؤ اور جہاد چھوڑ دو تو اللہ تعالیٰ تم پر رُعب اور خصلت مسلط کر دے گا اور وہ اسے تم سے دور نہیں کرے گا یہاں تک کہ تم اپنے دین کی طرف واپس لوٹ آؤ۔[2]

شرح العقائد النسفیہ کے حکم کے مطابق حلال کو حرام اور حرام کو حلال کہنے والا کافر ہے۔

فقیہہ ابو اللیث سمرقندی قدس سرہٗ جو فقہاءِ متقدمین میں سے ہیں اور عالمِ متبحر گزرے ہیں وہ فرماتے ہیں کہ تاجر کو چاہیئے کہ وہ اتنا علم ضرور سیکھے جس کی تجارت کے دوران ضرورت پڑتی ہے تا کہ وہ سُود میں مبتلا نہ ہو جائے اور ناپ تول میں بھی خوب احتیاط سے کام لے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ:

مَنِ اتَّجَرَ قَبْلَ أَنْ يَتَفَقَّهَ فِي الدِّينِ، فَقَدِ ارْتَطَمَ فِي الرِّبَا، ثُمَّ ارْتَطَمَ ثُمَّ ارْتَطَمَ، يَعْنِي غَرِقَ فِيهِ۔

---

[1] (ھدایہ فی شرح البدایۃ، کتاب الکفالۃ، ج۳، ص ۱۲۱، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

[2] (التفسیر القرطبی، ج۲، ص ۵۹، الناشر: دار الکتب المصریۃ - القاھرۃ)

ترجمہ: جو شخص مسائل سیکھے بغیر تجارت کرنے لگا وہ سُود میں غرق ہو گیا، پھر غرق ہو گیا، پھر غرق ہو گیا یعنی (وہ سود میں) غرق ہو گیا۔[1]

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ارشاد ہے کہ:

لَا يَبِيعَنَّ فِي أَسْوَاقِنَا هَذِهِ قَوْمٌ لَمْ يَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ، وَلَمْ يُوفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ۔

ترجمہ: ہمارے ان بازاروں میں وہ لوگ قطعاً خرید و فروخت نہ کریں جو مسائل سے واقف نہیں اور نہ وہ جو ناپ تول صحیح نہیں رکھتے ہیں۔[2]

پس جو لوگ اس گناہ میں ملوث ہیں اُنہیں اس سے توبہ کرنی چاہیئے، اور سود کے کسی بھی درجے کو اپنے لئے حلال و جائز نہ سمجھنا چاہیئے۔ اگر حرام کو حرام نہیں کہہ سکتے تو کم از کم یہ تو سمجھنا ضروری ہے کہ ہم اس معاملہ میں گنہگار ہیں۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سود کی حرمت بیان فرما رہے ہیں۔ یہاں سود کی قدرے تفصیلات پیش خدمت ہیں تا کہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

سود کو لغتِ عرب میں "ربا" کہا جاتا ہے۔

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ربا کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلرِّبَاءُ هُوَ فِی اللُّغَةِ اَلزِّيَادَةُ وَفِی الشَّرْعِ هُوَ فَضْلٌ خَالٍ عَنْ عِوَضٍ شُرِطَ لِاَحَدِ الْعَاقِدِيْنَ۔

---

[1] (تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين للسمرقندي، ج ا، ص ٣٦٤، الناشر: دار ابن كثير، دمشق - بيروت)

[2] (تنبيه الغافلين بأحاديث سيد الأنبياء والمرسلين للسمرقندي، ج ا، ص ٣٦٤، الناشر: دار ابن كثير، دمشق - بيروت)

یعنی ربا لغت میں زیادتی کو کہا جاتا ہے اور شرع میں اس زیادتی کو کہتے ہیں جو عوض سے خالی ہو اور عاقدین میں ایک کے لئے مشروط ہو۔[1]

علماء کرام نے رباء کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

رِبَاءُالنَّسِیْئَةِ اور رباء الفضل

رِبَاءُالنَّسِیْئَةِ

دور جاہلیت میں عربوں کے ہاں دو قسم کے سود کا عام رواج تھا:

۱۔ سود مفرد ۲۔ سود مرکب

حضرت امام ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سود مفرد کے متعلق رقم طراز ہیں:

وَالرِّبَاءُ الَّذِیْ کَانَتِ الْعَرَبُ تَعْرِفُهُ وَتَفْعَلُهُ اِنَّمَا کَانَ قَرْضُ الدَّارَھِمِ وَالدَّنَانِیْرِ اِلٰی اَجَلٍ بِزِیَادَةٍعَلَی الْمِقْدَارِ اُسْتُقْرِضَ عَلٰی مَایَتَرَاضُوْنَ بِہٖ۔

یعنی ربا کی وہ صورت جو عربوں کے ہاں معروف تھی اور وہ جس پر عمل پیرا تھے وہ یہ تھی کہ ایک مقررہ مدت کے لئے درہم اور دینار کسی کو قرض پر دیئے جاتے تھے اور قضائے مدت کے بعد اصل رقم پر باہمی رضامندی سے ایک زائد رقم بھی وصول کی جاتی تھی۔[2]

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں سود کی اس صورت کو حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوا مَابَقِيَ مِنَ الرِّبَا إِنْ كُنتُمْ مُؤْمِنِينَ (البقرة ۲۷۸)

یعنی اے مؤمنو! اللہ سے ڈرو اور چھوڑ دو جو باقی رہ گیا ہے سود سے اگر تم مؤمن ہو۔

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۴۸)

[2] (احکام القرآن، ج ۲، ص ۱۸۴)

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سود مرکب کے متعلق رقم طراز ہیں:

أَمّا رِبَا النّسِيئَةِ فَهُوَ الْأَمْرُ الّذِي كَانَ مَشْهُورًا مُتَعَارَفًا فِي الْجَاهِلِيّةِ، وَذٰلِکَ أَنّهُمْ كَانُوا يَدْفَعُونَ الْمَالَ عَلَى أَنْ يَأْخُذُوا كُلّ شَهْرٍ قَدْرًا مُعَيّنًا، وَيَكُونُ رَأْسُ الْمَالِ بَاقِيًا، ثُمّ إِذَا حَلّ الدّيْنُ طَالَبُوا الْمَدْيُونَ بِرَأْسِ الْمَالِ، فَإِنْ تَعَذّرَ عَلَيْهِ الْأَدَاءُ زَادُوا فِي الْحَقّ وَالْأَجَلِ، فَهَذَا هُوَ الرِّبَا الّذِي كَانُوا فِي الْجَاهِلِيّةِ يَتَعَامَلُونَ۔

یعنی رِبَا النَّسِیئَۃِ وہ چیز ہے جو زمانۂ جاہلیت میں مشہور اور متعارف تھی اہل عرب کسی شخص کو معین مال اس شرط پر دیتے تھے کہ وہ ہر مہینے ایک معین رقم ادا کرے گا اور جب مدت پوری ہو جاتی تو وہ مدیون سے رأس المال کا مطالبہ کرتے، اگر وہ ادائیگی سے معذور ہوتا تو شرح سود اور مدت ادائیگی میں اضافہ کر دیتے تھے۔ رباء کی یہ وہ صورت تھی جو عربوں کے ہاں رائج تھی۔ [1]

سود مرکب کو سود در سود بھی کہا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے سود کی اس قسم کی حرمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

يَاأَيُّهَا الّذِينَ آمَنُوا لَاتَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُضَاعَفَةً (آل عمران ۱۳۰)

یعنی اے ایمان والو! نہ کھاؤ سود دوگنا چوگنا کر کے۔

رباء الفضل

سود کی دوسری قسم رباء الفضل ہے اسے رباء الحدیث بھی کہا جاتا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے چھ ہم جنس اشیاء کی خرید و فروخت میں زیادتی کو حرام قرار دے دیا۔

---

[1] (تفسیر کبیر، ج ۲، ص ۳۵۱)

چنانچہ روایت میں ہے:

الذَّهَبُ بِالذَّهَبِ وَالْفِضَّةُ بِالْفِضَّةِ وَالْبُرُّ بِالْبُرِّ وَالشَّعِيرُ بِالشَّعِيرِ وَالتَّمْرُ بِالتَّمْرِ وَالْمِلْحُ بِالْمِلْحِ مِثْلًا بِمِثْلٍ سَوَاءً بِسَوَاءٍ يَدًا بِيَدٍ فَإِذَا اخْتَلَفَتْ هَذِهِ الْأَصْنَافُ فَبِيعُوا كَيْفَ شِئْتُمْ إِذَا كَانَ يَدًا بِيَدٍ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا سونے کو سونے کے، چاندی کو چاندی کے، گندم کو گندم کے، جو کو جو کے، کھجور کو کھجور کے اور نمک کو نمک کے عوض فروخت کرو برابر برابر اور نقد بہ نقد پس جب یہ اقسام مختلف ہو جائیں تو پھر جس طرح چاہو بیچو بشر طیکہ دست بدست بیع ہو۔[1]

چونکہ عربوں میں ہم جنس اشیاء کا نقد بہ نقد تبادلہ رائج تھا اور وہ اس میں کمی وبیشی کو روا جانتے تھے، فلہٰذا سدباب کے طور پر ہم جنس اشیاء میں تفاضل وزیادتی کو بھی ممنوع قرار دے دیا گیا تاکہ یہ معاملہ کہیں رباء النسیئۃ تک نہ پہنچ جائے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: فإني أخاف عليكم الربا۔[2] اس کی طرف مشیر ہے۔

ایسے ہی پیش بندی کے طور پر ہم جنس اشیاء میں قرض اور ادھار کو بھی حرام فرمادیا گیا جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات میں ہے:

كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ نَفْعًا فَهُوَ رِبًا۔ یعنی جو قرض نفع کھینچ لائے وہ سود ہے۔[3]

اِنَّمَا الرِّبَا فِي النَّسِيئَةِ۔ یعنی سود صرف ادھار میں ہے۔[4]

---

[1] (صحیح مسلم، باب الرباء، ج ۲، ص ۲۵)
[2] (کنز العمال، ج ۴، ص ۱۱۷)
[3] (الدر المنثور، ج ۵، ص ۳۵۰)
[4] (صحیح مسلم، باب الرباء، ج ۲، ص ۲۷)

مذکورہ بالا ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں فقط چھ ہم جنس اشیاء کو دست بدست تفاضل وزیادتی کے ساتھ فروخت کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔ غیر مقلدین کے نزدیک ان چھ اشیاء کے علاوہ کسی اور چیز میں کمی وبیشی کے ساتھ بیع حرام نہیں کیونکہ وہ قیاس کے منکر ہیں۔ حالانکہ قیاس مثبتِ احکام میں سے نہیں بلکہ مظہرِ احکام ہے، جبکہ ائمہ مجتہدین کے نزدیک قیاس جائز ہے، اس لئے انہوں نے غور وخوض فرمایا کہ ان چھ اشیاء میں وہ کون سی علت مشترکہ ہے کہ جس کی بناء پر حرمت کے اس حکم کو دوسری ہم جنس اشیاء میں زیادتی کے ساتھ فروخت کرنے پر جاری کیا جاسکے۔ چنانچہ امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نزدیک علت مشترکہ مطعومات میں طعم اور ثمنیت (نقدیت) ہے، جبکہ احناف کے نزدیک علت مشترکہ کیل (پیمائش) اور وزن ہے۔[1]

احناف کے اس مؤقف کی تائید درج ذیل ارشادات نبویہ علی صاحبہا الصلوات سے ہوتی ہے۔

اتحاد جنس کے ساتھ کیل کی صراحت ملاحظہ ہو:

جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت اقدس میں کھجور (اتحاد جنس) کی خرید وفروخت کا تذکرہ ہوا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَلَاتَفْعَلْ بِعْ الْجَمْعَ بِالدَّرَاهِمِ ثُمَّ ابْتَعْ بِالدَّرَاهِمِ جَنِيبًا۔

یعنی ایسا نہ کرو بلکہ ردی کھجوروں کو درہموں کے عوض فروخت کر دو، پھر درہموں سے عمدہ کھجوریں خرید لو۔[2]

اتحاد جنس کے ساتھ وزن کی تصریح ملاحظہ فرمائیں:

لَاتَبِيعُوا الذَّهَبَ بِالذَّهَبِ إِلَّا وَزْنًا بِوَزْنٍ۔

---

[1] (هدايه، ج٣، ص ٨١)

[2] (صحيح مسلم، باب الربباء، ج٢، ص ٢٦)

یعنی سونے کو سونے کے بدلے بغیر برابر برابر وزن کے فروخت نہ کرو۔[1]

یاد رہے کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات میں مذکورہ چھ ہم جنس اشیاء میں زیادتی کے ساتھ فروخت کرنا تو نص سے ثابت ہے، اس لئے ان کی حرمت قطعی اور اعتقادی ہے جبکہ قیاس ائمہ سے ثابت شدہ احکام کی حرمت ظنی اور عملی ہے۔

واضح رہے کہ رباء النسیئۃ کی حرمت اعتقادی اور قطعی ہے اور اس پر کتاب وسنت میں وعید شدید سنائی گئی ہے جبکہ رباء الفضل کی حرمت ظنی، عملی اور انسدادی نوعیت کی ہے۔

سود کے ظالمانہ نظام کے اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی ناقابل تلافی نقصانات کے باعث صاحب ثروت طبقہ میں تن آسانی، لالچ، بخل اور حرام خوری کے جذبات پرورش پاتے ہیں، جبکہ مفلس اور نادار طبقہ میں حسد، عناد اور منافرت سے باہمی محبت والفت کے جذبات مجروح ہوتے ہیں، اس لئے دینِ اسلام نے تجارت ومنفعت کو حلال کہا ہے اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: أَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا (البقرۃ ۲۷۵) سے عیاں ہے۔ نیز تجارت اور سود میں واضح فرق ہے کہ تجارت میں تاجر روپیہ صرف کرتا ہے، پھر محنت بھی کرتا ہے اور اپنی ساری ذہنی صلاحیتیں بروئے کار لاتا ہے۔ مزید بر آں اپنا قیمتی وقت خرچ کرتا ہے مگر بایں ہمہ نفع یقینی نہیں ہوتا۔ اسے نفع بھی ہو سکتا ہے اور نقصان بھی ہو سکتا ہے، لیکن سود خور صرف اپنا فالتو روپیہ دیتا اور چند گھڑیاں معاہدہ طے کرنے میں صرف کرتا ہے وہ نہ جسمانی مشقت برداشت کرتا ہے اور نہ ہی اسے ذہنی قابلیتیں خرچ کرنا پڑتی ہیں لیکن وہ یقینی نفع کا خواستگار اور امیدوار ضرور ہوتا ہے، اسی لئے شریعتِ مطہرہ نے تجارت کو جائز اور سود کو حرام قرار دیا ہے۔ دراصل دین اسلام نے دولت مند کے لئے دو

---

[1] (صحیح مسلم، باب الربا، ج ۲، ص ۲۶)

ہی راستے تجویز فرمائے ہیں یا تو اپنی زائد از ضرورت دولت اپنے بھائی کو قرض حسنہ کے طور پر دے، ورنہ نفع ونقصان میں شراکت کی بنیاد پر کاروبار میں شریک ہو جائے۔ اس کے لئے تیسرا کوئی راستہ نہیں۔

روز قیامت سود خور کی حالت کو آسیب زدہ اور پاگل شخص کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اور اس کی وجہ بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

الَّذِينَ يَأْكُلُونَ الرِّبَا لَا يَقُومُونَ إِلَّا كَمَا يَقُومُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطَانُ مِنَ الْمَسِّ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا إِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبَا (البقرة۲۷۵)

یعنی جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ کھڑے نہیں ہوں گے مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص جسے پاگل بنا دیا ہو شیطان نے چھو کر۔ یہ حالت اس لئے ہوگی کہ وہ کہا کرتے تھے کہ تجارت بھی سود کی مانند ہے۔

ممانعت سود کے بعد بھی جو شخص سود لینے کی جرأت کرے گا اس کے خلاف اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا اعلانِ جنگ ہے۔

جیسا کہ آیت کریمہ ہے:

فَأْذَنُوا بِحَرْبٍ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ (البقرة۲۷۹)

یعنی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی طرف سے اعلان جنگ سن لو۔

سود کی مذمت بیان کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

الرِّبَا سَبْعُونَ جُزْءًا أيسرها أَن الرجل أمه۔

یعنی سود کے ستر اجزاء ہیں جن میں سب سے گھٹیا ایسا ہے جیسے کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرے۔[1]

ایک روایت میں ہے:

لَعَنَ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الرِّبَا وَمُوَ كِلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ: هُمْ سَوَاءٌ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سود کھانے والے، کھلانے والے، اسے لکھنے والے اور اس کا گواہ بننے والے پر لعنت کی اور ارشاد فرمایا کہ وہ سب (گناہ میں) برابر کے شریک ہیں۔[2] اعاذنا اللّٰہ تعالیٰ من ذلک

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۶۹ تا ۲۷۴)

[کتاب "جامع الرموز" اور ابراہیم شاہی کی کتاب کی روایات کے ارسال کرنے سے مقصود تمہیں یہ مسئلہ سمجھانا تھا، باقی رہی محتاجی کی صورت۔ تو میرے مخدوم! سُود کی حرمت نص قطعی سے ثابت ہے، جو محتاج اور غیر محتاج سب کو شامل ہے۔ محتاج کو اس حکمِ قطعی سے خارج اور مستثنیٰ قرار دینا حکمِ قطعی کو منسوخ کرنا ہے۔ قنیہ کی روایت یہ درجہ نہیں رکھتی کہ حکمِ قطعی کو منسوخ کر سکے۔ حالانکہ مولانا جمال لاہوری جو اعلم علماءِ لاہور ہیں فرماتے تھے کہ قنیہ کی بہت سی روایات لائق اعتماد نہیں۔ اور کتبِ معتبرہ کی روایات کے خلاف ہیں۔ اور اگر قنیہ کی اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا

---

[1] (مشکوٰۃ، ص ۲۴۶)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۴۴)

جائے تو اسے اضطرار و مخمصے کی حالت پر محمول کرنا چاہیئے۔ تاکہ اس حکمِ قطعی کا مخصص آیہ کریمہ: فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (المائدة۳) کو قرار دیا جائے۔ کیونکہ قوت میں اس کی طرح ہے۔

کہ رستم را کشد ہم رخش رستم

ترجمہ: رستم پہلوان کو رستم جیسا ہی پچھاڑ سکتا ہے۔

نیز اگر محتاج سے عام محتاج مراد لے لیا جائے تو پھر ربو کی حرمت کے لئے کوئی موقع اور محل باقی نہیں رہے گا، کیونکہ جو شخص بھی سُود کی زیادتی دینا قبول کرے گا آخر کسی نہ کسی ضرورت اور محتاجی کے تحت ہی قبول کرے گا۔ کوئی بھی بلا احتیاج وضرورت اپنے نقصان کا اقدام نہیں کرتا۔ تو اس طرح کے توہم کے باعث حکیم وحمید ذات کی طرف سے اس کی کتابِ عزیز میں نازل شدہ اس حکم کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہے گا۔

اور اگر بفرض محال عام محتاجی ہی تسلیم کر لی جائے تو ہم کہیں گے محتاجی ضروریات میں سے ہے اور ضروری شے کو باندازۂ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے۔ پس سُودی روپے سے کھانا پکا کر لوگوں کو کھلانا ضرورت میں داخل نہیں اور اس کے ساتھ کوئی ضرورت متعلق نہیں۔ اسی لئے ترکہ میت میں سے میت کی ضرورت کی چیزیں مستثنٰی ہیں۔ اور اس ضرورت کو اس کے کفن دفن میں منحصر کیا ہے۔ اس کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکانا شرعاً احتیاج وضرورت میں داخل نہیں، حالانکہ میت صدقہ وخیرات کی بہت محتاج ہوتی ہے۔

پس متنازع فیہ صورت میں اچھی طرح غور کریں کہ قرض لینے والے محتاج ہیں یا نہیں۔ اور احتیاج وضرورت کی صورت میں سُودی روپے سے جو کھانا تیار ہو گا اسے کھانے والوں کے لئے اس کا کھانا حلال ہے یا نہیں۔

عیال داری اور فوجی ملازمت کو ضرورت واحتیاج کا بہانہ بنانا اور اس وجہ سے سُودی قرض لینا اور اسے جائز اور حلال جاننا دینداری سے دور ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو اپنا شیوہ اور دستور بناتے ہوئے جو لوگ اس بلا میں گرفتار ہیں انہیں منع کرنا چاہیئے اور اس حیلے کے نادرست ہونے سے انہیں آگاہ کریں۔ ایسا کام کیوں کیا جائے جو آخر کار اس طرح کے ممنوع اور ناجائز کام کے ارتکاب میں مبتلا کر دے۔ معاش کے ذرائع اور بہت ہیں، فوجی ملازمت میں ہی منحصر نہیں ہیں۔ جب آپ اہلِ صلاح و تقویٰ میں سے ہیں تو حلال وطیب خوراک کی تاکید آپ کو کی جارہی ہے۔

آپ نے لکھا تھا کہ اس زمانہ میں بغیر شبہ کی غذا کا میسر آنا مشکل ہے۔ یہ بات درست ہے تاہم حتی الامکان شبہ کی چیز سے بچنا چاہیئے۔ بے طہارت کھیتی باڑی کی روزی جس کو آپ نے غیر طیب جانا ہے، ہندوستان میں اس سے بچنا ممکن نہیں۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا (البقرة ٢٨٦)

ترجمہ: اللہ کسی جان پر بوجھ نہیں ڈالتا مگر اس کی طاقت بھر۔

لیکن سودی کھانے کو ترک کرنا بہت آسان ہے۔ حلال کو حلال اور حرام کو حرام جاننا قطعی اور یقینی ہے کہ اس کا انکار کفر تک پہنچا دیتا ہے، ظنی امور میں یہ بات نہیں۔ حنفیوں کے نزدیک بہت سے اُمور مباح ہیں مگر شافعی کے نزدیک وہ مباح نہیں، اور اس کے برعکس۔

پس ہمارے اس زیرِ بحث معاملے میں مشکوک ضرورت مند کے لئے سودی قرض کے حلال ہونے میں جو بظاہر نصِ قطعی کے حکم کے خلاف ہے، توقف کرے تو اسے گمراہ قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اور اسے اس کی حلیت کا معتقد ہونے پر زور نہیں دینا چاہیئے، بلکہ اس کے درست مؤقف کو ترجیح بلکہ یقین کا درجہ حاصل ہے۔ اور اس کا مخالف خطرے میں ہے۔

آپ کے بعض دوستوں نے نقل کیا ہے کہ ایک دن مولانا عبد الفتاح نے آپ کی خدمت میں کہا کہ اگر بلا سود قرض میسر آجائے تو بہتر ہے۔ کسی کو سودی قرضہ لینے کی کیا ضرورت ہے؟ تو آپ نے مولانا موصوف کو ڈانٹا اور کہا کہ "تم حلال شے کا انکار کرتے ہو؟"۔

مخدوم گرامی! ایسی باتیں حلال قطعی میں گنجائش رکھتی ہیں۔ اور اگر یہ حلال بھی ہو تو اس میں کوئی شک نہیں کہ خلافِ اولیٰ ضرور ہے۔ اہلِ ورع رخصت پر عمل کا حکم نہیں دیتے، بلکہ عزیمت پر عمل کی دلالت کرتے ہیں۔

لاہور کے مفتیوں نے احتیاج وضرورت کو سبب قرار دے کر حلال ہونے کا حکم دیا ہے۔ احتیاج وضرورت کا دامن بڑا فراخ ہے۔ اگر فراخ کریں گے تو کوئی چیز بھی سُود نہیں رہے گی اور سُود کے حرام ہونے کے بارے میں نصِ قطعی کا حکم بے فائدہ اور عبث ہو جائے گا۔ جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے آپ کو یہ بات تو خوب ملاحظہ کرنی چاہیئے کہ سُود پر قرض لینے والوں کے لئے دوسروں کو کھانا کھلانا کون سی ضرورت میں داخل ہے؟ قنیہ کی روایت بہر حال زیادہ سے زیادہ ضرورت مند کے لئے سودی قرض لینے کو جائز قرار دیتی ہے۔ دوسروں کے لئے اس سے جواز ثابت نہیں ہوتا۔

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ شاید اس طرح کے کھانے پکانے والے کو کفارہ قسم یا کفارہ ظہار یا روزے کا کفارہ ادا کرنے کی ضرورت ہو۔ اور اس میں شک نہیں کہ وہ یہ کفارہ ادا کرنے میں محتاج اور ضرورت مند ہے، تو ہم اس کے جواب میں کہیں گے کہ اس کفارے والا اگر کھانا کھلانے کی طاقت نہیں رکھتا تو کفارے کے طور پر روزے رکھے، نہ یہ کہ سُود پر قرض لے۔ اور اگر اس طرح کی اور ضرورتیں اور احتیاج درپیش آئیں تو تھوڑی سی توجہ سے تقویٰ کی برکت سے دور ہو سکتی ہیں۔

وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا (۲) وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ (الطلاق ۳)

ترجمہ: اور جو اللہ سے ڈرے اللہ اس کے لیے نجات کی راہ نکال دے گا، اور اسے وہاں سے روزی دے گا جہاں اس کا گمان نہ ہو۔

آپ پر اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہو۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی انسان عموماً دو ہی وجوہات کی بنا پر کرتا ہے۔ یا تو پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے یا پھر شہوت کی تسکین کے لئے۔ اگر انسان کے دل میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا خوف اور عذابِ آخرت کا یقین پیدا ہو جائے تو معصیت ونافرمانی کا عنصر ہی ختم ہو جائے۔ لیکن معصیت ونافرمانی سے بچنے کے لئے حلال و حرام کا علم ہونا ضروری ہے اور حلال و حرام کو شریعت نے بالکل واضح کر دیا ہے۔

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے اور حضرت نعمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی انگلیوں سے کانوں کی طرف اشارہ کیا (یہ بتلانے کے لئے کہ خوب اچھی طرح سُنا ہے) فرمایا کہ:

إِنَّ الْحَلَالَ بَيِّنٌ وَإِنَّ الْحَرَامَ بَيِّنٌ وَبَيْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ فَمَنْ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ اسْتَبْرَأَ لِدِينِهِ وَعِرْضِهِ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ كَالرَّاعِي يَرْعَى حَوْلَ الْحِمَى يُوشِكُ أَنْ يَرْتَعَ فِيهِ أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللَّهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ۔

ترجمہ: حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے اور دونوں کے درمیان مشتبہ اشیاء ہیں جنہیں لوگوں کی اکثریت نہیں جانتی، لہٰذا جو مشتبہ اشیاء سے بچ گیا اس نے اپنے دین اور آبرو کو محفوظ کر لیا اور جو مشتبہ چیزوں میں جا پڑا تو حرام میں بھی جا پڑا، جیسے کہ ایک چرواہا جو اپنی بھیڑوں کو چراگاہ کے ارد گرد چرائے تو قریب ہے کہ وہ اسی چراگاہ میں چرنے لگیں۔ یاد رکھو ہر بادشاہ کی چراگاہ (ممنوعہ

علاقہ)ہوتا ہے اور آگاہ رہو! اللہ کی چراگاہ (ممنوعہ علاقہ)اس کی حرام کردہ اشیاء ہیں۔ یادرکھو! انسان کے جسم میں ایک گوشت کالوتھڑا ہے، جب وہ صحیح ہوجاتا ہے تو سارا جسم صحیح ہوجاتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے۔ یادرکھو! وہ گوشت کالوتھڑا قلب ہے۔[1]

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم شبہ اور حرام سے بچنے کے لئے حلال کے نو(۹) حصے چھوڑ دیتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حرام مال کا ایک پیسہ چھوڑ دینا ایک لاکھ پیسے صدقہ کرنے سے بہتر ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ حلال اور حرام کا حکم قطعی ہے اور سود کی حرمت بھی نص قطعی سے ثابت ہے، جو محتاج اور غیر محتاج سب کو شامل ہے۔ اس لئے محتاج کو اس حکم قطعی سے خارج کر دینا حکم قطعی کو منسوخ کر دینے کے مترادف ہے، البتہ حالتِ اضطرار و مخمصہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ (المائدۃ۳) سے عیاں ہے، کیونکہ ازروئے قوت آیت ہی آیت کے برابر ہوسکتی ہے۔

کہ رستم راآشد ہم رخش رستم

ترجمہ: رستم پہلوان کو رستم جیسا ہی پچھاڑ سکتا ہے۔

---

[1](صحیح مسلم، ج۸، ص ۲۹۰، المکتبۃ الفاروقیۃ)

بنابریں چونکہ احتیاج بھی منجملہ ضروریات میں سے ہے اور ضروریات کو بقدر اندازۂ ضرورت اختیار کیا جاتا ہے اس لئے ترکہ میت میں سے فقط تکفین و تدفین کے اخراجات مستثنٰی ہوں گے اور سودی رقم سے اس کے ایصالِ ثواب کے لئے کھانا پکانا بھی داخل احتیاج نہیں، حالانکہ میت صدقہ وخیرات کی بہت محتاج ہوتی ہے نیز سودی رقم سے پکایا ہوا کھانا اہل تقویٰ وصاحبانِ قلب کے لئے کس قدر قلبی حجاب کا باعث ہو گا اور ان کی روحانیت کو کتنا تیرہ و تار کرے گا۔ العیاذ باللہ سبحانہٗ

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ احکام شرعیہ کا مکلف نہیں بنایا۔ جیسا کہ آیت کریمہ: لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا (البقرۃ ۲۸۶) سے عیاں ہے، تو سودی رقم سے محض نمود و نمائش کی خاطر اتنے تکلفات کی کیا ضرورت ہے کہ بندہ حرام کا مرتکب ہو۔

بینہ نمبر ۲

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص مشکوک محتاج کے لئے سودی قرض کے حلال ہونے میں جو بظاہر نص قطعی کے خلاف ہے توقف کرے تو اسے گمراہ قرار نہیں دینا چاہیئے اور اسے مجبور نہیں کرنا چاہیئے کہ وہ اپنے اعتقاد میں اس کو حلال جانے بلکہ صواب (درستگی) اس کی جانب راجح و متیقن ہے (جو سوودی قرض کی حرمت کا قائل ہے) اور اس کا مخالف خطرے میں ہے۔

بینہ نمبر ۳

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کوئی محتاج کفارہ قسم یا کفارہ صوم یا کفارہ ظہار میں مساکین کو کھانا کھلانے کی استطاعت نہیں رکھتا تو اسے شریعتِ مطہرہ کے مطابق

روزے رکھنے چاہئیں نہ کہ سودی قرض سے کھانا کھلائے اور اگر اسی قبیل کی کوئی اور احتیاج پیدا ہو جائے تو تقویٰ کی برکت سے تھوڑی سی توجہ کرنے سے دور ہو سکتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَمَنۡ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّہٗ مَخۡرَجًا (۲) وَیَرۡزُقۡہُ مِنۡ حَیۡثُ لَا یَحۡتَسِبُ (الطلاق ۳) سے عیاں ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۷۵، ۲۷۶)

مکتوب نمبر ۱۰۳

[سیادت وبزرگی کی پناہ شیخ فرید کی طرف صادر فرمایا:

لفظ عافیت کے معنی اور سرہند کے لئے قاضی طلب کرنے کے بیان میں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ آپ کو عافیت میں رکھے۔

آپ کے لئے اس عافیت کی دعا کی جاتی ہے جس عافیت کی ہمیشہ ایک بزرگ نے اپنے لئے دعا اور صرف ایک دن کے لئے ہی اس عافیت کی آرزو کی تھی۔ ایک شخص نے اس بزرگ سے سوال کیا کہ جس طرح سے آپ کی زندگی گزر رہی ہے کیا یہ عافیت نہیں؟ اس بزرگ نے فرمایا "میں یہ چاہتا ہوں کہ صبح سے لے کر شام تک کسی وقت بھی مجھ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کا صدور نہ ہو"۔

مدت سے سرہند میں کوئی قاضی شرع نہیں۔ اور بعض احکامِ شرعیہ کے جاری کرنے میں بے بسی اور رکاوٹ لاحق ہوتی ہے۔ مثلاً ہمارا ایک یتیم برادر زادہ ہے، اس کی کچھ وراثت ہے، لیکن اس کا کوئی وصی نہیں۔ فقیر اس کے اس مال میں بلا اجازت شرعی تصرف نہیں کر سکتا۔ اگر قاضی شرع موجود ہو تو اس کی اجازت سے کام ٹھیک ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اور بہت سے کام ہیں جو قاضی نہ ہونے کے باعث التواء میں پڑے ہوئے ہیں۔]

تشریح

عافیت کا اصل اور مکمل مفہوم یہ ہے کہ انسان نفسِ امارہ کے خطرات وشرور اور شیطان کی اتباع سے محفوظ ہو جائے اور اُخروی کامیابی کے لئے ناپائیدار زندگی میں ہر لمحہ اور ہر سانس کو اپنے

پیارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیروی میں گزارنے لگے۔ اپنے روز وشب کا احتساب کرے اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کو بھی ادا کرے۔

اس مکتوب میں ہمیں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کے طرزِ عمل سے ایک اہم سبق ملتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس ظاہر وباطن کے عالم اور ولی کامل ہونے کے باوجود ایک شرعی قاضی کا احتیاج رکھتے ہیں، جس سے مسائلِ فقہیہ میں مدد لی جا سکے، لیکن اُن کے زمانے سے چار سو سال گزرنے، کفر ومعصیت کے عام ہو جانے اور علمِ نافع کے اُٹھ جانے کے باوجود ہم لوگ دین کے معاملے میں اپنے آپ ہی فقیہہ بن بیٹھے ہیں اور روزمرہ کے درپیش مسائل میں علماءِ حق کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ جہاں اپنے فقہ پر عمل کرنا مشکل نظر آتا ہو، وہاں دوسروں سے فتاویٰ حاصل کر لیئے جاتے ہیں اور تصریحاتِ فقہ کے باوجود دین کو اپنی مرضی کا رنگ دے دیتے ہیں اور ہیں ہم عاشقانِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم۔۔۔۔۔۔سبحان اللہ!

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے مکتوب الیہ کو عافیت کی دعا دی ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عافیت کی قدرت تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

عافیت اسم یا مصدر کے طور پر استعمال ہوتا ہے جس کا معنی کامل صحت، صحت دینا اور بلا یا برائی سے بچانا وغیرہا ہے۔

علمائے کرام عافیت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

اَلْعَافِيَةُ هِيَ السَّلَامَةُ عَنِ الذُّنُوْبِ۔

یعنی عافیت گناہوں سے سلامتی کا نام ہے۔

عافیت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔عافیتِ ظاہری ۲۔عافیتِ باطنی

عافیتِ ظاہری

یہ ہے کہ سالک جسمانی امراض، فکرِ معاش اور مصائب و آلام سے محفوظ و مامون ہو، تا کہ وہ ہر قسم کے دنیوی تفکرات و پریشانیوں سے بے نیاز ہو کر عبادات وطاعات میں مشغول رہے۔ غالبًا یہی وجہ ہے کہ کسی مصیبت زدہ اور بلا رسیدہ کو دیکھ کر دعائے عافیت مانگنے کی تلقین فرمائی گئی ہے۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي عَافَانِي مِمَّا ابْتَلَاكَ بِهِ وَفَضَّلَنِي عَلَى كَثِيرٍ مِمَّنْ خَلَقَ تَفْضِيلًا۔[1]

عافیتِ باطنی

یہ ہے کہ سالک نفسانی خطرات، شیطانی اثرات سے محفوظ ہو اور وہ ہر قسم کے ظاہری و باطنی گناہوں سے مجتنب رہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ (الأنعام ۱۲۰) اور ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات: كُلُّكُمْ مُذْنِبٌ إِلَّا مَنْ عَافَيْتُ، الخ۔[2] سے واضح ہے۔

[1](مشکوٰۃ، ص ۲۱۴)

[2](مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۰۵)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ایک بزرگ کے بیان فرمودہ عافیت کا مفہوم نقل فرمایا ہے کہ جب اس بزرگ سے دریافت کیا گیا کہ آپ جس (عمدہ) حالت میں زندگی بسر فرمارہے ہیں کیا یہ عافیت نہیں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ:

می خواہم کہ روزی از صباح تا شام مرتکب معصیتی از معاصی حق سبحانہٗ نباشم۔

میں چاہتاہوں کہ ایک دن ہی ایسا نصیب ہو جائے کہ صبح سے شام تک مجھ سے حق سبحانہٗ کی کوئی نافرمانی سرزد نہ ہو۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے قاضی کے تقرر کا تقاضا فرمایا ہے جسے شرعی جج بھی کہا جاتا ہے، جس کا بنیادی مقصد عدل وانصاف کے تقاضوں کے عین مطابق احکامِ شرعیہ کا اجراء ہوتا ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عدل وانصاف کی اہمیت وضرورت وفوائد اور ناانصافی کے مضرات ونقصانات کو بیان کر دیا جائے تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

قرآن مجید میں انصاف کے لئے عدل، حق اور قسط کے الفاظ استعمال فرمائے گئے ہیں۔ ہر شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے امراء، وزراء، حکام اور سربراہان وغیرہا چونکہ اپنے ماتحت افراد واشخاص کی بابت جوابدہ اور ذمہ دار ہیں اس لئے انہیں ہر حال میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ خاطر رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کسی بھی معاملہ میں دوران فیصلہ سفارش، رشوت، طمع، خوف، ذاتی اغراض، نفسانی خواہشات، طرف داری، اقرباء پروری، دوست نوازی وغیرہا جیسی اشیاء کو اثر انداز نہ ہونے دے، ورنہ روزِ قیامت اس کی بابت باز پرس ہوگی۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَإِذَا

حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ (النساء ۵۸) یعنی اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو انصاف سے فیصلہ کرو۔

ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات ہے:

كُلُّكُمْ رَاعٍ وَكُلُّكُمْ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِه فَالْإِمَامُ رَاعٍ وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْ رَعِيَّتِه وَالرَّجُلُ رَاعٍ عَلَى أَهْلِه وَهُوَ مَسْئُولٌ عَنْهُمْ وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلَى بَيْتِ زَوْجِهَا وَهِيَ مَسْئُولَةٌ عَنْهُ۔

یعنی تم میں سے ہر شخص اپنے مرتبہ کے اعتبار سے پاسبان اور جوابدہ ہے۔ امام (خلیفہ) بھی راعی ہے، اس سے اس کی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا، خاوند اپنے گھر والوں کا رئیس ہے اس سے ان کے متعلق پوچھا جائے گا اور بیوی اپنے خاوند کے گھر کی نگران ہے، اس سے اس کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔[1]

چونکہ راعی، نگران، پاسبان اور حکام جوابدہ ہیں اس لئے انہیں اپنی رعایا کے حالات کا جائزہ لیتے رہنا چاہیئے ایسا نہ ہو کہ اس کی بے خبری کی وجہ سے امیر، غریبوں پر اور طاقتور، کمزوروں پر ظلم ڈھاتے رہیں اور ان کے حقوق کو پامال کرتے رہیں۔ امیر المؤمنین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہمیشہ اپنی رعایا کے احوال سے باخبر اور آگاہ رہتے تھے۔

چنانچہ آپ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا:

لَوْ أَنَّ سَخْلَةً عَلَى شَاطِئِ الْفُرَاتِ أَخَذَهَا الذِّئْبُ لَيُسْأَلُ عَنْهَا عُمَرُ۔

یعنی اگر ہم سے دور دراز علاقے میں دریائے فرات کے کنارے پر کسی بھیڑ کے بچے کو کوئی بھیڑیا پکڑ لے تو اس کا بھی عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو جواب دینا پڑے گا۔[2]

---

[1] (تفسیر قرطبی، ج ۱۳، ص ۱۷۸)

[2] (تفسیر قرطبی، ج ۱۳، ص ۱۷۸)

واضح رہے کہ اگر کوئی شخص اپنی زبان درازی، چرب زبانی یا کسی بھی مخالف رجحانات کی بناء پر فیصلہ اپنے حق میں کروالیتا ہے تو وہ مال وغیرہا اس کے لئے نار جہنم کا ٹکڑا ہو گا۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

إنّكُمْ تَخْتَصِمُونَ إليَّ، وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ أنْ يَكُونَ ألْحَنَ بِحُجّتِهِ مِنْ بَعْضٍ، فأَقْضِيَ لَهُ بِنَحْوِ مَا أسْمعُ، فَمَنْ قَضَيتُ لَهُ بِحَقِّ أخِيهِ فإنّما أقطَعُ لَهُ قِطعةً مِنَ النّارِ۔

یعنی تم میرے پاس جھگڑے چکانے کے لئے آتے ہو ممکن ہے کہ تم میں سے کوئی شخص یا فریق اپنے مدمقابل کی نسبت چرب زبانی کی وجہ سے اپنے دلائل کے بیان پر زیادہ قدرت رکھتا ہو اور میں (بفرض محال) جس طرح سنوں اسی طرح فیصلہ کر دوں۔ پس اگر ایسے شخص کو میں اس کے بھائی کا حق دینے کا فیصلہ کروں (تو وہ سن لے) کہ میں اس کے لئے آگ کا ایک ٹکڑا کاٹ رہا ہوں۔ [1]

ایک روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں: فَلَا يأْخُذْهُ۔ پس وہ اسے ہرگز نہ لے۔

اسی لئے حضرت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ تصریح فرمادی ہے کہ اگر کوئی شخص رشوت دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹی گواہیاں دلوا کر اپنے حق میں فیصلہ کروالے تو قاضی کا فیصلہ حرام کو حلال نہیں کر سکتا۔

فَالْحَرَامُ لَا يَصِيرُ حَلَالًا بِقَضَاءِ الْقَاضِيْ۔

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ قانون سازی کا جو حق اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لئے مخصوص ہے اس حق کو اپنے ہاتھ میں لے لینے اور اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وضع کردہ قوانین وحدود میں مداخلت کر کے ان کے برعکس حدود و قوانین وضع کرنے والے بادشاہوں اور حکام کو وعید شدید سنائی گئی ہے۔ جیسا کہ

---

[1] (ریاض الصالحین، باب تحریم الظلم، ص ۱۰۲)

آیت کریمہ: إِنَّ الَّذِينَ يُحَادُّونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ كُبِتُوا كَمَا كُبِتَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ (المجادلة۵) سے عیاں ہے۔

حضرت علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

يَصْنَعُوْنَ اَوْ يَخْتَارُوْنَ حُدُوْدًا غَيْرَ حُدُوْدَ اللهِ تعالیٰ وَرَسُوْلِهٖ صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہٖ و اصحابہٖ وسلم۔

یعنی اس سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی قائم کردہ حدود کے بر خلاف اپنی جانب سے حدود کو وضع کرنا یا اختیار کرنا مراد ہے۔

اسی بناء پر احکام شرعیہ کے خلاف مقدمات کا فیصلہ کرنے والے حکام اور عدالتوں کو طاغوت کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ (النساء۶۰) سے واضح ہے۔

حضرت علامہ ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ آیت کریمہ: فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ (المائدۃ۴۲) میں اہل ذمہ کے درمیان فیصلہ کا اختیار آیت کریمہ: وَأَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ (المائدۃ۴۹) سے منسوخ ہے، اس لئے اب مسلمان حاکم پر ذمیوں کے باہمی جھگڑوں کا فیصلہ کرنا لازم ہو گا۔[1]

علمائے کرام نے اس کی مزید صراحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر جھگڑا مسلمان اور ذمی کے درمیان ہو تو مسلمان قاضی فیصلہ کرے گا لیکن ذمیوں کے باہمی امور متنازعہ جن کا تعلق ان کے شخصی، عائلی، کاروباری اور مذہبی معاملات (نکاح، طلاق، زنا وغیرہ) سے ہو، ان میں مداخلت نہیں کرے گا، بلکہ ان معاملات میں وہ اپنے علماء کی طرف رجوع کریں گے۔ البتہ وہ امور جن کا تعلق ملک

---

[1] (احکام القرآن، ج۳، ص ۲۹۳)

کے داخلی امن وامان یاخارجی سلامتی کے ساتھ ہو یااس سے بے حیائی اور بد چلنی کو فروغ ملتاہو تو ایسے معاملات میں مسلمان قاضی ہی فیصلہ کرے گا، کیونکہ اگر اس قسم کے امور و معاملات میں سستی اور غفلت برتی گئی تو فتنہ و فساد کے پھیلنے کا اندیشہ ہو تاہے۔[1]

دینِ اسلام نے مملکتِ اسلامیہ کے سربراہ کے لئے دیگر کلمات کے علاوہ خلیفہ کا لفظ پسند و تجویز فرمایاہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً (البقرة ٣٠) سے عیاں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ انا پسند، خودسر اور مختار نہیں، بلکہ نائب اور قائم مقام ہے تاکہ اس کے قلب و نظر میں یہ بات راسخ ہو جائے کہ وہ اپنے رب کا نائب اور قائم مقام ہے اور نائب کا کام اپنے آقا کے احکامات کی تعمیل کرنااور اس کے ارشادات و فرمودات کے مطابق اس کے دیئے ہوئے اختیارات کو استعمال کرناہے پس یہ وہ اسلامی نظام سیاست ہے جس سے دنیاکے سارے نظام یکسر محروم ہیں۔

عارف باللہ حضرت قاضی ثناءاللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خلیفہ اور بادشاہ کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق رقم طراز ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرات طلحہ، زبیر، کعب اور سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دریافت فرمایا: مَا الْخَلِيْفَةُ مَنِ الْمَلِکُ؟ یعنی خلیفہ کون ہو تاہے اور بادشاہ کون؟ حضرت طلحہ اور حضرت زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تولاعلمی کا اظہار کر دیا۔

مگر حضرت سلمان فارسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عرض کیا:

تعدل في الرعية وتقسم بينهم بالسوية وتشفق عليهم شفقة الرجل على أهله وتقضي بكتاب الله۔

---

[1] (قرطبی وغیرھا)

یعنی خلیفہ وہ ہوتا ہے جو رعایا میں عدل کرے، ان میں مال و دولت برابر برابر تقسیم کرے اور ان پر یوں شفقت کرے جیسے کوئی شخص اپنے اہل و عیال پر مہربان ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کتاب کے مطابق فیصلے کرے۔[1]

یونہی ایک روز حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حاضرین سے پوچھا:

مَا اَدْرِیْ أَخَلِیْفَۃٌ اَنَا اَمْ مَلِکٌ۔

یعنی میں نہیں جانتا کہ میں خلیفہ ہوں یا بادشاہ؟

ایک شخص نے عرض کیا اے امیر المؤمنین! دونوں میں بہت فرق ہے۔

آپ نے فرمایا کیا فرق ہے؟

اس نے کہا:

الخلیفۃ لا یأخذ الا حقا و لا یضعہ الا فی حق و أنت بحمد اللہ کذلک و الملک یعسف الناس فیأخذ من ھذا و یعطی ھذا فسکت عمر۔

یعنی خلیفہ حق و انصاف سے لیتا ہے اور صحیح مقام پر خرچ کرتا ہے اور آپ بحمد اللہ ایسا ہی کرتے ہیں اور بادشاہ لوگوں پر ظلم و ستم کرتا ہے، ایک سے لیتا ہے اور دوسرے کو دیتا ہے، یہ سُن کر حضرت سیدنا عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ خاموش ہو گئے۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ناانصاف حاکم کے متعلق ارشاد فرمایا:

لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ صَلَاۃَ إِمَامٍ حَکَمَ بِغَیْرِ مَا أَنْزَلَ اللّٰہُ۔

[1] (کنز العمال، ج ۱۲، ص ۵۷۹)

[2] (تفسیر مظھری، ج ۸، ص ۱۷۳، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ - الباکستان)

یعنی اللہ تعالیٰ ایسے حاکم کی نماز قبول نہیں کرتا جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قانون کے بغیر فیصلہ کرے۔[1]

ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے قاضی کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ چنانچہ ارشاد گرامی ہے:

اَلْقُضَاۃُ ثَلَاثَۃٌ قَاضٍ قَضَی بِالْحَقِّ وَھُوَ یَعْلَمُ فَذَالِکَ فِی الْجَنَّۃِ وَقَاضٍ قَضَی بِالْجَوْرِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَوْ لَا یَعْلَمُ فَھُوَ فِی النَّارِ وَقَاضٍ قَضَی بِغَیْرِ مَا اَمَرَ اللّٰہُ بِہٖ فَھُوَ فِی النَّارِ۔

یعنی قاضی تین قسم کے ہیں۔۔۔وہ قاضی جو اپنے علم کے مطابق حق کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے وہ جنت میں جائے گا۔۔۔ وہ قاضی جو ظلم کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے وہ دوزخ میں جائے گا جانتا ہو یا۔۔۔نہ اور وہ قاضی جو اللہ تعالیٰ کے حکم کے بغیر فیصلہ کرتا ہے وہ بھی دوزخ میں جائے گا۔[2]

بینہ

واضح رہے کہ حالت غصہ میں قاضی کا فیصلہ کرنا حرام و ممنوع ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات: لَا یَقْضِی الْحَکَمُ بَیْنَ اثْنَیْنِ وَھُوَ غَضْبَانٌ۔[3] سے عیاں ہے اور جب وہ جاہل، بدنیت اور بدکردار ہو، تقویٰ شعار نہ ہو تو وہ مکمل طور پر ناقص ہے اور اس پر لازم ہے کہ وہ خود بخود عہدۂ قضاۃ سے معزول ہو جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۷۹ تا ۲۸۶)

---

[1] (المستدرک للحاکم، ج۴، ص ۸۹)
[2] (المستدرک للحاکم، کتاب الاحکام، ج۴، ص ۹۰)
[3] (سنن ابی داؤد، ص ۵۰۵)

مکتوب نمبر ۱۰۴

[ماتم پرسی میں ضلع مستکن کے قاضیوں کی طرف صادر فرمایا:

اگرچہ مغفرت پناہ کی وفات سے جو مصیبت لاحق ہوئی ہے وہ بہت شدید اور بہت سخت ہے لیکن ہم اور تم خدا تعالیٰ کے بندے ہیں۔ ہمارے لئے اپنے مولیٰ تعالیٰ وتقدس کے فعل پر راضی ہونے کے سوا چارہ نہیں۔ کارکنانِ قضا وقدر یہاں رہنے کے لئے نہیں لائے، کام کرنے کے لئے لائے ہیں، کام کرنا چاہیئے۔ اگر یہاں سے کام کر کے گئے تو کوئی ڈر نہیں بلکہ ایسا شخص بادشاہ ہے۔

الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب۔

ترجمہ: موت ایک پُل ہے، جو دوست کو دوست سے ملا دیتا ہے۔[1]

یہ فقرہ اس کی شان میں موجود ہے۔ جانے میں مصیبت نہیں بلکہ حبیب کی طرف جانے والے کے حال میں مصیبت ہے کہ اس سے کیا سلوک کرتے ہیں، دعا اور استغفار اور صدقہ و خیرات سے اس کی امداد کرنی چاہیئے۔

نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔

ترجمہ: میت قبر میں ڈوبنے والے فریادرسی کے لئے پکارنے والے کی طرح ہے، چنانچہ میت دعا کی منتظر رہتی ہے جو اسے باپ یا ماں یا بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچتی ہے۔ جب ان کی طرف سے دعا پہنچتی ہے تو وہ اس کے نزدیک دنیا ومافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے اور بے شک رب تعالیٰ اہلِ

---

[1] (التفسیر المظھری، ج۷، ص ۱۷، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ-الباکستان)

زمین کی دعا سے اہلِ قبور پر پہاڑوں کی مانند رحمت داخل کرتا ہے، اور زندوں کا مُردوں کو یہ ہدیہ ہے کہ وہ ان کے لئے استغفار کریں اور بخشش طلب کریں۔[1]

آپ کا التفات نامہ موصول ہوا۔ فقرا پر موسمِ سرما کی ہوا بڑی سخت ہے۔ ورنہ اپنے آپ کو معاف نہ کرتا (بلکہ فوراً جواب دیتا۔) سفارش تاکید سے لکھ دی گئی ہے۔ ان شاء اللہ سود مند ثابت ہو گی۔ زیادہ گفتگو دردِ سری ہے۔

محبت شعار قاضی حسن اور باقی اعزہ بہت بہت دعاؤں سے مستفید ہوں، اور تمام کاموں میں راضی اور شکر گزار رہیں۔]

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

تشریح

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز انسان کے دنیا میں آنے کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمارہے ہیں کہ دنیا میں ہمارا آنا لایعنی، فضول اور بے مقصد نہیں، بلکہ ہمیں دنیا میں عبادات وطاعات کے لئے بھیجا گیا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ (الذاريات ٥٦) سے عیاں ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص احکام الٰہیہ اور عبادات شرعیہ بجا نہیں لاتا تو وہ سراسر خسارے میں ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ (المؤمنون ١١٥) سے واضح ہے۔ مگر جب کوئی بندۂ مؤمن افعال ناپسندیدہ

[1](مشكوٰة المصابيح، ج٢، ص٧٢٨، الناشر: المكتب الإسلامي – بيروت، شعب الايمان، ج ١١، ص ٤٧٢، الناشر: مكتبة الرشد للنشر والتوزيع بالرياض بالتعاون مع الدار السلفية ببومباي بالهند)

سے احتراز اور اعمال صالحہ کا اکتساب کرتا ہے تو ایسے فرشتہ سیرت انسان کو لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ کا مژدۂ جاں فزا سنایا جاتا ہے۔ درحقیقت یہی بادشاہ ہے۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

روح سلطانی ززندانی بجست

جامہ چہ دریم وچہ خائیم دست

روز ملک ست و گہے شاہنشہی

گر تو یک ذرہ ازیشاں آگہی

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جب کسی بندۂ مؤمن کے سینے میں عشق الٰہی کی آگ شعلہ زن ہو جاتی ہے تو وہ ہمہ وقت محبوب حقیقی کی ملاقات کے لئے بے تاب رہتا ہے اور لقائے محبوب اور دیدار یار کے لئے موت کو بھی بخوبی قبول کرلیتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: مَنْ كَانَ يَرْجُو لِقَاءَ اللّٰهِ فَإِنَّ أَجَلَ اللّٰهِ لَآتٍ (العنکبوت ۵) سے عیاں ہے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی حالت احتضار میں با آواز بلند پکار پکار کر کہہ رہے تھے: جَآءَ حَبِيْبٌ عَلٰى نَاقَةٍ لَا اَفْلَحَ مَنْ نَدِمَ یعنی موت جو میرا محبوب ہے عین انتظار اور کمال اشتیاق میں جلوہ گر ہے جو شخص اس کی آمد پر نادم ہوا وہ کبھی رستگار نہ ہو۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لشکر کفار کے سپہ سالار رستم بن فرخ کو اپنے نامہ گرامی میں تحریر فرمایا:

فَإِنَّ مَعِىَ قَوْمًا يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ۔

یعنی میں اپنے ہمراہ ایسی قوم کو لا رہا ہوں جو موت کو ایسے پسند کرتے ہیں جیسے عجمی لوگ شراب کو پسند کرتے ہیں۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فوت شدگان کے لئے ایصال ثواب کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ علمائے متکلمین اہل سنت کے نزدیک اہل قبور کو زندوں کے اعمالِ صالحہ کا ثواب پہنچتا ہے اور اس کا فائدہ بھی ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ میں فوت شدگان کے لئے دعائے مغفرت کرنے کو بطور استحسان ذکر فرمایا گیا ہے، جیسا کہ آیہ کریمہ: رَبَّنَا اغْفِرْ لِي وَلِوَالِدَيَّ وَلِلْمُؤْمِنِينَ يَوْمَ يَقُومُ الْحِسَابُ (إبراهيم ۴۱) سے واضح ہے۔

درج ذیل ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات میں دعاء استغفار اور صدقہ تینوں کا ذکر ہے:

مَا الْمَيِّتُ فِي الْقَبْرِ إِلَّا كَالْغَرِيقِ الْمُتَغَوِّثِ يَنْتَظِرُ دَعْوَةً تَلْحَقُهُ مِنْ أَبٍ أَوْ أُمٍّ أَوْ أَخٍ أَوْ صَدِيقٍ فَإِذَا لَحِقَتْهُ كَانَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا فِيهَا وَإِنَّ اللهَ تَعَالَى لَيُدْخِلُ عَلَى أَهْلِ الْقُبُورِ مِنْ دُعَاءِ أَهْلِ الْأَرْضِ أَمْثَالَ الْجِبَالِ وَإِنَّ هَدِيَّةَ الْأَحْيَاءِ إِلَى الْأَمْوَاتِ الِاسْتِغْفَارُ لَهُمْ۔

یعنی میت قبر میں ڈوبنے والے فریادی کی طرح ہوتی ہے اور دعا کے انتظار میں رہتی ہے جو اسے اس کے باپ، ماں، بھائی یا دوست کی طرف سے پہنچے۔ جب دعا پہنچتی ہے تو وہ میت کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ اہل زمین کی دعا سے پہاڑوں کے برابر اجر عطا فرماتا

---

[1] (تاریخ ابن خلدون، ج ۲، ص ۸۱)

ہے، یقیناً مرنے والوں کے لئے زندہ لوگوں کا خاص تحفہ ان کے لئے استغفار (دعائے مغفرت) ہے۔[1]

ایک روایت میں **اخ** کی بجائے **ولد** کے الفاظ بھی آتے ہیں اور **امثال الجبال** کے بعد **رحمت** اور **غفران** وغیرہا کے الفاظ بھی ملتے ہیں۔ نیز **الاستغفار لھم** کے بعد **والصدقة عنھم** کے الفاظ بھی موجود ہیں۔[2]

جب کوئی بندۂ مؤمن اپنے مسلمان بھائی کے لئے اخلاص وصدق نیت کے ساتھ دعاواستغفار اور صدقہ کرتا ہے تو وہ ہدیہ اس میت کے لئے تسکین اور راحت ومسرت کا باعث ہوتا ہے۔

چنانچہ ارشاد نبوی **علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات** میں ہے:

یعنی جب اہل خانہ اپنے کسی فوت شدہ عزیز کے لئے صدقات وخیرات کرتے ہیں تو اس کے اجر وثواب کا تحفہ حضرت سیدنا جبریل **علیہ السلام** ایک نورانی طبق میں رکھ کر اس قبر والے کے سرہانے جا کر پیش کرتے ہیں کہ تیرے اہل وعیال نے تجھے یہ تحفہ بھیجا ہے۔ **فَيَدْخُلُ عَلَيْهِ فَيَفْرَحُ بِهَا وَيَسْتَبْشِرُ۔** تو وہ اسے بغور ملاحظہ کرتا ہے، خوش وخرم ہوتا ہے اور بشارت پاتا ہے اور اس کے ہمسائے جن کی طرف کوئی تحفہ نہیں بھیجا گیا وہ غمگین ہوتے ہیں۔[3]

---

[1] (مشکوٰة المصابیح، ج۲، ص۷۲۸، الناشر: المکتب الإسلامي – بیروت، شعب الایمان، ج ۱۱، ص ۴۷۲، الناشر: مکتبة الرشد للنشر والتوزیع بالریاض بالتعاون مع الدار السلفیة ببومباي بالهند)

[2] (مسند الفردوس لدیلمی، ج۴، ص ۳۹۱)

[3] (رواہ الطبرانی فی الاوسط، ج۷، ص ۲۶۰)

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ ایصال ثواب کے انتظام وانصرام کو دنیوی رسومات اور نمود ونمائش جیسی خرافات سے پاک رکھنا چاہیئے تاکہ وہ عنداللہ درجہ قبولیت پاسکے۔

چنانچہ بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی مجددی قدس سرہٗ العزیز صاحب تفسیر مظہری اس سلسلہ میں رقم طراز ہیں:

واز کلمہ ودرود وختم قرآن واستغفار واز مال حلال صدقہ بفقرأ باخفاء امداد فرمایند۔

یعنی کلمہ، درود، ختم قرآن، استغفار اور حلال مال سے فقراء پر مخفی صدقہ کے ذریعے میری امداد کرنا۔[1]

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ دعا، استغفار وصدقہ گناہ گاروں کے لئے تخفیف عذاب کا باعث ہوتا ہے، جبکہ صالحین کے لئے بلندئ درجات اور ترقیٔ مقامات کا مؤجب ہوتا ہے۔

جیسا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جب دو قبروں پر کھجور کی تازہ شاخیں گاڑھ دیں تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیک وسلم:

لم صنعت هذا قال لعله يخفف عنهما ما لم ييبسا۔

---

[1] (وصیت نامہ)

یعنی آقا! آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ تو ارشاد فرمایا جب تک یہ خشک نہ ہوں گی، امید ہے کہ ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔[1]

اسی روایت کے پیش نظر فقہائے کرام نے لکھا ہے:

وَضْعُ الْوَرْدِ وَالرَّیَاحِیْنَ عَلَى الْقُبُوْرِ حَسَنٌ لِاَنَّهٗ مَادَامَ رَطْبًا یُسَبِّحُ وَیَکُوْنُ لِلْمَیِّتِ اُنْسٌ بِتَسْبِیْحِهٖ۔

یعنی گلاب اور دیگر پھول قبول پر ڈالنا خوب ہے، کیونکہ جب تک وہ تر رہتے ہیں خدا کی تسبیح کرتے ہیں اور ان کی تسبیح سے میت کو انس ہوتا ہے۔[2]

دوسری روایت میں ہے:

إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَیَرْفَعُ الدَّرَجَةَ لِلْعَبْدِ الصَّالِحِ فِي الْجَنَّةِ فَیَقُولُ: یَارَبِّ أَنَّی لِي هَذِهِ؟ فَیَقُولُ: باستغفار ولدک لک۔

یعنی اللہ تعالیٰ جنت میں ایک نیک بندے کا درجہ بلند فرماتا ہے وہ عرض کرتا ہے اے میرے رب یہ کیسے ہوا تو فرمایا جاتا ہے تیرے بیٹے نے تیرے لئے دعائے بخشش کی ہے۔[3]

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ اعمال صالحہ کا ایصال ثواب کرنے والا ثواب سے محروم نہیں ہوتا بلکہ اسے بھی اجر و ثواب ملتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ لَا یُضِیعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِینَ (التوبة ۱۲۰) سے عیاں ہے۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سے جب ختم القرآن اور دیگر تسبیحات وغیرہا کے

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۲)
[2](کنز العباد، فتاویٰ غرائب)
[3](مشکوٰۃ المصابیح، ص ۲۰٦)

ثواب کو والدین، اساتذہ اور دیگر اعزاء واقرباء کو بخشنے کے متعلق دریافت کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا ثواب بخشنا بہتر ہے کیونکہ اس صورت میں دوسروں کو بھی نفع پہنچتا ہے اور خود کو بھی اور عجب نہیں کہ اس عمل کو دوسروں کے طفیل قبول کرلیں اور نہ بخشنے میں صرف اپنا ہی نفع ہے۔[1]

بینہ نمبر ۴

واضح رہے کہ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے نزدیک آیت کریمہ: لَيۡسَ لِلۡإِنۡسَانِ إِلَّا مَا سَعَى (النجم ۳۹) شریعتِ مطہرہ میں منسوخ الحکم ہے اور اس کی ناسخ آیت کریمہ: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتۡهُمۡ ذُرِّيَّتُهُمۡ بِإِيمَانٍ أَلۡحَقۡنَا بِهِمۡ ذُرِّيَّتَهُمۡ، الخ (الطور ۲۱) ہے۔

بینہ نمبر ۵

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ایصال ثواب کرنے والوں کا تقویٰ واخلاص نیت اہل قبور تک پہنچتا ہے۔ جیسا کہ لَنۡ يَنَالَ اللهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلٰكِنۡ يَنَالُهُ التَّقۡوَى مِنۡكُمۡ (الحج ۳۷) سے عیاں ہے۔ اور طعام وغیرہا کی مثالی صورت بھی پہنچتی ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا (البقرۃ ۲۵) سے مفہوم ہوتا ہے۔ چنانچہ اس کے متعلق حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اپنا ایک خواب نقل فرماتے ہیں جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو:

اب سے چند سال قبل فقیر کی عادت تھی کہ (بغرض ایصال ثواب) طعام پکواتا تھا تو اہل عبا کی روحانیات مطہرہ کے لئے مخصوص کرتا تھا، اور آنسرور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ حضرت امیر، حضرت فاطمہ اور حضرت امامین (حسنین) علیہم الصلوات والتسلیمات کو شامل کرلیتا تھا۔ ایک رات فقیر نے خواب میں دیکھا کہ آن سرور علیہ وعلی آلہ الصلوٰۃ والسلام تشریف فرماہیں فقیر

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۷۷)

نے سلام عرض کیا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم فقیر کی طرف متوجہ نہ ہوئے اور چہرۂ انور دوسری جانب پھیر لیا، اسی اثناء میں فقیر سے فرمایا کہ:

من بعام در خانۂ عائشہ میخورم ہر کہ مرا بعام فرستد بخانۂ عائشہ فرستد۔

یعنی میں عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر میں کھانا کھاتا ہوں، جس کسی کو میرے لئے طعام بھیجنا ہو وہ عائشہ کے گھر بھیج دے۔

اس وقت فقیر کو معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ شریف نہ فرمانے کا باعث یہ ہے کہ فقیر اس طعام میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو شریک نہ کرتا تھا، بعد ازاں حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بلکہ تمام ازواج مطہرات (رضی اللہ تعالیٰ عنہن) کو جو تمام اہل بیت ہیں شریک کر لیا کرتا تھا اور تمام اہل بیت کو وسیلہ بناتا تھا۔ [1]

بینہ نمبر ٦

مؤمنین اہل قبور کے لئے استغفار کی حکمت بیان کرتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

أمتِي أمةمَرْحُومَةتدخل قبورھابذنوبھاوَتخرج من قبورھالَا ذنُوب عَلَيْھَايمحص عَنْھَا باستغفار الْمُؤمنِينَ لَھَا۔

[1] (دفتر دوم، مکتوب ٣٦)

یعنی میری امت، امت مرحومہ ہے اپنی قبروں میں گناہوں کے ساتھ داخل ہو گی اور جب قبروں سے نکلے گی تو اس کے ذمہ ایک گناہ بھی نہ ہو گا کیونکہ مؤمنین کی استغفار کی بدولت اس کے گناہ مٹادیئے جائیں گے۔[1]

بینہ نمبر ۷

یہ امر مستحضر رہے کہ ایصال ثواب کے لئے رزق حلال میں سے صدقہ وخیرات وغیرہا اسی شخص کا شرف قبولیت پاتاہے جو پرہیز گار اور تقویٰ شعار ہو، چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ایک روز اپنے وفات یافتہ فرزند ارجمند کی روح مبارک کے ایصال ثواب کے لئے کھانا پکوایا تو غلبۂ انکسار کی وجہ سے آپ کی زبان اقدس سے نکلا کہ یہ صدقہ ہماری طرف سے کس طرح قبول ہو گا، جبکہ اللہ تعالیٰ صدقہ قبول کرنے کے بارے میں فرماتے ہیں: إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ (المائدة۲۷) (اللہ تعالیٰ صرف متقین سے قبول کرتے ہیں) ابھی یہ فرماہی رہے تھے کہ ندا آئی: اِنَّکَ مِنَ الْمُتَّقِیْنَ (بے شک تم متقین میں سے ہو)۔[2]

بینہ نمبر ۸

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں کہ ہر شب نماز تہجد کے بعد پانچ سو مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے مرحوم بچوں محمد عیسیٰ، محمد فرخ اور ام کلثوم کی ارواح کو بخشتا تھا۔ اس کے بعد ہر روز محمد عیسیٰ کی روح تہجد کے وقت آتی اور مجھ کو بیدار کر کے چلی جاتی تا کہ ختم کلمہ طیبہ کروں۔ اس کے بعد وہ محمد فرخ اور ام کلثوم کی ارواح کو بلا کر لاتی کہ پدر بزرگوار بیدار ہو گئے ہیں۔ میں جب تک وضو

---

[1] (شرح الصدور، ج ۱، ص ۲۹۸)

[2] (زبدۃ المقامات، مترجم فصل پنجم)

کر کے نماز تہجد ادا کرتا اور ختم کلمہ طیبہ کرتا وہ میرے گرد و پیش رہتے، جس طرح کہ ماں روٹی پکاتی ہے اور اس کے چھوٹے بچے اس کے گرد رہتے ہیں یہاں تک کہ ان کو روٹی دے۔ پس میں کلمہ طیبہ کا ثواب ان کو بخشتا اس کے بعد وہ چلے جاتے۔ مگر اب وہ بکثرت ثواب پانے کی وجہ سے معمور ہو گئے ہیں، اس لئے نہیں آتے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۲۸۹ تا ۲۹۷)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

اما بعد

یہ بات سن لیجیئے کہ وہابی، پنج پیری اور مودودی کہتے ہیں کہ میت کے گھر میں تین رات تک طعام پکانا اور صدقہ کرنا منع ہے اور تین روز کے بعد اگر پکایا جائے تو پھر جائز ہے۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور خوشنودی کے لئے یہ مسائل جمع کئے تاکہ سچ ظاہر ہو اور باطل الگ ہو جائے اور لوگ بھی خوامخواہ گمراہ ہونے سے بچ جائیں۔

سوال: میت کے لئے اُس کے مرنے کے بعد صدقہ یا خیرات دینا یا کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: میت کے لئے صدقہ دینا اور دعا کرنا مطلق جائز ہے۔

شرح عقائد النسفی میں ہے:

وفي دعاء الأحياء للأموات وصدقتهم عنهم نفع لهم۔[2]

ترجمہ: اور مُردوں کے لئے زندوں کی دعا اور ان کی طرف سے صدقہ خیرات کرنے میں ان کے لئے نفع ہے۔

---

[1] (حضرات القدس، دفتر دوم)

[2] (شرح عقائدالنسفی، ج ۱، ص ۳۴۴، الناشر: دائرۃ البرکات، کھوسي (بالکاف الفارسي)، اعظم کرھ، الھند)

یعنی مردوں کی طرف سے صدقہ کرنا جائز ہے اور اس میں نفع ہے۔

اسی طرح اور کتابوں میں مثلاً طحطاوی، ص ۲۷۱، در مختار، شرح فقہ اکبر لعلی القاری، ص ۱۵۸، فتح القدیر، ج ا، ص ۴۰۴۔

آیت مبارکہ میں بھی ذکر ہے:

وَصَلِّ عَلَيۡهِمۡ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمۡ (التوبۃ ۱۰۳)

ترجمہ: اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو بے شک تمہاری دعا ان کے دلوں کا چین ہے۔

ایک اور آیت مبارکہ ہے:

رَبَّنَا اغۡفِرۡ لَنَا وَلِإِخۡوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالۡإِيمَانِ (الحشر ۱۰)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں بخش دے اور ہمارے بھائیوں کو جو ہم سے پہلے ایمان لائے۔

اس آیت میں مُردوں کے حق میں دعا ہے اور یہی اہل سنت وجماعت کا مذہب ہے۔ اور نفلی صدقہ بہت سے گناہوں کو محو کرنے والا ہے۔

جیسا کہ شرح قسطلانی میں ہے:

الصدقة النافلة ماحية للذنوب المدخلة النار۔[1]

ترجمہ: نفلی صدقہ ان گناہوں کو محو کرنے والا ہے جو آگ (جہنم) میں داخل کرنے والے ہیں۔

سوال: میت کے گھر میں تین روز کے اندر صدقہ جائز ہے کہ نہیں؟

جواب: صدقہ مطلقاً جائز ہے کیونکہ صدقے کی نصوص (آیات) مطلق ہیں اور اس میں تخصیص نہیں۔ یعنی یہ نہیں کہ اس وقت یا اُس وقت صدقہ کیا جائے یا دیا جائے۔

ويستحب ان يتصدق على الميت بعد الدفن الى سبعة ايام كل يوم بشيء مماتيسر۔[1]

---

[1](قسطلانی شرح بخاری، کتاب العلم، ج ا، ص ۱۹۰، فتح القدیر، ج ا، ص ۴۰۴، الدر المختار، ج۵، ص ۷۹)

ترجمہ: مردے کے دفنانے کے بعد سات دن تک جو کچھ بھی میسر آئے صدقہ کرنا مستحب ہے۔

یعنی مردے کے ایصال ثواب کے لئے مذکورہ بالا سات کتب سے جلد اور صفحات کے حوالے دے کر یہ بات تحقیق کی حد تک پہنچا دی گئی کہ مردے کے دفن سے لے کر مسلسل سات دن تک کسی بھی میسر چیز سے مردے کے حق میں صدقہ دینا مستحب امر ہے۔

صدقہ کی اشیا میں (پکی روٹی بمعہ سالن، پکے چاول، حلوہ، کھجور یا گوشت وغیرہ) کوئی بھی چیز ہو سکتی ہے۔

اس کے علاوہ سوئم (تیجہ) بھی ثابت ہے، جس پر علماء نے عمل کیا ہے، مثلاً شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا سوئم ہو چکا ہے۔

روز سوئم کثرت ہجوم مردم آن قدر بود کہ بیرون از حساب است، ہشتاد و یک کلام اللہ بے شمار آمدہ، اھ۔

ترجمہ: تیسرے روز آدمیوں کی اتنی کثرت اور بھیڑ تھی کہ حساب لگانا مشکل تھا، اکیاسی ختم قرآن شمار کئے گئے۔[2]

تو وہابی مانتے کیوں نہیں جو کہتے ہیں کہ مردے کے دفن سے لے کر تین دن تک صدقہ، خیرات وغیرہ حرام اور ناجائز ہے۔ حالانکہ مردہ کی وفات کی پہلی شام کو بھی صدقہ دینا ثابت ہے، اور وہ بھی صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے عمل سے۔

---

[1] (طحطاوی کتاب الجنائز، ص ۳۴۳، اشعۃ اللمعات، باب زیارۃ القبور، شرح مشکوٰۃ، ص ۷۲۳، برھنہ، ج ا، ص ۳۶۳، شامی، باب الجنائز، ج ا، ص ۶۳، فتح القدیر، ج ا، ص ۳۶۵، کبیری، ص ۶۵۸)

[2] (ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب، ص ۸۰)

روایت ہے کہ جب حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک ویران اور سنسان جگہ جہاں آس پاس کوئی آبادی، گاؤں یا قریہ وغیرہ نہیں تھا اور وفات پارہے تھے اور آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیوی رورہی تھی تو آپ نے اُن رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ تو کیوں رورہی ہو تو فرمایا اس لئے کہ کوئی آپ کی تجہیز و تکفین میں میری مدد کرنے کے لئے نہیں اس پر آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواباً فرمایا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فرماتے سنا کہ میرے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم میں سے چند افراد ایک سنسان جنگل میں وفات پائیں گے اور اُن میں سے ایک میں ہوں، اور میری تکفین کے لئے لوگ آئیں گے، پھر اپنی بیٹی سے فرمایا کہ تو بکری ذبح کر اور اس کا گوشت سنبھال کے رکھ دے اور ہانڈی آگ پر رکھ اور جب میں دفن ہو جاؤں تو ان لوگوں سے کہہ دینا کہ میرے والد نے آپ لوگوں سے قسماً کہا ہے کہ یہ طعام کھائیں اور پھر چلے جائیں۔ تھوڑی دیر بعد حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ چند ساتھیوں (افراد) کے ہمراہ وہاں آئے اور ابو ذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گھر کے اندر گئے، تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ مجھے غسل اور کفن وہ آدمی دے گا جس نے حکومت کی ملازمت نہیں کی ہو، اُن میں سے ایک نوجوان نے کہا یہ میرا لباس ہے اور نیا ہے، میں نے اسے استعمال بھی نہیں کیا، یہ کفن ہو گا اور میں ہی غسل دوں گا کیونکہ میں نے حکومت کی ملازمت نہیں کی، ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سر ہلا کر تائید فرمائی اور جب فوت ہوئے تو اُن حضرت نے غسل دیا اور جنازہ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ نے پڑھایا اور جب دفن ہوئے تو بنت ابو ذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انہیں کھانے کے لئے قسم دی کہ یہ طعام تناول فرمائیں، انہوں نے ایسا ہی کیا۔[1]

---

[1](تاریخ ابن جریر)

اور ان میں سے کسی نے بھی یہ نہ کہا کہ یہ تو میت کی پہلی شام ہے اور میت کے گھر پہلی شام کھانا پکانا اور اسے کھانا منع ہے۔

اب وہابی کس منہ سے اسے اچھا نہیں کہتے حالانکہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم خود اسے کھانے بیٹھے اور نوالہ اپنے مبارک منہ تک اٹھا کر لے جاچکے ہیں اور اسے ناجائز نہیں فرمایا۔

حضرت عاصم بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت مشکوٰۃ، صفحہ ۵۴۴ باب المعجزات قبیل باب الکرامات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایسی ممانعت موجود نہیں۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کی کراہت اور منع معلوم ہوتی ہے۔

جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے:

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ الْبَجَلِيِّ، قَالَ: "كُنَّا نَعُدُّ الِاجْتِمَاعَ إِلَى أَهْلِ الْمَيِّتِ وَصَنِيعَةَ الطَّعَامِ بَعْدَ دَفْنِهِ مِنَ النِّيَاحَةِ"۔ [1]

ترجمہ: حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ہم میت کے خاندان کے ہاں جمع ہونا اور ان کا طعام کا پروگرام کرنا غم اور ماتم میں شمار کرتے تھے۔

جواب: جواب یہ ہے کہ یہ ایک خاص قسم کے اجتماع پر محمول ہے جو بہ امرِ مجبوری یا بوجہ ننگ وشرم کیا جائے اور اس میں تصدق کی نیت نہ ہو یا اس بات پر محمول ہے کہ اس میں وارثانِ صغیر شامل ہوں، یا غائب ہوں اور اُن کی رضا مندی شامل نہ ہو یا طعام کسی ایک نے (اُن میں سے) اپنے

---

[1] (مسند احمد، ج ۱۱، ص ۵۰۵، الناشر: مؤسسة الرسالة، سنن ابن ماجه، ج ۱، ص ۵۱۴، الناشر: دار الفكر—بيروت، مشكوٰة المصابيح، ج ۵، ص ۱۶۹)

مال سے نہ کیا ہو، یا یہ مال وصیت کا نہ ہو یعنی قبل القسمت (تقسیم وراثت سے قبل)۔ اگر یہ وجوہات نہ ہوں تو پھر منع بھی نہیں۔[1]

دوسرا جواب یہ ہے کہ کراہت کی دلیل نہیں اور یہ روایت جریر صاحب کی ہے اور یہ دلیل عند الموت ہے نہ کہ مطلقاً کراہت پر دال ہے۔ اور یہ روایت عاصم بن کلیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے معارض اور متضاد ہے۔ جنھوں نے ابو داؤد اور امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ سے روایت کی۔ تو اب ترجیح کس کو دی جائے گی؟

تو فقہاء نے جریر کی روایت سے جواب دیا ہے تو معلوم ہوا کہ جواز کے لئے ترجیح ہے۔ بعض نے یہ جواب دیا کہ اس سے مراد ضیافت ہے نہ کہ تصدق۔ وجہ یہ ہے کہ ضیافت مشروع فی السرور ہے، یعنی خوشی کے موقع پر ضیافت اڑانا اور ضیافت دینا شرعاً جائز ہے، نہ کہ حزن اور غم کے موقع پر۔[2]

اور میت ابتدائی شب و روز میں کالفریق المتغوث ہوتی ہے یعنی غرق ہونے والا ہوتا ہے اور امداد کا محتاج اور اس کے علاوہ اور ایام میں بھی امداد کا محتاج۔ مگر اول دنوں میں بہت زیادہ محتاج۔ مشکوٰۃ، ص۲۰۶، باب الاستغفار والتوبۃ میں ذکر کیا گیا ہے اور مسلسل سات دنوں تک بھی تصدق ثابت ہے۔

کتاب الزھد میں امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی روایت ہے:

وفیہ یفتنن الاموات فی قبورھم الی سبعۃ ایام ولذا یستحب التصدق الی سبعۃ ایام۔

---

[1] (حاشیہ مشکوٰۃ، ص ۱۵۴ از مرقاۃ)

[2] (کبیری، ص ۶۰۹)

کتاب زھد میں ہے کہ مردے کی تجہیز و تکفین کے بعد سات روز تک قبر کے فتنے (عذاب) میں آزمائے جاتے ہیں اور اسی وجہ سے سات دن تک اُن کے لئے صدقہ کرنا مستحب ہے، اور چہلم بھی ثابت ہے۔

نسائی کے حاشیہ میں اس کا نام زھد والربیٰ لکھا ہے:

الميت ان كان منافقا اى فيه خصلة المنافق فهو يفتئ الى اربعين يوما۔[1]

نسائی شریف میں ہے کہ اگر میت منافق ہو یا اس میں منافقت کی خصلت پائی جائے تو اسے چالیس دن تک فتنے میں ڈالا جاتا ہے۔[2]

اور: كان السلف يحبون الاطعام من الميت اربعين يوما۔

اسلاف بزرگ مردے کی طرف سے چالیس دن طعام دینا پسند کرتے تھے۔

وشواہد ایں بسیار است۔

اور اس کے شواہد بہت زیادہ ہیں۔[3]

اس سے چالیسواں (چہلم) ثابت ہوا۔ اور رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سوئم، ساتواں اور چالیسواں اور ششماہی اور سالانہ صدقہ دیا ہے، اور یہ بات انوار ساطعہ کے صفحہ ۱۴۵ اور خزانۃ الروایات میں ذکر شدہ ہے، بہ نقل جاء الحق، ج۱، ص ۲۶۲۔

---

[1](نسائی شریف، باب التعوذ من عذاب القبر، ج ۱، ص ۲۹۰)

[2](نسائی شریف، ج ۱، ص ۲۹۰)

[3](فتاویٰ رفیع الدین دهلوی، ص ۸ بنقل مقیاس حنفیت، ص ۲۶)

سوال: وہابی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ صدقہ کو روزِ جمعہ یا شبِ جمعہ سے مخصوص کرنا ناجائز ہے۔

جواب: تخصیص دو قسم کی ہے، ایک جوازی اور دوسری تفضیلی تخصیص اور دوم تخصیص جو فضیلت کے درجے کے لحاظ سے کی جائے، تو وہ جائز ہے اور ثابت بھی ہے۔ جیسا کہ روایت ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک بڑھیا جمعہ کے روز چقندر کا حلوہ پکاتی اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم جمعہ کے دن کے آنے پر خوش رہتے۔ [1]

اس سے جمعہ کے دن صدقہ دینا ثابت ہوا، اور وہابیوں کا قول اور کہا غلط ثابت ہوا، جو اسے بدعت کہتے ہیں (نعوذ باللہ) پھر تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو بھی بدعتی کہا جائے گا۔ (معاذ اللہ)

سوال: کیا ختم قرآن کے لئے جمعہ کا دن مخصوص کرنا جائز ہے؟ اور کچھ خیرات کرنا بھی؟

جواب: جواب یہ ہے کہ ایسا کرنا جائز اور ثابت ہے۔

حکیم ابن عقبہ فرماتے ہیں کہ مجاہد رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عبدہ بن ابی لبابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مجمع بلا لیا اور فرمایا کہ آج ہم ختم قرآن کریں گے کیونکہ ختم قرآن کے وقت مانگی گئی دعا قبول ہوتی ہے اور رحمت نازل ہوتی ہے۔ (بحوالہ نووی کتاب الاذکار، باب تلاوۃ القرآن میں یہ مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔)

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرۃ کے ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کیا، جس دن آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورۃ البقرۃ یاد کی تھی اور یہ مسئلہ تفسیر فتح العزیز، ص ۸۶ پر شاہ

---

[1] (بخاری، ج ۲، کتاب الاطعمۃ باب السلق والشعیر، ص ۸۱۳، ج ۱، ص ۱۱۸، قبیل صلوۃ الخوف)

عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمایا ہے اور بیہقی کی حدیث مبارک نقل فرمائی۔ اس سے ختم قرآن کے موقع پر خیرات کرنا ثابت ہوا۔

سوال: اگر کوئی پوچھے کہ طعام المیت، یمیت القلب روایت میں ہے یعنی مطلب یہ کہ میت کا طعام دل کو مردہ کر دیتا ہے، اس لئے کھانے سے منع ہو جا۔

جواب: جواب یہ ہے کہ اول تو یہ کلام "طعام المیت یمیت القلب" حدیث ہے ہی نہیں۔ اور اشرف علی تھانوی نے بھی لکھا ہے کہ یہ الفاظ حدیث کے نہیں ہیں اور ہو سکتا ہے کہ بزرگوں کا قول ہو اور مطلب میت سے عاصی (گنہگار) یا کافر ہو۔

جیسے آیت مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے:

أَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ (الأنعام ۱۲۲)

مراد میت سے عاصی اور کافر ہے اور اَحْيَيْنَاهُ سے مراد ہدایت اور اسلام ہے۔ تو مراد اس سے یہ ہے کہ عاصی کا طعام یا خوراک کھانا دل کو مرواتا ہے، یعنی جو خوراک یا طعام گناہ کے طور پر پکایا جائے اسے کھانا اچھا نہیں ہوتا۔ اور جو کارِ ثواب میں پکائی جائے تو اسے کھانا منع نہیں۔ یہ تفصیل دعواتِ عبدیت میں ہے اور مصنف اشرف علی تھانوی نے علاج الاکبر، ص۵۸ پر تحریر فرمایا۔ اور مسئلہ یہ ہے کہ میت کا طعام صرف فقراء کھائیں گے اور بہتر بھی یہی ہے، اور اگر اغنیاء کھائیں تو بھی جائز۔ کیونکہ یہ نفلی صدقہ ہے فرض نہیں اور "زبدة النصائح بکفاھم" نے بنقل جاء الحق، ص۳۶۶ اسکا جواز لکھا ہے۔

سوال: اگر کوئی کہے کہ چالیس دن کے بعد انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں نہیں رہتے یعنی اپنی قبروں میں موجود نہیں ہوتے اور یہ حدیث مبارک دلیل میں پیش کرتے ہیں:

ان الانبیاء لا یترکون فی قبورھم اربعین لیلۃ ولکن ھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔

یعنی انبیاء علیہم السلام چالیس دن کے بعد صورِ قیامت پھونکنے تک خدا کے حضور میں عبادت کرتے رہتے ہیں۔

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ ان چالیس دنوں کے دوران روح کا تعلق اپنے جسم کے ساتھ بہت زیادہ ہوتا ہے اور پھر قربِ الٰہی میں عبادت کرتی رہتی ہے اور جسمانی شکل وصورت میں جہاں چاہتی ہے جاسکتی ہے۔ اس سوال کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس روایت میں راوی ابن ابی لیلیٰ ہیں جو سیئ الحفظ ہیں، پہلا جواب زرقانی نے کیا ہے شرح مواھب میں اور دوسرا جواب محمد ایوب صاحب پشاوری نے "تحفۃ الفحول فی حکم الاستعانۃ بالرسول" میں خلاصۃ الوفاء سے نقل کیا ہے اور عام نصوص اس دلیل پر ہیں کہ ہر وقت روح کا تعلق جسم کے ساتھ یکساں اور ایک جیسا ہوتا ہے، اس میں کوئی فرق واقع نہیں ہوتا۔ (واللہ اعلم)

اور اوائل ایام میں صدقہ بہت ضروری ہوتا ہے اور عبارت یوں ہے:

اول حالتے کہ بمجرد جدا شدن روح از بدن خواہد شد فی الجملہ اثر حیات سابقہ وألفت تعلق بدن ودیگر معروفان از ابنائے جنس خود باقی است ودرین وقت از طرفِ مدد زندگان بمردگان درین حالت زود تر می رسد ومردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشد وصدقات وادعیہ

وفاتحہ دریں وقت بیسیار بکارمی آید وطوائف بنی آدم تایک سال وعلی الخصوص یک چپلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام مے نمایند۔[1]

اسی آیت کے ذیل میں وَالْقَمَرِ إِذَا اتَّسَقَ (الإنشقاق ۱۸) اس کی عبارت سے معلوم ہوا کہ میت کو ابتدائی دنوں میں صدقہ اور دعا کی بہت ضرورت ہوتی ہے اور سال بھر کے بعد برسی بھی ثابت ہوئی۔

سوال: وہابی یہ اعتراض کرتے ہیں کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روزِ سوم میت کا صدقہ دسواں وغیرہ منع کیاہے کہ میرے مرے پیچھے نہ کریں، اھ۔

جواب: جواب یہ ہے کہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی اور شاہ عبد العزیز صاحب کے قول میں اختلاف ہے۔ قاضی ثناء اللہ صاحب بھی شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے شاگرد ہیں اور شاہ عبد العزیز شاہ ولی اللہ صاحب کے فرزند اور شاگرد رشید بھی ہیں۔ اب کس کا قول منظور؟ بات یہ بھی ہے کہ دونوں مقلدین ہیں اور مقلدین کی بات اس وقت قابل قبول ہوتی ہے جب وہ مجتہد سے نقل کی گئی ہو، اور اگر بعض فقہاء بعد الاسبوع اسے منع کہتے ہیں جیسے بزازیہ وغیرہ میں مذکور ہے تو اس کا جواب پہلے دے دیا گیاہے کہ ضیافت کرنا ممنوع ہے اور تصدق نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نام ونمود کے لئے منع ہے اور تصدق کے لئے نہیں۔

سوال: میت پر ایک سال مرے اور گزرنے کے بعد اُس کی زیارت کرنے اور اس کی روح کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ دیناجائز ہے یانہیں؟

---

[1] (بحوالۂتفسیر عزیزی، پارہ عم)

جواب:رَوَى ابْنُ أَبِي شَيْبَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ۔[1]

أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْتِي قُبُورَ الشُّهَدَاءِ بِأُحُدٍ عَلَى رَأْسِ كُلِّ حَوْلٍ فَيَقُولُ : السَّلَامُ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ و الخلفاء الاربعة هكذا يفعلون۔[2]

اس عبارت سے ثابت ہوتا ہے کہ ایسا کرنا جائز اور رواہے۔

بحوالہ تفسیر کبیر، در منثور، فتاویٰ عزیزی، ص۵۷، زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح، مصنفہ شاہ عبدالعزیز، دیوبندیوں کے مولوی عبدالحکیم سیالکوٹی کو اس کے جواز پر شاہ صاحب نے جواب بھی لکھا ہے (زبدۃ النصائح) واللہ اعلم۔

سوال: شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے عرس کا دن جو گیارہویں یا سترہویں ربیع الاول کو منایا جاتا ہے، کیا اس کا کوئی ثبوت ہے کہ نہیں؟

جواب: اس کا جواب یہ ہے کہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بارہویں ربیع الاول کو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا میلاد مناتے تھے، انہوں نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو خواب میں دیکھا کہ اُن سے فرمارہے ہیں کہ تونے مجھے یاد کیا میں تجھے یاد کروں گا، تو یہ عرس اس وجہ سے مشہور ہوا۔ یہ مسئلہ یازدہ مجلس شامی کتاب میں مذکور ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں تنخواہیں دس تاریخ کو ملتی تھیں تو گیارہویں تاریخ کو نوکر حضرات غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام کا صدقہ دیتے اسی طرح یہ صدقہ گیارہویں کے صدقے کے نام سے مشہور ہوا۔

---

[1](شامی، ج۶، ص۴۰۰)

[2](شامی، ج۶، ص۴۰۰)

ایک اور وجہ بھی ہے اور وہ یہ کہ غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُرید ربیع الثانی کے گیارہویں دن صدقہ دیتے (آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام) پھر یہ اُن کے نام سے مشہور ہوا۔

ویسے عرس ایک مستحسن عمل ہے اور ثابت ہے یہ عبارت:

العرس من مستحسنات المتأخرين ماثبت بالسنة للشيخ المحدث الدهلوى۔

اور دیوبندیوں کے مولوی حاجی امداد اللہ مکی نے "ہفت مسئلہ" میں اس کے جواز پر بات کی ہے اور دیوبندیوں کے مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب بھی عرس کو جائز مانتے تھے۔[1]

فتاویٰ رشیدیہ میں لکھتے ہیں:

بہت اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں، مجلس عرس و مولود بھی ایسا ہی ہے۔ اہل عرب سے معلوم ہوا ہے کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے منایا کرتے تھے، خاص کر علمائے مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عرس کرتے رہے۔ غرضیکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء و صلحاء خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں، جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے، عقل بھی چاہتی ہے کہ عرسِ بزرگان بھی عمدہ چیز ہے۔ اولاً تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ و خیرات کا مجموعہ ہے۔ زیارتِ قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت۔ دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟[2]

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "قرۃ العیون الناظرہ" میں لکھتے ہیں کہ حضرت شیخ صاحب ربیع الثانی کے گیارہویں دن حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے نام صدقہ کرتے تھے تو اس

---

[1] (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، کتاب البدعات، ص ۹۲)

[2] (فتاویٰ رشیدیہ، ج ۱، کتاب البدعات، ص ۹۲)

صدقہ نے شہرت پائی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام سے منسوب ہوا (یعنی غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی گیارہویں شریف)۔

ایک اور کہاوت بھی ہے کہ غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک بڑھیا کے بیٹے کی بارات کو جو دریائے راوی / سندھ میں بارہ سال گزرے ہوئے غرقاب تھی، اللہ کے حکم سے بذریعہ کرامات وخرق عادت عطیۂ خداوندی تمام اہل بارات کو زندہ نکالا، تو اس بڑھیا نے صدقہ دیا، آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے نام اور جب وہ آتا تو وہ اسی طرح صدقہ دیتی، اسی وجہ سے یہ صدقہ گیارہویں غوث الاعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور ہوا۔ **واللہ اعلم** یہ حکایت سلطان الاذکار فی مناقب غوث الابرار میں ہے۔[1]

وبہ نختم الرسالۃ المسماۃ "بالاستحباب الصدقۃ فی الایام الثلٰثۃ"

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ ونور عرشہ محمد وآلہٖ واصحابہٖ اجمعین

اثبات قرأۃ تبارک الذی

بعد عشاء لیلۃ الجمعۃ

قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ومن قرأ کل جمعۃ بعد العشاء سورۃ الملک فاذا مات قال لہ المنکر ونکیر من ربک فیقول لہ ملک اخر غیرھما لا تسألہ فانہ یقرء سورۃ الملک، اھ۔[2]

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی جمعہ کی شب نمازِ عشاء کے بعد (عادتاً) سورۃ الملک پڑھتا ہے، تو جب انتقال کرتا ہے تو قبر میں جب منکر اور نکیر اس سے

---

[1] (بحوالہ خلاصۃ القادریہ، مصنفہ شیخ شہاب الدین سہروردی، کتاب غوث الاعظم، ص ۲۷۷، مصنفہ مولانا برخوردار ملتانی، مصنف نبراس، محشی شرح عقائد النسفی)

[2] (تجھیز الجنازۃ، ص ۱۱۱، ۱۱۲)

پوچھتا ہے تمہارا رب کون ہے؟ تو ایک فرشتہ جو منکر اور نکیر کے علاوہ ہوتا ہے انہیں کہتا ہے اس سے مت پوچھو، کیونکہ یہ سورۃ الملک پڑھا کرتا تھا۔

قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم من قرأ فی کل لیلۃ الجمعۃ بعد العشاء الاخیرۃ تبارک الذی بیدہ الملک اذا مات ینزل بہ منکر ونکیر قال من ربک فقال نکیر لمنکر لاتسألہ من ربک فانہ کان یقرأ تبارک الذی بیدہ الملک، اہ۔[1]

ترجمہ: نبی علیہ السلام نے فرمایا جو کوئی ہر جمعہ کی شب نماز عشاء کے بعد تبارک الذی بیدہ الملک پڑھے جب مرتا ہے اور اُس پر منکر اور نکیر نازل ہوتے ہیں اور اس سے پوچھ لیتے ہیں تمہارا رب کون ہے؟ تو نکیر منکر سے کہتا ہے کہ اُس سے اس قول من ربک کا سوال مت کرو کیونکہ یہ دنیا میں سورۃ الملک پڑھا کرتا تھا۔

وفی خزانۃ الروایات من دستور القضاۃ لعون بن رشید الترمذی اقول لا منافاۃ بین ھذا الحدیث وماقبلہ لامکان قول لاتسألہ من ربک من نکیر وملک أخر غیرھما کلھما۔

مولوی شائستہ گل صاحب نے فرمایا کہ حدیث اول اور دوم کے مابین منافات (اختلاف، ضد) نہیں بوجہ امکان اس قول لاتسألہ من ربک نکیر کا مَلَکِ آخر سے۔

ولایدع ھذہ قرأۃ ھذہ الخمسۃ الی قولہ یٰسٓ وسجدۃ ولقمان ودخان وسورۃ الملک فی لیلۃ الجمعۃ ففیہ فضل کثیر، اہ۔[2]

ترجمہ: اور مؤمن ان سورتوں یٰسٓ، سجدہ، لقمان، دخان اور سورۃ الملک کی قرأت جمعہ کی رات نہیں چھوڑتا، کیونکہ اس میں بہت فضیلت اور بہتری ہے۔

وان لم یصل ولایدع ھذہ السور او بعضھا قبل النوم، الخ۔[1]

---

[1] (جواھر النفیس، فصل احوال المیت، ص ۲۰۴ ودستور القضاۃ، ص ۴۸)

[2] (احیاء العلوم، ص ۱۱۸، اعلام المؤمنین لمولوی سید احمد شاہ)

ترجمہ: اور اگر مؤمن یا مسلم نے نماز نہیں پڑھی تو بھی نہ چھوڑے ان سورتوں کی قرأت یا بعض ان سورتوں کی قرأت (یعنی ان سورتوں کی قرأت یاان میں سے بعض کی قرأت نہ چھوڑے) سونے سے پہلے۔یعنی ان سورتوں میں سے بعض کی قرأت کرکے سوئے۔

لا تدع هذه السورة ليلة الجمعة لان فيها فضلا كثيرا ومن لم يحسن ذلك فليكثر قراءةسورةالإخلاص والصلوٰةعلى النبى صلى الله تعالىٰ عليه وآلهٖ واصحابهٖ وسلم، اه۔[2]

ترجمہ: جمعہ کی شب اس سورت کو نہ چھوڑیئے کیونکہ اس کے پڑھنے میں بہت بڑی فضیلت ہے اور یہ یاد نہ ہو تو سورۃ الاخلاص کی کثرت سے قرأت کرے اور کثرت سے نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر درود بھیجے، وجہ یہ ہے کہ سُننے کا ثواب پڑھنے کے ثواب سے نسبتاً زیادہ ہے۔

اس بارے میں دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ (الأعراف ۲۰۴)

ترجمہ: اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے کان لگا کر سنو اور خاموش رہو کہ تم پر رحم ہو۔

المستمع يادى فرضين هو هما الاستماع و الانصات، اه۔[3]

ترجمہ: سننے والا دو فرائض ادا کرتا ہے ایک سننا اور دوسرا خاموش رہنا۔

صاحبِ کتاب فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ قاری نفل ادا کرتا ہے۔

ولذا قالوا استماعه أثوب من تلاوته۔[4]

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ قرآن کو سننا تلاوت کے مقابلے میں زیادہ ثواب رکھتا ہے۔

---

[1](احیاءالعلوم، ص ۱۸۷)

[2](البدایۃ لمحمد الغزالی، ص ۴۸)

[3](روح البیان، سورۃ لم یکن، ج ۴، ص ۴۹۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۵۷ اقول والقاری یودی النفل)

[4](روح البیان، ج ۴، ص ۴۹۹، خزینۃ الاسرار، ص ۱۱ ۵)

عن ابن عباس رضی اللّٰہ تعالیٰ عنھما عن النبی صلی اللّٰہ تعالیٰ علیه و آلہٖ و اصحابہٖ و سلم انه قال الداعی و المؤمن فی الاجر شریکان و العالم و المتعلم فی الاجر شریکان کذا فی الجامع الصغیر، اہ۔[1]

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے اور وہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ دعا مانگنے والا اور آمین کہنے والا دونوں اجر میں شریک ہیں اور تلاوت کرنے والا اور سننے والا دونوں اجر میں شریک ہیں اور عالم اور متعلم دونوں اجر میں شریک ہیں۔ ایسا جامع الصغیر اور خزینۃ الاسرار میں ہے۔

و ذلک لان اللّٰہ تعالیٰ امر باستماع القرآن و الانصات عند قرأۃ القرآن مطلقا سواء کان فی الصلوٰۃ او فی غیرھا، اہ۔[2]

اور دعا مانگنے والے اور آمین کہنے والے کی شراکت کا مذکور، تلاوت کرنے والے اور سننے والے یا عالم اور متعلم کی شراکت ثواب کا مذکور اسی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن سننے اور چپ رہنے کا حکم دیا ہے کہ مطلقاً قرآن پاک کی تلاوت سنی جائے اور اس دوران خاموش رہا جائے، خواہ قرأت قرآن نماز پڑھنے کے دوران ہو یا بغیر نماز کے۔

و من السنة أن یستمع القرآن أحیاناً من الغیر. و کان علیه السلام یستمع قراءة أبيّ و ابن مسعود رضي الله عنهما۔[3]

---

[1] (خزینۃ الاسرار، ص ۵۲)
[2] (تفسیر احمدی، ص ۲۸۰)
[3] (روح البیان، ص ۱۱۳، ص ۴۹۹)

اور سنت میں بعض یہ ہے کہ تلاوت قرآن کبھی کبھی دوسروں سے سنی جائے اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ابی نام کے صحابی اور عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے تلاوتِ قرآن سنا کرتے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ: «اقْرَأْ عَلَيَّ». قُلْتُ: أَقْرَأُ عَلَيْکَ وَعَلَيْکَ أُنْزِلَ؟ قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي». فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ حَتَّى أَتَيْتُ إِلَى هَذِهِ الْآيَةِ (فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدا) قَالَ: حَسْبُکَ الْآنَ. فَالْتَفَتُّ إِلَيْهِ فَإِذَا عَيْنَاهُ تَذْرِفَانِ۔ (متفق علیہ)[1]

متفق علیہ کا معنی یہ ہے کہ یہ حدیث مبارکہ بخاری اور مسلم شریف دونوں میں ذکر کی گئی ہے۔

عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے دریں حال کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم منبر پر تشریف فرماتھے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے مجھ سے تلاوت قرآن کرائی تو میں نے کہا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر قرآن پاک کی تلاوت کروں اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر قرآن نازل فرمایا اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم مجھ سے زیادہ قرآن سمجھتے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا بے شک میں اوروں سے قرآن کی تلاوت سننا پسند کرتا ہوں پس میں سورۃ النساء پڑھتے اس آیت تک پہنچا فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِکَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدا آخر تک تو سردار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا اب آپ بس کریں، مزید تلاوت نہ کریں۔ تو عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۸۲)

طرف دیکھا تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی چشمان مبارک سے اس آیت کے سننے آنسو نکلے ہوئے تھے۔

فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا (النساء ۴۱)

ترجمہ: تو کیسی ہوگی جب ہم ہر اُمت سے ایک گواہ لائیں اور اے محبوب تمہیں ان سب پر گواہ اور نگہبان بنا کر لائیں۔

اسی وجہ سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی چشمان مبارک سے آنسو بہنے لگے۔

عَن أبي سعيد الْخُدْرِيّ قَالَ: جَلَست فِي عِصَابَةٍ مِنْ ضُعَفَاءِ الْمُهَاجِرِينَ وَإِنَّ بَعْضَهُمْ لِيَسْتَتِرُ بِبَعْضٍ مِنَ الْعُرْيِ وَقَارِئٌ يَقْرَأُ عَلَيْنَا إِذْ جَاءَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَيْنَا فَلَمَّا قَامَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَكَتَ الْقَارِئُ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ: مَا كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ؟ قُلْنَا: كُنَّا نَسْتَمِعُ إِلَى كتاب الله قَالَ فَقَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي جَعَلَ مِنْ أُمَّتِي مَنْ أُمِرْتُ أَنْ أَصْبِرَ نَفْسِي مَعَهُمْ۔[1]

ترجمہ: ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک جماعت پر آیا (میرا گزر ہوا) کہ وہ کمزور اور ضعیف مہاجرین کی تھی اور اُن میں سے بعض ایک دوسرے کے پیچھے چھپ رہے تھے، اور قاری ہم پر قرآن پاک پڑھ رہا تھا اسی وقت رسول خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم بھی تشریف لائے اور ہمارے سامنے کھڑے ہوگئے۔ جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کھڑے ہوئے تو قاری بھی چپ ہوگئے، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ہم پر سلام فرمایا اور پھر پوچھا کہ آپ کیا کر رہے تھے؟ تو صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے کہا کہ ہم کتاب اللہ کی تلاوت سماعت کر رہے تھے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ تعریف

---

[1] (ابو داؤد، مشکوٰۃ المصابیح، ص ۱۹۱)

اُس ذات کے لئے جس نے میری امت سے اٹھایاان لوگوں کو کہ مجھے حکم دیا گیاہے کہ میں بھی اپنے نفس کو ان کے ساتھ صبر پر آمادہ کرلوں۔یعنی اُن کے ساتھ مل کر تلاوتِ قرآن پاک سن لوں۔

قال رسول اللہ صلى الله عليه وسلم من استمع إلى آية من كتاب الله عز وجل كانت له نوراً يوم القيامة وفي الخبر كتب له عشر حسنات، اھ۔[1]

ترجمہ: رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ جس نے کتاب اللہ کی ایک آیت کان لگاکر سنی وہ اللہ تعالیٰ جو غالب اور بہت بڑا ہے تو آیت قیامت کے دن نور بن جائے گی اور اُس کے لئے دس نیکیاں لکھی جائیں گی۔

وقد كان صلى الله عليه وسلم يأمر من يقرأ القرآن في المسجد أن يسمع قراءته، اھ۔[2]

اور بتحقیق اس کو قرآن پاک کی تلاوت پر امر کیا جاتا تھا جو مسجد میں قرآن پاک کی تلاوت کیا کرتا۔

وكان عمر رضی الله عنه يستمع قراءة ابی موسى الاشعری رضی الله عنه۔[3]

اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے تلاوت کلام پاک سنتے تھے (یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ سے تلاوت کلام اللہ سنتے)۔

كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا اجتمعوا أمروا أحدهم أن يقرأ سورة من القرآن۔[4]

---

[1] (احیاءعلوم الدین، ج ۱، ص ۱۵۸)

[2] (الطحطاوی، ص ۱۶۴)

[3] (روح البیان، ج ۳، ص ۱۱۳)

[4] (احیاءعلوم الدین، ص ۱۵۸، روح البیان، ج ۴، ص ۵۰۰)

اور اصحاب نبی جب بھی جمع ہو جاتے تو وہ ان میں سے ایک کو ایک سورۃ قرآن تلاوت کرنے کو فرماتے۔

وکان ابن عمر یأمر من یقرأ علیه وعلی أصحابه وهم یستمعون، اھ۔[1]

ترجمہ: اور حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما اس کو جو آپ پر قرآن پاک کی تلاوت فرمایا کرتے تھے امر کرتے کہ تلاوتِ قرآن پاک کرو اور وہ سب کان لگا کر سنتے۔

ثواب الاستماع ازید من ثواب التلاوۃ للقاری اجر وللمستمع اجران لانه یستمع وینصت۔

۲۔ ویستمع باذنیه والقاری یقرء بلسان واحد۔

۳۔ والمستمع یودی الفرقان وھما الاستماع والانصات دون القاری ولھذا قالوا اتوب من تلاوته، اھ۔[2]

اور سننے کا ثواب قاری کی تلاوت سے زیادہ ہے قاری کے لئے اجرِ واحد اور سامع کے لئے اجرین (دو ثواب) کیونکہ سامع سنتا ہے اور خاموش بھی رہتا ہے۔

۲۔ سامع دو کانوں سے سنتا ہے اور قاری ایک زبان سے پڑھتا ہے۔

۳۔ سامع بیک وقت دو فرائض ادا کرتا ہے یعنی سننا ایک فرض اور خاموش اور چپ رہنا دوسرا فرض۔

اسی لئے علماء نے فرمایا کہ سننے کا ثواب زیادہ ہے پڑھنے کے ثواب سے۔

وذلک لان استماع القرآن أثوب من تلاوته، اھ۔[3]

---

[1] (طحطاوی، ص ۱۲۴)
[2] (روح البیان، ج۴، ص ۴۹۹، خزینۃ الاسرار، ص ۵۷)
[3] (روح البیان، ج۲، ص ۱۶۷، طحطاوی، ص ۱۲۴)

اور یہ ثابت ہے کہ تلاوتِ قرآن سننا زیادہ ثواب رکھتا ہے بہ نسبت تلاوت کے ثواب کے۔

ولأنه أكثر عملا وأبلغ في التدبر ونفعه متعد لإيقاظ قلوب الغافلين۔[1]

دوسری وجہ یہ کہ قرآن پاک کی تلاوت کو سننا زیادہ ثواب رکھتا ہے، عمل کی جہت سے اور یہی سماعت تلاوتِ قرآن زیادہ رسائی پانے والی ہے (ابلغ ہے) سوچ اور فکرِ انسانی میں اور سننے کی منفعت متعدی ہے۔ غافلین کے دلوں کو بیدار کرنے کے لئے۔ یعنی تلاوت قرآن سن کر اور چپ رہ کر غافلین کے دلوں کو بیدار کرنے کے لئے زیادہ ابلغ اور رسائی دار ہے۔

ومهما عظم أجر الاستماع وكان التالي هو السبب فيه كان شريكا في الأجر, اه۔[2]

جب قرآن کی تلاوت سننے کی فضیلت ہے تو سننے کا اجر بہ نسبت پڑھ کر سنانے والے سے زیادہ ہے، اس طرح دونوں تلاوت قرآن پاک کے ثواب میں شریک ہوئے۔

وكان الاستماع والانصات فى الصلوٰة فرضا وفى خارجها مستحبا عند الجمهور، اه۔[3]

جمہور علماء کے نزدیک ساری نمازوں میں تلاوت قرآن کا سننا اور چپ رہنا فرض ہے اور خارج از نماز تلاوتِ قرآن سننا مستحب امر ہے۔

ولو قرأ واحد واستمع الباقون فهو أولى۔[4]

اگر قرآن شریف کی تلاوت ایک فرد کرتا اور باقی سنتے پس یہی بہت بہتر ہے۔

فإذا قرأ المؤذن واستمع الحاضرون كانوا كأنهم قرأوا جميعاً۔[5]

---

[1] (طحطاوی، ص ۱۷۴)
[2] (احیاء العلوم، ج ۱، ص ۱۵۸)
[3] (روح البیان، ج ۱، ص ۱۱۳، ج ۴، ص ۴۹۹)
[4] (روح البیان، ج ۲، ص ۴۱۲)
[5] (روح البیان، ج ۴، ص ۱۶۷)

پس جس وقت مؤذن نے قرأت پڑھ لی اور حاضرین نے کان لگا کر سنی تو گویا سب نے قرأت کی۔

فما یفعل البعض فی ھذا الزمان من اخفاء آیة الکرسی فی بعض الجوامع و المجامع لیس علی ماینبغی و ذلک لان فی القوم من ھو امی لا یحسن قراءۃ الآیۃ المذکورۃ فاللائق ان یجھر بھا المؤذن لینال المستمعون ثواب التلاوۃ بل ازید و ھو ظاھر علی ارباب الانصاف ولا یخرج عن ھذا الحد الا اصحاب الاعتساف۔[1]

پس وہ کچھ جو فی زمانہ کرے ہیں لوگ وہ آیت الکرسی کا خاموشی سے پڑھنا ہے، بعض مقامات پر جہاں لوگ جمع ہوتے ہیں اور بعض مجمعوں میں یہ چیز اُس طریقہ پر بناء نہیں رکھتی جو اس کے لئے مناسب ہے اور وجہ اس کی یہ ہے کہ قوم وہ قوم نہیں جو اس پر قادر ہوتی بلکہ اُمی ہے کہ آیت مذکورہ صحیح طریقہ سے پڑھے۔

فقیہہ صاحب نے فرمایا کہ مؤن آیت مذکورہ بالجہر پڑھے تا کہ سامعین اس آیت کی تلاوت میں شامل ہو سکیں بلکہ اس سے زیادہ ثواب میں۔ اور یہ بات اہل انصاف پر عیاں ہے اور اس تنازعے سے اصل تعسف نہیں نکلتے۔

وینبغی ان یکون لذۃ العارف باستماع القرآن فوق جمیع المتلذات، اھ۔[2]

اور مناسب یہ ہے کہ سماعت قرآن کے ذریعے عارف کی لذت، ذائقہ اور مزہ تمام لذتوں سے زیادہ ہو۔

---

[1] (روح البیان، ج۲، ص ۴۷۹، ج۴، ص۱۶۷، الحموی، ص ۲۰۹، الکبیری، ص۴۲۷، الطحطاوی، ص ۱۷۴)

[2] (قطب الارشاد، ص ۲۵۲)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ، جلد پنجم میں ہے:

ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ پڑھنے کا بیان

بعض علماء میت کے ایصال ثواب کے لئے کلمہ طیبہ کے ختم کرنے کو ناجائز کہتے ہیں۔ حالانکہ ختم کلمہ طیبہ میت کے لئے باعثِ اُنس اور سببِ مغفرت ہے۔ حضرت علامہ علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک واقعہ مرقاۃ شرح مشکوۃ [1] اول حدیث کی تشریح میں نقل فرمایا ہے: شیخ محی الدین ابن عربی نے کہا کہ مجھے حضور ﷺ کی یہ حدیث پہنچی ہے کہ جس نے ستر ہزار مرتبہ لا الہ الا اللہ کہا اس کی بخشش کر دی جائے گی، اور جس کو اس کا ثواب بخش دیا جائے اس کی بھی مغفرت کر دی جائے گی۔ میں نے ستر ہزار مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا۔ اور میں نے کسی کو اس کا ثواب بخشنے کی نیت نہ کی تھی۔ اتفاقاً میں ایک دعوت میں شریک ہوا اس میں ایک نوجوان جس کو کشف کا درجہ حاصل تھا، شریک تھا۔ اچانک وہ کھانے کے درمیان میں رونے لگا۔ میں نے اس کے رونے کی وجہ دریافت کی، اس نے کہا کہ میں نے اپنی ماں کو عذاب میں گرفتار دیکھا ہے۔ میں نے دل ہی دل میں ستر ہزار کلمہ طیبہ کا ثواب اس کی ماں کو بخش دیا۔ وہ نوجوان ہنسنے لگا۔ اور کہنے لگا، کہ اب میں اپنی ماں کو اچھے حال میں دیکھ رہا ہوں۔ ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی صحت کو اس نوجوان کے کشف سے جان لیا اور اس کے کشف کو حدیث کی صحت سے جان لیا۔ [2]

یہی واقعہ منیۃ المصلی مع التعلیق المجلی للفقیہ المحدث علامہ وصی احمد السورتی میں بھی لکھا ہے:

كما قال الشيخ محى الدين بن العربى انه بلغنى عن النبى ﷺ انه قال من قال لا اله الا الله سبعين الفاً غفر الله تعالىٰ له و من قيل له غفر له ايضا فكنت ذكرت التهليلة بالعدد المروى

---

[1] (صفحہ ۹۸ جلد ۳ مکتبہ امدادیہ، باب ما علی المأموم من المتابعت و حکم المسبوق، الفصل الثانی)

[2] (صفحہ ۹۸ جلد ۳)

من غیران انوی لاحد بالخصوص فحضرت مع بعض الاصحاب وفیهم شباب مشهور بالکشف فاذا ھو فی اثناء الاکل اظھر البکاء فسألته عن السبب فقال اری امی فی العذاب فوھبت فی باطنی ثواب التھلیلۃ المذکورۃ فضحک وقال انی اراھا الآن فی حسن المآب فقال الشیخ فعرفت صحۃ الحدیث بصحۃ کشفہ وصحۃ کشفہ بصحۃ الحدیث انتھی۔[1]

خود علماء دیوبند کے "استاذ الکل" مولوی قاسم نانوتوی نے بھی تحذیر الناس میں ایسا ہی ایک واقعہ یوں نقل کیا ہے: حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے کسی ایک مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہو گیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروئے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں، حضرت جنید نے ایک لاکھ یا پچھتر ہزار مرتبہ کلمہ شریف پڑھا تھا یوں سمجھ کر کہ بعض روایتوں میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدۂ مغفرت ہے، اپنے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ کی، مگر بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے پھر سبب پوچھا اس نے عرض کیا کہ اب اپنی والدہ کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ سو آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی اور حدیث کی صحت اس کے مکاشفہ سے ہوئی۔[2]

(العطایا السیفیۃ فی فتاویٰ النقشبندیۃ، حصہ پنجم)

---

[1] (ص ۲۱۷)
[2] (از تحذیر الناس ص ۳۴)

مکتوب نمبر ۱۰۵

[حکیم عبد القادر کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ بیمار جب تک تندرست نہ ہو اسے کوئی غذا بھی فائدہ نہیں دیتی۔ اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

چونکہ اطباء کے نزدیک یہ بات طے شدہ ہے کہ بیمار جب تک تندرست نہ ہو کوئی غذا بھی اسے فائدہ نہیں دیتی، چاہے مرغ مسمن ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ ایسی غذا اس کے مرض کو اور بڑھا دیتی ہے۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود

ترجمہ: جس چیز کو بیمار اختیار کرے گا وہ بھی بیمار ہو جائے گی۔

لہٰذا پہلے بیمار کے مرض کا ازالہ کرتے ہیں، اس کے بعد آہستہ آہستہ مناسب غذاؤں کے ذریعہ اسے اصلی قوت وطاقت کی طرف لاتے ہیں۔ پس انسان جب تک مرضِ قلبی میں مبتلا ہے فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ (ان کے دلوں میں مرض ہے) کوئی عبادت وطاعت اس کے لئے نفع مند نہیں بلکہ مضر ہے۔

ربَّ تالٍ للقرآن والقرآنُ یلعنُہُ۔

ترجمہ: بہت سے قرآن مجید کی تلاوت کرنے والے ایسے ہیں کہ قرآن اُن پر لعنت کرتا ہے۔[1]

حدیثِ مشہور ہے۔ اور:

رُبَّ صَائِمٍ لَیْسَ لَهُ مِنْ صِیَامِهِ إِلاَّ الْجُوعُ وَالظَّمَاءُ۔

ترجمہ: بہت سے روزے دار ایسے ہیں جنہیں روزے سے سوا بھوک اور پیاس کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔[2]

---

[1] (فیض الباری علی صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۱۶)

[2] (سنن ابن ماجه، ج ۲، ص ۵۹۱، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

حدیثِ صحیح ہے۔]

تشریح

انسان کو لگنے والی بیماریاں دو قسم کی ہیں۔ ایک ظاہری بیماری جس کا تعلق انسان کے جسم اور اس کے بقیہ اعضاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ دوسری باطنی بیماری جس کا تعلق روح کے ساتھ ہے۔ پہلی بیماری کے علاج کے لئے علم الابدان درکار ہے اور دوسری بیماری کے لئے علم الادیان۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قول ہے کہ:

العلم علمان علم الأبدان وعلم الأديان۔

ترجمہ: علم دو طرح کے ہیں، ایک جسموں کا علم (جسے علمِ طب کہتے ہیں) اور دوسرا دین کا علم (جسے شریعت کا علم کہتے ہیں)۔[1]

بیماری چاہے ظاہری ہو چاہے باطنی اس کا علاج لازم وضروری ہے۔ ظاہری بیماری دُنیاوی زندگی کا پہیہ رواں دواں رکھنے میں رکاوٹ بنتی ہے اور باطنی بیماری (جسے گناہوں کی بیماری کہا جاسکتا ہے) اُخروی زندگی کو تباہ کر دیتی ہے اور چونکہ دُنیاوی زندگی کی حیثیت اُخروی زندگی کے مقابلے میں بالکل بے حیثیت اور ناقابلِ قدر ہے، اس لئے انسان کو تمام تر توجہ باطنی بیماری کے علاج پر مرکوز رکھنی چاہیئے لیکن معاملہ اس کے برعکس ہے۔ لوگ ظاہری بیماری کے علاج کے لئے تو اچھے سے اچھا ڈاکٹر اور حکیم تلاش کرتے ہیں اور پھر لاکھوں روپے خرچ کر دیتے ہیں چاہے اس کے لئے قرض ہی کیوں نہ لینا پڑے، لیکن باطنی امراض کے علاج کی طرف دھیان تک نہیں دیتے۔ اور اگر کسی کو اس طرف

---

[1] (حلیة الاولیاء وطبقات الاصفیاء، ج ۹، ص ۱۴۲، دار الکتاب العربي-بیروت)

خیال ناقص آ بھی جائے تو علاجِ باطنی کرنے والے حکیم (شیخ و مُرشد) کی قابلیت کو نہیں پرکھتے، یہی وجہ ہے کہ ان کی باطنی حالت میں تبدیلی نہیں آتی۔

بیماری کیسی ہی ہو اس کے علاج کے لئے محققین اطباء کرام نے اصول و قوانین مرتب کئے ہیں۔ اگر ان قوانین اور اصولوں کو مد نظر رکھا جائے تو شفاء لازمی و یقینی ہو جاتی ہے، لیکن شفاء کو منجانب اللہ ہونے کا عقیدہ رکھنا بھی ضروری ہے۔

بیماری کے علاج کا کُلیہ اور فارمولہ یا اصول یہ ہے کہ طبیبِ حاذق، مریض کی بیماری کا پتہ لگانے کے لئے صحیح تشخیص کرے تاکہ معلوم ہو جائے کہ بدنِ انسانی کے کس حصے میں نقص پیدا ہوا ہے، جس کی وجہ سے بیماری نے یہ تکلیف ظاہر کی ہے۔ جب بیماری کا پتہ چل جائے تو پہلے اُس بیماری پر توجہ دی جائے اور اس کا شافی علاج کیا جائے اور دورانِ علاج مقوی دواؤں سے پرہیز کیا جائے۔ جب معلوم ہو کہ بدنِ انسانی میں بیماری کے جراثیم ختم ہو چکے ہیں تو پھر بیماری سے طاری ہونے والے ضعف کا علاج مقوی دواؤں کے ساتھ کیا جائے۔

اس طریقے سے ہونے والا علاج مکمل علاج ہوگا اور مریض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل سے صحت مند ہو گا اور بیماری عود نہیں کرے گی، لیکن اگر خدانخواستہ کسی ناقص وناتجربہ کار حکیم سے پالا پڑ گیا یا مندرجہ بالا طریقۂ علاج اختیار نہ کیا گیا تو فائدے کی بجائے اُلٹا نقصان ہو گا اور وقت کا ضیاع الگ ہو گا۔

اب اسی اصول و قانون کو باطنی امراض کے علاج پر لاگو کرتے ہیں کیونکہ دونوں بیماریوں کا طریقۂ علاج یکساں ہے۔ جب باطنی امراض رکھنے والا (یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی معصیت ونافرمانی کا حامل) اپنے باطنی علاج کے لئے ایک مستند حکیم (یعنی کامل شیخ) کے پاس جائے تو شیخ کو چاہیئے کہ سب

سے پہلے نُورِ فراست سے اس کی بیماری کی تشخیص کرے، اور فوری طور پر مقویٔ باطن اعمال سے روک دے (مقویٔ باطن اعمال سے مراد فرائض وواجبات اور سُنن مؤکدہ نہیں بلکہ ان کے علاوہ نفلی امور مراد ہیں)۔ پھر بیماری کا علاج کرنے کے لئے توجہات سے کام لے اور اس کے عقائد واعمال کے سلسلے میں صحیح سمت میں اس کی رہنمائی کرے۔ نیز مشائخ کبار کی تعلیمات کے مطابق اذکار دے اور ہر محفل و مجلس میں اس کے اندر نیک اعمال کا شوق اور گناہوں سے پرہیز و نفرت کرنے لئے وعظ ونصیحت کرے۔ جب شیخ دیکھ لے کہ اب باطنی امراض کا مریض (یعنی مُرید) صحت یاب ہو چکا ہے اور اسے گناہوں سے نفرت پیدا ہو چکی ہے، نیز اس کے باطن میں گناہوں سے متاثر ہونے والے اجزاء (یعنی لطائفِ عشرہ) مصفی ومزکی ہو چکے ہیں تو اب اس کے باطن کو قوت وطاقت دینے والے اعمال کی ترغیب دے اور قوت وطاقت دینے والے اعمال سے مراد عباداتِ نافلہ اور تلاوتِ کلامِ پاک ہے۔

اگر اس اصول کے ساتھ کام لیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ مریض کے ظاہری وباطنی امراض دور نہ ہوں، لیکن اس طریقۂ علاج کو ترک کر دیا گیا ہے۔ اب حکماءِ ظاہر وباطن مریض کو خوش کرنے میں لگے ہیں اور وہ جو دوا بھی مانگتا ہے اسے وہی عنایت کر دیتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ اس دوا سے اسے فائدہ نہیں، نقصان ہو گا۔ اور نقصان ہو رہا ہے۔

میرے پاس آنے والی خلق خدا کی اکثریت دُنیا کا رونا رونے آتی ہے۔ بہت ہی کم لوگ ہیں جو اصلاحِ باطن کی نیت سے آتے ہیں اور جب میں انہیں اس طریقۂ علاج کی طرف متوجہ کرتا ہوں تو حیرانگی کا اظہار کرتے ہیں۔ لیکن تجربہ اور حالات وواقعات شاہد ہیں کہ اس طریقۂ علاج کی بدولت

سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں مریضوں کو حکیمِ مطلق یعنی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے شفاء باطنی عنایت فرمادی ہے۔

نفلی اُمور اور تلاوتِ قرآن عظیم الشان بے شک وشبہ انسان کو قُربِ الٰہی کی دولت سے مستفید کرتے ہیں، تاہم ان کی ادائیگی سے قبل بھی کچھ ضروری اُمور ہیں اور وہ فرائض وواجبات اور سُنتِ مؤکدہ کی ادائیگی نیز حرام ومکروہ اُمور سے قطعًا پرہیز ہے۔ جو شخص گناہِ کبیرہ میں ملوث ہو اور فرائض کی تعمیل نہ کرے، نیز ذکرِ کثیر جس کا قرآن عظیم الشان میں بے شمار جگہوں پر حکم ہوا ہے، عمل نہ کرے گا، تو نوافل اس کے باطن کو سدھارنے میں ممدو ومعاون نہیں بنیں گے۔ اور وہ جو نوافل کی ادائیگی سے قُرب الٰہی کی منازل کا طے ہونا مذکور ہوا ہے اور ان کی برکت سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ہاتھ اور آنکھ بننے کا ذکر ہے وہ، نوافل کا وہی درجہ ہے جو فرائض وواجبات کی ادائیگی کے بعد آتا ہے آغاز سے ان پر عمل درآمد علاج سے قبل مقوی دواؤں کے استعمال والی بات ہے۔

[قلبی امراض کے حکیم (مشائخ کرام) بھی پہلے مرض کے ازالے کا حکم دیتے ہیں۔ اور مرضِ قلبی دل کے غیرِ خدا کے ساتھ گرفتار ہونے کا نام ہے۔ بلکہ غیرِ حق کے ساتھ گرفتاری اپنی ذات کے ساتھ گرفتاری ہے۔ کیونکہ ہر شخص جو کچھ چاہتا ہے اپنی ذات کے لئے چاہتا ہے، اگر اولاد سے دوستی کرتا ہے تو اپنی ذات کے لئے دوستی کرتا ہے۔ اسی طرح مال ودولت اور سرداری اور مرتبے کی محبت سب کچھ اپنی ذات کے لئے ہے۔ پس فی الحقیقت اس کا معبود اس کی خواہشِ نفس ہے جب تک اس گرفتاری سے خلاصی نصیب نہ ہو۔ نجات کی اُمید بہت دور کی بات ہے۔ اس لئے عقلمند علماء اور صاحبِ دانش حکماء پر اس مرض کے ازالے کی فکر کرنا ضروری ہے۔

درخانہ اگر کس ست یک حرف بس ست

ترجمہ: اگر گھر میں کوئی ہے تو ایک ہی کلمہ کافی ہے۔]

تشریح

عوام نے اپنی سوچ کا رُخ تبدیل کر لیا ہے بلکہ ان کی سوچ کا رُخ اور انداز تبدیل کر دیا گیا ہے اور اس کام میں علماء سوء کا بڑا کردار ہے، نیز عقائد و فقہ سے نابلد اُن پیروں کا بڑا دخل ہے جو تصوف کی الف وبا سے بھی واقف نہیں، لیکن اپنے آپ کو پیر و مُرشد ظاہر کئے بیٹھے ہیں۔ یہ علمِ نجوم اور حساب و کتاب کے عملیات کے ماہر ہیں، دولت و دُنیا کے پجاری یا گھریلو پریشانیوں کے ستائے ہوئے جب ان کے پاس پہنچتے ہیں تو یہ دشمنانِ خدا انہیں نماز وروزہ کی تعلیمات دینے اور گناہوں سے اجتناب کرنے کی ہدایت کی بجائے اُن پر جادو ٹونے اور جنات کے اثرات کا خوف طاری کر دیتے ہیں۔ لیکن وہ جادو اور جنات سے لوگوں کو اگر مرعوب نہیں کریں گے تو عوام سے پیسے کیسے نکالیں گے۔۔۔۔؟ اور شاباش ہے لوگوں کو بھی جو عید الاضحیٰ پر صرف دس ہزار روپے سے قربانی کا واجب تو ادا نہیں کرتے لیکن جنات نکالنے والے دھوکہ باز کو بیس ہزار روپے خوشی سے دے آتے ہیں اگر قرآن عظیم الشان پر ان کا عقیدہ اور یقین ہوتا تو معوذتین کی تلاوت اور آیت الکرسی پڑھنے سے ہی اس معاملے کو حل کر لیتے۔

گھروں کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں، نماز نہیں پڑھتیں، ٹی وی اور کیبل کے فحش ڈراموں کو ترک نہیں کرتیں، خاوند جو کہ اُن کے مجازی خدا ہیں ان کی تابعداری نہیں کرتیں اور بچوں کو نماز و تلاوتِ قرآن عظیم الشان کی ترغیب نہیں دیتیں اور گھر کی دوسری ماؤں بہنوں کے ساتھ اتفاق سے نہیں رہتیں اور جب ان اُمور کی وجہ سے گھروں سے برکت اُٹھ جاتی ہے تو اسے جادو ٹونے اور جنات وسائے کا اثر سمجھ لیتی ہیں اور حساب کتاب کرنے والوں اور نجومیوں کی طرف دوڑ پڑتی ہیں اور

خاوندوں کی کمائی کو ان پر بے دریغ لٹانے لگتی ہیں اور اوپر سے مزید غیر شرعی اُمور کی مرتکب ہوتی ہیں۔ انہیں کون سمجھائے کہ آپ جس طریقے کو مسائل کا حل اور علاج سمجھ رہی ہیں وہ علاج نہیں بلکہ آپ کی بیماری میں مزید اضافہ کر رہا ہے۔ اگر مشکلات سے نجات پانی ہے تو اپنے گناہوں پر کثرت سے استغفار کریں، نماز کو معمول بنائیں، بچوں کی تربیت شرع کے مطابق کریں اور گھر کے افراد کے ساتھ مل جُل کر پیار و محبت سے زندگی گزاریں تو نہ جادو کا اثر رہے نہ جنات کا سایہ۔

ہمارے آقا و مولیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے جہاں اُمت کا دیگر اُمور میں خیال رکھا ہے وہیں جنات سے بھی وعدہ کر لیا ہے کہ تم میری اُمت کے گھروں میں نہیں جاؤ گے اور انہیں تنگ نہیں کرو گے۔ اس لئے جنات اپنے وعدہ کے مطابق حتی الوسع گھروں کا رُخ نہیں کرتے اور اگر بالفرض کسی گھر میں ان کے اثرات نظر آئیں ان کو پر یقین و توکل سے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ "اے گروہِ جنات تم نے ہمارے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ جو وعدہ کیا تھا اُس کی پاسداری کرو اور ہمارے گھروں سے چلے جاؤ" تو جنات اسی بات سے وہ جگہ چھوڑ دیتے ہیں۔ لیکن بات یقین اور عمل کی ہے جو لوگوں نے خود کرنا ہے۔

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب تک سالک کا قلب ماسویٰ اللہ کی گرفتاری و محبت سے آزاد و بے زار نہیں ہو جاتا کوئی عبادت وطاعت اس کے لئے فائدہ بخش نہیں بلکہ نقصان دہ ہے۔ جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات:

رُبَّ صَائِمٍ لَيْسَ لَهُ مِنْ صِيَامِهِ إِلاَّ الْجُوعُ۔[1] اور ربَّ تالٍ للقرآن والقرآنُ یلعنهُ۔[2] سے واضح ہے۔ اسی کو قلبِ سقیم کہا جاتا ہے اور جس سالک وعارف کا قلب ہر قسم کے قلبی امراض اور روحانی آفات سے محفوظ اور ماسوی اللہ کی گرفتاری سے آزاد ہو اسے قلبِ سلیم کہا جاتا ہے۔ آیت کریمہ: يَوْمَ لَا يَنْفَعُ مَالٌ وَلَا بَنُونَ (٨٨) إِلَّا مَنْ أَتَى اللَّهَ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ (الشعراء ٨٩) میں قلب سلیم کا ہی ذکر ہے۔ صاحبِ قلب سلیم ہی تصفیہ قلب اور تزکیۂ نفس کی نعمتِ عظمٰی سے سرفراز اور حقیقت ایمان سے سرشار ہونے کی بناء پر شریک زمرۂ لَا يَحْزَنُوْن کی نوید جانفزا سے شام کام ہوتا ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ٦٢) سے واضح ہے۔

یہی وہ مردانِ خدا ہیں کہ جن کی ہر ہر ادا ذوق افزا اور ہر ہر عشوہ دلربا ہوتا ہے۔ ان کا ایک ایک لمحہ باخدا اور ایک ایک جملہ معرفت آشنا ہوتا ہے۔ ان کی صحبت سالکین کے لئے نعمت غیر مترقبہ اور ان کی مجلس عاشقین کے لئے وصل یار کی نوید جانفزا ہوا کرتی ہے۔ ان کی نگاہ روحانی امراض کے لئے دواء، ان کا کلام قلبی آفات کے لئے شفاء اور ان کا ہر ہر سخن چہرۂ حقیقت کے لئے نقاب کشا ہوتا ہے۔

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

صحبت مجلس پیر میرے دی بہتر نفل نمازوں
اک اک سخن شریف اوہناں دا محرم کردا رازوں

---

[1] (سنن ابن ماجه، ج ٢، ص ١ ٥ ٩، الناشر: مكتبة أبي المعاطي)

[2] (فیض الباری علی صحیح البخاری، ج ١، ص ٦ ١ ٢)

صاحبِ قلب سلیم اور صاحبِ قلب سقیم کے درمیان تفریق وامتیاز کرتے ہوئے مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کیا خوب فرمایا:

این خورد گردد پلیدی زیں جدا	وآن خورد گردد ہمہ نور خدا
این خورد زاید ہمہ بخل وحسد	وآن خورد زاید ہمہ عشق خدا

بینہ

واضح رہے کہ صفراوی مزاج شخص کو جس طرح شیریں اشیاء کڑوی محسوس ہوتی اور اَحول (بھینگے) کو ایک کی بجائے دو نظر آتے ہیں، وہ اپنے مرض اور نقص کی وجہ سے معذور ہیں اس لئے انہیں مٹھاس اور چیز کے ایک ہونے کے دلائل کے ذریعے قائل کرنے کی بجائے اس کی بیماری ونقص کا علاج کرنا چاہیئے کیونکہ استدلال کا میدان بہت تنگ ہے۔ دانا اور عقلمند حکیم پہلے ان کے امراض کا علاج کرتا ہے ایسے ہی شیخ کامل سالک کے قلب سے پہلے دنیوی محبتوں اور نفسانی خواہشوں کی بیخ کنی کرتا ہے تاکہ وہ حقیقت یقین وایمان اور تزکیۂ نفس واطمینان کی دولت سے سرفراز ہو جائے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۰۱تا۳۰۳)

مکتوب نمبر ۱۰۶

[محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ اس گروہِ اولیاء اللہ کی محبت جو ان کی معرفت و پہچان پر مرتب ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔

آپ کا مکتوبِ مرغوب جس سے فرطِ محبت اور کمالِ دوستی کا اظہار ہوتا تھا، موصول ہوا۔ لِلّٰہِ سُبْحَانَہُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّۃُ عَلٰی ذٰلِکَ (اس حالت کے نصیب ہونے پر اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان)۔

اس گروہ کی محبت جو ان کی پہچان پر مرتب ہوتی ہے، خداوند تعالیٰ جل سلطانہٗ کی عظیم نعمتوں میں سے ہے۔ دیکھیں کس صاحبِ قسمت کو اس نعمت سے مشرف فرماتے ہیں۔

شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"الٰہی! تو نے اپنے دوستوں کو کیا کر دیا ہے کہ جس نے انہیں شناخت کر لیا تجھے پالیا اور جب تک تجھے شناخت نہ کر سکا انہیں بھی نہ پا سکا"۔

اس گروہ کے ساتھ بغض و عناد زہرِ قاتل ہے۔ اور ان پر اعتراض اور نکتہ چینی اَبدی محرومی کا موجب ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اور تمہیں اس ابتلا اور آزمائش سے نجات دے۔

شیخ الاسلام مذکور نے فرمایا ہے:

"الٰہی! تو جسے مردودِ بارگاہ کرنا چاہتا ہے اسے ہم سے الجھا دیتا ہے"۔

بے عنایاتِ حق و خاصانِ حق
گر ملک باشد سیاہ ہستش ورق

ترجمہ: حق تعالیٰ اور خاصانِ حق تعالیٰ کی عنایات اور مہربانیوں کے بغیر کوئی فرشتہ صفت بھی ہو تو اس کا نامہ ٔاعمال سیاہ ہی رہے گا۔

یہ رجوع اور انابت جو حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے از سر نو تمہیں عطا فرمائی ہے اسے نعمتِ عظمیٰ تصور کریں۔ اور حق سبحانہٗ سے اس پر استقامت طلب کریں۔ ہر متبع ہدایت اور مصطفٰی علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

اکثر لوگ تصوف اور اس کے مقصد و مفہوم کو ضروری خیال نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ فرائض وواجبات کو ادا کرنا ہی لازم وضروری ہے تو جب ان کو ادا کر دیا تو پھر شیخ کا وسیلہ پکڑنا اور سلسلہ ٔ طریقت میں داخل ہونا کیوں ضروری ہے اور اولیاء کرام سے تعلق استوار کرنا کیوں لازمی ہے؟

جواباً عرض ہے کہ کاملین کے ساتھ صحبت و مجلس رکھنا اور ان کے ساتھ دوستی واخلاص کا تعلق بنانا تو قرونِ اولیٰ سے چلتا آرہا ہے اور کسی بھی دور میں اس سے انکار نہیں ہوا۔ دیکھیں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے رسول حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ جن لوگوں نے صحبت و مجلس کی وہ صحابی بن گئے۔ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محافل اختیار کرنے والے تابعین اور تابعین کی مجلس میں بیٹھنے والے تبع تابعین کے درجہ کو پہنچے اور ان کے ساتھ رَبط رکھنے والے مجتہد اور اُمت کے امام بنے اور یہ سلسلہ یونہی چلتے چلتے ہم تک پہنچا ہے اور اسے تواتر کہتے ہیں اور اسی کے ذریعے سے صدرِ اول کے فیوض وبرکات آج بھی جاری وساری ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں قرآن عظیم الشان نے کہا ہے: صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ (الفاتحة۷) اور وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹) کا حکم بھی ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے تو اس گروہ کا انکار اور ان سے دوری کسی بھی

طور پر مناسب نہیں، بلکہ ان کی صحبت و محبت ہی وہ دولت ہے جس کے نتیجے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت ورضا نصیب ہوتی ہے۔

حضرت شیخ الاسلام ہروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کو نہ پہچانا وہ اولیاء اللہ کو بھی نہیں پہچان سکتا۔ بالخصوص اس آخری دور میں تو ان کی پہچان اور زیادہ مشکل ہوگئی ہے اور باطل کو حق کے ساتھ ملا دیا گیا ہے اس لئے تمیز کرنا بہت مشکل ہو چکا ہے۔ تو جس نے آج کے پُر فتن زمانے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کسی ولی کو پہچان لیا اُسے اُن کا دامن مضبوطی سے تھام لینا چاہیئے اور ان بزرگوں کا کسی بھی صورت میں انکار نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ ولایت اور اولیاء اللہ کا وجود خود قرآن عظیم الشان سے ثابت ہے۔ تو اولیاء اللہ کا انکار اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی آیات کا انکار ہے اور قرآن عظیم الشان کی کسی ایک آیت کا انکار بھی پورے قرآن عظیم الشان کے انکار کو مستلزم ہے اور قرآن عظیم الشان کا انکار صریح کفر ہے۔

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی یافت اور اہل اللہ کی شناخت باہم لازم و ملزوم ہیں اور اللہ تعالیٰ کا قرب، اہل اللہ کی معرفت و محبت پر موقوف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ، اہل اللہ کی مودت و محبت لوگوں کے قلوب میں جاگزیں فرما دیتا ہے جیسا کہ آیت کریمہ: إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَنُ وُدًّا (مریم ۹۶) سے عیاں ہے۔

اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اہل اللہ کے ساتھ محبت کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ إِذَا أَحَبَّ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَقَالَ: إِنِّي أُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبَّهُ قَالَ: فَيُحِبُّهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يُنَادِي فِي السَّمَاءِ فَيَقُولُ: إِنَّ اللهَ يُحِبُّ فُلَانًا فَأَحِبُّوهُ فَيُحِبُّهُ أَهْلُ السَّمَاءِ ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْقَبُولُ فِي الْأَرْضِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ جب اپنے کسی بندے سے محبت کرنے لگتا ہے تو سیدنا جبریل (علیہ السلام) کو فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت کر۔ تو جبریل (علیہ السلام) بھی اس سے محبت کرنے لگتے ہیں پھر آسمان والوں میں یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندے سے محبت کرتا ہے تم بھی اس سے محبت کرو پس تمام اہل سماء اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اس کے بعد زمین میں اسے مقبولیت عامہ عطا کر دی جاتی ہے۔[1]

یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کو اگرچہ ابتداء میں بڑی مزاحمتوں اور کلفتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، طرح طرح کی الزام تراشیوں اور بہتان طرازیوں کے ذریعے انہیں بدنام کرنے کی کوششیں کی جاتی ہیں، بعض اوقات ان کے خلاف طوفان بدتمیزی بھی برپا کر دیئے جاتے ہیں لیکن بالآخر ان کی دلآویز شخصیت اور بے داغ سیرت لوگوں کے قلوب کو مسخر کر لیتی اور دلوں کو موہ لیتی ہے۔ پھر بہتان طرازوں کی زبانیں ان ثناگستری میں زمزمہ سنج ہو جاتی ہیں اور مخالفین، جان نثار ووفادار ساتھی بن جاتے ہیں۔ سلاطین، بلاد وامصار کو فتح کرتے ہوئے لوگوں کی گردنوں کو تو خم کر لیتے ہیں لیکن لوگوں کے دلوں میں گھر کرنا ان کے بس کا روگ نہیں ہوتا۔ یہ انعام واکرام حق تعالیٰ نے فقط اپنے مقبول

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ص ۴۲۵)

ومحبوب بندوں کو ارزانی فرمایا ہوتا ہے کہ ان کی محبت لوگوں کو پلا دی جاتی ہے۔ اسی بناء پر لوگ جوق درجوق ان کے آستانوں اور خانقاہوں کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

کوئی تو بات ہے ساقی کے میکدے میں ضرور

کہ دور دور سے میخوار آکے پیتے ہیں

شیخ الاسلام حضرت شیخ عبد اللہ انصاری قدس سرہٗ العزیز کا مختصر تعارف

آپ میزبانِ رسول حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اولادِ امجاد میں سے ہیں۔ بروز جمعۃ المبارک ۲ شعبان المعظم ۳۹۶ھ کو متولد ہوئے۔ آپ کو بچپن ہی سے شاعری کا شوق تھا۔ شیخ الاسلام کہتے ہیں کہ میں نے اپنے اوقات کو قرآن وحدیث پڑھنے اور لکھنے میں تقسیم کیا ہوا تھا۔ کھانا کھانے کی بھی فرصت نہ ملتی تھی تو میری والدہ محترمہ اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر میرے منہ میں رکھتی جاتی تھیں اور میں لکھنے میں مشغول رہتا تھا۔ حافظہ ایسا عمدہ تھا کہ مجھے تین ہزار حدیثیں یاد ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ میں نے تحصیل علم کی ابتداء میں یہ نیت کی تھی کہ یہ تحصیل علم دنیا کے لئے نہ ہو بلکہ اللہ تعالیٰ اور سنت مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ترویج واعانت کے لئے ہو اور آج تک وہی نیت قائم ہے۔ آپ کی وفات ۹ ربیع الاول ۴۸۱ھ کو ہوئی۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ اہل اللہ کے ساتھ دشمنی وعداوت رکھنا ازلی شقاوت اور ان پر طعن وملامت کرنا قلبی قساوت کی علامت ہے جو حق تعالیٰ کے غضب وجلال کو دعوت دینا اور مطرود ومغضوب ومردود ہونے کا موجب ہے۔

---

[1] (نفحات الانس)

جیسا کہ حدیث قدسی میں ہے: مَنْ عَادَى لِي وَلِيًّا فَقَدْ آذَنْتُهُ بِالْحَرْبِ۔

یعنی جس نے میرے کسی ولی سے عداوت رکھی اسے میری طرف سے اعلان جنگ ہے۔[1]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

وَإِذَا أَبْغَضَ عَبْدًا دَعَا جِبْرِيلَ فَيَقُولُ: إِنِّي أُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضْهُ. فَيُبْغِضُهُ جِبْرِيلُ ثُمَّ يُنَادِي فِي أَهْلِ السَّمَاءِ: إِنَّ اللهَ يُبْغِضُ فُلَانًا فَأَبْغِضُوهُ. قَالَ: فَيُبْغِضُونَهُ. ثُمَّ يُوضَعُ لَهُ الْبَغْضَاءُ فِي الْأَرْضِ۔

یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض و نفرت رکھتا ہے تو جبریل (علیہ السلام) کو بلا کر فرماتا ہے کہ میں فلاں شخص سے بغض رکھتا ہوں تو بھی اس سے بغض رکھا کر۔ ارشاد فرمایا سیدنا جبریل علیہ السلام اس سے بغض رکھتے ہیں پھر آسمان والوں میں منادی کروادی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ فلاں شخص سے بغض رکھتا ہے لہٰذا تم بھی اس سے بغض رکھا کرو۔ ارشاد فرمایا وہ بھی اس سے بغض رکھنے لگ جاتے ہیں، پھر زمین میں اسے مبغوض قرار دے دیا جاتا ہے۔[2]

ایک روایت میں یوں بھی آتا ہے: إذا أبغض عبدا قذف بغضه في قلوب الملائكة ثم يقذفه في قلوب الآدميين۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے بغض رکھتا ہے تو فرشتوں کے دلوں میں اس کا بغض ڈال دیتا ہے پھر لوگوں کے دلوں میں اس کے متعلق بغض ڈال دیا جاتا ہے۔[3]

اللھم اغفر لکاتبہٖ ولمن سعی فیہ ولو الدیھم ولاساتذیھم ولاھل بیتھم اجمعین
آمین یارب العالمین بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین حضرت محمد
صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۳۰۷ تا ۳۱۱)

---

[1](مشکوٰۃ، ص۱۹۷)

[2](مشکوٰۃ، ص۴۲۵)

[3](الحبائک فی اخبار الملائک للسیوطی، ج۱، ص۵۰)

مکتوب نمبر ۱۰۷

[یہ مکتوب بھی محمد صادق کشمیری کی طرف صادر فرمایا:

ان چند جواباتِ سوالات میں جن سے بد گوئی کی بُو آتی ہے، یہ مکتوب ان فوائدِ ضروریہ پر مشتمل ہے جو اس بلند مرتبہ گروہِ اولیاء اللہ پر ایمان رکھنے میں نفع مند ہیں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اس بلند گروہ کی تصدیق اور ان پر ایمان رکھنے کی سعادت سے بہرہ ور کرے چند سوالات پر مشتمل جو مکتوب آپ نے ارسال کیا تھا، موصول ہوا۔ اگرچہ وہ سوالات جو بد گوئی اور تعصب سے آلودہ ہوں، جواب کے مستحق نہیں۔ اس کے باوجود بطورِ تنزل ان کے جوابات عرض کرتا ہے۔ اگر ایک کو نفع نہ ہو شاید دوسرے کو نفع حاصل ہو جائے۔]

تشریح

سابقہ مکتوب میں بھی بیان ہوا ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقرب وپسندیدہ بندے جنہیں عُرفِ عام میں اولیاء اللہ کہا جاتا ہے، ان کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا اور ان کا انکار نہ کرنا لازمی وضروری ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے انہیں اپنا دوست فرمایا ہے اور سعادتِ اُخروی کی خوشخبری نیز عذابِ جہنم اور خوف سے نجات کا سرٹیفیکیٹ عنایت فرمایا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (یونس ۶۲)

ترجمہ: سن لو بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔

نیز قرآن عظیم الشان نے حضرت آصف برخیا، حضرت خضر اور حضرت بی بی مریم کے واقعات و کرامات ذکر کرکے اولیاء اللہ کی طرف دلالت کی ہے تو ان قدسی صفات بزرگوں کا انکار تو کُجا، ان کے بارے میں بد گمانی کا ہونا بھی خسارے کا باعث ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الْحَدِيثِ وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَكُونُوا إِخْوَانًا وَلَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلَى خِطْبَةِ أَخِيهِ حَتَّى يَنْكِحَ أَوْ يَتْرُكَ۔

ترجمہ: بد گمانی سے بچتے رہو کہ بد گمانی سب سے جھوٹی بات ہے اور (لوگوں کے رازوں کی) کھود کرید نہ کرو اور نہ (لوگوں کی نجی گفتگوؤں کو) کان لگا کر سُنو۔ آپس میں دشمنی (یعنی عداوت اور نفرت کی وجہ سے دوسرے کی طرف سے رُوگردانی) نہ پیدا کرو۔ بلکہ بھائی بن کر رہو، اور کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام نکاح پر اپنا پیغام نہ بھیجے، یہاں تک کہ وہ نکاح کرلے یا چھوڑ دے۔[1]

تو حدیث شریف کی رو سے جب عوام سے بد گمان ہونا ممنوع ہوا تو خواص کے ساتھ بد گمانی کیسے جائز ہوگی؟

[پہلا سوال یہ تھا کہ کیا سبب ہے کہ متقدمین اولیاء سے بہت کرامات وخوارق کا ظہور ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت کے اولیاء سے کم ظاہر ہوتی ہیں؟

اگر اس سوال سے مقصود اس زمانہ کے بزرگوں کا انکار ہے کیونکہ ان سے خوارق وکرامات کا ظہور کم ہوا ہے جیسا کہ مضمونِ عبارت سے ظاہر ہوتا ہے، تو شیطان کی فریب کاریوں سے اللہ سبحانہٗ

[1] (صحیح بخاری، ج۲، ص۱۰۱، المکتبۃ الفاروقیۃ)

وتعالیٰ کی پناہ۔ خوارق وکرامات کا ظہور نہ تو ولایت کے ارکان میں سے ہے اور نہ اس کی شرائط میں سے بخلاف نبی علیہ السلام کے لئے ان کا معجزہ کہ اس کا اظہار مقامِ نبوت کی شرائط میں سے ہے۔ لیکن اولیاء اللہ سے خوارق کا ظہور عام اور شائع ہے۔ ایسا کم ہی ہوا ہے کہ کسی ولی سے ان کا ظہور نہ ہوا ہو، ہاں کثرت سے ظہورِ خوارق افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔ وہاں ایک دوسرے پر فضیلت قُربِ الٰہی جل سلطانہٗ کے درجات کے اعتبار سے ہے۔ ہو سکتا ہے کہ زیادہ قُربِ الٰہی رکھنے والے بزرگ سے خوارق کا ظہور بہت کم ہو، اور کم قُرب رکھنے والے سے ان کا ظہور زیادہ ہو۔ وہ خوارق جو اس اُمت کے بعض اولیاء سے ظاہر ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے اس کا دسواں حصہ بھی ظاہر نہیں ہوئے، حالانکہ سب سے افضل ولی ادنیٰ صحابی کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔

خورارق کے ظہور پر نظر رکھنا کوتاہ نظری ہے اور استعدادِ تقلیدی کے کم ہونے کی دلیل ہے۔ نبوت وولایت کے فیوض قبول کرنے کے لائق وہ جماعت ہے جن میں قوتِ نظری کی نسبت تقلیدی استعداد غالب ہو۔

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ استعدادِ تقلیدی کی قوت کی بنا پر حضور نبی کریم علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام کی تصدیق کرنے میں بالکل کسی دلیل کے محتاج نہ ہوئے۔ اس کے برعکس ابوجہل لعین اس استعداد میں کمی کے باعث روشن نشانات اور غالب معجزات کے کثرت کے ساتھ ظہور کے باوجود تصدیقِ نبوت کی دولت سے مشرف نہ ہوا۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان بدنصیبوں کے بارے میں فرماتا ہے:

وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا حَتَّى إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ (الأنعام ۲۵)

ترجمہ: اور اگر ساری نشانیاں دیکھیں تو ان پر ایمان نہ لائیں گے یہاں تک کہ جب تمہارے حضور تم سے جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو نہیں مگر اگلوں کی داستانیں ۔

میں یہ بھی کہتا ہوں کہ اکثر متقدمین سے بھی ساری عمر میں پانچ چھ خوارق سے زیادہ کا ظہور منقول نہیں۔ حضرت جنید جو اس گروہ کے سردار ہیں، معلوم نہیں کہ ان سے دس کرمات کا ظہور بھی منقول ہوا ہو، اور خداوند تعالیٰ اپنے کلیم علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے حال سے یوں خبر دیتا ہے:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ (الإسراء ١٠١)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے موسیٰ کو نو روشن نشانیاں دیں۔

اور اس وقت کے مشائخ کے بارے میں کہاں سے پتہ چلا ہے کہ اتنی بھی مقدار خوارق کا ظہور نہیں ہوتا۔ بلکہ تمام اولیاء اللہ سے چاہے پہلے ہوں یا پچھلے ہر گھڑی خوارق کا ظہور ہوتا رہتا ہے مدعی کو معلوم ہو یا نہ ہو۔

خورشید نہ مجرم ار کسے بینا نیست

ترجمہ: اگر کوئی اندھا ہے تو اس میں سورج کا کیا قصور ہے؟]

تشریح

اولیاء کرام کی تصریحات اور تصوف کے قوانین کی رُو سے کرامت کا ظاہر ہونا ولایت کی شرائط میں سے نہیں ہے، لیکن لاعلمی کی وجہ سے لوگ کہہ دیتے ہیں کہ میں پیر صاحب کو تب مانوں گا جب وہ مجھے کوئی کرامت دکھائیں گے۔ اس نظریہ کے حامل لوگ اولیاء اللہ کے فیوض اور ان کی صحبت کی برکات سے محروم رہ جاتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ وہ خوارق العادات اُمور جو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے صادر ہوں انہیں معجزہ کہا جاتا ہے اور وہ خوارق جن کا صدور اولیاء اللہ سے ہو کرامات کہلاتی ہیں، لیکن ان خوارق کا ایک درجہ اور بھی ہے جسے استدراج کہا جاتا ہے اور یہ غیر شرعی اعمال کرنے والے لوگوں اور جادوگروں سے بھی ظاہر ہوتا ہے (اسے شعبدہ بھی کہا جا سکتا ہے) تو جب عام لوگوں کے پاس حق و باطل میں تمیز کرنے کا علم اور ملکہ ہی نہیں ہوتا تو وہ اپنی نادانی کی وجہ سے شعبدہ اور استدراج کو بھی عین کرامت سمجھ لیں گے اور ایک دُشمنِ خدا کو ولی اللہ کا درجہ دے کر مستفید ہونے کی بجائے خسارے میں جا پڑیں گے۔

پھر یہ بات بھی جاننی ضروری ہے کہ جس طرح انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام پر اپنی نبوت کا اظہار کرنا واجب ہے اسی طرح نبوت کے ثبوت کے طور پر معجزہ دکھانا بھی ضروری ہے لیکن اس کے برعکس ایک حقیقی ولی کا اپنی ولایت کو مخفی رکھنا واجب ہے اور کرامت کا اظہار نہ کرنا ضروری ہے۔ ہاں وہ چند اولیاء اللہ جن سے لاتعداد کرامتیں ظہور میں آئی ہیں ان میں اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کی خاص حکمتیں پوشیدہ تھیں اس لئے ان بزرگوں سے نہ چاہتے ہوئے بھی ان کا اظہار ہو گیا۔

آج جب کہ ہر طرف شریعت کی خلاف ورزیاں ہیں، عورتوں کا سرِعام بے پردگی کے عالم میں گھومنا پھرنا، حرام خوری، قتل و غارت، رشوت و سود، فحاشی و عریانی اور زنا کی بری عادات عام ہو چکی ہیں۔ حرام کو حلال سمجھ لیا گیا ہے، ناپ تول میں کمی عام ہو گئی ہے اور گناہ کو گناہ کا درجہ ہی نہیں دیا جا رہا، شرعی احکام کو پسِ پُشت ڈال دیا گیا ہے اور ظالم ہر طرف پھیل چکے ہیں، ان حالات میں حرام و مکروہ سے اجتناب، فرائض و واجبات کی مکمل ادائیگی اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ

واصحابہ وسلم کی مبارک سُنتوں پر اخلاص کے ساتھ عمل کرنا ہی دراصل سب سے بڑی کرامت ہے، لیکن اس کرامت کی طرف کون متوجہ ہوتا ہے؟

[دوسرا سوال یہ تھا کہ طالبانِ صادق کے کشف وشہود میں القاء شیطانی ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر ہو سکتا ہے تو اس میں کشفِ شیطانی کی کیفیت کی وضاحت کس طرح ہے؟ اور اگر نہیں ہو سکتا تو الہامی اُمور میں بعض غلطیوں کا پایا جانا کس سبب سے ہوتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب) کہ کوئی بھی القاء شیطانی سے محفوظ نہیں۔ جبکہ یہ دخل انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بھی متصور ہو سکتا ہے بلکہ متحقق ہے تو اولیاء میں بطریقِ اولیٰ ہوگا۔ طالبِ صادق کیا چیز ہے۔

غایہ مافی الباب یہ ہے کہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اس القاء پر متنبہ کر دیتے ہیں اور باطل کو حق سے جدا کر دیتے ہیں۔

آیۃ کریمہ: فَيَنْسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ (الحج ۵۲)

ترجمہ: تو مٹا دیتا ہے اللہ اس شیطان کے ڈالے ہوئے کو پھر اللہ اپنی آیتیں پکی کر دیتا ہے۔

اس معنی پر دلالت کرتی ہے۔ اولیاء اللہ کے لئے یہ تنبیہ ضروری نہیں، کیونکہ ولی نبی کے تابع ہے، جو کچھ نبی کے خلاف ہوگا مردود شمار ہوگا اور باطل تصور ہوگا۔ ہاں وہ صورت جس میں نبی کی شریعت اس سے خاموش ہو اور نفی یا اثبات کا فیصلہ نہ کرے تو یہاں یقین کے ساتھ درجہ میں حق وباطل کے درمیان امتیاز دشوار ہے۔ کیونکہ الہام ظنی شے ہے۔ لیکن اس عدمِ امتیاز کے باعث ولایت میں کچھ نقص واقع نہیں ہوتا۔ کیونکہ شریعت کی بجا آوری اور نبی کی متابعت نجاتِ آخرت کی

ضامن ہے۔ اور جن اُمور کے بارے میں شریعت نے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ شریعت سے زائد ہیں، اور ہم زائد اُمور کے مکلف نہیں ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ کشف میں غلطی کا واقع ہونا القاء شیطانی پر منحصر نہیں۔ بسا اوقات قوتِ متخیلہ میں احکامِ غیر صادقہ ایک صورت پیدا کر لیتے ہیں۔ جن میں القاء شیطانی کا کچھ دخل نہیں ہوتا، اسی قبیلہ سے ہے وہ جو بعض لوگ خواب میں حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھتے ہیں اور آپ سے بعض احکام اخذ کرتے ہیں حالانکہ فی الحقیقت ان کے خلاف پایا جاتا ہے۔ اس صورت میں القاء شیطانی متصور نہیں۔ کیونکہ علماء کا مختار مذہب یہ ہے کہ ابلیس صورتِ خیر البشر علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والسلام میں متمثل نہیں ہو سکتا۔ جیسی بھی صورت میں ہو تو اس صورت میں صرف قوتِ متخیلہ کے تصرف کا دخل ہے، جس نے غیر واقع کو واقع سمجھ لیا ہے۔

تیسرا سوال یہ تھا کہ جب کرامات کے طور پر تصرف اور استدراج کی صورت میں تاثیرِ ظاہر کے اعتبار سے دونوں برابر ہیں تو مبتدی کس طرح شناخت کرے گا کہ یہ صاحبِ کرامات ولی اور صاحبِ استدراج مدعی ہے؟

اس کا جواب یہ ہے (واللہ سبحانہٗ اعلم بالصواب) کہ طالبِ مبتدی کے لئے دونوں میں فرق وامتیاز کے لئے ایک واضح دلیل موجود ہے۔ اور وہ اس کا صحیح وجدان ہے کہ اگر وہ اس کی صحبت میں اپنے دل کو رب تعالیٰ کے ساتھ جمع پائے تو جان لے گا کہ یہ صاحبِ کرامات ولی ہے۔ اور اگر اس کے خلاف پائے گا تو معلوم کر لے گا کہ یہ صاحبِ استدراج مدعی اور جھوٹا انسان ہے۔ اور اگر اس معنی میں خفا اور پوشیدگی ہے تو وہ عوام الانعام کو ہے، راہِ حق کے طالبوں کو نہیں۔ اور عوام کا خفا خواص کے

نزدیک کچھ اعتبار نہیں رکھتا۔ کیونکہ عوام کے خفا کا منشا انکارِ مرضِ قلبی اور آنکھوں کا پردہ ہے۔ عوام سے بہت سی ایسی چیزیں مخفی ہیں جن کا جاننا اس فرق کے جاننے سے بھی زیادہ ضروری ہے۔

اب ہم اس مکتوب کو بعض معارف کے ساتھ ختم کرتے ہیں جو ان شکوک وشبہات کے ازالے میں تمہارے لئے نفع مند ہیں۔

جاننا چاہیئے کہ تخلق باخلاق اللہ کے معنی جو ولایت میں ماخوذ و معتبر ہیں یہ ہیں کہ اولیاء اللہ کو ایسی صفات حاصل ہو جائیں جو واجب تعالیٰ کی صفات کے مناسب ہوں، لیکن وہ مناسبت صرف اسم میں ہوگی اور عمومِ صفات میں مشارکت ہوگی۔ خواصِ معانی میں مناسبت نہیں ہو سکتی کہ وہ محال ہے، اور قلبِ حقائق کو مستلزم ہے۔]

تشریح

جب ہم کہتے ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ متکلم، قادر اور عالم ہے اور انسان بھی متکلم، قادر اور عالم ہے تو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور انسان کے درمیان یہ مشابہت ومشارکت محض اِسمی ہے نہ کہ حقیقی مشابہت ومشارکت۔ کیونکہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اسماء کے ساتھ کسی کی حقیقی مشابہت ومشارکت ہونا ناممکن ہے۔

[تحقیقات میں خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ **تخلقو باخلاق اللہ** کے بیان معنی کے مقام میں فرماتے ہیں:

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت **مَلِک** ہے۔ اور **مَلِک** کے معنی سب پر تصرف کرنے والے کے ہیں۔ جب راہِ خدا کا سالک اپنے نفس پر متصرف ہوتا ہے اور اسے مغلوب کر کے رکھتا ہے اور اس کا تصرف مخلوق کے دلوں میں نافذ ہوتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور ایک صفت سَمِیْع ہے۔ اس کے معنی سُننے والے کے ہیں۔ جب راہِ حق پر چلنے والا ہر کسی سے حق تعالیٰ کی باتیں گرانی اور بوجھ کے بغیر سُن کر قبول کرتا ہے اور غیبی اسرار و حقائق رُوح کے کان سے سُنتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اور ایک صفت بَصِیْر ہے۔ بَصِیْر کے معنی دیکھنے والے کے ہیں۔ جب سالک راہِ حق کی بصیرت کی آنکھ بینا ہو جاتی ہے، اور وہ نورِ فراست سے اپنے تمام عیب دیکھتا ہے، اور تمام دوسرے لوگوں کے کمالِ حال کو اپنے سے بہتر دیکھتا ہے۔ نیز حق کا دیکھنا اس کا منظورِ نظر ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ جو کچھ کرتا ہے حق تعالیٰ کا پسندیدہ فعل ہی کرتا ہے تو اس وقت اس صفت سے موصوف قرار پاتا ہے۔]

تشریح

انسان کا سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ اُسے اپنے عیب اور قصور نظر نہیں آتے، وہ جو کچھ کرتا ہے اپنی ناقص سمجھ کے مطابق صحیح کرتا ہے چاہے اس میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کھلی نافرمانی ہی کیوں نہ ہو اور انسان کی یہی غفلت اُسے ناکامی ونامُرادی کے گہرے سمندر میں غرق کر دیتی ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فرمان ہے کہ:

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ (الأعراف ۱۷۹)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے جہنم کے لیے پیدا کیے بہت جن اور آدمی وہ دل رکھتے ہیں جن میں سمجھ نہیں اور وہ آنکھیں جن سے دیکھتے نہیں اور وہ کان جن سے سنتے نہیں وہ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بڑھ کر گمراہ وہی غفلت میں پڑے ہیں۔

یعنی حق کو شناخت کرنے اور دلائل پر غور کرنے کی ان میں استعداد ہی نہیں اور ظاہری آنکھیں تو ہیں مگر دلائل کو عبرت اندوز نظر سے نہیں دیکھتے اور ان کے کان تو ہیں مگر آیات و مواعظ کو گوشِ قبول سے نہیں سُنتے اور ایسے لوگ نہ صرف یہ کہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں، کیونکہ جانوروں میں تو کسی قدر ضرر رَساں اور فائدہ بخش چیزوں میں تمیز کرنے کی صلاحیت ہے لیکن مذکورہ بالا افراد اس صلاحیت بھی محروم ہو چکے ہیں۔

تو جب ایک انسان اپنے گناہوں سے صدقِ دل سے توبہ کرلیتا ہے اور نافرمانی کو تَرک کر کے اطاعتِ الٰہی و غلامیِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو حقیقی معنوں میں قبول کرلیتا ہے تو اُسے خود اپنے عیب نظر آنے لگتے ہیں اور دوسروں کے عیوب و نقائص سے چشم پوشی کرنے لگتا ہے۔ پھر اُس کی ظاہری آنکھوں پر پڑے ہوئے غفلت کے ہٹ جاتے ہیں اور وہ نورِ فراست سے عجائبِ خدا کو دیکھنے لگتا ہے جس سے اُس کے یقین و توکل کو مزید قوت ملتی رہتی ہے اور وہ بصارت سے بصیرت کی طرف آجاتا ہے اور بصیرتِ اِسمی کی صفت سے موصوف ہو کر واصل باللہ ہو جاتا ہے اور یہی حال دیگر صفات کا ہے۔

[اور حق تعالیٰ کی ایک صفت مُحِیٔ ہے۔ اس کے معنی زندہ کرنے والے کے ہیں، جب سالک راہ چھوڑ دی گئی سُنت کو زندہ اور قائم کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ایک صفت مُمِیْت ہے۔ یعنی مارنے والا۔ جب سالک ان بدعتوں سے جنہیں لوگوں نے سُنت کی جگہ اختیار کیا ہوتا ہے روکتا ہے اور منع کرتا ہے تو اس صفت سے موصوف ہو جاتا ہے۔ علیٰ ھذاالقیاس۔

عوام نے تخلق کے معنی کچھ سمجھے ہیں اور خوامخواہ گمراہی کے جنگل میں جا گرے ہیں۔ وہ یہ خیال کرتے ہیں ولی کے لئے احیاء جسم ضروری ہے۔ اور اس پر اکثر اشیاء غیبی کا انکشاف ہونا چاہیئے وغیرہ ذلک۔ حالانکہ یہ باتیں ظنونِ فاسدہ میں سے ہیں، اور بعض گمان گناہ ہیں۔

نیز خوارق صرف کسی کو زندہ کرنے اور مارنے میں ہی منحصر نہیں۔ الہامی علوم و معارف بھی اعظم نشانات اور بلند درجہ خوارق میں سے ہیں۔ اسی لئے قرآن کا معجزہ تمام باقی معجزات سے اقویٰ اور باقی رہنے والا تسلیم کیا گیا ہے۔ آنکھ کھول کر دیکھیں کہ یہ علوم و معارف جو موسلا دھار بارش کی طرح برس رہے ہیں کہاں سے آ رہے ہیں۔ پھر یہ سب علوم اس کثرت کے باوجود پورے طور پر علومِ شرعیہ کے مطابق و موافق ہیں، ایک بال برابر بھی مخالفت کی گنجائش نہیں۔ یہ خصوصیت صحتِ علوم کی علامت ہے۔

ہمارے خواجہ قدس سرہٗ نے لکھا تھا کہ تمہارے (مجدد صاحب قدس سرہٗ کے) سب علوم درست اور مطابق شرع ہیں۔ لیکن حضرت خواجہ قدس سرہٗ کی بات نقل کرنے کا کیا فائدہ جبکہ حضرت خواجہ کا قول آپ کے لئے حجت نہیں۔ اگرچہ آپ بھی اپنے آپ کو تابع فرمانِ شیخ خیال کرتے ہیں، زیادہ کیا لکھے؟

آپ کے یہ سوالات پہلے طبیعت پر گراں گزرے، لیکن جب یہی سوالات ان مذکورہ علوم ومعارف کے ظہور میں آنے کا باعث بن گئے اور ان سوالات کے جوابات کے طور پر یہ سب باتیں دائرۂ تحریر میں آگئیں تو ٹھیک اور بہتر ہو گیا۔

ہیچ زشتے نیست کو را خوبی ہمراہ نیست
زنگیِ شب رنگ را دنداں چوں درو گوہر ست

ترجمہ: کوئی بھی بُری شے نہیں مگر کوئی نہ کوئی خوبی بھی اس کے ہمراہ ہوتی ہے، جیسے رات کی طرح سیاہ رنگ والے حبشی کے دانت موتیوں کی طرح چمکتے ہیں۔

عجب کام ہے کہ آپ نے پہلے خط میں بڑے اخلاص کا اظہار کیا تھا اور اس کا سبب پے در پے دو واقعات کے ظہور کو قرار دے کر آپ نے لکھا تھا کہ ان کا اثر حالتِ ہوش میں بھی محسوس ہوا اور اس حد تک تم کو ندامت وپشیمانی لاحق ہوئی تھی کہ سابقہ طور طریقے سے توبہ اور رجوع نصیب ہوا، اور تم تجدیدِ ایمان سے مشرف ہوئے۔ اب پھر ایک ماہ بھی نہیں گزرا کہ تمہاری وضع وحالت میں تبدیلی معلوم ہوئی ہے اور پچھلے پاؤں واپس ہو کر پھر تم اپنی پہلی وضع کی طرف منتقل ہو گئے ہو، یہاں تک کہ تم اس کے درپے ہوئے کہ ان دو واقعات کو تم نے القاء شیطانی یا غلط کشف کہنا شروع کر دیا۔ وہ کیا حالت تھی اور یہ کیا حالت ہے۔

بگفتا فلانے چہ بد می کند
نہ مامن کہ با نفس خود می کند

ترجمہ: کسی نے کہا فلاں بُرا کر رہا ہے (ٹھیک ہے کر تا رہے) کیونکہ میرے ساتھ نہیں اپنی ذات کے ساتھ کر رہا ہے۔۔۔۔۔۔ ہر متبع ہدایت اور مصطفیٰ علیہ الصلوات والتحیات والتسلیمات کی متابعت کے پابند انسان پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ خوارق عادات، ولایت کے ارکان و شرائط میں سے نہیں، البتہ خصوصی معجزہ نبوت کی شرائط میں سے ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خوارق کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تا کہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِیْق

عمدۃ المتکلمین حضرت علامہ عبدالعزیز پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خرق عادت کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

كُلُّ فِعْلٍ تَكَرَّرَ صُدُوْرُهٗ عَنِ الصَّانِعِ سُبْحَانَهٗ فَهُوَ مَنْسُوْبٌ اِلَى الْعَادَةِ ثُمَّ اِنْ ظَهَرَ فِعْلٌ عَلٰى خِلَافِهٖ فَهُوَ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ۔

یعنی صانع تعالیٰ سبحانہٗ سے کسی فعل کا بار بار صادر ہونا عادت الٰہیہ کی طرف منسوب ہے، پھر اگر وہ فعل اس کے خلاف عادت ظاہر ہو جائے تو اسے خارق عادت کہا جاتا ہے۔

خوارق کی اقسام سبعہ

حضرت علامہ پرہاروی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوارق کی سات اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ معجزہ: یہ نبی کے ہاتھوں ظہور پذیر ہوتا ہے۔

۲۔ کرامت: یہ ولی کے ہاتھوں ظاہر ہوتی ہے۔

۳۔ معونت: اس کا اظہار ایسے عام مؤمن سے ہوتا ہے، جو اگرچہ ولی تو نہیں ہوتا مگر فاسق بھی نہیں ہوتا۔

۴۔ ارہاص: یہ اعلانِ نبوت سے قبل نبی علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔ جیسا کہ بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم میں پتھروں کا ہدیہ ہائے سلام پیش کرنا۔

بعض علمائے کرام نے اس کو کرامت شمار کیا ہے اور بعض علمائے متکلمین نے اسے مجازاً معجزہ کہا ہے۔

۵۔ استدراج: بے باک فاسق اور کافر کے ہاتھوں اس کی غرض ومنشاء کے موافق ظاہر ہوتا ہے اور اس کے لئے تدریجاً وصل جہنم کا باعث ہوتا ہے۔

۶۔ اہانت: کافر اور فاسق کے لئے اس کی غرض کے برعکس اس کا اظہار ہوتا ہے جو اس کی ذلت ورسوائی کا مؤجب ہوتا ہے جیسا کہ مسیلمہ کذاب کے کلی کرنے سے میٹھا پانی کھارا ہو گیا۔

۷۔ سحر: شیاطین کے تعاون سے مخصوص عمل کے ذریعے کسی شریر کے ہاتھوں ظاہر ہوتا ہے۔[1]

معجزہ کی تعریف

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی قدس سرہٗ العزیز معجزہ کی تعریف کرتے ہوئے ارقام پذیر ہیں:

اَمْرٌ خَارِقٌ لِلْعَادَةِ دَاعِيَةٌ اِلَى الْخَيْرِ وَالسَّعَادَةِ مَقْرُوْنَةٌ بِدَعْوَى النَّبُوَّةِ قَصَدَ بِهِ اِظْهَارُ صِدْقِ مَنِ الدَّعٰى اَنَّهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔

---

[1] (النبراس، ص ۲۷۲)

یعنی معجزہ وہ خلافِ عادت امر ہے جو خیر و سعادت کا داعی، دعویٰ نبوت کے ساتھ مقرون ہوتا ہے جس کے اظہار کا مقصود اس شخصیت کی تصدیق کرنا ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسالت کا مدعی ہوتا ہے۔[1]

اظہارِ معجزہ کی اقسام ثلاثہ

علمائے اعلام نے خلاف عادت فعل (معجزہ) کے ظہور کی تین صورتیں بیان فرمائی ہیں:

پہلی صورت یہ ہے کہ وہ امر خارق محض اللہ تعالیٰ (جل سلطانہٗ) کا فعل ہو اور نبی علیہ السلام کے قصد، کسب اور اختیار کا اس میں کوئی دخل نہ ہو۔ مثلاً جب حضرت زکریا علیہ السلام نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت پر علامت طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ تم تین روز تک کلام نہ کرو گے جیسا کہ آیت کریمہ: آیَتُکَ أَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلَاثَةَ أَیَّامٍ إِلَّا رَمْزًا (آل عمران ۴۱) سے عیاں ہے۔

ایسے ہی قرآن مجید حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا معجزہ ہے لیکن اس کے نازل کروالینے پر آپ کے کسب اور قصد کا دخل نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں امر خارق کے ظہور کے لئے دعا مانگیں اور اللہ تعالیٰ اس دعا کو شرفِ قبولیت سے نوازتے ہوئے وہ خلاف عادت فعل ظاہر فرمادے۔ اب اس امرِ خارق فعل کا ظہور محض وقتی ہو گا یا دائمی ہو گا۔ اگر وہ وقتی طور پر ہے تو اس میں نبی علیہ السلام کے کسب وقصد کا دخل نہیں ہو گا جیسا کہ شق قمر اور ردّ شمس کے واقعات سے معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر وہ خلافِ عادت فعل (امر خارق) اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام کو دائمی اور مستقل طور پر

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۹۶)

عطا فرمادے تو بعد از عطا نبی علیہ السلام کے کسب و قصد کا اس میں دخل ہو گا کہ جب چاہیں اس خلاف عادت فعل کو ظاہر فرمادیں۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کی قبولیت دعا کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مستقل طور پر ان کے لئے مسخر کر دیا تھا، جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: فَسَخَّرْنَا لَهُ الرِّيحَ تَجْرِي بِأَمْرِهِ رُخَاءً حَيْثُ أَصَابَ (ص ٣٦) سے واضح ہے۔

تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی امر خارق بغیر دعا کئے بلا تاخیر، نبی علیہ السلام کے ہاتھوں ظاہر ہو تو نبی کے قصد، کسب واختیار کا اس میں عمل ودخل ہو گا، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ جب حضرت عبد اللہ بن عتیک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پنڈلی ٹوٹ گئی تو میں نے بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں عرض کی۔

چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ابْسُطْ رِجْلَكَ. فَبَسَطْتُ رِجْلِي فَمَسَحَهَا فَكَأَنَّمَا لَمْ أَشْتَكِهَا قَطُّ۔

یعنی اپنی ٹانگ پھیلاؤ، میں نے اپنی ٹانگ پھیلائی تو آپ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا، پھر ایسا لگتا تھا جیسے اس میں کبھی تکلیف ہی نہ ہوئی ہو۔[1]

یاد رہے کہ جن علماء کرام نے معجزہ سے کسب کی نفی کی ہے اور اسے محض اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا ہے اس سے ان کی مراد معجزہ کی پہلی صورت ہے اور جن علماء نے معجزہ میں نبی کے کسب کا دخل قرار دیا ہے وہ معجزہ کی تیسری صورت ہے۔

---

[1](مشکوۃ المصابیح، ص ۵۳۲)

فاضل اجل حضرت علامہ سید جرجانی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ معجزہ پر نبی کے اختیار وعدم اختیار کے متعلق متکلمین کے اختلاف کا تذکرہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

قَالَ الْاٰمَدِیُّ هَلْ یُتَصَوَّرُ کَوْنُ الْمُعْجِزَةِ مَقْدُوْرَةُ الرَّسُوْلِ اَمْ لَا اِخْتَلَفَتِ الْاَئِمَةُ فِیْهِ فَذَهَبَ بَعْضُهُمْ اِلٰی اَنَّ الْمُعْجِزَةَ فِیْمَا ذُکِرَ مِنَ الْمَثَالِ لَیْسَ هُوَ الْحَرْکَةُ بِالصَّعُوْدِ اَوِ الْمَشْیِ لِکَوْنِهَا مَقْدُوْرَةٌ لَهُ بِخَلْقِ اللّٰهِ فِیْهِ الْقُدْرَةُ عَلَیْهَا اِنَّمَا الْمُعْجِزَةُ هُنَاکَ هُوَ نَفْسُ الْقُدْرَةِ عَلَیْهَا وَهٰذِهِ الْقُدْرَةُ لَیْسَتْ مَقْدُوْرَةً لَهُ وَذَهَبَ اٰخَرُوْنَ اِلٰی اَنَّ نَفْسَ هٰذِهِ الْحَرْکَةِ مُعْجِزَةٌ مِنْ جِهَةِ کَوْنِهَا خَارِقَةً لِلْعَادَةِ وَمَخْلُوْقَةَ اللّٰهِ تَعَالٰی وَاِنْ کَانَتْ مَقْدُوْرَةٌ لِلنَّبِیِّ وَهُوَ الْاَصَحُّ۔

یعنی علامہ آمدی کہتے ہیں کہ معجزہ کا رسول (نبی) کی قدرت میں ہونا ممکن ہے یا نہیں اس مسئلہ میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ بعض نے کہا کہ مذکورہ مثال میں اوپر اڑنے، پانی پر چلنے کی حرکت معجزہ نہیں، کیونکہ یہ اس قدرت کی بناء پر نبی کی مقدور ہے جسے اللہ تعالٰی نے نبی میں پیدا کر دیا ہے بلکہ معجزہ محض اسی قدرت علی الحرکۃ کا نام ہے جو اللہ تعالٰی کے پیدا کرنے سے نبی کی ذات میں پائی جاتی ہے اور یہ قدرت نبی کی مقدور نہیں ہوتی اور دیگر آئمہ کا مذہب یہ ہے کہ (قدرت علی الحرکۃ نہیں بلکہ خود) حرکت ہی معجزہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ بطور خرق عادت اللہ تعالٰی کی پیدا کردہ ہے، اگرچہ نبی کی مقدور ہو اور یہی اصح ہے۔[1]

کرامت کی تعریف

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کرامت کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْکَرَامَةُ خَارِقٌ لِّلْعَادَةِ اِلَّا اَنَّهَا غَیْرُ مَقْرُوْنَهٍ بِالتَّحَدِّیْ۔

---

[1] (شرح مواقف، ج۸، ص ۲۲۴، مطبوعہ مصر)

یعنی کرامت خارق عادت امر کو کہتے ہیں مگر اس کے ساتھ معارضہ مقرون نہیں ہوتا۔[1]

علمائے کرام نے معجزہ کی مانند کرامت کی بھی تین اقسام بیان فرمائی ہیں۔

اظہارِ کرامت کی تین اقسام

پہلی قسم یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ ولی کے کسب واختیار کے بغیر اس کے ہاتھوں خلاف عادت افعال کا ظہور فرمادیتا ہے۔

دوسری قسم یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ ولی کی دعا سے کوئی خلاف عادت فعل ظاہر فرمادیتا ہے۔

تیسری قسم یہ ہے کہ جس میں اللہ تعالیٰ ولی کے قصد، کسب اور اختیار پر کوئی خلافِ عادت فعل ظاہر فرمادیتا ہے۔

کرامت کی تعریف اور اس کے اختیاری ہونے کے متعلق علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اَلْکَرَامَۃُ ظُھُوْرُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَۃِ بِلَا دَعْوَی النَّبُوَّۃِ وَھِیَ جَائِزَۃٌ وَلَوْ بِقَصْدِ الْوَلِیِّ مِنْ جِنْسِ الْمُعْجِزَاتِ لِشُمُوْلِ قُدْرَۃِ اللّٰہِ تَعَالٰی وَوَاقِعَۃٌ کَقِصَّۃِ مَرْیَمَ وَاٰصِفٍ وَاَصْحَابِ الْکَھْفِ وَمَا تَوَاتَرَ جِنْسُہٗ مِنَ الصَّحَابَۃِ وَالتَّابِعِیْنَ وَکَثِیْرٌ مِّنَ الصَّالِحِیْنَ۔

یعنی کرامت دعویٰ نبوت کے بغیر خلاف عادت امر کے ظہور کو کہا جاتا ہے اور یہ جائز ہے، اگرچہ ولی کے قصد سے ہو اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے شامل ہونے کی وجہ سے یہ معجزات کے قبیل

---

[1](شرح فقہ اکبر، ص ۷۹)

سے ہے اور یہ واقع ہے جیسے حضرت مریم، آصف بن برخیا اور اصحابِ کہف کے واقعات اور اس قسم کے واقعات جو صحابہ کرام، تابعین اور صالحین سے بکثرت صادر ہوتے ہیں۔ [1]

قطبِ ربانی حضرت امام عبدالوہاب شعرانی ارقام پذیر ہیں:

فَالْكَامِلُ مَنْ قَدَرَ عَلَى الْكَرَامَةِ۔

یعنی کامل وہی ولی ہوتا ہے جسے کرامت پر قدرت حاصل ہو۔ [2]

اظہارِ کرامت میں صوفیاء کا اختلاف

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز اظہار کرامت کے سلسلہ میں اہل طریقت کا اختلاف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

چونکہ اہلِ طریقت اربابِ کشف وحال ہوتے ہیں اس لئے ان کا اختلاف بر بنائے حال ہوتا ہے۔

چنانچہ اظہار کرامت کے متعلق صوفیائے طریقت کے دو گروہ ہیں:

پہلا گروہ

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے ہمنوا صوفیاء کا یہ مؤقف ہے کہ ولی سے کرامت کا اظہار حالتِ سُکر اور غلبۂ حال میں ہوتا ہے۔ عالمِ صحو میں فقط معجزۂ نبی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ ان کے نزدیک معجزہ اور کرامت میں واضح فرق یہی ہے کہ ولی اظہارِ کرامت کے وقت حالتِ سُکر میں ہوتا ہے، فلہٰذا مغلوب الحال ہونے کی وجہ سے دعوت سے معذور ہوتا ہے اور

---

[1] (مقاصد)

[2] (الیواقیت والجواہر، ج۳، ص ۱۰۵)

معجزہ کا ظہور نبی سے حالتِ صحو میں ہوتا ہے، کیونکہ وہ تحدی کرتا ہے اور لوگوں کو اس کے معارضہ کے لئے بلاتا ہے۔

دوسرا گروہ

سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز اور ان کے ہم خیال صوفیائے طریقت کا یہ مذہب ہے کہ ولی سے کرامت کا اظہار حالتِ صحو اور عالمِ تمکین میں ہوتا ہے، سُکر کا اس میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ کیونکہ اہل اللہ مدبران مملکت اور حاکمانِ وقت ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے انہیں عالمِ دُنیا کا کارپرداز اور والی بنایا ہوتا ہے، بندوبست عالم اور جہان کا انتظام ان سے متعلق ہوتا ہے اور عالم کے جملہ احکام ان کی ہمت کے ساتھ وابستہ ہوتے ہیں، لہٰذا صحیح ترین رائے ان ہی حضرات کی ہوتی ہے اور ان کے قلوب تمام دلوں سے شفیق ترین ہوتے ہیں اور یہ خدا رسیدہ اور درجہ کمال پر متمکن ہوتے ہیں اور سکر و تلوین ابتدائے حال میں ہوتے ہیں۔ واصل باللہ ہونے کے بعد تلوین، تمکین میں اور سُکر صحو میں بدل جاتے ہیں۔ درحقیقت اسی وقت وہ ولی (کامل) ہوتا ہے اور اس کی کرامت صحیح ہوتی ہے۔ اہلِ طریقت میں یہ بات معروف ہے کہ اوتاد کو ہر شب تمام عالم کے گرد چکر لگانا ہوتا ہے اگر کوئی جگہ نظر انداز ہو جائے تو دوسرے روز وہاں فساد اور خلل پیدا ہو جاتا ہے، تو وہاں کے قطب کو مطلع کرتا ہے تاکہ وہ اپنی ہمت وہاں مبذول کرے اور وہ خلل عالم سے اس کی برکات کی بدولت زائل ہو جائے۔[1]

---

[1] (ماخوذ از کشف المحجوب، ص ۲۴۳ تا ۲۴۵)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک خوارق عادات کی اقسام

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے ذات وصفات وافعال کے علوم و معارف کے القاء و ظہور اور اشیائے کائنات میں تصرف کے اعتبار سے خوارق کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

خوارق کی دو قسمیں ہیں

قسمِ اول: وہ علوم و معارف الٰہی جل سلطانہٗ ہیں کہ جن کا تعلق ذات وصفات اور افعال واجبی جلّ وعلا کے ساتھ ہے اور وہ نظر و عقل کے دائرے سے ماوراء ہیں اور متعارف و معتاد (جانا پہچانا اور عرف وعادات) کے خلاف ہیں۔ لہٰذا (حق تعالیٰ نے) اپنے خاص بندوں کو ان کے ساتھ ممتاز فرمایا ہے۔

قسمِ دوم: مخلوقات کی صورتوں کا کشف ہونا اور ان غیبی باتوں پر اطلاع پانا اور ان کی خبریں دینا ہے جو اس عالم کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں۔

نوع اول کا تعلق اہلِ حق اور اربابِ معرفت کے ساتھ مخصوص ہے اور نوعِ دوم میں محق اور مبطل (سچے اور جھوٹے دونوں طرح کے لوگ) شامل ہیں، کیونکہ دوسری قسم اہلِ استدراج کو بھی حاصل ہے۔

قسمِ اول خدائے جلّ وعلا کے نزدیک بزرگی اور اعتبار رکھتی ہے اسی وجہ سے اس نے اس (قسم اول) کو اپنے اولیاء کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں کیا اور دوسری قسم عام خلائق کے نزدیک معتبر ہے اور ان کی نظروں معزز و محترم ہے۔ یہی باتیں (یعنی خرق عادت) اگرچہ استدراج والوں سے ظاہر ہوتی ہیں لیکن ممکن ہے کہ عام لوگ اپنی نادانی کی وجہ سے ان کی پرستش شروع کر دیں اور رطب ویابس (وہ تصنع سے کریں) کی وجہ سے اس کے مطیع

وفرمانبردار بن جائیں۔ بلکہ یہ محجوبان (عام لوگ) قسم اول کو خوارق سے نہیں جانتے اور کرامات میں سے شمار نہیں کرتے، کیونکہ ان کے نزدیک خوارق قسم دوم میں منحصر ہے اور کرامات ان ناواقف لوگوں کے خیال میں مخلوقات کی صورتوں کا کشف اور غیب کی خبروں سے متعلق ہے۔ ان بے وقوفوں پر افسوس ہے جو اتنا بھی نہیں جانتے کہ وہ علم جو حاضر یا غائب مخلوقات کے احوال سے تعلق رکھتا ہے اس میں کون سی شرافت اور کرامت پائی جاتی ہے، بلکہ یہ علم تو اس قابل ہے کہ وہ جہالت سے بدل جائے تاکہ مخلوقات سے اور ان کے احوال سے نسیان حاصل ہو جائے۔ وہ تو حق تعالیٰ وتقدس کی معرفت ہی ہے جو شرافت و کرامت کے لائق ہے اور اعزاز واحترام بھی اسی کے شایانِ شان ہے۔

پری نہفتہ رخ ودیو در کرشمہ وناز

بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

پری چھپی ہے، دکھاتا ہے دیو ناز وادا

عجب معاملہ ہے عقل جس سے حیراں ہے [1]

بینہ

واضح رہے کہ معجزہ وکرامت کے اظہار میں انبیائے عظام اور اولیائے کرام متصف بصفات اللہ اور متخلق باخلاق اللہ ہونے کی بنا پر اس کی صفات واخلاق کے مظہر ہوتے ہیں۔ خالق اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَاللّٰہُ خَلَقَکُمۡ وَمَا تَعۡمَلُوۡنَ (الصافات ۹۶) سے عیاں ہے۔

---

[1] (مکتوبات امام ربانی، دفتر اول، مکتوب ۲۹۳)

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ ولایت کی افضلیت کا دارومدار کثرت کرامات پر نہیں بلکہ فضیلت کا انحصار حق تعالیٰ کے ہاں درجات قریب پر ہے۔ کیونکہ ہو سکتا ہے کہ کسی ولی سے کسی کرامت کا ظہور نہ ہو لیکن وہ اس ولی سے افضل ہو جس سے کرامات بکثرت ظاہر ہوئی ہوں۔ جیسا کہ بعض اولیائے کرام سے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی نسبت کرامات کا ظہور کثرت کے ساتھ ہوا ہے حالانکہ سب سے افضل ولی ادنیٰ صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ولیٔ اقرب اور ولیٔ ابعد کی تعریفات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

ولیٔ اقرب

وہ ولی ہوتا ہے جسے حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کا بہت ہی زیادہ قرب حاصل ہو۔

ولیٔ ابعد

وہ ولی ہوتا ہے جو حریم قدس جل سلطانہٗ سے نسبتاً دور ہو۔ وَاللہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

بینہ نمبر ۱

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ خوارق کے بکثرت ظاہر ہونے کا مدار دو چیزوں پر ہے، عروج کے وقت میں بہت زیادہ عروج کرنا اور نزول کے وقت میں بہت کم نیچے اُترنا۔ بلکہ کثرت خوارق کے ظہور میں کلیہ قاعدہ قلت نزول ہے، خواہ وہ عروج کی جانب کسی بھی کیفیت سے ہو، کیونکہ صاحبِ نزول، عالمِ اسباب میں اترتا ہے اور اشیاء کے وجود کو اسباب سے وابستہ پاتا ہے اور مسبب الاسباب کے فعل کو اسباب کے پردے کے پیچھے دیکھتا ہے۔ جس شخص نے نزول نہیں کیا اور نزول کے اسباب تک نہیں پہنچا اس کی نظر صرف مسبب الاسباب کے فعل پر ہے کیونکہ

(مسبب الاسباب کے فعل پر اس کی نظر ہونے کے باعث) تمام اسباب اس کی نظر سے مرتفع (اٹھ گئے) ہیں۔۔۔ پس حق سبحانہٗ وتعالیٰ ان میں سے ہر ایک کے ساتھ اس کے ظن کے موافق علیحدہ علیحدہ معاملہ کرتا ہے۔ اسباب کو دیکھنے والے کا کام اسباب پر ڈال دیتا ہے اور جو اسباب کو نہیں دیکھتا اس کا کام بغیر وسیلے کے مہیا کر دیتا ہے۔ حدیث قدسی: اَنَا عِنۡدَ ظَنِّ عَبۡدِیۡ بِیۡ۔[1] اس مطلب پر دلیل ہے۔

بہت مدت تک دل میں یہ خلش رہی کہ اس کی کیا وجہ ہے کہ اس امت میں اکمل اولیاء بہت گزرے ہیں، مگر جس قدر خوارق حضرت سید محی الدین جیلانی قدس سرہٗ العزیز سے ظاہر ہوئے ہیں اس قدر خوارق ان میں سے کسی سے ظاہر نہیں ہوئے۔ آخر کار حضرت حق سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس معمار کا راز ظاہر کر دیا اور معلوم ہوا کہ ان کا عروج اکثر اولیاء سے بلند تر واقع ہوا ہے اور نزول کی جانب میں مقامِ روح تک نیچے اُترے ہیں جو عالمِ اسباب سے بلند تر ہے۔[2]

بینہ نمبر ۲

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں کہ جس طرح نفس ولایت حاصل ہونے میں ولی کو اپنی ولایت کا علم ہونا شرط نہیں ہے اسی طرح بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ کسی ولی سے اس کے خوارق نقل کرتے ہیں (حالانکہ) اس کو ان خوارق کی نسبت بالکل اطلاع نہیں ہوتی اور وہ اولیاء جو صاحبِ علم وکشف میں ہو سکتا ہے کہ ان کو بھی اپنے بعض خوارق پر اطلاع حاصل نہ ہو بلکہ ان کی صور اِمثالیہ (مثالیہ صورتوں) کو (کارکنانِ قضا وقدر) متعدد مقامات پر ظاہر کر دیں اور دور دراز

---

[1] (المستدرک، رقم الحدیث: ۷۶۰۳)
[2] (دفتر اول، مکتوب ۲۱۶)

مقامات پر عجیب و غریب امور ان صورتوں سے ظہور میں لائیں کہ جن کی ان صاحبِ صورت کو ہر گز اطلاع نہ ہو۔

از ماو شما بہانہ بر ساختہ اند (بہانہ ہم سے تم سے ہے بنایا)

حضرت مخدومی قبلہ گاہی (خواجہ باقی باللہ) قدس سرہٗ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بزرگ کہتے تھے کہ عجیب معاملہ ہے کہ لوگ اطراف وجوانب سے (میرے پاس) آتے ہیں، بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو مکہ معظمہ میں دیکھا ہے اور موسمِ حج میں حاضر پایا ہے (بلکہ) ہم نے (آپ کے) ساتھ مل کر حج کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بغداد میں دیکھا تھا اور اپنی دوستی کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ میں اپنے گھر سے باہر نہیں نکلا ہوں اور نہ ہی کبھی اس قسم کے آدمیوں کو دیکھا ہے۔ کتنی بڑی تہمت ہے جو ناحق مجھ پر لگاتے ہیں۔ وَاللهُ سُبۡحَانَهٗ اَعۡلَمُ بِحَقَائِقِ الۡاُمُوۡرِ کُلِّهَا۔ [1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے بعض اولیائے کرام سے خوارق عادات و کرامات کا ظہور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے بھی زیادہ ہوا ہے، حالانکہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اولیائے کاملین سے افضل و اعلیٰ ہوتے ہیں۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ولی اور صحابی کی تعریفات بیان کر دی جائیں تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوۡفِيۡق

[1] (دفتر اول، مکتوب ۲۱۶)

ولی کی تعریف

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری نقشبندی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ولی کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْوَلِيُّ هُوَ الْعَارِفُ بِاللهِ وَصِفَاتِهِ بِقَدْرِ مَا يُمْكِنُ لَهُ الْمَوَاظِبُ عَلَى الطَّاعَاتِ الْمُجْتَنِبُ عَنِ السَّيِّئَاتِ الْمُعْرِضُ عَنِ الْإِنْهِمَاكِ فِيْ اللَّذَّاتِ وَالشَّهَوَاتِ وَالْغَفْلَاتِ وَاللَّهَوَاتِ۔

یعنی ولی حتی المقدور اللہ تعالیٰ اور اس کی صفات کا عارف ہوتا ہے، جو طاعات پر مواظبت کرتا، گناہوں سے اجتناب کرتا، لذات وشہوات اور غفلات وفضولیات میں انہاک سے اعراض کرتا ہے۔[1]

صحابی کی تعریف

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صحابی کی تعریف بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

هُوَ: مَنْ لَقِيَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالَى عَلَيْهِ وَعَلَى آلِهِ وَسَلَّمَ مُؤْمِنًا بِهِ، وَمَاتَ عَلَى الْإِسْلَامِ، وَلَوْ تَخَلَّلَتْ رِدَّةٌ فِي الْأَصَحِّ۔

یعنی صحابی اس شخصیت کو کہا جاتا ہے جسے بحالتِ ایمان حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے شرف ملاقات حاصل ہوا ہو اور اس کا وصال بھی اسلام پر ہی ہوا ہو، اگرچہ درمیان میں زمانۂ ارتداد بھی ہو، اصح یہی ہے۔[2]

---

[1] (شرح فقہ اکبر، ص ۷۹)

[2] (نخبۃ الفکر، ص ۱۰۰)

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ محدثین کرام کے نزدیک جو شخص حالتِ ایمان میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ایک نظر زیارت سے مشرف ہوا یا آپ کا ایک ارشاد گرامی سُن لیا یا ذرا سی دیر آپ کی خدمت مبارکہ میں رہا ہو وہ صحابی کہلانے کا سزاوار اور حقدار ہے، اور اس کی روایت مقبول ہے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

جبکہ علمائے اصولیین کے نزدیک جو شخص مدتِ مدید تک حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی خدمت بابرکت میں رہا ہو اور عُسر ویُسر، رزم وبزم اور سفر وحضر میں آپ کی معیت میں رہا ہو، اس کی ہر لحاظ سے تہذیب ہو چکی ہو اور وہ ہر ابتلاء وآزمائش میں ثابت قدم رہا ہو جیسا کہ آیت کریمہ: أُولَئِکَ الَّذِینَ امۡتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوبَھُمۡ لِلتَّقۡوَی لَھُمۡ مَغۡفِرَۃٌ وَأَجۡرٌ عَظِیمٌ (الحجرات ۳) سے عیاں ہے وہ صحابی کہلانے کا مستحق ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ اگر کوئی بندۂ مؤمن مرتد ہو جانے کے بعد دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائے اور پھر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ملاقات وزیارت سے مشرف ہو تو صحابی کہلانے کا حقدار ہے ورنہ نہیں۔ کیونکہ ارتداد سے اعمال اکارت اور صحابیت باطل ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: وَمَنۡ یَکۡفُرۡ بِالۡإِیمَانِ فَقَدۡ حَبِطَ عَمَلُہُ (المائدۃ ۵) سے واضح ہے۔

سطور بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب انبیائے کرام اور اولیائے عظام علیہم الصلوات والتسلیمات شیطان کی خلل اندازی سے محفوظ نہیں تو راہِ طریقت کا سالک القائے شیطانی سے کیسے محفوظ رہ سکتا ہے؟

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات میں القائے شیطانی کا مختصر تذکرہ کر دیا جائے تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

حضرت علامہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی مایہ ناز تفسیر میں رقم طراز ہیں کہ حضرات ابن عباس، سعید بن جبیر، ضحاک، محمد بن کعب اور محمد بن قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے کہ آیۃ کریمہ:وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَسُولٍ وَلَا نَبِيٍّ إِلَّا إِذَا تَمَنَّى أَلْقَى الشَّيْطَانُ فِي أُمْنِيَّتِهِ (الحج ۵۲) کے نزول کا سبب یہ تھا کہ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے سورۃ النجم کی آیت: أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّى (۱۹) وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَى (النجم ۲۰) تلاوت فرمائی تو شیطان آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی تلاوت میں ان الفاظ: تِلْكَ الْغَرَانِيْقِ الْعُلٰى وَاِنَّ شَفَاعَتَهُنَّ لَتُرْتَجٰى۔ (یعنی بت بلند پرواز مرغ ہیں اور ان کی شفاعت کی امید کی جاسکتی ہے) کے ساتھ خلل انداز ہو گیا۔[1]

حضرت علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس روایت کا کثیر الاسناد ہونا اس امر پر دلیل ہے کہ اس واقعہ کی اصل موجود ہے۔[2]

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے ادوارِ قدسیہ میں ایسا ممکن تھا کہ عامۃ الناس شیطان کی آواز سُنا کرتے تھے جیسا کہ دارالندوہ میں شیطان سراقہ بن مالک کی صورت میں متشکل ہو کر آیا اور مشرکین مکہ کو یوں مخاطب ہوا: لَا غَالِبَ لَكُمُ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ (الأنفال ۴۸)

---

[1] (احکام القرآن، سورۃ الحج، ج ۲، ص ۸۴)

[2] (تفسیر مظھری، سورۃ الحج)

یعنی لوگوں میں سے آج تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ نیز دشمنان اسلام، انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کے خلاف افواہیں اڑاتے اور سازشوں کے جال بچھاتے ہی رہے ہیں اور بالآخر خائب وخاسر ہوتے رہے ہیں۔ جیسا کہ آیت کریمہ: وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُورًا (الأنعام ۱۱۲) سے مفہوم ہوتا ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر مستحضر رہے کہ آیہ کریمہ: لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِن بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (فصلت ۴۲) میں ہ ضمیر کا مرجع قرآن مجید ہے جیسا کہ اس سے قبل آیہ کریمہ: إِنَّهُ لَكِتَابٌ عَزِيزٌ (فصلت ۴۱) سے عیاں ہے۔ نیز یہ آیہ کریمہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے تلاوتِ قرآن کے متعلق نہیں، بلکہ نزول قرآن کے متعلق ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: تَنزِيلٌ مِّنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ (فصلت ۴۲) سے واضح ہے۔ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ بِحَقِيْقَةِ الْحَالِ۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ القائے شیطانی پر انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کو آگاہ فرمادیتا ہے اور حق کو باطل سے جدا کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: فَيَنسَخُ اللَّهُ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ (الحج ۵۲) سے واضح ہے۔ فلہٰذا مومنوں کا قرآن مجید کے کلام ربانی ہونے پر اعتماد اور وثوق متزلزل نہیں ہوتا، بلکہ مستحکم ومضبوط ہوتا ہے، کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ: ثُمَّ يُحْكِمُ اللَّهُ آيَاتِهِ (الحج ۵۲) ہمیشہ ان کے مدنظر رہتا ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰى ذَالِكَ

بینہ نمبر ۴

یہ بھی واضح رہے کہ یہ القائے شیطانی محض ان ہی لوگوں کے لئے فتنہ وآزمائش ہوتے تھے جو قساوات قلبی اور کفر ونفاق کے مرض میں مبتلا ہوتے تھے جیسا کہ آیہ کریمہ: لِيَجْعَلَ مَا يُلْقِي الشَّيْطَانُ فِتْنَةً لِلَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ وَالْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ (الحج ۵۳) سے آشکار ہے۔ بنابریں وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کے لئے بھی گمراہی وضلالت کا باعث ہوئے۔ اَلْعِيَاذُ بِاللهِ سُبْحَانَهٗ

یہاں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ راہِ طریقت کے مبتدی طالب کو کرامت اور استدراج میں امتیاز اپنے وجدان کے ذریعے کرنا چاہیئے۔ یوں اسے ولی اور صاحبِ استدراج کے درمیان فرق معلوم ہو جائے گا جبکہ عوام کالانعام اپنے مرض قلبی اور غشاوۂ بصری کی بنا پر اس حقیقت پر مطلع نہیں ہوسکتے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں وجدان اور استدراج کے متعلق قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تاکہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيق

استدراج کی تعریف

حضرت علامہ سعد الدین تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ استدراج کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْاِسْتِدْرَاجُ ظُهُوْرُ اَمْرٍ خَارِقٍ لِلْعَادَةِ مَا لَا يَكُوْنُ مَقْرُوْنًا بِالْاِيْمَانِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ۔

یعنی استدراج اس امر کو کہا جاتا ہے جو ایسے شخص کے ہاتھوں خلافِ عادت ظاہر ہوتا ہے جو ایمان اور عمل صالح کے اکتساب سے محروم ہوتا ہے۔

حدیث میں استدراج کی تعریف یوں کی گئی ہے:

اِذَا رَاَیْتَ اللہُ یُعْطِی الْعَبْدَ مَایُحِبُّ مِنَ النِّعْمَۃِ وَھُوَ مُقِیْمٌ عَلَی الْمَعْصِیَۃِ فَاِنَّمَا ذٰلِکَ اِسْتِدْرَاجٌ۔

یعنی جب اللہ تعالٰی کسی بندے کو اس کی خواہشات کے مطابق نعمتیں عطا فرماتا رہے اور وہ شخص معصیت پر ڈٹا رہے بس یہی استدراج ہے۔[1]

استدراج ایک قرآنی اصطلاح ہے جو آیہ کریمہ: سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُونَ (الأعراف ۱۸۲) سے ثابت ہے۔

حضرت علامہ قرطبی رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ استدراج کا معنی بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الِاسْتِدْرَاجُ ھُوَ الْأَخْذُ بِالتَّدْرِیجِ، مَنْزِلَةً بَعْدَ مَنْزِلَةٍ۔

یعنی درجہ بدرجہ نعمتوں کے چھن جانے اور آہستہ آہستہ ذلیل ورسوا ہو جانے کو استدراج کہا جاتا ہے۔[2]

دراصل جب کسی شخص پر مال ودولت، عیش وعشرت اور اختیار واقتدار کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور وہ سکون وآرام اور خوشحالی کی زندگی بسر کررہا ہوتا ہے، جبکہ پند ونصائح کے باوجود اس کے کفر وعصیان اور فسق وطغیان میں اضافہ ہوتا رہتا ہے مگر جب اس سے اچانک یہ ساری نعمتیں سلب کرلی جاتی ہیں تو اس کا سارا آرام وچین لٹ جاتا ہے اور وہ تمام بھلائیوں سے مایوس اور متحیر ہو جاتا ہے بس یہی استدراج ہے۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ حَتَّى إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ (الأنعام ۴۴) سے واضح ہے۔

---

[1] (شرح فقہ اکبر)

[2] (تفسیر قرطبی، ج۷، ص ۳۲۹، الناشر: دار الکتب المصریۃ-القاھرۃ)

وجدان کی تعریف

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی قدس سرہٗ العزیز وجدان کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

اَلْوِجْدَانُ مَایَکُوْنُ مُدْرِکَۃٌ بِالْحَوَاسِ الْبَاطِنَۃِ۔

یعنی وہ چیز جس کا حواس باطنیہ کے ذریعے ادراک ہو وجدان کہلاتا ہے۔[1]

بینہ

خازن الرحمۃ حضرت خواجہ محمد سعید بن حضرت امام ربانی قدس سرہما استدراج کی اقسام بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں (ملخصًا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو):

ہندو جوگیوں اور یونانی فلسفیوں نے مجاہدات شدیدہ اور ریاضات شاقہ بہت کئے ہیں اور ان سے تہذیب اخلاق اور تحقیق اذواق بھی ظاہر ہوئے ہیں، چونکہ دولتِ اتباع سے محروم ہیں اس لئے ساحتِ قرب سے مہجور و مطرود ہیں۔ یہ صورتِ کمالات ان کے حق میں استدراج سے زیادہ نہیں ہے۔ اللہ تعالٰی نے ارشاد فرمایا: سَنَسْتَدْرِجُھُمْ مِنْ حَیْثُ لَا یَعْلَمُوْنَ (الأعراف ۱۸۲) در حقیقت استدراج ہر قوم کے موافق حال ہوتا ہے۔ چنانچہ طالبانِ دُنیا کے لئے استدراج اموال واولاد کی امداد کے ذریعہ ہوتا ہے اور اہلِ عرفان کے لئے معارف ومقامات کی عطا کے ذریعہ ہوتا ہے۔ حالانکہ مقصود اصلی حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حقیقت متابعت کی دولت کا حصول

---

[1] (کتاب التعریفات، ص ۱۱۰)

ہے۔ جیسا کہ یہ آیۃ کریمہ: قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱) سے عیاں ہے۔[1]

ظن کی اقسامِ اربعہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ اہل اللہ کے ساتھ بالخصوص اور عامۃ المسلمین کے ساتھ بالعموم بدگمانی اور سے احتراز کرنا چاہیئے۔ دراصل سوء ظن (بدگمانی) باہمی نفرت، شکررنجی اور غلط فہمی کا موجب ہوتا ہے جس سے خیر خواہی اور خیر سگالی کے جذبات مفقود ہو جاتے ہیں اور کینہ وکدورت وعداوت اور قتل وغارت گری جیسی قبیح عادات وحرکات کا باعث ہوتا ہے، اسی بناءپر بندۂ مؤمن کو سوءِ ظن سے اجتناب کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِنَ الظَّنِّ (الحجرات ۱۲) اور ارشادات نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: إِيَّاكُمْ وَالظَّنَّ، فَإِنَّ الظَّنَّ أَكْذَبُ الحَدِيثِ۔[2] اور حُسْنُ الظَّنِّ مِنْ حسْنِ العِبادةِ[3] سے واضح ہے۔

حضرت علامہ ابو بکر جصاص حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تفسیر احکام القرآن میں ظن کی چار صورتیں بیان فرمائی ہیں:

- ایک وہ ظن جس کی ممانعت ہے۔
- دوسرا وہ ظن جس کا حکم ہے۔
- تیسرا وہ ظن جس کی ترغیب دی گئی ہے۔

---

[1] (مکتوبات سعیدیہ، مکتوب ۲۴)
[2] (مشکوۃ، ص ۴۲۷)
[3] (مشکوۃ المصابیح، ص ۴۲۹)

- چوتھا وہ ظن جو مباح ہے۔

ا۔ حق تعالیٰ کے ساتھ حُسنِ ظن رکھنا فرض اور سوءِ ظن رکھنا ممنوع ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے وصال مبارک سے قبل تین بار ارشاد فرمایا:

لاَيَمُوتَنَّ أَحَدُكُمْ إِلاّ َوَهُوَيُحسِنُ بِاللهِ۔

یعنی تم میں سے کوئی شخص موت سے ہمکنار نہ ہو مگر اس حالت میں کہ وہ اللہ عزوجل کے ساتھ حسن ظن رکھتا ہو۔[1]

دوسری روایت میں ہے:

أَنَاعِنْدَظَنِّ عَبْدِي بِي، فَلْيَظُنَّ بِي مَاشَاءَ۔

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اپنے بندے کے ساتھ وہی معاملہ کرتا ہوں جو وہ میرے متعلق گمان رکھتا ہے، اب اس کی مرضی جیسا چاہے میرے ساتھ ظن رکھے۔[2]

۲۔ ایسے ہی اس مؤمن کے متعلق بدگمانی ممنوع اور حرام ہے جو بظاہر صالح اور تقویٰ شعار ہو اور احکامِ شرعیہ میں خیانت کا مرتکب نہ ہو۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ حَرَّمَ مِنَ الْمُسْلِمِ دَمَهُ وَعِرْضَهُ وَأَنْ يُظَنَّ بِهِ ظَنُّ السُّوءِ۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے مسلمان کے خون، اس کی عزت اور اس کے متعلق بدگمانی کو حرام کر دیا ہے۔[1]

---

[1](صحیح ابن حبان، ص ١٦)

[2](صحیح ابن حبان، ص ١٥)

ایک روایت میں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے یوں ارشاد فرمایا:

من أساء بأخيه الظن فقد أساء بربه الظن۔[1]

یعنی جس شخص نے اپنے بھائی کے متعلق بدگمانی کی اس نے اپنے رب کے متعلق بدگمانی کی۔[2]

سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہٗ العزیز کسی شہر میں تشریف لائے۔ لوگوں نے خیر مقدم کیا اور اعزاز واکرام سے پیش آئے۔ آپ جس قدر لوگوں سے قریب ہوئے اسی قدر خدا سے اپنے آپ کو دور دیکھا۔ آپ بے چین ہو کر شہر سے بھاگ نکلے، آپ کے ساتھ شہر والے بھی باہر نکل آئے۔ آپ نے یہ نظارہ دیکھ کر اپنے خادم ابو عبد اللہ دویلی سے کہا: "دیکھو! اس ہجوم کو ہم اپنے پاس سے کیونکر بھگاتے ہیں" خادم نے کہا میں دیکھتا رہا کہ آپ کیا کرتے ہیں۔

آپ نے دو رکعت نماز پڑھی اور کھڑے ہو کر لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ سب یہ سمجھے کہ اب کچھ دعا کریں گے، آپ نے فرمایا: اِنِّیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ (میں ہی اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں، تم میری پرستش کرو) سب نے بیک زبان کہا۔۔۔ بایزید کافر ہو گیا کہ خدائی کا دعویٰ کرتا ہے۔ سب لوگ ان کو تنہا چھوڑ کر لوٹ آئے حالانکہ آپ نے خدائی کا دعویٰ نہیں کیا تھا بلکہ قرآن مجید کی ایک آیت تلاوت فرمائی تھی۔ پھر خادم کی طرف منہ پھیر کر فرمایا: "اے لڑکے! تو نے دیکھا میں نے قرآن پاک کی ایک آیت پڑھ کر اتنی بلاؤں سے چھٹکارا حاصل کیا"۔[3]

---

[1](تفسیر قرطبی، ج ١٦، ص ٣٣٢، سورۃ الحجرات)

[2](تفسیر روح المعانی، سورۃ الحجرات، ج ١٣، ص ١٥٦، پارہ ٢٦)

[3](مکتوبات صدی (مترجم)، ص ٤٣٢)

۳۔ ایسا شخص جس کے احوال مشکوک ومشتبہ ہوں اس کے متعلق بدگمانی کرنا مباح ہے، لیکن جب تک یقینی دلائل موجود نہ ہوں اس وقت تک محض ظن کے مطابق اس کے خلاف کارروائی کرنا جائز نہیں۔

جیسا کہ ارشاد نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات ہے:

إذا ظننتم فلاتحققوا۔

یعنی اگر کسی شخص کے بارے تمہیں گمان وشبہ پیدا ہو جائے تو اس کی تحقیق میں نہ لگ جاؤ۔[1]

۴۔ یونہی مؤمنین کو آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ حسن ظن رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد باری تعالٰی ہے:

ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا (النور ۱۲)

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ظُنُّوا بِالْمُؤْمِنِ خَيْرًا۔

یعنی مؤمن کے ساتھ حسن ظن رکھو۔[2]

بینہ

حضرت علامہ ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ جو شخص کسی دوسرے شخص پر اپنے گمان کی بناء پر تہمت وغیرہ لگاتا ہے اس کی تکذیب کرنا واجب ہے۔

---

[1](کنز العمال، ج۳، ص۴۹۷)

[2](تفسیر کبیر، ج۲۸، ص۱۳۴، سورۃ الحجرات)

جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَوْلَا إِذْ سَمِعْتُمُوهُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بِأَنْفُسِهِمْ خَيْرًا وَقَالُوا هَذَا إِفْكٌ مُبِينٌ (النور ۱۲)

یعنی اسے سنتے ہی مؤمن مردوں اور عورتوں نے اپنے حق میں نیک گمانی کیوں نہ کی اور کیوں نہ کہہ دیا کہ یہ تو کھلم کھلا بہتان ہے۔

جب قاذف کی تکذیب واجب اور حسن ظن کا حکم دیا گیا ہے تو یہ اس امر کا مقتضی ہے کہ جس شخص کے بارے میں سوء ظن کیا گیا ہے اس کی تحقیق و تفتیش کے درپے نہ ہوا جائے اور نہ ہی اس بدگمانی کی تشہیر و شکایت کی جائے بلکہ پردہ پوشی کی جائے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

لَا يُبَلِّغُنِي أَحَدٌ مِنْ أَصْحَابِي عَنْ أَحَدٍ شَيْئًا فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَخْرُجَ إِلَيْكُمْ وَأَنَا سَلِيمُ الصَّدْرِ۔

یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے متعلق کوئی بات مجھ تک نہ پہنچائے کیونکہ مجھے یہ پسند ہے کہ میں جب تمہارے پاس آؤں تو میرا سینہ (دل) تمہاری طرف سے بالکل صاف ہو۔[1]

تاج العارفین حضرت شیخ عبدالنبی شامی نقشبندی قدس سرہٗ العزیز گمان کے متعلق رقم طراز ہیں (جس کا اردو ترجمہ ملاحظہ ہو):

گمان چار قسم کا ہوتا ہے:

پہلی قسم ماموریہ: یہ نیک گمان ہے، اللہ تعالیٰ اور مؤمنوں کی نسبت۔

اور حدیث میں آیا ہے:

حُسْنُ الظَّنِّ مِنَ الْإِيمَانِ۔

---

[1](مشکوۃ المصابیح، ص ۴۱۴)

نیک گمان ایمان کا حصہ ہے۔

دوسری قسم حرام گمان کی ہے اور یہ خدا تعالیٰ اور مؤمنوں کی طرف بد گمانی ہے۔

تیسری قسم مندوب الیہ کی ہے اور یہ امور اجتہادیہ میں گمان غالب سے کام لینا ہے۔

چوتھی قسم مباح کی ہے اور یہ وہ گمان ہے جو دنیا اور تلاش معاش کی مختلف صورتوں میں ہوتا ہے۔ اس میں بد گمانی اکثر سلامتی کا باعث اور بڑے بڑے کاموں کے انتظام میں مفید ہوتی ہے اور اسے اچھی صورت میں شمار کیا گیا ہے۔

بد نفس مباش و بد گماں باش
وز فتنہ و مکر در اماں باش

یعنی بد نفس مت بن، بد گمان بے شک بن جا اور اس طرح فتنہ و مکر سے امان میں رہ۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۱۵۳۱ تا ۳۴۰)

العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ، المجلد الخامس میں ہے:

انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمھم اللہ تعالیٰ کے معجزات و کرامات

کرامت کے متعلق تحقیق یہ ہے کہ کرامت اس امر کو کہتے ہیں جو کہ نبی علیہ السلام کے کسی متبع کامل سے صادر ہو اور قانون عادت سے خارج ہو اور اسباب طبیعہ سے بھی وہ اثر پیدا نہ ہو خواہ وہ اسباب جلی ہوں یا خفی۔ پس اگر وہ امر خلاف عادت نہ ہو یا اسباب طبیعہ سے صادر ہو تو کرامت نہیں اور جس شخص سے وہ صادر ہوا ہے اگر وہ کسی نبی کا متبع اپنے کو نہیں کہتا وہ بھی کرامت نہیں جیسے جوگیوں، ساحروں وغیرہم سے بعض امور ایسے سرزد ہو جاتے ہیں اور اگر وہ شخص مدعی اتباع

---

[1] (مجموعۃ الاسرار (مترجم)، مکتوب ۵۳)

کاتو ہے مگر واقع میں متبع نہیں ہے خواہ اصول میں خلاف کرتا ہو جس طرح اہل بدعت اور فرق ضالہ یا فروع میں جیسے فاسق فاجز اس سے بھی اگر ایسا امر صادر ہو تو وہ بھی کرامت نہیں بلکہ استدراج ہے جس کا ضرر یہ ہے کہ یہ شخص بوجہ خرق عادت کے اپنے کو کامل سمجھتا ہے اور اس دھوکہ میں کبھی حق کے طلب کرنے اور اتباع کرنے کی کوشش نہیں کرتا نعوذ باللہ کس قدر خسران عظیم ہے۔

پس کرامت اس وقت کہلائے گی جبکہ اس فعل کا صدور مؤمن متبع سنت کامل القویٰ سے ہو۔ اب ہمارے زمانہ میں جس شخص سے کوئی فعل عجیب سرزد ہو جاتا ہے اس کو غوث، قطب قرار دیتے ہیں خواہ اس شخص کے کیسے ہی عقائد ہوں اور کیسے ہی اعمال واخلاق ہوں یہ بہت بڑی غلطی ہے بزرگوں نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر کسی شخص کو ہوا میں اڑتا ہوا یا پانی پر چلتا ہوا دیکھو اگر شریعت کا پابند نہ ہو تو اس کو بالکل ہیچ سمجھو۔

جاننا چاہیئے کہ کرامت کیلئے نہ اس ولی کو اس کا علم ہونا ضروری ہے اور نہ اس کے متعلق قصد کا متعلق ہونا ضروری ہے اور احیاناً علم ہوتا ہے اور قصد نہیں ہوتا اور کبھی علم اور قصد دونوں امر ہوتے ہیں۔

کرامت کی اقسام

اس بناء پر کرامت کی تین قسمیں ٹھہریں:

قسم اول: وہ جہاں علم بھی ہو اور قصد بھی ہو جیسے نیل کا جاری حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان مبارک سے:

وصح عَنهُ رَضِي الله عَنهُ أَنه بَيْنَمَا هُوَ يخْطب على مِنبَر الْمَدِينَة يَوْم الْجُمُعَة وَإِذا هُوَ يُنَادي فِي حَال خطبَته يَا سَارِيَة الْجَبَل فعجب النَّاس لذَلِك وأنكروا عَلَيْهِ حَتَّى قَالَ لَهُ عبد الرَّحْمَن بن عَوْف رَضِي الله عَنهُ بعد ذَلِك وشدد عَلَيْهِ وَأخبر بِمَا قَالَ النَّاس فِيهِ ثمَّ ظهر لَهُم قَرِيبا الْوَاقِعَة

وصدقها وَمَا فِيهَا من الكرامات وَمِنْهَا الْكَشْف لَهُ عَن حَال سَارِيَة وَالْمُسلمين وعدوهم وَمِنْهَا بُلُوغ صَوته لسارية حَتَّى سمع واهتدى سَارِيَة إِلَى أَن هَذَا صَوت عمر مَعَ بعد الشقة۔[1]

یا حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا آواز دینا اپنے سالار ساریہ کو جو نہاوند میں تھا مدینہ منورہ میں اپنے منبر سے جو کافی دنوں کی مسافت پر دور تھا اور دشمن کے فریب میں آچکا تھا مگر آپ کی آواز سن کر فوراً پہاڑ کی طرف دشمنوں کے مقابلے میں تیار ہوا اور فتح ہوئی۔

یا آصف برخیا کا عرش بلقیس کو فوراً حاضر کرنا سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں جو ایک مہینہ کی مسافت پر دور تھا یا حضرت خضر علیہ السلام کے عجائب بنابر مذہب مرجوح کہ ولی اللہ تھے ورنہ بنابر مذہب راجح تو پیغمبر ہیں اور یہ سب عجائب معجزہ میں شمار ہوں گے۔ان کے علاوہ کافی امثلہ اور شواہد ہیں جو ابن کثیر نے البدایۃ ج۶ ص ۱۵۳ پر تمیم داری اور نباتہ بن یزید وغیرہ کے واقعات بیان کیے ہیں مگر وضاحت اور اطمینان کیلئے یہ کافی ہیں۔

قسم دوم: وہ ہے جہاں علم ہو اور قصد نہ ہو جیسے حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بے موسم پھلوں اور حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بے موسم انگور کا آجانا یا حضرت اسید بن حضیر وعباد بن بشر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے سامنے شب تاریک میں چراغ کے مثل روشنی پیدا ہو کر ان کا جانا۔

قسم سوم: وہ ہے جہاں نہ علم ہو نہ قصد جیسے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مہمانوں کے ساتھ کھانا اور کھانے کا دوچند ہو جانا چنانچہ خود حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تعجب ہوا۔

اور لفظ تصرف وہمت کا صرف قسم اول پر اطلاق کیا جاتا ہے کہ فلاں کی تصرف اور ہمت سے (بحکم خداوند عالم) یہ کام ہوا اور قسم ثانی وثالث کو تصرف نہیں کہتے البتہ برکت وکرامت کہلاتی

---

[1] الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر ج ۱ ص ۲۱۴۔

ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں بزرگ کی برکت اور کرامت سے یہ کام کیاورنہ یہ تینوں اقسام کرامت کے ہیں لیکن اطلاق میں یہ فرق ضرور کیاجاتاہے۔

بعض علماء نے کرامت کی قوت ایک حد خاص تک معین کی ہے اور جو امور نہایت عظیم ہیں۔ جیسے بدون والد کے اولاد کا پیدا ہونا یا کسی جماد کا حیوان بن جانا یا ملائکہ کی باتیں کرنا۔اس کا صدور کرامت سے ممتنع قرار دیاہے مگر محققین کے نزدیک کوئی حد نہیں کیونکہ وہ فعل پیدا کیاہوا اللہ تعالیٰ کا ہے،صرف ولی کے ہاتھ پر اس کا ظہور ہو گیاہے واسطے اظہار کرامت و قرب و مقبولیت اس ولی کے۔ سو اللہ تعالیٰ کی قدرت کی جب کوئی حد نہیں پھر کرامت محدود ہو سکتی۔رہا یہ شبہ کہ معجزہ کے ساتھ مساوات لازم آنے کا احتمال ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ جب صاحب کرامت خود کہتاہے کہ میں نبی ﷺ کا غلام ہوں تو جو کچھ اس سے ظاہر ہواہے یہ بتیعت اس نبی کے ہے استقلالاً نہیں جو اس شبہ کی گنجائش ہو البتہ جس خرق عادت کی نسبت نبی ﷺ کا ارشاد ہو کہ اس کا صدور مطلقاً محال ہے وہ بطور کرامت کے سرزد نہیں ہو سکتی جیسے قرآن مجید کا مثل لانا۔

معجزہ اور کرامت بعد وصال کے

خرق عادت اور مافوق الاسباب الطبعیہ امر جس طرح انبیاء علیہم السلام اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ سے اس عالم اور حیات دنیوی میں صادر ہوتاہے اسی طرح عالم برزخ اور حیاۃ برزخی دنیوی میں تو ظاہر ہے مگر عالم برزخ میں بھی ظہور آثار اور صدور افعال تواتر اور مشاہدہ سے ثابت ہیں۔

نُقِلَ عَنْ الزَّيْلَعِيِّ وَيَجوزُ التَّوَسُّلُ إِلَى اللهِ تَعَالَى وَالِاسْتِغَاثَةُ بِالْأَنْبِيَاءِ وَالصَّالِحِينَ بَعْدَ مَوْتِهِمْ لِأَنَّ الْمُعْجِزَةَ وَالْكَرَامَةَ لَا تَنْقَطِعُ بِمَوْتِهِمْ وَعَنْ الرَّمْلِيِّ أَيْضًا بِعَدَمِ انْقِطَاعِ الْكَرَامَةِ بِالْمَوْتِ وَعَنْ إِمَامِ الْحَرَمَيْنِ وَلَا يُنْكِرُ الْكَرَامَةَ وَلَوْ بَعْدَ الْمَوْتِ إِلَّا رَافِضِيٌّ وَعَنْ الْأُجْهُورِيِّ

الْوَلِيُّ فِي الدُّنْيَا كَالسَّيْفِ فِي غِمْدِهِ فَإِذَا مَاتَ تَجَرَّدَ مِنْهُ فَيَكُونُ أَقْوَى فِي التَّصَرُّفِ كَذَا نُقِلَ عَنْ نُورِ الْهِدَايَةِ لِأَبِي عَلِيٍّ السِّنْجِيِّ (حَقٌّ)۔[1]

کیونکہ معجزہ اور کرامت موت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتے۔ علامہ رملی نے بھی یہی فرمایا ہے کہ موت کی وجہ سے کرامت منقطع نہیں ہوتی۔ امام الحرمین نے فرمایا ہے کہ کرامت بعد الموت سے سوائے رافضی کے اور کوئی انکار نہیں کرتا۔ علامہ الاجہوری فرماتے ہیں کہ ولی کی مثال دنیا میں اس تلوار کی ہے جو اپنی نیام اور غلاف میں ہو اور جب روح موت کی وجہ سے تجرد حاصل کرلیتا ہے تو وہ اپنے تصرف میں باذن اللہ اور زیادہ قوی ہوجاتا ہے۔

پس حیات جسمانی نماز، تلاوت اور فیض پہنچانا یہ سب خلاف عادت ہیں جو نبی اور متبع نبی سے صادر ہوئے ہیں اس کے علاوہ اور بھی چند مستند واقعات گوش گزار کرتا ہوں جو علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی فتاویٰ ص ۲۱۳ پر نقل کیے ہیں۔

حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی کرامت

علمائے دیوبند کے حکیم الامت مولوی اشرف علی تھانوی کی تصنیف "شوقِ وطن" میں ہے:

عن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال امداد اللہ: "أنا و الله الذي لا إله إلا هو أدخلت ثابتا البناني لحده و معي حميد الطويل فلما سوينا عليه اللبن سقطت لبنة فإذا أنا به يصلي و كان يقول في دعائه: اللهم إن كنت أعطيت أحدا من خلقك الصلاة في قبره فأعطنيها"، فما كان الله ليرد ذلك الدعاء۔

حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا، اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔

---

[1] بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية في سيرة أحمدية ج١ص٢٠٣۔

جب ہم نے اُن پر کچھ اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گر پڑی، میں دیکھتا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں، اور اپنی دعامیں میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ! اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجیے، سو خدا تعالیٰ نے اُن کی دعا رَد نہیں فرمائی۔ بلکہ جیسے موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا فرمائی ہے، اخرجہ مسلم، اس طرح ان کو عطا ہوئی۔[1]

کرامات بعد الموت

مُردہ زندوں سے کلام کر سکتا ہے اور زندہ مُردوں کی بات سُن سکتا ہے اور مُردہ قبر میں تلاوتِ قرآنِ پاک کر سکتا ہے۔ اور قبر پر آنے والے اپنے زائرین کو بھی پہچانتا ہے۔

مفتی سید عبد الرحیم لاجپوری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

"اللہ کی مشیت پر موقوف ہے، اللہ کی مشیت سے جس طرح مردے زندہ لوگوں کی بات سن سکتے ہیں اسی طرح اللہ کی مشیت سے مُردوں کی بات زندہ بھی سُن سکتے ہیں اور یہ سننا زیادہ تر خواب (نیند) میں ہوتا ہے اور گاہے بیداری کی حالت میں بھی ہو جاتا ہے اور دونوں قسم کے صحیح واقعات مستند کتابوں میں ملتے ہیں"۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جلیل القدر انصاری صحابی ہیں، حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہدِ خلاف میں ان کا وصال ہوا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ راوی ہیں کہ جب ان کا جنازہ تیار کر کے رکھ دیا گیا اور نماز کے لیے حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتظار ہونے لگا تو میں نے ارادہ کیا کہ انتظار کے اس وقفے میں دو رکعت نماز ہی پڑھ لوں، چنانچہ میں نے

---

[1] (حلیۃ الاولیاء، ج۲، ص ۳۱۹، دار الکتاب العربي—بیروت، شوقِ وطن، ص ۲۳، ۲۹، ۴۰، مطبوعہ مکتبہ اشرفیہ محمد علی روڈ، بمبئی، بحوالۂ اظہار الحق للمتمسکین بالحق مصنفہ مولوی عبد الحمید حقانی دیوبندی، ص ۱۳۱)

ایک طرف کھڑے ہو کر نماز پڑھنا شروع کر دی دوسرے لوگ آپس میں باتیں کر رہے تھے اتنے میں جنازے سے آواز آئی: "السلام علیکم انصتوا انصتوا" (یعنی خاموش ہو کر بات سنو) اس کے بعد مرحوم حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک طویل کلام فرمایا جس میں رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے متعلق اور حضرت ابو بکر، حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے بارے میں شہادت دی اور ان کے کچھ اوصاف بیان فرمائے اور اخیر میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ایک پیشین گوئی فرمائی جو بعد میں بالکل حق ثابت ہوئی۔

حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے "بعد الموت تکلم" کرنے کا واقعہ اور ان کا وہ پورا کلام قریب قریب ان سب کتابوں میں مروی ہے جو صحابہؓ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے احوال میں لکھی گئی ہیں اور آئمہ حدیث وروایت نے اس کو قبول کیا ہے۔ امام بخاری تک نے اس کو ذکر کیا ہے۔

"کما فی الاصابۃ" بحوالہ تذکرہ شاہ عبدالرحیم وشاہ ابو الرضا دہلوی مرتبہ: نسیم احمد فریدی امروہوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مع ضمیمہ "اہلِ قبور کی زندوں سے ہم کلامی" از مولانا محمد منظور نعمانی ص۱۷۲،۱۷۱) تہذیب، عمدۃ الاخبار، اکفار الملحدین: بحوالہٗ: ملفوظاتِ محدث کشمیری، مرتب: سید احمد رضا بجنوری مؤلف انوارالباری ص۱۲۸ بحوالہٗ فتاوی رحیمیہ: ص۲۰۳۔

مرتبہ: مفتی صالح محمد صاحب رفیق دارالافتاء جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن۔

شیخ الحدیث مولوی محمد زکریا دیوبندی "فضائلِ صدقات" میں روض الریاحین کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں کہ:

ایک کفن چور تھاوہ قبریں کھود کر کفن چُرایا کرتا تھااس نے ایک قبر کھودی تواس میں ایک شخص اونچے تخت پر بیٹھے ہوئے قرآن پاک ان کے سامنے رکھا ہوا، وہ قرآن پڑھ رہے ہیں اور ان کے تخت کے نیچے ایک نہر چل رہی ہے، اس شخص پر ایسی دہشت طاری ہوئی کہ بے ہوش ہو کر گر پڑا لوگوں نے اسے قبر سے نکالا تین دن بعد ہوش آیا تولوگوں نے قصہ پوچھا تواس نے سارا حال سنایا، بعض لوگوں نے اس قبر کے دیکھنے کی تمنّا کی اس سے پوچھا کہ قبر بتادے اس نے ارادہ بھی کیا کہ ان کو لے جا کر قبر دکھاؤں رات کو خواب میں ان قبر والے بزرگ کو دیکھا کہہ رہے ہیں کہ اگر تو نے میری قبر بتائی تو ایسی آفتوں میں پھنس جائے گا کہ یاد کرے گا، اس نے عہد کیا کہ نہیں بتاؤں گا۔ [1]

نیز فضائلِ صدقات میں یہ واقعہ بھی مذکور ہے کہ "شیخ ابو یعقوب سنوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کہتے ہیں کہ میرے پاس ایک مُرید آیا اور کہنے لگا کہ میں کل ظہر کے وقت مر جاؤں گا چنانچہ دوسرے دن ظہر کے وقت مسجد حرام میں آیا طواف کیا اور تھوڑی دُور جا کر مر گیا، میں نے اس کو غسل دیا اور دفن کیا، جب میں نے اس کو قبر میں رکھا تو اس نے آنکھیں کھول دیں، میں نے کہا کہ مرنے کے بعد بھی زندگی ہے، کہنے لگا کہ میں زندہ ہوں اور اللہ کا ہر عاشق زندہ ہی رہتا ہے۔ [2]

فضائلِ صدقات میں ہی مذکور ہے کہ:

ایک بزرگ کہتے ہیں کہ میں نے ایک مرید کو غسل دیا اس نے میرا انگوٹھا پکڑ لیا میں نے کہا میرا انگوٹھا چھوڑ دے، مجھے معلوم ہے کہ تو مرا نہیں ہے، یہ ایک مکان سے دوسرے مکان میں انتقال ہے، اس نے میرا انگوٹھا چھوڑ دیا، شیخ ابن الجلاء فرماتے ہیں کہ جب میرے والد کا انتقال ہوا اور ان کو

[1] (روض الریاحین، فضائل صدقات حصہ دوم ص ۴۷۵)

[2] (روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۴۷۸ حصہ دوم)

نہلانے کیلئے تختہ پر رکھا تو وہ ہنسنے لگے نہلانے والے چھوڑ کر چل دیئے، کسی کو ہمت ان کے نہلانے کی نہ پڑتی تھی ایک اور بزرگ ان کے رفیق (دوست) آئے تو انہوں نے غسل دیا۔[1]

اس کے بعد شیخ الحدیث صاحب فرماتے ہیں کہ:

غرض صاحبِ روض نے بہت سے واقعات ان مرمٹوں کے ایسے لکھے ہیں جن سے ان کے مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد نہایت بشاش ہونا، ہنسنا مذاق کرنا، لطف اُڑانا معلوم ہوتا ہے۔ مرنے کے بعد کلام کرنے کے واقعات حافظ ابن عبد البر نے استیعاب میں بھی ذکر کیے ہیں۔ حضرت زید بن خارجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ترجمہ میں لکھتے ہیں کہ! اس میں اختلاف نہیں کہ انہوں نے مرنے کے بعد کلام کیا اور اسی طرح بعض دوسرے صحابہ کرام سے بھی نقل کیا ہے۔[2]

دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی کی تصنیف "شوقِ وطن" میں ہے:

عن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال اما و اللہ الذی لا الٰہ الا ھو لقد ادخلت ثابتا البنانی فی اللحد ومعی حمید الطویل فلما سوینا علیہ اللبن سقطت لبنۃ فإذاھو فی قبرہ یصلی و کان یقول فی دعائہ اللھم ان کنت اعطیتہ احدا من خلقت الصلوۃ فی قبرہ فاعطینھا فما کان اللہ لیرد دعائہ۔(اخرجہ ابو نعیم فی الحلیۃ)

ترجمہ: حضرت جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے وہ قسم اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ کی کھا کر کہتے ہیں کہ میں نے ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو ان کی لحد میں رکھا اور میرے ساتھ حمید طویل بھی تھے۔ جب ہم نے اُن پر کچی اینٹیں چُنیں تو ایک اینٹ گر پڑی میں دیکھتا کیا ہوں کہ وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے ہیں اور وہ اپنی دعا میں کہا کرتے تھے کہ اے اللہ اگر کسی کو آپ نے قبر میں نماز

---

[1] (روض الریاحین، فضائلِ صدقات ص ۶۷۴ حصہ دوم)

[2] (فضائلِ صدقات ص ۶۷۴ حصہ دوم فتاوی رحیمیہ ص ۲۱۲)

پڑھنا عطا فرمایا ہے تو مجھ کو بھی عطا کیجئے۔ سو خُدا تعالیٰ نے ان کی دُعا رد نہیں فرمائی۔ (بلکہ جیسا موسیٰ علیہ السلام کو یہ دولت عطا فرمائی ہے) (اخرجہ مسلم) اس طرح ان کو عطا ہوئی۔ [1]

مولانا سید نور الحسن بخاری دیوبندی **"حیات الاموات"** میں لکھتے ہیں کہ:

حضرات انبیائِ کرام علیہم السلام کی تو شان ہی نرالی اور عظیم ورفیع ہے حقیقت یہ ہے کہ غیر انبیاء کا بھی قبر میں نماز پڑھا اور قرآن پڑھنا ثابت ہے۔ چنانچہ جلیل القدر تابعی حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا قبر میں نماز پڑھنا مشہور و معروف واقعہ ہے۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سادات تابعین میں سے تھے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خاص اصحاب میں تھے ان کا فرمان ہے! "ہر شئی کی ایک کنجی ہوتی ہے اور ثابت خیر کی کنجی ہے"۔ دنیا کے سب سے بڑے عابد مشہور تھے۔ صائم الدھر تھے دن رات میں پورا قرآن ختم کرتے تھے۔ ۱۲۳ھ میں وفات پائی۔ [2]

ان سے متعلق روایت ملاحظہ ہو:

عن ثابت البنانی رحمۃ اللہ تعالی علیہ قال اللھم ان کنت اعطیت احدا الصلوۃ فی قبرہ فاعطنی الصلوۃ فی قبری۔ [3]

ترجمہ: حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے روایت ہے انہوں نے دعا کی الہیٰ! اگر تو نے کسی کو قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرمایا تو مجھے بھی قبر میں نماز پڑھنے کا شرف عطا فرما۔

---

[1] (شوقِ وطن ص ۲۳، ۴۰، ۳۹ مطبوعہ مکتبۂ اشرفیہ، محمد علی روڈ بمبئ بحوالہٗ فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

[2] (تابعین، مطبوعہ اعظم گڑھ ص ۶۳)

[3] (طبقات ابن سعد، مصنف ابن ابی شیبہ، کتاب الزھد امام احمد رحمۃ اللہ تعالی علیہ و ابو نعیم، شرح الصدور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالی علیہ مطبوعہ مصر ص ۷۸، حیات الاموات ص ۶۳)

ابو نعیم کی روایت ہے، جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا ہے "واللہ الذی لا الٰہ الا اللہ" میں حمید طویل کے ساتھ بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر پر تھا "یصلی فی قبرہ" وہ اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے۔ وہ اللہ سے یہ دعا کیا کرتے تھے اللہ نے اس کی دعا قبول کر لی۔[1]

ابن جریر نے "تہذیب الآثار" میں اور ابو نعیم نے ابراھیم بن الصمہ المہبلی سے روایت کی ہے کہ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے گزرنے والے کہتے ہیں کہ ہم نے قبر سے قرأۃ القرآن کی آواز سُنی ہے۔[2]

ابن مندہ نے بسند روایت کی ہے کہ ابو حماد الحفّار جو ثقہ اور متقی تھے، نے کہا کہ میں نے ایک قبر سے جمعہ کے دن دوپہر کے وقت قرآن کی قرأت سُنی۔

دیوبندی مولوی اشرف علی تھانوی دیوبندی "شوق وطن" میں لکھتے ہیں کہ:

عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنہ قال ان بعض اصحاب النبی ﷺ جلس علی قبر وھو لا یحسب انہ قبر فإذا فیہ انسان یقرأ سورۃ الملک حتی ختمھا فاتی النبی ﷺ فاخبرہ فقال رسول اللہ ﷺ ھی المانعۃ وھی المنجیۃ تنجیہ من عذاب القبر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے کوئی صحابہ کسی قبر پر بیٹھ گئے اور (بوجہ نشان نہ ہونے کے) ان کو معلوم نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ سو دیکھتے ہیں کہ اس میں ایک آدمی ہے جو سورۂ مُلک پڑھ رہا ہے یہاں تک کہ اس کو پورا ختم کیا۔ انہوں نے نبی اکرم

---

[1] (شرح الصدور ص ۸۷ ایضًا)

[2] (شرح الصدور ص ۸۷)

ﷺ کو آکر خبر دی آپ ﷺ نے فرمایا یہ سورۃ عذاب سے بچانے والی اور نجات دینے والی ہے کہ مُردے کو عذابِ قبر سے نجات دیتی ہے۔[1]

ابوالقاسم السعدی نے کتاب "الروح" میں لکھا ہے کہ:

ھٰذا تصدیق من النبی ﷺ بان المیت یقرأ فی قبرہ فان عبداللہ اخبرہ بذٰلک وصدّقہ رسول اللہ ﷺ۔

ترجمہ: یہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے اس بات کی تصدیق ہے کہ میت اپنی قبر میں قرآت کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ کو اس کی خبر دی اور آپ ﷺ نے اس کی تصدیق فرمائی۔

امام کمال الدین "کتاب العمل المقبول فی زیارۃ رسول ﷺ" میں لکھتے ہیں کہ:

ھٰذاالحدیث واضح الدلالۃ علی ان المیت کان یقرأفی قبرہ سورۃ الملک۔

ترجمہ: یہ حدیث اس بات پر واضح دلالت کرتی ہے کہ میت اپنی قبر میں تلاوت کرتی ہے۔ اس روایت میں بعض اولیاء اللہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اکرام کا ثبوت ہے اور بعض اپنی زندگی میں اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے تھے۔ تو بعض کے ساتھ قبر میں نماز کے ساتھ اللہ کے اکرام کا ثبوت ہے۔

فإذا کان من کرامۃ اللہ لاولیائہ تمکین من الطاعۃ والعبادۃ فی القبر فالانبیاء بطریق الاولی۔

مولوی انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں کہ:

ان کثیرا من الاعمال قد ثبتت فی القبور کالاذان والاقامۃ عند الدارمی وقرأۃ القرآن عند الترمذی الخ۔

[1] (اخرجہ الترمذی، شوق وطن ص ۴۰، ۲۴، ۲۳، فتاوی رحیمیہ ص ۲۰۸)

ترجمہ: قبروں میں بہت سے اعمال کا ثبوت ملتا ہے جیسے اذان واقامت کا ثبوت دارمی کی روایت میں اور قرآنِ پاک کی تلاوت کا ترمذی کی روایت میں۔[1]

مولانا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "اخبار الاخیار" میں شیخ محمد ترک نارنومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے ذکر میں فرماتے ہیں کہ وہاں دو شہیدوں کی قبریں ہیں ایک کو بوجہ بلند زمین بلند شہید اور دوسرے کو بوجہ نشیبِ زمین نشیب شہید کہتے ہیں۔ کہ یہ دونوں شہداء حافظ کلام اللہ تھے۔ کہتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے ان کی قبروں سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی ہے جو بطریقِ دَور پڑھتے تھے۔[2]

صاحبِ خزینہ الاصفاء شیخ روزبان کے ذکر میں لکھتے ہیں کہ:

شیخ ابو طاہر جو شیخ روزبان کے اصحاب میں سے ہیں، کہتے ہیں! کہ میں اور شیخ روزبان ہر روز صبح کو قرآن کا دَور کیا کرتے تھے۔ جب ان کا انتقال ہو گیا تو دنیا میری نظر میں تیرہ و تاریک ہو گئی ایک دن میں نے پچھلی رات کو اُٹھ کر نماز پڑھی اور شیخ کی قبر کے سرھانے بیٹھ کر قرآن شریف پڑھنا شروع کیا مگر مجھے اپنی تنہائی اور بے کسی پر رونا آیا اسی حالت میں میں نے شیخ کی قبر سے تلاوت کی آواز سُنی اور جب تک لوگ جمع نہیں ہوئے برابر سُنتا رہا۔ یہی حال ایک عرصہ تک رہا مگر جب میں نے اس کا ذکر ایک دوست سے کر دیا تو اس روز سے آواز کا آنا موقوف ہو گیا۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

ایک شخص ہر روز بوقتِ سحر اپنے شیخ کے ساتھ دس پارے دَور کرتا تھا اس کے شیخ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وفات پا گئے تو وہ مُرید حسبِ عادت وقتِ سحر شیخ کی قبر پر پہنچا اور پڑھنا شروع کر دیا جب

[1] (فیض الباری ج ۱ ص ۱۸۳، کتاب العلم باب من اجاب الفتیا۔ مطبع مجلس علمی دابھیل)

[2] (فتاویٰ رحیمیہ ج ۱ ص ۲۰۹)

اس نے دس پارے پورے پڑھ لیے تو اس قبر سے آواز آئی کہ شیخ پڑھ رہے ہیں حتیٰ کہ جب دس پارے پورے ہوئے تو شیخ خاموش ہو گئے۔ دَور کا یہ معمول جاری رہا یہاں تک کہ اس شخص نے یہ راز اپنے بعض ساتھیوں پر ظاہر کر دیا تو یہ سلسلہ منقطع ہو گیا۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کی نظیر حضرت سعید بن المسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ ہے۔[1]

امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبزادے حضرت زید بن زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ جب ان کا سرِ اقدس مصر میں دفن کیا گیا تو لوگ ان کی قبرِ اطہر سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنتے تھے۔[2]

امام مناوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں کہ:

حضرت احمد بن محمد الطوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر سے ہر جمعہ کی شب میں تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[3]

حضرت آمنہ بنت موسیٰ الکاظم بن جعفر الصادق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبرِ انور سے رات کے وقت تلاوتِ قرآن کی آواز آتی تھی۔[4]

---

[1] (مرقات شرح مشکوٰۃ ج ۹ ص ۲۳۸، ۲۳۷)

[2] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۳۸۴)

[3] (الکواکب الدریۃ ج ۲ ص ۳۸۴)

[4] (الکواکب الدریۃ ج ۴ ص ۲۳۰)

امام شعرانی کے جد کریم حضرت علی بن شہاب الدین شعراوی کے متعلق شیخ علی العیاشی جو اہلِ قلب حضرات میں سے تھے، بیان کرتے ہیں کہ:

ایک مرتبہ وہ امام شعراوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کے اندر قیام پذیر ہوئے تو انہوں نے سُنا کہ شیخ کی قبر سے تلاوت قرآن کی آواز آرہی ہے۔ شیخ نے سورۃ مریم سے تلاوت شروع فرمائی اور سورۃ رحمن پر اختتام فرمایا جب فجر طلوع ہوئی تو خاموش ہو گئے۔[1]

مولانا قاری ظہور احمد فیضی "انوار العرفان فی اسماء القرآن" میں لکھتے ہیں کہ:

قبر کے اندر تلاوتِ قرآن کے متعلق بے شمار واقعات ہیں۔ حضرت ثابت بنانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ تو بہت مشہور ہے متعدد کتب میں مرقوم ہے کہ آپ کی قبر شریف سے تلاوتِ قرآن کی آواز سُنی جاتی تھی۔[2]

یہ سعادت بھی اس امت کے خواص کو حاصل ہے کہ ان کی قبر پر اگر کوئی شخص تلاوتِ قرآن کرے اور اسے پڑھتے پڑھتے تشابہ لگ جائے یا غلطی ہو جائے تو وہ قبر کے اندر سے غلطی بتلاتے تھے۔

چنانچہ حضرت علی بن عمر الحمیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر ان کے فرزند حسین بن علی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بے ہوش پائے گئے ایک شخص نے چند ساتھیوں کے ساتھ ملکر انہیں اُٹھایا اور ان کے گھر پر پہنچا دیا جب وہ ہوش میں آئے تو ان سے مدہوشی کا سبب دریافت کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ میں اپنے ابا حضور کی قبرِ انور پر تلاوت کر

---

[1] (الکواکب الدریۃ ج۴ ص ۴۵۹)

[2] (طبقات الکبریٰ لشعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۳۶، الکواکب الدریۃ للمناوی قسم اول ج ۱ ص ۲۴۴، حلیۃ الاولیاء ج۲ ص ۳۶۶)

رہا تھا اچانک مجھے غلطی لگی تو میں نے سُنا کہ میرے والد محترم قبر کے اندر سے مجھے لقمہ دے رہے ہیں پس میں اپنے آپ کو قابو نہ رکھ سکا یہاں تک کہ مجھ پر غشی طاری ہو گئی۔ [1]

حضرت شیخ احمد بن نصر الخزاعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۲۳۷ھ کے حالات میں لکھا ہے کہ:

مسئلہ خلق قرآن میں ان کی آزمائش کی گئی یہاں تک کہ وہ بادشاہ واثق کے ہاتھوں شہید ہوئے۔

ابراہیم بن اسمٰعیل بن خلف کہتے ہیں کہ جب ان کی گردن تن سے جُدا ہو کر زمین پر آرہی تو میں نے لوگوں کو کہتے ہوئے سُنا کہ ان کا سر قرآن پڑھ رہا ہے۔ میں اس طرف گیا تو وہاں کچھ گھوڑوں پر اور کچھ کھڑے کھڑے ان پر پہرا دے رہے تھے جب سب آنکھیں سو گئیں تو اُن کے سر نے قرآن پڑھنا شروع کر دیا جو کچھ ان سے سُنا گیا اس میں یہ آیت بھی تھی: الم (۱) أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ (العنکبوت ۲) الف لام میم کیا لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ ان کو صرف اتنی بات پر چھوڑ دیا جائے گا کہ وہ کہیں ہم ایمان لے آئے اور انہیں آزمایا نہیں جائے گا۔ اس پر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ [2]

یہاں یہ واقعہ بھی کافی مناسبت رکھتا ہے کہ حضرت شیخ احمد بن محمد بن عبد الکریم بن عطاللہ سکندری شاذلی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۷۰۹ھ کے حالات میں ہے کہ:

ایک مرتبہ ان کی قبر پر مشہور ترین حنفی فقیہ حضرت امام کمال الدین محمد بن عبد الواحد السیواسی ثم السکندری المعروف بابن الھمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ متوفی ۸۶۱ھ حاضر ہوئے اور سورۃ ھود پڑھنا

---

[1] (جامع کراماتِ اولیاء ج۲ ص ۲۹۰، ۲۸۶)

[2] (صفة الصفوة ج۲ ص۲۳۷، البدایه والنهایه لابن کثیر ج۷ ص۳۱۶، شرح الصدور ص ۲۱۰، الکواکب الدرية ص ۵۴۰)

شروع کی، جب ان الفاظ پر پہنچے **"فمنهم شقی و سعید" (هود: ۱۰۵)** تو قبر سے آواز آئی: **"اکمال! لیس فینا شقی، فاوصی ان یدفن هناک"** اے کمال! ہمارے اندر کوئی شقی نہیں ہے، اس پر امام ابن الہمام رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے وصیت فرمائی کہ انہیں وہاں دفن کیا جائے۔[1]

اللہ تعالیٰ نے آپ کی وصیت پوری کرائی اور آپ کو حضرت ابن عطا اللہ سکندری کی قبر کی غربی جانب دفن کیا گیا۔[2]

مفتی سید عبد الرحیم دیوبندی سے سوال کیا گیا کہ بزرگانِ دین حینِ حیات یا بعد الوفات حج کیلئے یا دیگر مقامات پر جاسکتے ہیں یا نہیں؟

مفتی عبد الرحیم جواب دیتے ہیں کہ:

اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقرب بندے اللہ تعالیٰ کی اجازت سے سفر کرسکتے ہیں، حج کے لیے بھی جاسکتے ہیں، مشیتِ الٰہی پر موقوف ہے۔ خود ان کو اختیار نہیں ہوتا اور یہ درجہ یادِ الٰہی، سنت کی پیروی اور اتباعِ شریعت کی برکت سے حاصل ہوتا ہے یہ ان کی کرامت اور حضورِ اقدس ﷺ کا معجزہ ہو گا۔ حقیقتِ السورت میں ہے کہ سورت کے ایک بزرگ شیخ محمد فاضل سورتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آپ کی ولادت باسعادت ۱۲۱۷ھ میں ہوئی اور ۱۳۰۲ھ میں وفات ہوئی، جس روز آپ کی وفات ہوئی وہ عرفہ کا دن تھا آپ فرمارہے تھے کہ میں حج کے لیے جارہاہوں چنانچہ سورت کے کچھ باشندے حج سے فارغ ہوکر واپس لوٹے تو ان کا بیان ہے کہ ہم نے مولانا صاحب کو حج کے دوران عرفات میں دیکھا تھا۔[3]

---

[1] (الکواب الدریۃ ج۳ص ۱۰)

[2] (شرح حکم ابن عطا اللہ السکندری ص ۲۲)

[3] (حقیقت سورت فارسی ص ۹۳، فتاوی رحیمیہ ج ۱ ص ۲۱۳)

اسی طرح فتاوی رحیمیہ میں اور واقعات بھی ذکر کیے گئے ہیں۔

امام یافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے "کفایۃ المعتقد" میں کہا ہے کہ:

بعض فقہائے صالحین سے فقیہ الکبیر ولی الشہیر حضرت احمد بن موسیٰ بن عجیل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر میں سورت نور کی قرآت کی سماعت مشہور ہے۔[1]

اس تحقیق سے واضح طور پر معلوم ہو گیا کہ علمائے اعلام، تابعین عظام کے اقوال سے غیر انبیاء کا قبر میں نماز پڑھنا ثابت ہے اور حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے ارشادات بلکہ خود نبی کریم ﷺ کی تقریر و تصدیق سے ثابت ہے کہ غیر انبیاء بھی قبر میں تلاوتِ قرآن مجید کرتے ہیں۔ جب غیر انبیاء کا یہ حال ہے تو حضراتِ انبیائے کرام علیہم السلام کے قبر مبارکہ میں نماز پڑھنے میں کیا شک وشبہ ہو سکتا ہے۔

مولانا محمد شعیب دیوبندی فاضل دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک اپنی کتاب "معجزے او دلیلونہ"ص ۲۳۵ میں لکھتے ہیں کہ "الحق" رسالے میں ایک طالبِ علم کی شہادت کا واقعہ چھپا ہے۔ وہ واقعہ اس طرح تھا کہ ایک طالبِ علم مولوی محمد شریف جو زرمل علاقے افغانستان کا رہنے والا تھا، اس نے اپنے والد سے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی مگر والد نے اجازت نہیں دی بالآخر والد کی اجازت کے بغیر ہی جہاد پر چلا گیا اور شاہ توری علاقہ ارگون پر پہنچ گیا اور معاون عبد الحمید کے ساتھ حرکتِ انقلابِ اسلامی سے ملکر جہاد میں شریک ہو گیا۔ شدید جنگ شروع ہو گئی اور مختلف مقامات سے مسلمان امداد کے لیے امیر ارسلا خان کی قیادت میں پہنچ گئے۔ یہ طالبِ علم بہت بہادری سے لڑ رہا تھا کہ ایک کلاشنکوف کی گولی اس کے دل پر لگی جس سے وہ شہید ہو گیا۔ سخت سردی اور برف

---

[1] (شرح الصدور ص ۸۷)

باری کے موسم کی وجہ سے اس کی لاش اپنے مورچہ میں دو دن تک پڑی رہی۔ تیسرے دن اس شہید کو اپنے مرکز میں لاکر وہاں دفن کر دیا۔ اس شہید طالب علم کے گاؤں کا ایک دوست زرمل پہنچا تو اس کو اس کی شہادت کی اطلاع ملی پھر اس نے شہید کے والدین کو خبر دی کہ تمہارا بیٹا شہید ہو گیا ہے۔ سات دنوں بعد اس شہید کے دوست نے مرکز میں آکر امیر حرکت انقلابِ اسلامی سے عرض کی کہ اس شہید کا بوڑھا باپ بہت اصرار کر رہا ہے کہ اس کے شہید بیٹے کو یہاں سے نکال کر اس کو دیں تاکہ وہ اسے اپنے گاؤں میں دفن کرے۔ بالآخر بہت اصرار کے بعد امیر نے اجازت دے دی کہ اسے نکال لیا جائے۔ جب اس شہید کی قبر کھودی گئی تو دیکھا کہ اس کا جسم تر و تازہ تھا اور نہایت خوبصورت تھا اور اپنا ہاتھ اُس نے اپنے دل پر رکھا ہوا تھا۔ معاون عبدالحمید کہتے ہیں کہ خدا کی قسم! میں نے سات مرتبہ اس کے ہاتھ کو سیدھا کیا مگر جیسے ہی میں اس کا ہاتھ سیدھا کرتا وہ فوراً اپنا ہاتھ دل پر رکھ لیتا۔ آخر کار ہم نے اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیا۔ پھر مجاہدین نے اس کی لاش کو اُٹھا کر اس کے گاؤں پہنچا دی۔ جب اس شہید کی لاش اپنے گاؤں پہنچی جہاں بہت سے لوگ جمع تھے تو اس کا بوڑھا باپ اس کے پاس کھڑا اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا پھر اچانک اس کے باپ نے چیختے ہوئے اپنے بیٹے کو مخاطب کیا اے میرے جگر گوشے! اگر تم حق عقیدے اور اچھی نیت کے ساتھ شہید ہوئے اور اگر اللہ رب العزت تم سے راضی ہے تو ابھی تم مجھ سے مصافحہ کرو تو میں اپنے تمام حقوق معاف کر دوں گا اور اگر تم نے مصافحہ نہیں کیا تو میں اپنے حقوق معاف نہیں کروں گا کہ تم میری بغیر اجازت کے میرے بڑھاپے میں مجھے چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ سینکڑوں لوگ وہاں موجود تھے جن میں مجاہدین بھی

تھے، اُن تمام لوگوں نے دیکھا کہ اس شہید نے ہاتھ اُٹھا کر اپنے باپ کے ساتھ مصافحہ کیا۔ پھر اس کے باپ نے بلند آواز سے اُس کو معاف کیا۔ اس واقعہ کی گواہی تقریباً بیس ہزار لوگ دیتے ہیں۔ [1]

ان مذکورہ تمام واقعات ودلائل سے ثابت ہوا کہ مردہ قبر میں تلاوت کر سکتا ہے اور نماز پڑھ سکتا ہے اور زندوں کا کلام سُن سکتا ہے اور حج بھی کر سکتا ہے اور گھوم پھر بھی سکتا ہے اللہ تعالیٰ کی مشیّت سے۔

جیسا کہ صاحبِ تفسیر مظہری نے لکھاہے کہ:

ان اللہ یعطی لارواحھم قوۃ الاجساد فیذھبون من الارض والسماء والجنۃ حیث یشاءون وینصرون اولیاءھم ویدمّرون اعدائھم إن شاءاللہ تعالیٰ۔

ترجمہ: یعنی اللہ تعالیٰ انبیائِ کرام علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور اولیاء کی ارواح کو (درجہ بدرجہ) جسموں کی قوت عطا کرتا ہے تو وہ زمین، آسمان اور جنت میں جہاں بھی چاہتے ہیں چلے جاتے ہیں۔ اور اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ ان شاءاللہ تعالیٰ۔

(واللہ ورسولہٗ اعلم)

تسکین السالکین بتبرکات الصالحین میں ہے:

بعض علماء اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کے منکر ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر جسم کے ساتھ ظاہر نہیں ہوسکتے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کو جو کرامات عطا فرمائی ہیں ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ وہ بیک وقت متعدد مقامات پر متعدد اجساد کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔ اس کرامت کو تعددِ اجساد کہا جاتا ہے۔

---

[1] (ماھانہ "الحق" شمارہ نمبر ۱ ج ۷ ا ص ۱۴۰۲۲۶ ھ مطابق اکتوبر ۱۹۸۱ء)

جیسا تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

ذَکَرَ اِبْنُ السَّبکِی فِی الطَّبْقَاتِ اَنَّ الْکَرَامَات اَنْوَا عٌ وَعَدَّ مِنْھَا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُ اَجْسَادٌ مُتَعَدِّدَةٌ۔

یعنی علامہ ابن سبکی نے طبقات میں ذکر فرمایا کہ کرامتوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ولی کے کئی جسم ہو جاتے ہیں۔[1]

تفسیر مظہری میں ہے:

وَ کَذٰلِکَ یَجْعَلُ لِنُفُوْسِ بَعْضِ اَوْلِیَآئِهٖ فَاِنَّهُمْ یَظْهَرُوْنَ اِنْ شَاءَاللّٰهُ تَعَالیٰ فِی آنٍ وَاحِدٍ فِی اَمْکِنَةٍ شَتّٰی بِاَجْسَادِهِمِ الْمُکْتَسِبَه۔[2]

یعنی یوں ہی خدا تعالیٰ اپنے بعض ولیوں کو طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک آن میں متعدد جگہوں میں اپنے اجساد مبارکہ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

وَلَا مَانِعَ مِنْ اَنْ یَّتَعَدَّدَ اَلْجَسَدُ الْمِثَالِیْ اِلیٰ مَالَا یُحْصٰی مِنَ الْاَجْسَادِ۔[3]

یعنی اس سے کوئی مانع نہیں کہ جسد مثالی کا تعدد بے شمار اجساد میں ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں:

وَلَا تباعد مِنَ الْ اولیائی حَیْثُ طُوِیَتْ لَهُمُ الْاَرْضُ وَحَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مُکْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدُوْهَا فِیْ اَمَاکِنِ مُخْتَلِفَةٍ فِی آنٍ وَاحِدٍ وَاللّٰهُ عَلٰی کُلِّ شَیئٍ قَدِیْر۔[4]

1(تفسیر روح البیان ص ۲۱۵ ج ۹، الحاولی للفتاوی ص ۲۴۳ ج ۱)

2(تفسیر مظہری ص ۲۷۷ ج ۳)

3(تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵، الجز ثانی والعشرین تحت هذا الآیت "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرِّلَّهَا، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْمِ" ص ۱۵، مطبعہ دار الفکر بیروت)

4(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۳۱)

حضرت خواجہ محمد حضرمی قدس سرہ نے پچاس شہروں میں بیک وقت جمعہ پڑھایا۔

قَالَ الشَّعْرَانِی وَاَخْبَرَنِی مِنْ صُحْبِ الشَّیْخِ مُحَمَّد اَلْحَضْرَمِیْ اَنَّهُ خَطَبَ فِی خَمْسِیْنَ بَلْدَةٍفِی یَومٍ وَّاحِدٍ خُطْبَةَ الْجُمْعَةِ وَصَلّٰی بِهِمْ اِمَاماً۔

یعنی قطبِ وقت سیدنا امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضرمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت میں پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ سبحان اللہ! یہ تو شانِ ولایت ہے۔ شانِ نبوّت کا کیا کہنا۔ [1]

حضرت محمد شربینی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی، اور کچھ اولاد عجم میں تھی، اور کچھ اولاد بلادِ ہند میں تھی، اور کچھ بلادِ تکرور میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنی اہل و عیال کے پاس ہو آتے، اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی کے پاس قیام رکھتے تھے۔ [2]

سیدنا جلال الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

وَفِیْ الْمُمْکِن اَنْ یَّخُصَّ اللّٰہُ تَعَالیٰ بَعْضُ عِبَادَہٖ فِی حَالِ الْحَیٰوۃِ بِخَاصِیَةِ لِنَفْسِهِ الْمَلَکِیَّةِ الْقُدْسِیَّةِ وَقُوَّةٌ لَهَا یُقَدِّرُبِهَا عَلٰی التَّصَرُّفِ فِی بَدَنٍ آخَرَ غَیْرَ بَدَنِهَا اَلْمَعْهُوْدُ مَعَ اِسْتِمْرَارِ تَعْرِفُهَا فِیْ الْاَوَّلِ۔

1(روح البیان ج۹، ص ۲۱۶، جمال الاولیاء ص ۱۸۸، مطبع تھانہ بھون)

2(جمال الاولیاء ص ۲۰۲، مطبوعہ تھانہ بھون)

”ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص بندے کو بوجہ اس کے نفس ملکیہ قدسیہ اور خداداد قدرت کے ذریعے اپنے بدن حقیقی میں دائمی تصرف کے علاوہ دوسرے بدن میں متصرف و قادر کیا ہو۔“ [1]

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات کے صفحہ ۶۷ میں فرماتے ہیں: جب جنات کو یہ طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب و غریب حالتیں ظاہر کرتے ہیں تو اگر اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ کو یہ امور حاصل ہوں تو محل تعجب کیوں؟ ان کا دوسرے جسم میں تصرف کرنا اسی قبیل سے ہے جو منقول ہے کہ اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ ایک گھڑی میں متعدد مقامات میں حاضر ہو کر لطائف و ظرائف دکھاتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں جو اسی تصرف باطنی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے عزیزوں کے ہاں بھی ہیں اور حرم مکہ میں طواف کرتے ہوئے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ اسی وقت کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت روم میں دیکھا دوسرے کہتے ہیں اس گھڑی ہم نے انہیں بغداد میں دیکھا۔ یہ انہی بزرگ کی واقعی وہی صورت ہے جو انہوں نے مختلف شکلیں اختیار کر کے تصرف کیا اور متعدد مقامات پر موجود ہوئے۔ یہ شکل کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ چنانچہ ایک رات میں ہزاروں سعادت مند حضور سرور عالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہ صورت مبارکہ کے لطائف سے ہے۔ اسی طرح مریدین اپنے مشائخ کی صورت مثالیہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور حل مشکلات کراتے ہیں۔

---

1 (وَ کَذَالِکَ قَالَ الْعَلَامَہ اِبْنِ حَجَر هَیْتَمِی مَکِّی قَدِّسَ سِرَّہُ فِی الْفَتَاوٰی حَدِیْثِیَه، ص ۴۶)

شیخ المحققین سیدنا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"اولیاء کرام کا متعدد مقامات پر ہونا بعید نہیں کیونکہ ارواح مقدسہ انبیاء بعد وصال بمنزلہ ملائکہ کے ہوتے ہیں بلکہ ان سے بھی افضل جیسے ملائکہ مختلف شکلوں میں آسکتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام بھی آسکتے ہیں اور عالم دنیا کی حیات میں بھی بعض حضرات کو اس کا تصرف حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی روح متعدد ابدان میں جو معہود بدن کا غیر ہے تصرف کرے۔[1]

حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہوں پر دعوت قبول کرسکتے ہیں۔[2]

قطب وقت عارف باللہ عبدالوہاب شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

وَمِنْهَا شُهُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ آنٍ وَاحِدٍ۔

کرامت سے یہ بھی ہے کہ ایک جسم کا آنِ واحد میں دو جگہوں میں ظاہر ہونا یعنی تعددِ اجساد۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعدد اجساد صرف روح کے ساتھ ہوتا ہے، جسم کے ساتھ محال ہے۔

اس پر امام شعرانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جلال آگیا، فرماتے ہیں:

فِيْمَا مَنْ يَّقُوْلُ اَنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا يَكُوْنَ فِيْ مَكَانَيْنِ كَيْفَ يَكُوْنُ اِيْمَانُكَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَاِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا فَقَلِدْ وَاِنْ كُنْتَ عَالِمًا فَلَا تَعْتَرِضْ فَاِنَّ الْعِلْمَ يَمْنَعُكَ۔

1 (جذب القلوب، بحوالہ اولیاء اللہ کے تصرفات، ص ۵۴ تا ۵۷)

2 (ملفوظات شریف ج ۱)

یعنی افسوس ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو جگہ نہیں ہو سکتا۔ اے ایسا کہنے والے، کیا تیرا معراج پاک والی حدیث پر ایمان نہیں۔ (جس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے موسیٰ علیہ السلام کو قبر مبارک میں بھی دیکھا) ارے ایسا کہنے والے، اگر تو مومن ہے تو تقلید کر، اگر تو عالم ہے تو اعتراض کیوں کرتا ہے (اگر تیرا علم نوری ہے) تو تجھے تیرا علم اعتراض کرنے سے باز رکھے گا۔[1]

حضرت شیخ ابو العباس مرسی قدس سرہ کو ایک نیاز مند نے نمازِ جمعہ کے بعد اپنے گھر تشریف لے جانے کی دعوت دی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ پھر دوسرا عقید تمند آیا، اس نے بھی اپنے ہاں کے لئے دعوت دی۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ بھی وعدہ فرمالیا۔ پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں آیا۔ آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کے ساتھ وعدہ فرمالیا۔

ثُمَّ صَلَّى الشَّيْخُ مَعَ الْجَمَاعَةِ وَجَآءَ فَقَعَدَ بَيْنَ الْفقهاءِ وَلَمْ يَذْهَبْ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ وَاِذَا بِكُلٍّ مِّنَ الْخَمْسَةِ جَآءَ يَشْكُرُ الشَّيْخَ عَلٰى حُضُوْرٍ عِنْدَهٗ۔[2]

یعنی حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ تعالیٰ نے نماز جمعہ پڑھی تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ علماء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے پاس بیٹھ گئے اور کہیں نہیں گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ پانچوں نیاز مند دعوت دینے والے آئے اور حضرت شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کا ان سب کے گھروں میں تشریف لے جانے پر ہر ایک نے شکریہ ادا کیا۔

---

1 (الیواقیت والجواھر ص ۲)

2 (الحاوی للفتاوی، للعلامہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۴۰، ج ۱)

حضرت ابو العباس مرسی قدس سرہ وہ ہستی ہیں کہ جن کے بارے میں آتا ہے، وہ خود فرماتے ہیں :

لَوْ حَجَبَ عَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَ اٰلہ و اصحابہ وَ سلّم طَرْفَةَ عَيْنٍ مَا عَدَدْتُ نَفْسِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْن۔

یعنی اگر رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم مجھ سے پلک جھپکنے کی مقدار غائب ہو جائیں تو میں اپنے آپ کو مسلمان ہی نہ سمجھوں۔

حضرت سید امام علی شاہ رحمہ اللہ تعالیٰ مکان شریف والوں کو ساٹھ آدمیوں نے افطاری کی دعوت دی تو آپ رحمہ اللہ تعالیٰ نے سب کے گھر بیک وقت روزہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔ [1]

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت چالیس اشخاص کے گھر جاکر کھانا کھایا۔ [2]

سیدنا امام ربّانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لاتعداد گھروں میں بیک وقت کھانا کھایا۔

جہانگیر بادشاہ نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے عرض کیا کہ رسولِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہو گی اور رسول اللہ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم تو ایک ذات ہیں تو حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔ سیدنا امام ربّانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں، لیکن دعوت ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں ہو۔ اس فرمائش پر جہانگیر نے اپنے بہت سے احباب کو امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کے متعلق کہہ دیا اور اس دن خود بھی

1(بحوالہ سلسبیل بابت ماہ شوال مکرم، ۱۳۸۴ھ، بحوالہ حاضر و ناظر ص ۹۶، ۹۵)

2(کتاب ذخیرۃ الملوک منقول از خزینہ معرفت ص ۱۸۳)

جہانگیر نے امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی دعوت کی۔ وقتِ مقرر پر سیدنا امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی۔ رات اس کے ہاں قیام فرمارہے۔ صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے فرداً فرداً اقرار کیا کہ امام ربانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھایا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ حیران ہوا۔ سیدنا امام ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: اے بادشاہ! میں تو سیدِ دوعالم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھر بیک وقت موجود ہو کر کھانا کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کیوں ہر قبر میں جلوہ فرمانہیں ہوسکتے۔[1]

خاتمۃ المحدثین علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت خواجہ قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ کا واقعہ نقل فرمایا ہے، اور حضرت قضیب البان وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق حضرت محبوب سبحانی سرکار غوثِ اعظم قدس سرہ سے سوال ہوا تو آپ قدس سرہٗ نے فرمایا:

هُوَ وَلِيٌّ مُقَرَّبٌ ذُوْ حَالٍ مَّعَ اللّٰهِ تَعَالٰى وَقَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَهُ۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قرب والا ولی ہے۔ وہ صاحب حال ہے اور وہ قضیب البان رحمہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں سچائی کے قدم والے ہیں۔

پھر کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو نماز نہیں پڑھتا۔

سرکار غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا:

اَنَّهٗ يُصَلِّيْ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهٗ وَاِنِّيْ اَرَاهُ اِذَا صَلّٰى بِالْمُوْصِلِ اَوْ بِغَيْرِهَا مِنْ اٰفَاقِ الْاَرْضِ يَسْجُدُ عِنْدَ بَابِ الْكَعْبَةِ۔

---

1 (ملخصاً فیوضاتِ مجددیہ ص ۱۱)

یعنی فرمایا کہ قضیب البان رحمہ اللہ تعالٰی وہاں نماز پڑھتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں سکتے مگر میں اسے دیکھتا ہوں کہ موصل میں یا کسی اور جگہ زمین کے کسی خطہ میں نماز پڑھے تو سجدہ وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس ہی کرتا ہے۔[1]

تفریح الخاطر میں ہے کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان شریف میں ستّر اشخاص نے حضور غوث پاک رحمہ اللہ تعالٰی کو دعوتِ افطار دی اور ان میں ہر ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ قدس سرہٗ نے ہر ایک کی دعوتِ افطار قبول کی اور ہر ایک کے گھر میں بیک وقت حاضر ہو کر روزہ افطار کیا۔ نیز اسی دن اور اسی وقت اپنی خانقاہ شریف میں بھی حاضر تھے اور روزہ افطار فرمایا تھا۔

وشاع ھذا الخبر فی بغداد فخطر فی قلب خادم من الخادمین ان حضرت الغوث ما خرج من التکیۃ فکیف یتصور رواحہ الی بیوتھم واکل طعامھم فی آن واحد منھم وحضرت واکلت طعامھم فی بیوتھم فردا فردا۔ (ص ۳۸)

یعنی یہ خبر بغداد شریف میں شائع ہوئی تو غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ کے خادموں میں سے ایک خادم کے دل میں یہ شک پیدا ہوا کہ غوث پاک تو اپنی خانقاہ شریف سے باہر نہیں گئے تو یہ کیسے تصور میں آسکتا ہے کہ ان لوگوں کے گھر میں بیک وقت آن واحد میں تشریف لے گئے اور روزہ افطار کیا۔ اس پر غوث پاک رضی اللہ تعالٰی عنہ خادم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ تمام لوگ اپنے اپنے قول میں سچے ہیں۔ میں نے ہر ایک کی دعوت کو قبول کیا۔ آن واحد میں ان کے گھروں میں حاضر ہوا اور ان کے ہمراہ طعام بھی کھایا۔

قارئین کرام! یہ تو مصطفٰی صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسَلَّم کے غلاموں اور عاشقوں کی قوتِ خداداد کا حال ہے۔ خود اس آقا و مولٰی و معشوقِ حقیقی شاہدِ کائنات صَلَّی اللہ تعالٰی علیہ وَاٰلہٖ واصحابہٖ وَسَلَّم

---

1 (الحاوی للفتاوی، ۳۴۱، ج ۱)

کی قوتِ خداداد کا تصور کرلو۔ جب آپ صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کے غلام اولیاء اللہ اپنے عقید تمندوں کے ہاں بیک وقت حاضر وناظر ہوسکتے ہیں تو سید العالمین صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کیونکر شاہدِ کائنات نہیں ہوسکتے۔

امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ قدیم مدّت سے چلا آرہاہے اور منکر کے لئے زجراً فرماتے ہیں کہ اس میں وہی جھگڑا کرے گا جسے وہم ہے کہ:

اَنَّ وُجُوْدَشَخْصٍ وَاحِدٍفِیْ مَکَانَیْنِ فِیْ وَقْتٍ وَاحِدٍ غَیْرَ مُمْکِنٍ بَلْ ھُوَ مُسْتَحِیْلٌ۔

یعنی ایک شخص کا موجود ہونا دو مکانوں میں ایک ہی وقت میں غیر ممکن ہے بلکہ محال ہے۔

وَلَیْسَ کَمَاتَوَھَّمَ ھٰذَاالْمُتَوَھِّمُ مِنَ الْاِسْتِحَالَۃِ۔

یعنی جس طرح یہ وہمی وہم کررہاہے یہ بات محالات سے نہیں ہے۔

کیونکہ بڑے ائمہ عظام نے اس قسم کے جواز اور ممکن ہونے پر نص کی ہے۔ غور کیجئے امام جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسی شخصیت اس شخص کو وہمی خبطی یعنی مخبوط الحواس، پاگل سے تعبیر کررہے ہیں جو اس مسئلہ کا منکر ہے۔

کرامت کا منکر، دل کا اندھا

علامہ عبدالوہاب بن تقی الدین سبکی رحمہ اللہ تعالیٰ لکھتے ہیں:

لا ینکرہ الا جاھل معاند من انواع الکرامات للعلماء والصالحین۔۔ولا یعاند فیہ الا من طمس قلبہ والعیاذ باللہ۔

"علماء و صالحین رحمہم اللہ تعالیٰ کی کرامات کا منکر، معاند جان بوجھ کر مخالفت کرنے والا ہوتا ہے۔ کرامت کی مخالفت کرنے والے کے دل کو اللہ تعالیٰ اندھا کردیتا ہے۔" [1]

---

1 (طبقات، ص ۲۷، ج ۲)

منکرین کرامات کے چہرے بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں

علامہ عزالدین بن عبد العزیز بن عبد السلام السلمی شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مما یدلّ علی صحۃ مذہب الفقراء کثرۃ کراماتھم وما راینا احدًا من الفقهاء وقع علی یدیہ کرامۃ الا من سلک منھاجھم ومن لم یؤمن بکرامتھم حرم برکتھم وقد شاھدنا کل من انکر علی الفقراء من غیر دخول فی طریقھم یصیر علی وجھہ کابۃ وعلامۃ علی الطرد والمقت لاتخفیٰ علی ذی بصیرۃ ولا ینفع اللہ بعلمہٖ احدا بخلاف اھل الاعتقاد فیھم۔

"طریقۂ فقراء کی صحت کی دلیل یہ ہے کہ ان سے بکثرت کرامات کا ظہور ہوا ہے، اس کے برعکس ہم نے کسی بھی ظاہری علم والے سے کوئی کرامت کبھی نہیں دیکھی، البتہ جو ظاہری علم والا فقیروں کے طریقہ پر چلے گا، تو اس سے کرامت ظاہر ہو سکتی ہے۔ جو کرامات فقراء کے منکر ہیں، یہ ان کی برکت سے محروم رہتے ہیں۔ ہم نے ایسے منکرین کو دیکھا ہے جو فقراء کے طریقے کو سمجھے بغیر اعتراض کرتے رہتے ہیں، تو ان کے چہرے بے رونق اور بے نور ہوتے ہیں، ان پر غضب خداوندی اور ان پر مردود ہونے کی نشانی لگی ہوتی ہے جو اہل بصیرت سے چھپی نہیں رہتی اور اللہ تعالیٰ ایسے علم والوں سے کسی کو نفع نہیں پہنچاتا۔ مگر فقراء سے عقیدت رکھنے والوں کے علم سے لوگوں کو نفع پہنچتا ہے۔"[1]

کرامات اولیاء حق ہیں

کتب عقائد میں تصریح کی گئی ہے کہ کرامات اولیاء حق ہیں۔[2]

1(انوار قدسیہ، ص ۴۶، ج ۱)

2(شرح عقائد ص ۱۴۴)

صاحب نبراس نے لکھا ہے کہ کرامات اولیاء کا منکر معتزلی ہے۔ اہل سنت و جماعت سے خارج ہے ملاحظہ ہو۔[1]

علمائے دیوبند کے مشہور شیخ القرآن والحدیث اور مولوی زکریا صاحب کے شاگرد خاص مولوی حمد اللہ مظاہری اپنی کتاب **البصائر لمنکر التوسل باھل المقابر** میں لکھتے ہیں:

چھٹا نکتہ: کرامت کے بیان میں

جاننا چاہیے کہ مطلق کرامت شرافت کے معنی میں غیر ذوی العقول پر ہر انسان کیلئے ہے جیسا کہ ارشادِ خُداوندی ہے **"ولقد کرّمنا بنی اٰدم"** تو یہ کرامت آدمیت اور انسانیت کی ہے باقی تمام اشیاء پر۔ اور اصطلاحِ علماء میں کرامت خارقِ عادت اُمور کا ظہور ہے اُس شخص سے جو مسلمان ہو اور دعویٰ نبوّت نہ کرتا ہو اور خلافِ شرع کاموں سے بچتا ہو اور طاعات میں مشغول ہو کیونکہ اگر خارقِ عادت اُمور نبوت کے مُدعی سے قبل از نبوت ظاہر ہو تو اُسے اِرھاص کہتے ہیں اور اس کو تغلیبًا اور تشبیہًا معجزہ کہتے ہیں۔ اگر نبوت کے اعلان کے بعد ظاہر ہو تو مُعجزہ ہے اور اگر غیر مدّعی نبوت جو مؤمن ہو اور خواہشات ولذّات سے بچتا ہو اور اطاعت میں مشغول ہو، سے صادر ہو تو یہ کرامت ہے اور اگر خواہشات سے پرہیز نہ کرتا ہو تو یہ کام اس کے دعوی کے مطابق ہو گا یا مخالف۔ اگر مطابق ہو تو استدراج ہے اور اگر مخالف ہو تو اھانت ہے۔ جیسا کہ مسیلمہ کذّاب نے دعوی کیا کہ میں اندھی آنکھ ٹھیک کرونگا تو صحیح آنکھ کو بھی اندھی کر دیا اور اگر عام مؤمن کے دعوے کے مطابق ہو اور دُعا کرے کہ مصیبت دُور ہو جائے تو یہ معونت ہے۔ معلوم ہوا کہ خارقِ عادت کی چھ اقسام ہیں۔ جب آپ نے ان اقسام کو جان لیا تو یہ جاننا چاہیے کہ کراماتِ اولیاء حق ہیں۔ جیسا کہ شرح عقائد میں ہے

---

1 (نبراس ص ۴۷۱)

کہ ”کرامات الاولیاء حق خلافا للمعتزلۃ“ اور وہ لوگ جو معتزلہ کے قائم مقام ہیں اور کہتے ہیں کہ کرامت نہیں ہے جیسا کہ قصیدہ امالیہ میں ہے۔ ”کرامات الولی بدار دنیا لھا کون فھم اھل النوال“ یعنی اولیاء کی کرامات دنیا میں ثابت ہیں اور ولی عطا اور بخشش کے اہل ہیں اور شرح مواقف مقصد نہم میں کرامتِ اولیاء کی بحث میں ذکر ہے کہ کرامات جائز ہیں ہمارے نزدیک۔ اور یہ بات اُن لوگوں کے خلاف ہے جو خارقِ عادت کے جواز اور وقوع کے مخالف ہیں، خلافاللاستاذ ابی اسحاق والحلیمی اور معتزلہ بھی کراماتِ اولیاء کا انکار کرتے ہیں، اور استاذ ابوالحسن معتزلی انکار نہیں کرتے۔

(ا) اگر کسی اور کو علم حاصل ہو جائے تو وہ اللہ تعالیٰ کی عطا سے ہوتا ہے (حافظ کفایت اللہ صاحب)۔

امام نے اربعین میں کہا ہے کہ معتزلہ کرامت کا انکار کرتے ہیں، اور استاذ ابو اسحاق بھی ان کی موافقت کرتے ہیں جبکہ ہمارے اکثر اصحاب اس کو ثابت کرتے ہیں اور کرامات کا جواز ہمارے اُصول سے ظاہر ہے اور وہ یہ ہے کہ ممکنات کا وجود اللہ تعالیٰ کی قدرت کی طرف منسوب ہے جو تمام ممکنات کو شامل ہے پس کوئی ممکن شئ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں ناممکن یعنی ممتنع نہیں اور اللہ تعالیٰ کے افعال میں غرض واجب نہیں اور اس میں شک نہیں کہ کرامت ایک ممکن ہے ذات کے اعتبار سے۔ فرض کے وقوع سے محال لازم نہیں آتا۔

(ا) کرامت کے وقوع کی دلیل حضرت مریم علیہا السلام کا قصّہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام کے پاس بغیر ظاہری سبب کے رزق پہنچتا تھا اور خشک درخت سے تازہ اور پختہ کھجور گری تھی۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ حضرت زکریا علیہ السلام کی کرامت تھی یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ارہاصات میں سے ہے۔

(۲) مگر یہ بات انصاف کے خلاف ہے۔

(۳) اسی طرح حضرت آصف بن برخیار ضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قصّہ کہ حضرت بلقیس رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا تخت ایک لمحہ یعنی (پلک چھپکنے) میں حاضر کر دیا۔

(۴) اسی طرح اصحابِ کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا قصّہ کہ تقریباً تین سو ۳۰۰ سال تک سوتے رہے مگر اُن کے جسموں میں کوئی تبدیلی اور تغیّر نہیں آیا بلکہ اُن کے اجسام صحیح وسالم تھے جبکہ اصحابِ کہف رضی اللہ تعالیٰ عنہم بالاتفاق انبیاء نہ تھے تو یہ کرامت ہوئی اور یہ خارقِ عادت امور جو مذکور ہوئے ہیں ان میں نبوت کی شرائط بھی نہ تھیں اور نہ ہی معجزے کی شرائط تھیں جو کہ نبوت کا دعویٰ کرنا ہے۔

(۱) تو کرامت بھی واقع ہو سکتی ہے بلکہ واقع ہوئی ہے۔(حافظ کفایت اللہ)

(۲) ارھاصات۔ خرق عادت امور کی تقسیم میں وضاحت ہو چکی ہے۔(مترجم ابو الصابر سواتی)

(۳) کیونکہ اگر یہ حضرت زکریا علیہ السلام کا معجزہ ہوتا تو حضرت زکریا علیہ السلام نے پھر یہ کیوں پوچھا کہ انّٰی لک ھٰذا اور حضرت مریم علیہا السلام نے جواب دیا کہ قالت ھو من عند اللہ۔ بلکہ یوں فرماتیں کہ یہ آپ علیہ السلام کا معجزہ ہے اور حضرت زکریا علیہ السلام کیا اپنے معجزے سے باخبر نہ تھے کہ حضرت مریم علیہا السلام سے پوچھا؟ اور دوسرا یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام نے دعویٰ نبوت بھی نہیں کیا تھا تو یہ بات ثابت ہے کہ جو خرقِ عادت کام کسی غیر مدعی نبوت سے ظاہر ہو تو وہ کرامت ہے نہ کہ معجزہ۔(حافظ کفایت اللہ)

(۴) پندرہ سو میل کے فاصلے سے تخت حاضر کرنا بھی کرامت ہے نہ کہ معجزہ کیونکہ یہ کام غیر نبی کے ہاتھ سے صادر ہوا ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے تخت لانے کا حکم مخاطبین کو فرمایا تھا

كقوله تعالٰی ''قال يايّها الملأ ايّكم يأتينی بعرشها۔۔۔الخ''تو معلوم ہوا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا معجزہ نہ تھا بلکہ حضرت آصف بن برخیا رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کرامت تھی۔(حافظ کفایت اللہ)

محقق بغدادی نے روح المعانی میں آیت ''واحاط بما لديهم واحصٰى كلّ شئ عددًا'' کے تحت فرمایا ہے کہ ای فردًا فردًا حال من فاعل يسلك بتقدير قد۔۔۔الخ۔یعنی اللہ تعالیٰ نے احاطہ کیا ہے ہر اس چیز کا جو ان کے پاس ہے اور اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کو فردًا فردًا یعنی ایک ایک کرکے گن لیا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے تمام اشیاء پر علم کے مزید اعتناء اور اہتمام کی طرف اشارہ ہے اور اللہ تعالیٰ منفرد ہے اس علم میں علی الکمال۔ اور اس علم میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی بھی شریک نہیں مثلًا فرشتے جو وسائط اور ذرائع اس علم کے ہیں۔ گویا ایسا کہا گیا کہ لٰكن من ارتضىٰ جو وہ رسول ہیں کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے بواسطہ مَلک یعنی فرشتہ کے بعض وہ غیب عطا فرمایا جو رسالت سے متعلق ہے اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کے تمام احوال اور وسائط اور تمام اشیاء پر بطریقہ حصر و تفصیل کے احاطہ فرمایا ہے۔ پس واسطے کب اس کے برابر ہو سکتے ہیں۔ اور یا یہ حال ہے احصیٰ کے فاعل کا اور اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ رصد نے بذاتِ خود اس علم میں جو ان کو دیا گیا ہے زیادتی اور نقصان نہیں کیا گویا کہ اس طرح کہا گیا ہے کہ رسولِ اکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم اس بات کو جان لیں کہ رصد نے اُمورِ مفوضہ ان کو پہنچائیں ہیں اس حال میں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ ان کے تمام احوال کو جانتا ہے پس اگر انہوں نے زیادتی یا نقصان کیا ہے تو اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ہے اور اللہ تعالیٰ ایسے رصد مقرر نہیں فرماتا جو اللہ تعالیٰ کے احکام میں زیادتی یا نقصان کرتے ہیں اور اگر کوئی اس آیت ''فلايظهر على غيبهٖ احدًا۔۔۔الخ'' سے استدلال کرے کہ بعض غیب کی باتوں کی اطلاع

کراماتِ اولیاء سے نہیں ہے تو یہ استدلال صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت سالبہ جزئیہ کی قوّت میں ہے کیونکہ حیز سلب میں وہ چیز شامل ہے جو عموم کا فائدہ دیتی ہے اور اس کا ستعمال اکثر سلبِ عموم کیلئے ہوتا ہے جیسا کہ صاحبِ شرح مقاصد نے تصریح فرمائی ہے اور عمومِ سلب کیلئے نہیں آتا جو سلبِ کلی ہے بلکہ سلبِ جُزئی کیلئے آتا ہے اور یہ ایجابِ جزئی کے منافی نہیں ہے تو مطلب یہ ہوا کہ بعض غیب ولی کیلئے بھی ثابت ہے جیسا کہ بعض اہلسنت وجماعت نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول "لاتدرکہ الابصار وھو یُدرک الابصار" کی تفسیر میں (ا) اور اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ استثناء کا تقاضہ یہ ہے کہ مرتضیٰ رسول مظہر اور مطّلع ہیں اللہ تعالیٰ کے تمام غیوب پر کیونکہ نفی سے استثناء مستثنیٰ کیلئے نفی کی نقیض کے ایجاب کا تقاضا کرتا ہے اور سالبہ جزئیہ کا نقیض موجبہ کلیہ ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کسی پر بھی اپنے تمام غیوب کا ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ یہ استثناء منقطع ہے جس پر حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے تصریح فرمائی ہے۔ اگر استثناء متصل ہوتا تو پھر یہ مراد ہوتا جبکہ حقیقتًا یہ استثناء منقطع ہے نہ کہ متصل۔

(ا) کہ یہاں مراد عموم کا سلب ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ عام اوقات میں لوگ دیکھ نہیں سکتے نہ کہ یہ مراد ہے کہ کسی بھی حالت میں نہیں دیکھ سکتے۔ (حافظ کفایت اللہ)

اور یہ اعتراض بھی نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے غیب کے اظہار کی نفی ہر کسی کیلئے سوائے رسولوں کے فرمائی ہے کیونکہ اس سے یہ لازم آتا ہے کہ فرشتوں کو بھی معلوم نہیں یعنی ان پر بھی اظہار نہیں فرمایا کیونکہ رسول سے مراد بشر ہیں۔ جیسا کہ "فانّہ یسلک۔۔۔الخ" سے معلوم ہوتا ہے، کیونکہ رسولِ بشر کے لئے فرشتے مقرر ہیں جو اس کی حفاظت کرتے ہیں اور یہ بھی لازم آتا ہے کہ رسول کے بغیر جو صرف نبی ہو اور رسول نہ ہو اُن پر بھی غیب کا اظہار نہ ہوا ہو کیونکہ یہاں خاص

معنٰی مراد ہے جو کہ رسالت اور اس کے ساتھ نبوت ہے اور یہ اعتراض اس لیے وارد نہیں ہو سکتا کہ ہم پہلے اس کا ذکر کر چکے ہیں۔

اور اسی طرح یہ لازم بھی نہیں آتا کہ وہ علم جو رسالت سے متعلق نہ ہو وہ رسول پر ظاہر نہ ہو اور وہ علم حکمتِ شرعی میں مُخل نہ ہو اگر اس کا اظہار کیا جائے کیونکہ بعض مظہر کا اس علم کے ساتھ جو رسالت سے متعلق ہے حصر نہیں ہے اور اگر اس کی طرف روح المعانی نے اشارہ کیا ہے تو یہ مقام کے تقاضے کی وجہ سے ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ ہر وہ غیب جو ظاہر ہو جائے رسول صَلَّی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسَلَّم پر تو وہ رسالت کے ساتھ متعلق ہے اور رسالت کے متعلقات سے ہو گا تو بات محلّ توقف ہے یعنی اس بارے میں تصریح نہیں ہوئی ہے اور مفسرین نے اس مقام پر کلام مع مالہ وما علیہ علی حسب الامکان فرمایا ہے۔

ہم کہتے ہیں کہ جب اہلِ سنت وجماعت کا مذھب یہ ہے کہ اولیاء رحمھم اللہ تعالیٰ کی کرامات ثابت ہیں وہ غیب پر مطلع ہیں اور ظاہر آیت سے نفی معلوم ہو رہی ہے۔ "فلایظھر علی غیبہ احدًا۔۔۔الخ" کیونکہ اس میں صرف رسول اور نبی علیہ السلام کا استثناء ہوا ہے نہ کہ ولی کا۔ تو زمخشری نے کہا کہ اس میں فی الجملہ کرامات کی نفی اور ابطال ہے نہ کہ سلب کلی کے ساتھ کیونکہ مراد اس سے غیب کا اظہار ہے نہ کہ مطلق کرامت کیونکہ اظہارِ غیب کے بغیر مطلق کرامت کی نفی اس آیت سے معلوم نہیں ہوتی اور یہ کیوں کرامت کے باطل ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ زمخشری کہتے ہیں کہ وہ لوگ جن کو کرامت کی اضافت حاصل ہوتی ہے

(۱) میں نہیں جانتا کہ مصنّف کی یہ بات ماذکرنا یعنی ہم نے پہلے ذکر کیا ہے، سے کیا مراد ہے۔ (واللہ اعلم) اور یہ کس چیز کا حوالہ ہے اور میرا خیال یہ ہے کہ تفصیلی علم جو اللہ تعالیٰ کے علم

کے مساوی ہے تو یہ حاصل نہیں ہو سکتا اور اگر بہ نسبت تمام مخلوقات کے ہو تو پھر حاصل ہو سکتا ہے اور اگر اللہ تعالیٰ رسولِ ملائکہ کو عطا فرمائے تو بھی ہو سکتا ہے کیونکہ یہ علم اگر فرشتوں کے واسطے سے ہو تو جو فرشتے اس علم کو لاتے ہیں تو ان کو بھی یہ معلوم ہو گا کیونکہ اگر انہیں معلوم نہ ہو تو وہ رسول تک کیسے پہنچائیں گے اور اگر یہ علم بغیر واسطے کے ہو تو ہو سکتا ہے کہ رسولِ بشری کو حاصل ہو اور فرشتوں کو اس کی خبر نہ ہو اور جب رسول کو یہ علم عطا کیا گیا جو رسالت سے متعلق ہے تو پھر یہ علم نبی کو بھی عطا کیا جا سکتا ہے کیونکہ نبی کے بھیجنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ رسالت اور نبوت کے متعلقات لوگوں تک پہنچائیں جائیں اور عام سے خاص کا ارادہ کرنا یہ مجازاً ہے اور یہاں پر مجازی معنی پر رسول سے خاص معنی مراد لیا جائے تو وہ بعثت کے منافی ہے جو اللہ کے احکام کی تبلیغ ہے۔ واللہ ورسولہ اعلم۔ (حافظ کفایت اللہ)

اولیاء ہیں اور مرتضین بھی ہیں لیکن انبیاء اور رُسل نہیں ہیں اور جبکہ اس آیت میں رسولوں کی تخصیص اطلاع علی الغیب کے ساتھ ہے اور کہانت اور علمِ نجوم کا ابطال ہے کیونکہ یہ لوگ ارتضاء سے بہت دُور ہیں اور اللہ تعالیٰ کے غصّہ اور ناراضگی میں داخل ہیں اور انہوں نے آیتِ کریمہ کی تفسیر اپنے مذھب کے موافق کی ہے اور معتزلی کا استدلال اپنے مذھب پر تام یعنی مکمل نہیں ہوتا کیونکہ امام نے فرمایاہے کہ اس آیت میں عموم کا صیغہ نہیں ہے پس کافی ہے اس آیت پر عمل کرنے میں کہ اللہ تعالیٰ اپنے خاص غیب کو کسی پر بھی ظاہر نہیں فرماتا پس اس آیت میں اس بات کی دلیل نہیں رہی کہ اللہ تعالیٰ غیب میں سے کوئی چیز ظاہر نہیں فرماتا کیونکہ اس سے مراد قیامت کا وقوع ہے کہ قیامت کب ہو گی نہ کہ اس سے مراد عام غیب ہے۔ پھر کہا کہ اگر کوئی یہ اعتراض کرے کہ آپ آیت کو خاص غیب پر محمول کرتے ہیں جو قیامت کا واقع ہونا ہے اور یہ خاص غیب ہے تو پھر یہ کیوں

فرمایا گیا کہ "الاّ من ارتضٰی من رسول۔۔۔الخ" اور یہ (قیامت کا علم) رسولوں پر بھی ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ بات غلط ہے بلکہ قیامت کے وقوع کا علم قُربِ قیامت میں ظاہر ہو گا اور کیوں نہ ظاہر ہو گا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "ویوم تشقق السماء بالغمام و نزل الملائکۃ" اور اس میں شک نہیں کہ اس وقت فرشتوں کو وقوع قیامت کا علم حاصل ہو گا اور یہ بھی احتمال ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد استثناء منقطع ہو تو مطلب یہ ہو گا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے پس ظاہر نہیں فرماتا کسی پر بھی خاص غیب کو جو وقوعِ قیامت کا علم ہے اس کے بعد کہا گیا ہے "الاّ من ارتضٰی من رسول" یعنی "یسلک من بین یدیہ و من خلفہ حفظۃ یحفظونہ من شرّ مردۃ الانس و الجن انتھٰی" یعنی آگے پیچھے نگہبان فرشتے حفاظت کرتے ہیں سرکش انسان اور جنّات سے۔

اس پر اعتراض ہے کہ علی غیبہ میں عموم پر دلالت ہے اور سیاق بھی عموم کے منافی نہیں ہے اور ہو سکتا ہے کہ اس میں طعن کیا جائے اس کا ظاہر اول جواب یہ ہے کہ قِیل کے قول سے مراد رسول سے ملک یعنی فرشتہ ہے اس آیتِ کریمہ میں۔ لیکن یہ جواب صحیح نہیں ہے کیونکہ یسلک۔۔۔الخ اس سے موافقت نہیں ہے جیسے کہ پہلے یہ بحث گزر چکی ہے کیونکہ فرشتوں کا سلک رسولِ بشری سے ہوتا ہے نہ کہ رسولِ ملکی سے تو رسولِ بشری ہے نہ کہ رسولِ ملکی۔ اس کے علاوہ یہ کہ فرشتوں کا علم "یوم تشقق السماء" کے دن اظہارِ غیب نہیں بلکہ شہادت کے ظاہر ہونے کا وقت ہے۔ جیسا کہ بارش کا اظہار بارش کے نزول کے وقت اور مافی الارحام کا اظہار وضعِ حمل کے وقت، یہ شہادت کا اظہار ہے۔ اسی طرح اس وجہ سے انقطاع جس کا ذکر ہو چکا بہت بعید ہے کیونکہ اس میں سابق اور لاحق کے درمیان مناسبت نہیں ہے مگر یہ کہ اگر یہ کہا جائے کہ مناسبت کا قطع ہونا منقطع میں ضرر یعنی نقصان نہیں دیتا اور کہا گیا ہے کہ غیب کا اطلاع کے معنی میں ظاہر ہونا مکمل وجوہ کے

ساتھ اس شان سے کہ اس سے اعلیٰ درجہ کا علم حاصل ہو جائے اور مراد عموم السلب ہے اور ضرر نہیں دیتا اس میں اس چیز کا دخول جو نفی کے حیزّ میں عموم کا فائدہ دیتا ہو کیونکہ یہ قاعدہ اکثریہ ہے نہ کہ قاعدہ کلیہ اس آیتِ مبارکہ کی وجہ سے کہ وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ مُخْتَالٍ فَخُورٍ ﴿۲۳﴾" یا یہ آیتِ کریمہ "وَ اللّٰہُ لَا یُحِبُّ کُلَّ کَفَّارٍ اَثِیمٍ ﴿بقرۃ ۲۷۶﴾(۱)۔ ان آیتوں میں عموم السلب ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر متکبر اور فخر کرنے والے سے محبت نہیں فرماتا اور ہر کافر اثیم کے ساتھ محبت نہیں فرماتا۔ یعنی عدمِ محبت ہر کافر، متکبّر اور فخور کو شامل ہے اور عموم کا سلب مراد نہیں ہے کہ گویا ہر ایک کو پسند نہیں فرماتا اور بعض کے ساتھ محبت فرماتا ہے اور علّامہ تفتازانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس پر تصریح فرمائی ہے۔ اس بناء پر آیت کا معنٰی یہ ہوا "فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا ﴿۲۶﴾ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا ﴿جن ۲۷﴾ مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ اپنے غیب میں سے بعض اشیاء کو اس شان سے ظاہر فرماتا ہے کہ آگے پیچھے چلتا ہو، الخ اور وارد نہیں ہوتا ولی کی کرامت کیونکہ اس کو اظہار مذکور نہیں کہا جاسکتا کیونکہ ان کو علم کے اعلی مراتب حاصل نہیں ہوتے اس غیب سے جس سے خبر دی جاتی ہے اور ظنونِ صادقہ یا اس کی مثل حاصل ہوتے ہیں اسی طرح اور لوگ بھی ہیں جیسے کافروں کے اربابِ ریاضت یعنی کافروں کو بھی ریاضت کی وجہ سے ظنون حاصل ہوتے ہیں۔ پھر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ بعض صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں مثلاً محی الدین قدس سرہ کہ اولیاء پر بھی فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اور کبھی کبھی ان اولیاء کو غیب کی خبر دیتے ہیں اور اس بات پر یہ آیت "اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۳﴾ " دلیل ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ ظن ہے اور اس علم کی طرح نہیں ہے جو رسول کو حاصل ہوتا ہے۔ تو یہ بات بحث سے خالی نہیں بلکہ کبھی ولی کو بواسطہ الہام

حاصل ہوتا ہے جس طرح رسول کو حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح یہ لازم آتا ہے کہ فرشتے کیلئے غیب ظاہر ہو جائے کیونکہ رسول مستثنٰی رسولِ بشری ہیں۔ جیسا کہ سابقہ بحث سے ظاہر ہوا اور اگر یہ التزام کیا جائے کہ معنٰی سابقہ کے ساتھ ظاہر نہیں ہوتا بلکہ واسطے سے ظاہر ہوتا ہے تو اس کے لیے کوئی وجہ نہیں۔ آخر میں فرماتے ہیں کہ معلوم ہوا کہ کرامات کا اثبات جمہور اہلِ سنت وجماعت کا قول ہے بخلاف معتزلہ کے۔ اور ان کی دلیل غیر تام یعنی نامکمل ہے جیسا کہ آپ نے جوابات سے سمجھ لیا ہے۔

اسی طرح کراماتِ اولیاء کے ثبوت میں احادیث وارد ہیں اور کتبِ احادیث میں باب الکرامات ذکر کیا جاتا ہے۔ جس کی مثالیں گزر چکی ہیں۔ جیسے بغیر باپ کے بیٹا پیدا کرنا اور بغیر سبب کے رزق دینا اور حضرت بلقیس رضی اللہ تعالٰی عنہا کا تخت حاضر کرنا اور اصحابِ کہف کا واقعہ یہ سب کرامات ہیں۔

(۱) یعنی یہ قاعدہ ہے کہ جب عام نفی کے حیّز میں آجائے تو سلب العموم کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ قاعدہ کلیہ نہیں ہے۔ (حافظ کفایت اللہ)

ساتواں نکتہ: اس بحث میں ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے اس معنٰی میں کہ جو شخص اس دنیا میں صاحبِ کرامت ہے آیا مرنے کے بعد بھی ان کی کرامت باقی ہے یا نہیں؟ اہلِ حق کا مذھب یہ ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے۔ جس طرح موت سے نبوت منقطع نہیں ہوتی اور مؤمن کا ایمان منقطع نہیں ہوتا اسی طرح موت سے کرامات کا انقطاع بھی نہیں ہوتا۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام ابو داؤد نے اپنی سُنن میں ایک باب **"باب مایری من النّور عند قبر الشھید"** باب باندھا ہے اور حدیث ذکر فرمائی ہے کہ حضرت نجاشی رضی اللہ تعالٰی عنہ کی قبر مبارک پر نور دیکھا جاتا تھا اور یہ

بعد الوفات کرامت ہے۔ طریقہ محمدیہ اور اس کے حاشیہ حدیقہ الندیہ میں مذکور ہے کہ "کرامة الولی لاتنقطع بالموت کما ان رسالة الرسول لاتنقطع بالموت"۔

(۱) اسی طرح علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے روح المعانی میں "فالمدبرات امرًا" کی تفسیر میں فرمایاہے:

کہا گیاہے کہ یہ نفوسِ فاضلہ پر قسم ہے موت کے وقت ابدان سے مفارقت کے وقت کیونکہ نفوس اجسام سے بڑی سختی سے خارج ہوتے ہیں الخ" پھر فرمایا کہ یہ نفوس شرافت اور قوت کی وجہ سے مدبرات میں سے ہو جاتے ہیں۔ یعنی فرشتوں کے ساتھ مل جاتے ہیں اور تدبیر کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ امام رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ یہ نفوس ابدان سے جدا ہونے کے بعد ظاہر ہوتے ہیں اور ان کے لیے دنیامیں اثرات اور احوال ہوتے ہیں جس طرح ایک شخص وفات کے بعد اپنے شیخ کو دیکھتاہے اور وہ شیخ اس کو وہ بات بتاتا ہے جس نے اسے پریشان کرر کھاہوتاہے اور غم میں ڈالاہوتاہے۔ جیسا کہ جالینوس سے یہ بات منقول ہے کہ جب وہ بیمار ہوااور حکماء اور اطبّاء اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو خواب میں اسے علاج بتایا گیا پھر جب وہ نیند سے بیدار ہوااور وہی عمل کیا توشفایاب ہو گیااور اس کو امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ذکر کیاہے اور اسی وجہ سے کہا گیاہے کہ (جبکہ یہ حدیث نہیں ہے جیسا کہ بعض نے وہم کیا ہے) "اذاتحیرتم فی الامور فاستعینوا من اصحاب القبور ای من اصحاب النفوس الفاضلة المؤمنین" یعنی جب تم لوگ حیران ہو جاؤ کسی کام میں تو پاکیزہ اہل النفوس سے مدد مانگواور اس میں شک نہیں کہ زیارت کرنے والے کو روحانی مدد ان کی برکت سے حاصل ہوتی ہے اور سخت اُمور حل ہو جاتے ہیں اور گرہ اللہ تعالیٰ کی طرف ان کے توسل کی انگلیوں سے کھول دی جاتی ہیں اور النازعات کی تفسیر میں حضرت سدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے "نفوس" روایت ہوا ہے۔ پھر فرمایا کہ اس بات میں شک نہیں کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ میں سے جن کو چاہے اکرام عطا فرماتا ہے مرنے کے بعد جس طرح کہ موت سے قبل عطا فرماتا (۱) اسی طرح بریقہ محمودیہ شرح طریقہ محمدیہ میں مذکور ہے "ولا ینکر الکرامۃ بعدالموت الاّ رافضی۔۔۔الخ" جیسا کہ یہ بات جامعہ اسلامیہ اکوڑہ خٹک کے مہتمم صاحب مرحوم نے اپنے رسالے زیارۃ القبور میں ذکر کی ہے۔ (حافظ کفایت اللہ)

پس اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ فرمائے اس کو اس کرامت کے ذریعے ظاہر کر دیتا ہے مثلاً مریض کا صحت مند ہو جانا، غرق ہونے سے بچ جانا، دشمن پر غلبہ حاصل ہونا اور بارش کا ہونا۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ ولی کی شکل میں صورتِ مثالی پیدا فرما دیتا ہے جو وہ کام کر دیتا ہے جس کا سائل نے سوال کیا ہوتا ہے اور یہ کام وہ اللہ تعالیٰ کے اذن سے اور ولی کے وسیلے اور حُرمت سے کرتا ہے وہ کام میں جس میں اثم اور گناہ نہ ہو سائل کی اجابت کیلئے۔ اور سائل کے استدراج کیلئے جس کام میں گناہ ہو اور ناجائز ہو اسے بھی اللہ تعالیٰ کبھی کبھی ظاہر فرما دیتا ہے۔

(۱) یہ روح المعانی پارہ تیس ۳۰ کی عبارت ہے۔

پس ثابت ہوا کہ اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کیلئے بعد الوفات روحانی مدد بھی ثابت ہے اور یہ کرامت بعد الوفات ہے اور صاحب روح المعانی علّامہ آلوسی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ان مخالفین کے بھی معتمد ہیں اور ہو سکتا ہے کہ ان (مخالفوں) نے اس مقام کا مطالعہ نہ کیا ہو ورنہ پھر یہ (مخالفین) ان (علّامہ آلوسی) پر اعتقاد نہ رکھتے کیونکہ یہ ان (مخالفین) کا طریقہ ہے۔

(۲) اور یہ مخالفین ہر اس شیخ، عالم، مرشد اور مفسّر کی بے ادبی کرتے ہیں جو ان کے عقیدے کے مخالف ہو۔ یا اللہ ہم مشائخِ عظام کی بے ادبی سے پناہ مانگتے ہیں کیونکہ بے ادبی فیضانِ ربّ سے محرومی کا سبب ہے۔

جیسا کہ مولانا رومی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

بے ادب محروم بود از فضلِ رب — از خُدا خواہیم توفیقِ ادب

تفسیر مظہری جلد:۲ میں آیت "وَلَا تَحۡسَبَنَّ الَّذِینَ قُتِلُوا فِی سَبِیلِ اللّٰہِ اَمۡوَاتًا ؕ بَلۡ اَحۡیَآءٌ عِنۡدَ رَبِّہِمۡ یُرۡزَقُوۡنَ ﴿ال عمران ۱۶۹﴾ کی تفسیر میں مذکور ہے:

صوفیائے کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں:

"ان ارواحنا اجسادنا و اجسادنا ارواحنا"۔

ہماری ارواح ہمارے اجساد ہیں اور ہمارے اجساد ہماری ارواح ہیں۔

اور تواتر کے ساتھ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ سے یہ بات منقول ہے کہ "ینصرون اولیاء هم ویدمرون اعدائهم" کہ اولیائے کرام رحمہم اللہ تعالیٰ (شھداء) اپنے دوستوں کی مدد کرتے ہیں اور اپنے دشمنوں کو ہلاک کرتے ہیں اور بقول مفسرین یہ نسبت مجازی ہے۔ جیسا کہ "انبت الربیع البقل و شفی المریض الطبیب" یعنی موسمِ بہار نے سبزہ اُگایا اور طبیب نے مریض کو شفا دی حالانکہ حقیقت میں شافی اور سبزہ اُگانے والا اللہ تعالیٰ ہے اور موحد کا یہ عقیدہ ہے اور یہ مجاز کی دلیل ہے جیسا کہ علمِ معانی میں یہ ذکر ہے مثلاً مختصر المعانی اور مطول وغیرہ۔

(۱) تاکہ سائل یہ گمان کرے کہ میں حق پر ہوں۔ (حافظ کفایت اللہ)

(۲)یعنی اگر یہ مخالفین اپنے عقیدے کے خلاف کوئی بات دیکھیں اگرچہ کہ معتمد شخص نے فرمایاہو مگر یہ مخالفین پھر بھی اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔(حافظ کفایت اللہ)

ملّا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ مرقات شرح مشکوٰۃ ج:۱ص:۳۳۵میں فرماتے ہیں کہ:

"مؤمن کی روح آسمان اور زمین کے ملکوت میں سیر کرتی ہے اور جنت میں جہاں چاہے جاتی رہتی ہے اور پھر عرش کے نیچے قنادیل یعنی (شمعوں) کی طرف آتی ہیں اور روحوں کا جسم سے تعلق اس شان سے ہے کہ وہ تلاوتِ قرآن کرتی ہیں اور نماز بھی پڑھتی ہیں۔"

پھر فرمایاکہ کسی آیت سے بھی اس چیز میں اشکال وارد نہیں ہوتا۔

پھر اسی جلد:ص:۳۴۲میں فرماتے ہیں اور اولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ کی شان سے یہ بعید نہیں ہے کیونکہ زمین ان کے لیے سمیٹ دی جاتی ہے جسے طئ الارض کہتے ہیں اور انہیں مختلف اور متعدد مکتسب ابدان حاصل ہوتے ہیں۔یعنی کام کرنے والے مختلف اجسام حاصل ہوتے ہیں اور ایک آن میں مختلف مقامات پر موجود ہوسکتے ہیں۔اسی طرح مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن میں شہید کا اپنی قبر میں سورۃ الملک کا پڑھنا اور صحابیِٔ رسول صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا اسے سننا ذکر کیا گیا ہے۔پھر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضورِاکرم صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کو سارا قصّہ بیان کرنا اور حضور صَلی اللہ تعالیٰ علیہ وَاٰلہ واصحابہ وَسلَّم کا اس پر انکار نہ فرمانا اس بات پر روشن دلیل ہے کہ کرامت بعد الوفات ثابت ہے اور روح کا اپنے جسم سے تعلق ہے کیونکہ تلاوت کررہی تھی یا جسم تلاوت کررہاتھا۔

مولوی اشرف علی تھانوی نے کتاب بزم جمشید میں ذکر کیا ہے کہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے والد ماجد رحمہ اللہ تعالیٰ حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ

کے مزار پر عادتاً حاضری دیتے تھے۔ ایک دن ان کے دل میں یہ بات آئی کہ صاحبِ مزار (بختیار کاکی رحمہ اللہ تعالیٰ) کو میری حاضری کا علم ہوتا ہے یا نہیں؟ تو اچانک قبرِ مبارک سے ایک شعر سُنا کہ "احسبنی حیا مثل نفسک ان کنت جئت بجسدک فانّی جئت بالروح" یعنی مجھے زندہ سمجھو اپنی طرح اگر تم جسمانی طور پر حاضری دیتے ہو تو میں روحانی طور پر حاضر ہوتا ہوں۔ پھر تفصیلی قصّہ ذکر کیا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ آگے چل کر تفصیل سے ذکر کروں گا۔

ان دلائل سے کرامت بعد الموت واضح طور پر ثابت ہوئی جبکہ ان کے علاوہ بھی کثیر دلائل ہیں جن سے میں نے مشتِ نمونہ خروار کے طور پر چند ذکر کئے ہیں کیونکہ عقل مند کیلئے اشارہ کافی ہے اور چُلّو پانی دریا پر دلالت کرتا ہے اور یہاں جن مفسرین اور محدثین کے اقوال ذکر کئے گئے ہیں وہ سب حنفی ہیں۔ مثلاً صاحبِ روح المعانی، صاحبِ تفسیر مظہری، صاحبِ مرقات رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اور مولانا اشرف علی تھانوی۔ پس متقدمین اور متاخرین علماء سے کرامات بعد الوفات کا تسلیم کرنا ثابت ہوا۔ الحمد للہ علیٰ ذٰلک۔

تصرفات الاولیاء فی الحیوۃ وبعد الوفاۃ وهل الكرامة في اختيارهم املا؟

يقول ابن عجيبة

الإشارة: والأرواح النازعات عن ملاحظة السِّوى غرقاً في بحار الأحدية. والناشطات من علائق الدنيا ومتابعة الهوى نشطاً ، والسابحات بأفكارها في بحر أنوار الملكوت ، وأسرار الجبروت ، سبحاً ، فالسابقات إلى حضرة القدس سبقاً ، فالمدبرات أمر الكون ، بالتصرُّف فيه بالنيابة عن الحق ، وهو مقام القطبانية ، أو النازعات عن الحظوظ والشهوات غرقاً في التجرُّد إلى العبادات بأنواع الطاعات. وهذه أنفس العُبّاد ، والناشطات عن الدنيا ، وأهلها فراراً إلى الله نشطاً ، وهي أنفس الزُهّاد ، والسابحات بعقولها في أسرار العلوم ،

فتستخرج من الكتاب و السنة درراً و يواقيت ، يقع النفع بها إلى يوم الدين ، و هي أنفس العلماء الجهابذة ، فالسابقات إلى الله بأنواع المجاهدات و السير في المقامات ، حتى أفضت إلى شهود الحق عياناً ، سبقاً ، وهي أنفس الأولياء العارفين ، فالمُدبرات أمر الخلائق بقسم أرزاقها و أقواتها و رتبها ، و هي أنفس الأقطاب و الغوث۔[1]

يقول شهاب الدين أحمد الحموى الحسينى

و من ذلک تعلم أن ما ظهر من التصرفات على يد الاولياء لا يخالف صريح القرآن؛ لأن هذا التصرف الذى ينسب للأولياء هو نوع من الكرامات وهو فعل الله و خلقه، يظهره الله إكرامًا لهم، تارة بإلهام و تارة بمنام و تارة بدعائهم و تارة بفعلهم اختيارهم و تارة بغير اختيار و لا قصد و لا شعور منهم۔[2]

يقول السيد محمد انور شاه الكشميرى

أما الفَرْق بين الكرامةِ والمعجزة: فبأن الكرامةَ تحتاجُ إلى صَرْفِ هِمَّة الولي، فللكَسْب و الاكتساب دخلٌ فيها، بخلاف المعجزةِ، فإنَّها لا تَحْتاج إلى صَرْف الهِمَّة۔[3]

يقول شيخ الإسلام زكريا بن محمد الأنصارى

و الكرامة فِعْل لا محالة محدث، لأن ما كان قديماً لم يكن له اختصاص بأحد، وهو ناقض للعادة، وتحصل في زمان التكليف وتظهر على عبد تخصيصاً له وتفضيلاً۔ وقد تحصل باختياره و دعائه، و قد لا تحصل له، و قد تكون بغير اختياره في بعض الأوقات۔[4]

[1] (البحر المديد، ج۸، ص۲۲۷، ۲۲۸، الناشر: دار الكتب العلمية)

[2] (نفحات القرب و الاتصال بإثبات التصرف لأولياء الله تعالى بعد الانتقال، ص ۱۰۴)

[3] (فيض البارى، باب فضائل القرآن، ج۴، ص ۲۶۴)

[4] (نتائج الافكار القدسية فى بيان معانئ شرح الرسالة القشيرية، ج ۲، ص ۲۵۴)

يقول محمد بن يوسف الصالحي الشامي

واختلف في تجويز الكرامات على حكم الاختيار، شرط الكرامة صدورها بلا اختيار من الولي، وأن الكرامة تفارق المعجزة من هذا الوجه، قال إمام الحرمين في الإرشاد: وهذا غير صحيح قال: وصار صائرون إلى جواز وقوعها اختيارا۔ [1]

يقول محمد بن يوسف السنوسى

وقد اختلف المتكلمون فى امتناع صدور الكرامت عن اختيار و قصد من الولى على قولين، و كذا اختلفوا فى صحة وقوعها مقارنة لدعوى الولاية، فاجاز ذلک القاضى و منعه غيره۔ [2]

يقول محمد بن علي بن آدم بن موسى الإتيوبي الولوي

(ومنها): بيان أن كرامات الأولياء قد تقع باختيارهم، وطَلَبهم، قال النوويّ: وهذا هو الصحيح عند أصحابنا المتكلمين، ومنهم من قال: لا تقع باختيارهم وطلبهم۔ [3]

يقول ابن الملقن

سراج الدين أبو حفص عمر بن علي بن أحمد الشافعي المصري

أن كرامات الأولياء قد تقع باختيارهم وطلبهم، وهو الصحيح عند أصحابنا المتكلمين، ومنهم من قَالَ: لا تقع باختيارهم وطلبهم۔ [4]

يقول أبو زكريا يحيى بن شرف بن مري النووي

وفيه أن كرامات الأولياء قد تقع باختيارهم وطلبهم وهذا هو الصحيح عند اصحابنا المتكلمين ومنهم من قال لا تقع باختيارهم وطلبهم۔ [1]

---

[1] (سبل الهدى والرشاد، ج ۱۰، ص ۲۳۸)

[2] (المنهج السديد فى الشرح كفايت المريد، ص ۳۸۰ فصل فى جواز خرق العادات كرامتًا للاولياء السادات)

[3] (البحر المحيط الثجاج في شرح صحيح الإمام مسلم بن الحجاج، ج ۴۰، ص ۲۵۰، الناشر: دار ابن الجوزي)

[4] (التوضيح لشرح جامع الصحيح، ج ۹، ص ۲۹۰، الناشر: دار الفلاح)

يقول الشيخ المحقق سيد ادريس بن احمد الحسنى

ومذهب المحققين جواز وقوع الخوارق كلها على يد الولى باختياره او بغير اختياره۔[2]

يقول عبد الحق بن سيف الدين بن سعد اللہ البخاري الدِّهلوي الحنفي

وقال أحد من المشايخ العظام: رأيت أربعة من المشايخ يتصرفون في قبورهم كتصرفهم في حياتهم أو أكثر، الشيخ معروف الكرخي، والشيخ عبد القادر الجيلي -رضي اللہ عنهما-، وذكر رجلين غيرهما، وقال سيدي أحمد بن زروق شارح (كتاب الحكم)، وهو من أعاظم الفقهاء وعلماء الصوفية من ديار مغرب قال: قال لي شيخي أبو العباس الحضرمي يومًا: هل إمداد الحي أقوى أم إمداد الميت؟ فقلت: إنهم يقولون: إمداد الحي أقوى، وأنا أقول: إمداد الميت أقوى، فقال: نعم، لأنه في بساط الحق، والنقل في ذلک كثير عن هذه الطائفة، ولم يعرف في الكتاب والسنة وأقوال السلف ما ينافي ذلک ويرده، كيف وقد ثبت في الدين أن الروح باقية، ولها علم وشعور بالزائرين، ولأرواح الكاملين قرب ومكانة من جناب الحق تعالى، كما كان في الحياة أو أتم من ذلک، وهم يثبتون الكرامات، والتصرف في الأكوان للأولياء، وليس ذلک إلا لأرواحهم المقدسة، وهي باقية، والمتصرف الحقيقي ليس إلا اللہ سبحانه، والكل بقدرته، وهم فانون في جلال الحق في الحياة وبعد الممات، فلو أعطى لأحد بوساطة أحد من أوليائه ومكانته عنده شيئًا كما كان في حالة الحياة لم يبعد، وليس الفعل والتصرف في الحالتين إلا اللہ تعالى وتقدس، وليس في الحالتين ما يوجب الفرق، ولم يدل عليه دليل في الشرع۔[3]

---

[1](المنهاج شرح صحيح مسلم بن الحجاج، ج١٦، ص٣٢٤، الناشر: دار المعرفة، بيروت، لبنان)

[2](النشر الطيب على شرح الشيخ الطيب، ج٢، ص١٩٤)

[3](لمعات التنقيح في شرح مشكاة المصابيح، ج٤، ص٢١٦، الناشر: مكتبه علوم اسلاميه)

يقول الشيخ عبدالحق محدث دهلوی

وجماعۂ از معتزلہ وآنہا کہ در پی ایشان رفتہ اند منکر شدہ اند کرامت را و بعضی گفتہ اند کہ صادر نمیشود کرامت از ولی بقصد واختیار واگر صادر شود بی قصد واختیار خواہد بود و بعضی بآن رفتہ کہ کرامت از جنس معجزہ نمی باشد مثل تکثیر طعام قلیل ونبع ماء از اصابع ومانند آن وحق جواز وقوع ست بقصد واختیار وبی قصد واز جنس معجزہ وغیر معجزہ۔[1]

يقول محمد علي بن محمد بن علان بن إبراهيم البكري الصديقي الشافعي

وفيه إثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم۔[2]

يقول الحسين بن محمود بن الحسن مظهر الدين الزَّيْدَانيُّ الكوفي الضَّرِيرُ الشِّيرازيُّ الحَنَفيُّ

وأما الكرامات فهي بخلاف المعجزات، فإنَّ الولي ربما يقدِر أن يأتي بها، وربَّما لا يقدر، فرقًا بينها وبين المعجزة۔[3]

يقول أبو محمد محمود بن أحمد بن موسى بن أحمد بن حسين الغيتابى الحنفى بدر الدين العينى

وفيه دلالة على صحة وقوع الكرامات من الأولياء وهو قول جمهور أهل السنة والعلماء خلافا للمعتزلة وقد نسب لبعض العلماء إنكارها والذي نظنه بهم أنهم ما أنكروا أصلها لتجويز العقل لها ولما وقع في الكتاب والسنة وأخبار صالحي هذه الأمة ما يدل على

---

[1](اشعات اللمعات شرح مشكوٰة شريف، ج۴، ص۰ ۶۱ ۱، باب الكرامات، الناشر: المكتبة الحبيبية، كوئٹه، پاكستان)

[2](دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج۲، ص۰ ۳۵)

[3](المفاتيح في شرح المصابيح، ج٦، ص٨ ٦ ٢، الناشر: دار النوادر، وهو من إصدارات إدارة الثقافة الإسلامية - وزارة الأوقاف الكويتية)

وقوعها وإنما محل الإنكار ادعاء وقوعها ممن ليس موصوفا بشروطها ولا هو أهل لها. وفيه أن كرامة الولي قد تقع باختياره وطلبه وهو الصحيح عند جماعة المتكلمين كما في حديث جريج. ومنهم من قال لا تقع باختياره وطلبه. وفيه أن الكرامة قد تقع بخوارق العادات على جميع أنواعها ومنعه بعضهم وأدعى أنها تختص بمثل إجابة دعاء ونحوه قال بعض العلماء هذا غلط من قائله وإنكار للحس۔ [1]

يقول أحمد بن محمد بن أبى بكر بن عبد الملک القسطلاني القتيبي المصري

وفي هذا إثبات كرامات الأولياء ووقوع ذلک لهم باختيارهم وطلبهم۔ [2]

يقول أحمد بن علي بن حجر أبو الفضل العسقلاني الشافعي

وأن الله يجعل لأوليائه عند ابتلائهم مخارج وإنما يتأخر ذلک عن بعضهم في بعض الأوقات تهذيبا وزيادة لهم في الثواب وفيه اثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم۔ [3]

يقول محمَّد الخَضِر بن سيد عبد الله بن أحمد الجكني الشنقيطي

وفيه إثبات كرامات الأولياء، ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم۔ [4]

يقول محمد علي بن محمد بن علان بن إبراهيم البكري الصديقي الشافعي

وفيه أن الله يجعل لأوليائه مخارج عند ابتلائهم وإنما يتأخر ذلک عن بعضهم في بعض الأوقات تهذيباً وزيادة في الثواب، وفيه إثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم۔ [1]

---

[1] (عمدة القاري شرح صحيح البخاري، ج۵، ص۲۰۷، الناشر: دار الحديث، ملتان، الباكستان)

[2] (إرشاد الساري لشرح صحيح البخاري ج۵، ص۴۱۲، المطبعة الكبرى الأميرية، مصر)

[3] (فتح الباري شرح صحيح البخاري ج۶، ص۴۸۶، مكتبه: دار المعرفة – بيروت)

[4] (كوثَر المَعَاني الدَّرَارِي في كَشْفِ خَبَايا صَحِيحُ البُخَاري ج11 ص183 مؤسسة الرسالة، بيروت)

يقول الأستاذ الدكتور موسى شاهين لاشين

وفيه إثبات كرامات الأولياء ووقوع الكرامة لهم باختيارهم وطلبهم۔[2]

يقول أبو سعيد الخادمي

ثُمَّ الْكَرَامَةُ قَدْ تَكُونُ فِعْلًا اخْتِيَارِيًّا وَقَدْ تَكُونُ إلْجَائِيًّا وَلَا يَجُوزُ إظْهَارُهَا بِاخْتِيَارِهِ عَلَى غَيْرِ أَهْلِهَا۔[3]

يقول ألشيخ أحمد فريد المزيدى

ذهب كثيرٌ من الناس إلى أن الكرامة لا تقع اختيارًا، ولو قصد الولى وقوعها اختيارًا لم تقع۔

وقال إمام الحرمين: هذا قولٌ غير مرضى، بل المختار عندنا ألا يمتنع وقوع الكرامة على وفق مراد الولى وقصده اختياره، كما لا ممتنع وقوعها على غير اختياره۔

قلت: ودليل فعل عمر رضى الله تعالىٰ عنه حين صرخ وهو على المنبر بسارية وجيشه، وهم بأكناف نهاوند، وكان قصده واختياره أن يسمعوا كلامه، فوقع ذلک كماأراد و اختار۔

قال القاضى أبوبكر: لو عرض هذا على العقل لم يكن فيه محالٌ، ولا يمتنع وقوعها اختيارًا إذا رام بها تخلصًا من هلكه أو خلاصًا لغيره۔[4]

يقول الشيخ القاضى عبدالحليم بن محمد الرومى الحنفى

والكرامة تقع من الولى بقصد وبغير قصد۔[5]

---

[1] (دليل الفالحين لطرق رياض الصالحين، ج٣، ص ٧٠، الناشر: دار المعرفة للطباعة والنشر والتوزيع، بيروت-لبنان)

[2] (فتح المنعم شرح صحيح مسلم، ج٩، ص ٦٢٦، الناشر: دار الشروق)

[3] (بريقة محمودية في شرح طريقة محمدية وشريعة نبوية، ج ١، ص ٢٩٣، الناشر: المكتبة الفاروقية)

[4] (جمع المقال فى اثبات كرامات الاولياء فى الحياة وبعد الانتقال، ص٣٧، الناشر: دار الآثار الإسلامية، سرى لنكا)

[5] (رياض السادات فى اثبات الكرامات للأولياء حال الحياة وبعد الممات، ص ٢٣)

يقول ابن تيمية

وَمِنْ أُصولِ أَهْلِ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ : التَّصْدِيقُ بِكَرَامَاتِ الْأَوْلِيَاءِ وَمَا يُجْرِي اللَّهُ عَلَى أَيْدِيهِمْ مِنْ خَوَارِقِ الْعَادَاتِ فِي أَنْوَاعِ الْعُلُومِ وَالْمُكَاشَفَاتِ وَأَنْوَاعِ الْقُدْرَةِ وَالتَّأْثِيرَاتِ كَالْمَأْثُورِ عَنْ سَالِفِ الْأُمَمِ۔ [1]

يقول ابن تيمية

وَقَدْ قَالُوا : إنَّ عُلَمَاءَ الْآدَمِيِّينَ مَعَ وُجودِ الْمُنَافِي وَالْمُضَادِّ أَحْسَنُ وَأَفْضَلُ . ثُمَّ هُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ يُلْهَمُونَ التَّسْبِيحَ كَمَا يُلْهَمُونَ النَّفَسَ ؛ وَأَمَّا النَّفْعُ الْمُتَعَدِّي وَالنَّفْعُ لِلْخَلْقِ وَتَدْبِيرُ الْعَالَمِ فَقَدْ قَالُوا هُمْ تَجْرِي أَرْزَاقُ الْعِبَادِ عَلَى أَيْدِيهِمْ وَيَنْزِلُونَ بِالْعُلُومِ وَالْوَحْيِ وَيَحْفَظُونَ وَيُمْسِكُونَ وَغَيْرُ ذَلِكَ مِنْ أَفْعَالِ الْمَلَائِكَةِ. وَالْجَوَابُ : أَنَّ صَالِحَ الْبَشَرِ لَهُمْ مِثْلُ ذَلِكَ وَأَكْثَرُ مِنْهُ وَيَكْفِيك مِنْ ذَلِكَ شَفَاعَةُ الشَّافِعِ الْمُشَفَّعِ فِي الْمُذْنِبِينَ وَشَفَاعَتُهُ فِي الْبَشَرِ كَيْ يُحَاسَبُوا وَشَفَاعَتُهُ فِي أَهْلِ الْجَنَّةِ حَتَّى يَدْخُلُوا الْجَنَّةَ . ثُمَّ بَعْدَ ذَلِكَ تَقَعُ شَفَاعَةُ الْمَلَائِكَةِ وَأَيْنَ هُمْ مِنْ قَوْلِهِ : { وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إلَّا رَحْمَةً لِلْعَالَمِينَ } ؟ وَأَيْنَ هُمْ عَنْ الَّذِينَ : { وَيُؤْثِرُونَ عَلَى أَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ } ؟ وَأَيْنَ هُمْ مِمَّنْ يَدْعُونَ إلَى الْهُدَى وَدِينِ الْحَقِّ ؛ وَمَنْ سَنَّ سُنَّةً حَسَنَةً ؟ وَأَيْنَ هُمْ مِنْ قَوْلِهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "{إنَّ مِنْ أُمَّتِي مَنْ يَشْفَعُ فِي أَكْثَرَ مِنْ رَبِيعَةَ وَمُضَرَ}" ؟ وَأَيْنَ هُمْ مِنْ الْأَقْطَابِ وَالْأَوْتَادِ والأغواث ؛ وَالْأَبْدَالِ وَالنُّجَبَاءِ ؟

فَهَذَا - هَدَاك اللَّهُ - وَجْهُ التَّفْضِيلِ بِالْأَسْبَابِ الْمَعْلُومَةِ ؛ ذَكَرْنَا مِنْهُ أُنْمُوذَجًا۔ [2]

يقول ابن تيمية

وَهَذَا عَامٌّ فِي كُلِّ الْأَشْيَاءِ وَجَاءَ تَفْسِيرُ ذَلِكَ فِي آثَارٍ : إنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ أَنْ يُزِيلَ جَبَلًا أَوْ الْجِبَالَ عَنْ أَمَاكِنِهَا لَأَزَالَهَا وَأَنْ لَا يُقِيمَ الْقِيَامَةَ لَمَا أَقَامَهَا وَهَذَا مُبَالَغَةٌ . وَلَا يُقَالُ : إنَّ ذَلِكَ يُفَضَّلُ بِقُوَّةٍ خُلِقَتْ فِيهِ وَهَذَا بِدَعْوَةٍ يَدْعُوهَا لِأَنَّهُمَا فِي الْحَقِيقَةِ يَؤُوَّلَانِ إلَى وَاحِدٍ هُوَ

---

[1] (مجموع الفتاوى، ج۳، ص ۹۳: باب: تصديق اهل السنة بكرامات الاولياء، الناشر: دار الكتب العلمية)

[2] (مجموع الفتاوى، ج۴، ص ۱۹۳، ۱۹۲، باب: فى التفضيل بين الملائكة والناس: الناشر: دار الكتب العلمية)

مَقْصُودُ الْقُدْرَةِ وَمَطْلُوبُ الْقُوَّةِ وَمَا مِنْ أَجْلِهِ يُفَضَّلُ الْقَوِيُّ عَلَى الضَّعِيفِ. ثُمَّ هَبْ أَنَّ هَذَا فِي الدُّنْيَا فَكَيْفَ تَصْنَعُونَ فِي الْآخِرَةِ؟ وَقَدْ جَاءَ فِي الْأَثَرِ: "{يَا عَبْدِي أَنَا أَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ أَطِعْنِي أَجْعَلْك تَقُولُ لِلشَّيْءِ كُنْ فَيَكُونُ يَا عَبْدِي أَنَا الْحَيُّ الَّذِي لَا يَمُوتُ أَطِعْنِي أَجْعَلْك حَيًّا لَا تَمُوتُ}" وَفِي أَثَرٍ: "{إنَّ الْمُؤْمِنَ تَأْتِيهِ التُّحَفُ مِنْ اللَّهِ: مَنْ الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ إلَى الْحَيِّ الَّذِي لَا يَمُوتُ}" فَهَذِهِ غَايَةٌ لَيْسَ وَرَاءَهَا مَرْمَى كَيْفَ لَا وَهُوَ بِاَللَّهِ يَسْمَعُ وَبِهِ يُبْصِرُ وَبِهِ يَبْطِشُ وَبِهِ يَمْشِي؟ فَلَا يَقُومُ لِقُوَّتِهِ قُوَّةٌ.[1]

يقول ابن تيمية

وَإِذَا تَبَيَّنَ هَذَا: أَنَّ الْعِلْمَ مَقْسُومٌ مِنْ اللَّهِ؛ وَلَيْسَ كَمَا زَعَمَ هَذَا الْغَبِيُّ بِأَنَّهُ لَا يَكُونُ إلَّا بِأَيْدِي الْمَلَائِكَةِ عَلَى الْإِطْلَاقِ وَهُوَ قَوْلٌ بِلَا عِلْمٍ بَلْ الَّذِي يَدُلُّ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ أَنَّ اللَّهَ تَعَالَى اخْتَصَّ آدَمَ بِعِلْمٍ لَمْ يَكُنْ عِنْدَ الْمَلَائِكَةِ وَهُوَ عِلْمُ الْأَسْمَاءِ الَّذِي هُوَ أَشْرَفُ الْعُلُومِ وَحَكَمَ بِفَضْلِهِ عَلَيْهِمْ لِمَزِيدِ الْعِلْمِ فَأَيْنَ الْعُدُولُ عَنْ هَذَا الْمَوْضِعِ إلَى بُنَيَّاتِ الطَّرِيقِ؟ وَمِنْهَا الْقُدْرَةُ. وَزَعَمَ بَعْضُهُمْ أَنَّ الْمَلَكَ أَقْوَى وَأَقْدَرُ وَذَكَرَ قِصَّةَ جبرائيل بِأَنَّهُ شَدِيدُ الْقُوَى وَأَنَّهُ حَمَلَ قَرْيَةَ قَوْمِ لُوطٍ عَلَى رِيشَةٍ مِنْ جَنَاحِهِ فَقَدْ آتَى اللَّهُ بَعْضَ عِبَادِهِ أَعْظَمَ مِنْ ذَلِكَ فَأَغْرَقَ جَمِيعَ أَهْلِ الْأَرْضِ بِدَعْوَةِ نُوحٍ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ "{إنَّ مِنْ عِبَادِ اللَّهِ مَنْ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ}" {وَرُبَّ أَشْعَثَ أَغْبَرَ مَدْفُوعٍ بِالْأَبْوَابِ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللَّهِ لَأَبَرَّهُ} وَهَذَا عَامٌّ فِي كُلِّ الْأَشْيَاءِ.[2]

يقول ابن القيم

ومما ينبغي أن يعلم أن ما ذكرنا من شأن الروح يختلف بحسب حال الأرواح من القوة والضعف والكبر والصغر، فللروح العظيمة الكبيرة من ذلك ما ليس لمن هو دونها. وأنت ترى أحكام الأرواح في الدنيا كيف تتفاوت أعظم تفاوت بحسب تفارق الأرواح في كيفياتها وقواها وإبطائها وإسراعها والمعاونة لها، فللروح المطلقة من أسر البدن وعلائقه

---

[1] (مجموع الفتاوى، ج٤، ص ١٩١، باب: في التفضيل بين الملائكة والناس: الناشر: دار الكتب العلمية)

[2] (مجموع الفتاوى، ج٤، ص ١٩١، باب: في التفضيل بين الملائكة والناس: الناشر، دار الكتب العلمية)

وعوائقه من التصرف والقوة والنفاذ والهمة وسرعة الصعود إلى الله والتعلق بالله ما ليس للروح المهينة المحبوسة في علائق البدن وعوائقه، فإذا كان هذا وهي محبوسة في بدنها فكيف إذا تجردت وفارقته واجتمعت فيها قواها وكانت في أصل شأنها روحا علية زكية كبيرة ذات همة عالية، فهذه لها بعد مفارقة البدن شأن آخر وفعل آخر. وقد تواترت الرؤيا في أصناف بني آدم على فعل الأرواح بعد موتها ما لا تقدر على مثله حال اتصالها بالبدن من هزيمة الجيوش الكثيرة بالواحد والاثنين والعدد القليل ونحو ذلك، وكم قد رئي النبي (صلى الله عليه وسلم) ومعه أبو بكر وعمر في النوم قد هزمت أرواحهم عساكر الكفر والظلم فإذا بجيوشهم مغلوبة مكسورة مع كثرة عَدَدهم وعُدَدهم وضعف المؤمنين وقلتهم)۔[1]

يقول الامام عبدالوهاب الشعرانى

و رأيت فى مناقب سيدى محمد الحنفى الشاذلى القطب الغوث رضى الله عنه انه لما حضرته الوفاة قال لزوجته إياك ان تتزوجى احداً بعدى فيخرب الله تعالىٰ دياره و أنا لا أحب ان يخرب ديار أحد من أجلي۔

میں نے سید محمد الحنفی الشاذلی، قطب، غوث رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مناقب میں دیکھا کہ جب ان کے وصال کا وقت آیا تو انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا: میرے بعد کسی بھی شخص سے نکاح کرنے سے بچنا ورنہ اللہ تعالیٰ اس کے گھر کو تباہ کر دے گا اور میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے کسی کا گھر تباہ ہو۔

و كذلک بلغنا عن سيدى محمد الشوعى احد اصحاب سيدى مدين و المدفون فى زاويته تجاه قبته انه تزوج بكراً فمكثت معه يسيراً و مات عنها وهى بكر، و كان قال لها لا تتزوجى بعدى احداً أقتله۔ فلما مات خطبها شخص و استفتى العلماء فقالوا له هذا خاص برسول الله ﷺ فدخل بها فلما جلس عندها قبل ان يمسها خرج الشيخ له من الحائط بحربة فطعنه فمات لوقته۔

[1] (كتاب الروح، ص ١٣٦، مكتبة الفاروقيه، پشاور)

وقد شاهدت انا شخصاً خطب زوجة سیدی محمد بن عنان بعد موته فأجابته و کتب کتابھا، فبینا ھو نائم تجاہ قبر سیدی محمد خارج شباک ضریحه إذ خرج له سیدی محمد من القبر و طعنه فی جنبه و صارت کالکبد المشوی فأراھا لی واخبرنی بالقصة و قال احملونی الی بلادی فمات فی الطریق۔

اسی طرح ہمیں سیدی محمد الشوعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو سیدی مدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں اور ان کی درگاہ میں ان کی قبر (مزار) کے سامنے مدفون ہیں کے بارے میں یہ بات پہنچی ہے کہ انہوں نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا وہ ان کے ساتھ تھوڑا سا عرصہ رہی اور وہ فوت ہو گئے اور وہ کنواری تھی انہوں نے اس سے فرمایا تھا کہ میرے بعد کسی سے نکاح نہ کرنا ورنہ میں اسے قتل کر دوں گا۔ جب ان کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے اس خاتون کو نکاح کا پیغام بھیجا۔ انہوں نے علماء سے فتویٰ پوچھا تو علماء نے بتایا کہ یہ بات رسول اکرم ﷺ کے ساتھ خاص ہے وہ شخص اس خاتون کے پاس گیا جب اس کے پاس بیٹھا تو اس سے پہلے کہ وہ اسے ہاتھ لگاتا وہ شیخ دیوار سے برچھی لے کر نکلے اور اس کے جسم میں پیوست کر دی اور وہ اسی وقت مر گیا اور میں (مصنف رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے خود ایک شخص کو دیکھا اس نے سیدی محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے وصال کے بعد ان کی زوجہ کو منگنی کا پیغام بھیجا اس نے قبول کر لیا اور اس مرد نے تحریر لکھ دی اس دوران کہ وہ شخص سیدی محمد بن عنان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی قبر کی جالی کے باہر قبر کے سامنے سویا ہوا تھا کہ اچانک سیدی محمد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ قبر سے نکلے اور اس کے پہلو میں نیزہ مار دیا اور وہ بھنے ہوئے جگر کی طرح ہو گیا اس شخص نے مجھے وہ دکھایا اور واقعہ سنایا اور کہا مجھے میرے علاقہ کی طرف لے جاؤ پس وہ راستے میں ہی انتقال کر گیا۔[1]

---

[1](انوار القدسیة، ج ۲، ص ۵۶)

يقول القاضی محمد ثناء اللہ الفانی فتی

قلت ویوافق مذهب عمر و ابن مسعود رضی اللہ عنهما ما ذکر فی المقامات المجددية ان المجدد رضی اللہ عنه نظر ببصيرة الکشف مکتوبا فی ناصية ملا طاهر اللاهوری شقی - و کان ملا طاهر معلما لابنیه الکریمین محمّد سعید و محمّد معصوم رضی اللہ عنهما - فذکر المجدد رضی اللہ عنه ما ابصر لولديه الشريفين - فالتمسا منه رضی اللہ عنهم ان يدعو اللہ سبحانه ان يمحو عنه الشقاوة ويثبت مکانه السعادة - فقال المجدد رضی اللہ عنه نظرت فی اللوح المحفوظ فإذا فيه انه قضاء مبرم لا يمکن رده - فالحا ولداه الکريمان فی الدعاء لما التمسا منه - فقال المجدد رضی اللہ عنه تذکرت ما قال غوث الثقلين السيد السند محی الدين عبد القادر الجيلي رضی اللہ عنه ان القضاء المبرم ايضا يرد يدعونی - فدعوت اللہ سبحانه و قلت اللهم رحمتک واسعة و فضلک غير مقتصر على أحد - ارجوک و أسئلک من فضلک العميم ان تجيب دعوتی فی محو کتاب الشقاء من ناصية ملا طاهر - و اثبات السعادة مکانه - کما أجبت دعوة سيد السند رضی اللہ عنه - قال فکانی انظر إلی ناصية ملا طاهر انه محيی منها کلمة شقی و کتب مکانه سعيد وَما ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيزٍ - ثم أشکل علیّ هذا الأمر و قلت ما معنى رد القضاء المبرم بدعاء أحد فانه لا مرد لقضائه تعالى المبرم بوجه من الوجوه - و الا لا يکون المبرم مبرما - وهذا خلف أو يلزم المحال - فالهمنی اللہ تعالى حل ذلک الاشکال ان القضاء المعلق نوعان - أحدهما ما کتب فی اللوح المحفوظ تعليقه و کتب ان رد هذا القضاء معلق بامر کذا - و ثانيهما ما لم يکتب تعليقه فی اللوح - فهو فی اللوح على صورة المبرم و معلق محوه و إثباته فی علم اللہ تعالى - فما قال السيد السند رضی اللہ عنه ان القضاء المبرم يرد بدعوتي - فذلک القضاء هو الّذي فی اللوح فی صورة المبرم وليس مبرما فی علم اللہ تعالى - و کان شقاوة ملا طاهر من هذا القبيل مبرما فی اللوح معلقا محوه بدعاء المجدد رضی اللہ عنه فی علم اللہ تعالى و اللہ اعلم۔[1]

---

[1](التفسير المظهری، ج۵، ص ۲۴۶، مکتبہ رشیدیہ، کوئٹہ)

تفسیر روح البیان میں لکھا ہے:

ذَکَرَ اِبْنُ السَّبَکِی فِی الطَّبَقَاتِ اَنَّ الْکَرَامَاتَ اَنْوَاعٌ وَعَدَّ مِنْهَا اَنْ یَّکُوْنَ لَهُ اَجْسَادٌ مُتَعَدِّدَةٌ۔

یعنی علامہ ابن سبکی نے طبقات میں ذکر فرمایا کہ کرامتوں کی کئی قسمیں ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ولی کے کئی جسم ہو جاتے ہیں۔[1]

تفسیر مظہری میں ہے:

وَکَذٰلِکَ یَجْعَلُ لِنُفُوْسِ بَعْضِ اَوْلِیَآئِهٖ فَاِنَّهُمْ یَظْهَرُوْنَ اِنْشَاءَ اللہ تَعَالیٰ فِی آنٍ وَاحِدٍ فِی اَمْکِنَةٍ شَتّٰی بِاَجْسَادِهِمِ الْمُکْتَسِبَه۔[2]

یعنی یوں ہی خدا تعالیٰ اپنے بعض ولیوں کو طاقت عطا فرماتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک آن میں متعدد جگہوں میں اپنے اجساد مبارکہ کے ساتھ ظاہر ہو جاتے ہیں۔

تفسیر روح المعانی میں ہے:

وَلَا مَانِعَ مِنْ اَنْ یَتَعَدَّدَ الْجَسَدُ الْمِثَالِیْ اِلیٰ مَالَا یُحْصٰی مِنَ الْاَجْسَادِ۔[3]

یعنی اس سے کوئی مانع نہیں کہ جسد مثالی کا تعدد بے شمار اجساد میں ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ لکھتے ہیں :

وَلَا تباعد مِنَ الْاَوْلِیَاءِ حَیْثُ طُوِیَتْ لَهُمُ الْاَرْضُ وَحَصَلَ لَهُمْ اَبْدَانٌ مُکْتَسِبَةٌ مُتَعَدِّدَةٌ وَجَدُوْهَا فِیْ اَمَاکِنَ مُخْتَلِفَةٍ فِی آنٍ وَاحِدٍ وَاللہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر۔

حضرت خواجہ محمد حضرمی قدس سرہ نے پچاس شہروں میں بیک وقت جمعہ پڑھایا۔

---

[1] (تفسیر روح البیان ص ۲۱۵ ج ۹، الحاولی للفتاویٰ ص ۳۴۲ ج ۱)

[2] (تفسیر مظہری ص ۲۷۷ ج ۳)

[3] (تفسیر روح المعانی ج ۲۲ ص ۳۵، الجز ثانی و العشرین تحت ھذا الآیت "وَالشَّمْسُ تَجْرِیْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا، ذٰلِکَ تَقْدِیْرُ الْعَزِیْزِ الْعَلِیْم" ص ۱۵، مطبعہ دار الفکر بیروت)

قَالَ الشَّعْرَانِی وَاَخْبَرَنِی مِنْ صُحْبِ الشَّیْخِ مُحَمَّد اَلْحَضْرَمِیْ اَنَّهُ خَطَبَ فِی خَمْسِیْنَ بَلْدَةٍفِی یومٍ وَاحِدٍ خُطْبَةَ الْجُمْعَةِوَ صَلّٰی بِهِمْ اِمَاماً۔

یعنی قطبِ وقت سیدنا امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا مجھے اس شخص نے بتایا جو کہ شیخ محمد حضرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہا کہ حضرت شیخ حضرمی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک ہی دن میں ایک ہی وقت پچاس شہروں میں جمعہ کا خطبہ دیا اور نماز پڑھائی۔ سبحان اللہ! یہ تو شانِ ولایت ہے۔ شانِ نبوّت کا کیا کہنا۔[1]

حضرت محمد شربینی رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کچھ تو ملک مغرب میں مراکش کے بادشاہ کی بیٹی سے تھی، اور کچھ اولاد عجم میں تھی، اور کچھ اولاد بلادِ ہند میں تھی، اور کچھ بلادِ تکرور میں تھی، آپ ایک ہی وقت میں ان تمام شہروں میں اپنی اہل وعیال کے پاس ہو آتے، اور ان کی ضرورتیں پوری فرماتے تھے۔ اور ہر شہر والے یہ سمجھتے تھے کہ وہ ان ہی کے پاس قیام رکھتے تھے۔[2]

سیدنا جلال الدین رحمۃ اللہ فرماتے ہیں:

وَفِیْ الْمُمْکِنِ اَنْ یَّخُصَّ اللّٰہ تَعَالٰی بَعْضُ عِبَادَةٍفِی حَالِ الْحَیٰوةِبِخَاصِیَةٍ لِنَفْسِهِ الْمَالِکِیَّةِ الْقُدْسِیَّةِوَقُوَّةٌلَهَا یُقَدِّرُبِهَا عَلٰی التَّصَرُّفِ فِی بَدَنٍ آخَرَ غَیْرَ بَدَنِهَا اَلْمَعْهُوْدُ مَعَ اِسْتِمْرَارٍ تَعْرِفُهَا فِیْ الْاَوَّلِ۔

"ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص بندے کو بوجہ اس کے نفس ملکیہ قدسیہ اور خداداد قدرت کے ذریعے اپنے بدن حقیقی میں دائمی تصرف کے علاوہ دوسرے بدن میں متصرف و قادر ہو۔"[3]

---

[1] (روح البیان ج۹، ص ۲۱۶، جمال الاولیاء ص ۱۸۸، مطبع تھانہ بھون)

[2] (جمال الاولیاء ص ۲۰۲، مطبوعہ تھانہ بھون)

[3] (وَکَذَالِکَ قَالَ الْعَلَامَه اِبْنِ حَجر هَیْتَمِی مَکِّیْ قَدّسَ سِرَّهُ فِی الْفَتَاوٰی حَدِیْثِیَه، ص ۴۶)

امام ربانی محبوب سبحانی حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ اپنے مکتوبات کے صفحہ ۶۷ میں فرماتے ہیں: جب جنات کو یہ طاقت حاصل ہے کہ مختلف شکلیں اختیار کر کے عجیب و غریب حالتیں ظاہر کرتے ہی۔ اولیاء اللہ کو یہ امور حاصل ہوں تو محل تعجب کیوں؟ ان کا دوسرے جسم میں تصرف کرنا اسی قبیل سے ہے جو منقول ہے کہ اولیاء اللہ ایک گھڑی میں متعدد مقامات پہ حاضر ہو کر لطائف و ظرائف دکھاتے ہیں اور مختلف شکلوں میں ہوتے ہیں، وہ اسی تصرف باطنی کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ بعض بزرگوں کے متعلق مشہور ہے کہ وہ ہندوستان میں رہتے ہوئے اپنے عزیزوں کے ہاں بھی ہیں اور حرم مکہ میں طواف کرتے ہوئے بھی دیکھے جاتے ہیں۔ دوسرے لوگ اسی وقت کے متعلق کہتے ہیں کہ ہم نے اس وقت روم میں دیکھا دوسرے کہتے ہیں اس گھڑی ہم نے انہیں بغداد میں دیکھا۔ یہ انہی بزرگ کی واقعی وہی صورت ہے جو انہوں نے مختلف شکلیں اختیار کر کے تصرف کیا اور متعدد مقامات پہ موجود ہووئے۔ یہ شکل کبھی عالم شہادت میں ہوتی ہے اور کبھی عالم مثال میں۔ چنانچہ ایک رات میں ہزاروں سعادت مند حضور سرور عالم ا کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور فیض حاصل کرتے ہیں۔ یہ صورت مبارکہ کے لطائف سے ہے۔ اسی طرح مریدین اپنے مشائخ کی صورت مثالیہ سے فیض حاصل کرتے ہیں اور حل مشکلات کراتے ہیں۔

شیخ المحققین سیدنا شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”اولیاء کرام کا متعدد مقامات پر ہونا بعید نہیں کیونکہ ارواح مقدسہ انبیاء بعد وصال بمنزل ملائکہ کے ہوتی ہیں بلکہ ان سے بھی افضل جیسے ملائکہ مختلف شکلوں میں آسکتے ہیں اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام اور عالم دنیا کی حیات میں بھی

بعض حضرات کو اس کا تصرف حاصل ہوتا ہے کہ ایک ہی روح متعدد ابدان میں جو معہود بدن کا غیر ہے تصرف کرے۔[1]

حضرت علامہ شاہ احمد رضا خان افغانی قندھاری رحمۃ اللہ علیہ سے عرض کیا گیا کہ کیا اولیاء ایک وقت میں چند جگہ حاضر ہونے کی قوت رکھتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ اگر وہ چاہیں تو ایک وقت میں دس ہزار شہروں میں دس ہزار جگہوں پر دعوت قبول کر سکتے ہیں۔[2]

قطب وقت عارف باللہ عبد الوہاب شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

وَ مِنْهَا شُهُوْدُ الْجِسْمِ الْوَاحِدِ فِيْ مَكَانَيْنِ فِيْ آنٍ وَاحِدٍ۔

کرامت سے ہے ایک جسم کا آنِ واحد میں دو جگہوں میں ظاہر ہونا یعنی تعددِ اجساد۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ تعددِ اجساد صرف روح کے ساتھ ہوتا ہے، جسم کے ساتھ محال ہے۔

اس پر امام شعرانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو جلال آگیا۔

فرماتے ہیں:

فِيْمَا مَنْ يَّقُوْلُ اَنَّ الْجِسْمَ الْوَاحِدَ لَا يَكُوْنَ فِيْ مَكَانَيْنِ كَيْفَ يَكُوْنُ اِيْمَانُكَ بِهٰذَا الْحَدِيْثِ فَاِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا فَقَلِدْ وَاِنْ كُنْتَ عَالِمًا فَلَا تَعْتَرِضْ فَاِنَّ الْعِلْمَ يَمْنَعُكَ۔

یعنی افسوس ہے اس شخص پر جو کہتا ہے کہ ایک جسم دو جگہ نہیں ہو سکتا۔ اے ایسا کہنے والے، کیا تیرا معراج پاک والی حدیث پر ایمان نہیں۔ (جس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے موسیٰ علیہ

[1] (جذب القلوب، بحوالہ اولیاءاللہ کے تصرفات، ص ۵۴ تا ۵۷)

[2] (ملفوظات شریف ج ۱)

السلام کو قبر مبارک میں بھی دیکھا) ارے ایسا کہنے والے، اگر تو مومن ہے تو تقلید کر، اگر تو عالم ہے تو اعتراض کیوں کرتا ہے (اگر تیرا علم نوری ہے) تو تجھے تیرا علم اعتراض کرنے سے باز رکھے گا۔[1]

حضرت شیخ ابو العباس مرسی قدس سرہ کو ایک نیاز مند نے نمازِ جمعہ کے بعد اپنے گھر تشریف لے جانے کی دعوت دی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس دعوت کو قبول فرمالیا۔ پھر دوسرا عقیدتمند آیا، اس نے بھی اپنے ہاں کے لئے دعوت دی۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کے ساتھ بھی وعدہ فرمالیا۔ پھر تیسرا، پھر چوتھا، پھر پانچواں آیا۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے سب کے ساتھ وعدہ فرمالیا۔

ثُمَّ صَلَّی الشَّیْخُ مَعَ الْجَمَاعَۃِ وَجَاءَ فَقَعَدَ بَیْنَ الْفُقَهَاءِ وَلَمْ یَذْهَبْ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ وَاِذَا بِکُلٍّ مِّنَ الْخَمْسَۃِ جَاءَ یَشْکُرُ الشَّیْخَ عَلٰی حُضُوْرٍ عِنْدَہٗ۔[2]

یعنی حضرت شیخ ابو العباس رحمہ اللہ نے نماز جمعہ پڑھی تو آپ علماء کرام کے پاس بیٹھ گئے اور کہیں نہیں گئے۔ کچھ دیر کے بعد وہ پانچوں نیاز مند دعوت دینے والے آئے اور حضرت شیخ کا ان سب کے گھروں میں تشریف لے جانے پر ہر ایک نے شکریہ ادا کیا۔

حضرت سید امام علی شاہ مکان شریف والوں کو ساٹھ آدمیوں نے افطاری کی دعوت دی تو آپؒ نے سب کے گھر بیک وقت روضہ افطار کیا اور کھانا کھایا۔[3]

حضرت سید علی ہمدانی رحمۃ اللہ علیہ نے بیک وقت چالیس اشخاص کے گھر جا کر کھانا کھایا۔[4]

---

[1] (الیواقیت والجواھر ص ۲)
[2] (الحاوی للفتاویٰ للعلامہ السیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۳۴۰، ج ۱)
[3] (بحوالہ سلسبیل بابت ماہ شوال مکرم ۱۳۸۴ھ، بحوالہ حاضر و ناظر ص ۹۶،۹۵)
[4] (کتاب ذخیرۃ الملوک منقول از خزینہ معرفت ص ۱۸۳)

سیدنا امام ربّانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے لاتعداد گھروں میں بیک وقت کھانا کھایا۔
جہانگیر بادشاہ نے سیدنا امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے عرض کیا کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہر قبر میں تشریف لاتے ہیں اور ایک ہی وقت میں مرنے والوں کی تعداد سینکڑوں ہزاروں تک پہنچتی ہو گی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم تو ایک ذات ہیں۔ تو حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم ہر مرنے والے کی قبر میں کیسے پہنچ جاتے ہیں۔ اس کی وضاحت فرمائیں۔ سیدنا امام ربّانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے بادشاہ! دہلی والوں کو کہو کہ وہ میری دعوت کریں، لیکن دعوت ایک ہی دن اور ایک ہی وقت میں ہو۔ اس فرمائش پر جہانگیر نے اپنے بہت سے احباب کو امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کے متعلق کہہ دیا اور اس دن خود بھی جہانگیر نے امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی دعوت کی۔ وقتِ مقرر پر سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بادشاہ کے ہاں دعوت کھائی۔ رات اس کے ہاں قیام فرمارہے۔ صبح بادشاہ نے ان دعوت دینے والوں کو بلا کر پوچھا تو سب نے فرداً فرداً اقرار کیا کہ امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کل رات کا کھانا ہمارے گھر کھایا تھا۔ یہ سن کر بادشاہ حیران ہوا۔ سیدنا امام ربانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا: اے بادشاہ! میں تو سیدِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کا ادنیٰ امتی ہوں اور جب میں سب کے گھر بیک وقت موجود ہو کر کھانا کھا سکتا ہوں تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کیوں ہر قبر میں جلوہ فرما نہیں ہو سکتے۔ [1]

---

[1] (ملخصاً فیوضاتِ مجددیہ ص ۱۱)

خاتمۃ المحدثین علامہ سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے حضرت خواجہ قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کا واقعہ نقل فرمایا ہے، اور حضرت قضیب البان وہ بزرگ ہیں جن کے متعلق حضرت محبوب سبحانی سرکار غوثِ اعظم قدس سرہ سے سوال ہوا تو آپ نے فرمایا:

هُوَ وَلِیٌّ مُقَرَّبٌ ذُوْ حَالٍ مَّعَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَ قَدَمَ صِدْقٍ عِنْدَہٗ۔

یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں قرب والا ولی ہے۔ وہ صاحب حال ہے اور وہ قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ خدا تعالیٰ کے دربار میں سچائی کے قدم والے ہیں۔ پھر کسی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو نماز نہیں پڑھتا۔

سرکار غوث اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا:

اَنَّہٗ یُصَلِّیْ مِنْ حَیْثُ لَا تَرَوْنَہٗ وَاِنِّیْ اَرَاہُ اِذَا صَلّٰی بِالْمُوْصِلِ اَوْ بِغَیْرِھَا مِنْ اٰفَاقِ الْاَرْضِ یَسْجُدُ عِنْدَ بَابِ الْکَعْبَۃِ۔

یعنی فرمایا کہ قضیب البان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وہاں نماز پڑھتے ہیں کہ تم دیکھ نہیں سکتے۔ مگر میں اسے دیکھتا ہوں کہ موصل میں یا کسی اور جگہ زمین کے کسی خطہ میں نماز پڑھے تو سجدہ وہ خانہ کعبہ کے دروازہ کے پاس ہی کرتا ہے۔[1]

تفریح الخاطر میں ہے کہ ایک دفعہ ماہِ رمضان شریف میں سترّ اشخاص نے حضور غوث پاک رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو دعوتِ افطار دی اور ان میں ہر ایک دوسرے سے بے خبر تھا۔ آپ نے ہر ایک کی دعوت افطار قبول کی اور ہر ایک کے گھر میں بیک وقت حاضر ہو کر روزہ افطار کیا۔ نیز اسی دن اور اسی وقت اپنی خانقاہ شریف میں بھی حاضر تھے اور روزہ افطار فرمایا تھا۔

---

[1](الحاوی للفتاویٰ، ۳۴۱، ج ۱)

وشاع هذا الخبر فی بغداد فخطر فی قلب خادم من الخادمین ان حضرت الغوث ما خرج من التکیة فکیف یتصور رواحه الی بیوتهم واکل طعامهم فی آن واحد منهم وحضرت واکلت طعامهم فی بیوتهم فردافردا۔[1]

یعنی یہ خبر بغداد شریف میں شائع ہوئی تو غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادموں میں سے ایک خادم کے دل میں یہ خطرہ پیدا ہوا کہ غوث پاک تو اپنی خانقاہ شریف سے باہر نہیں گئے تو یہ کیسے تصور میں آسکتا ہے کہ ان لوگوں کے گھر میں بیک وقت آن واحد میں تشریف لے گئے اور روزہ افطار کیا۔ اس پر غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ خادم کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ وہ تمام لوگ اپنے اپنے قول میں سچے ہیں۔ میں نے ہر ایک کی دعوت کو قبول کیا۔ آن واحد میں ان کے گھروں میں حاضر ہوا اور ان کے ہمراہ طعام بھی کھایا۔[2]

جناب رسول اللہ ﷺ سے ملاقات

ان الشیخ عبدالقادر الجیلانی قال رأیت النبی ﷺ قبل الظهر فقال لی یابنی لم لاتتکلم قلت یاابتاه انا رجل اعجمی کیف اتکلم علی فصحاءبغداد فقال لی افتح فاک ففتحته فتفل فیه سبعاً وقال تکلم علی الناس وادع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة۔

ایک دن شیخ عبدالقادر جیلانی سید الاولیاء رحمہم اللہ تعالیٰ نے ظہر سے پہلے جناب رسول اللہ ﷺ کو بیداری میں دیکھا آپ نے فرمایا کہ بیٹے کیوں لوگوں سے بولتے نہیں۔ حضرت سید الاولیاء رحمہم اللہ نے فرمایا کہ یا اباجان میں عجمی ہوں اور یہ سب مجمع فصحاء بلغاء بغداد کا ہے تو میں کس طرح ان کے سامنے آزادی اور بے تکلفی سے بیان کروں۔ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ

---

[1] (تفسریح الخاطر، ص ۳۸)
[2] (تسکین السالکین، ص ۲۰)

اچھامنہ کو قریب کرکے کھولو، فرماتے ہیں کہ میں نے منہ کو کھول کر پیش کیا توجناب رسول اللہ ﷺ نے سات مرتبہ تف تف فرماکر میرے منہ میں لعاب مبارک کا حصہ ڈال کر مشرف فرمایااورارشاد فرمانے لگے کہ لوگوں سے خطاب کرواورنہایت حکمت عملی اور پسندیدہ مواعظ سے دین کی طرف لوگوں کو بلائیں۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات

اسی طرح حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ نے بھی ایک موقعہ پر اپنے دیدار پر انوار سے حضرت شیخ عبدالقادرجیلانی قدس سرہ العزیز کوعالم بیداری میں مشرف فرمایا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ ظہر کی نماز کے بعد وعظ کی غرض سے بیٹھ کر بولنے لگا مگر لوگوں کی کثرت کی وجہ سے کچھ پریشانی جیسی محسوس ہوئی۔ یکدم کیا دیکھتاہوں کہ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سامنے تشریف فرماہیں۔ مجھے فرمانے لگے اے بیٹے! کیابات ہے بولتے نہیں ۔میں نے عرض کیا کہ اباجان! کچھ پریشانی محسوس کرتاہوں، فرمانے لگے اچھامنہ کھولدو۔ میں نے میں کھولدیا۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چھ مرتبہ اپنی لعاب میں سے کچھ تف تف کرکے عنایت فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت سات مرتبہ پوری فرمایئے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ نہیں **ادباًمع رسول اللہ** ﷺ چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ سات مرتبہ مہربانی فرماچکے ہیں تومیں چھے مرتبہ کروں گا تاکہ برابری سے بے ادبی نہ ہو جائے۔

علامہ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

والحکایات فِي ذَلِک عَن أَوْلِيَاء الله کَثِيرَة جدا وَلَا يُنكر ذَلِک إِلَّا معاندا أَو محروم [1]

اس باب میں اولیاء اللہ تعالیٰ سے بہت حکایات منقول ہیں جس کا انکار سوائے معاند یا اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص سے محروم کے نہیں کرتا۔

مولوی تھانوی بوادر النوادر ج ۱ ص ۸۰ اور تربیۃ السالک ص ۵۹ میں لکھتے ہیں کہ بعض اولیاء اللہ سے بعد انتقال کے بھی تصرفات اور خوارق سرزد ہوتے ہیں اور یہ امر معناً حد تواتر تک پہنچ گیا ہے۔ [2]

(العطایا السیفیۃ فی الفتاویٰ النقشبندیۃ، المجلد الخامس)

---

[1] الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر ج ۱ ص ۲۱۳۔

[2] (فتاویٰ امدادیہ ج ۴ ص ۴۱۴)

مکتوب نمبر ۱۰۸

[میاں سید بجواری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ نبوت ولایت سے افضل ہے، اس کے برعکس جو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ولایت نبوت سے افضل ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہم سب کو اور تم کو اور تمام مسلمانوں کو حضور نبی کریم سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ وعلیہم من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا کی متابعت پر ثابت وقائم رکھے۔]

تشریح

نبوت اور ولایت میں فرق

نبوت وولایت کی ایک دوسرے پر فضیلت کے سلسلے میں صوفیاء کرام میں اختلاف ہے۔ ایک طائفہ ولایت کے نبوت سے افضل ہونے کا قائل ہے، جبکہ دوسرا طائفہ نبوت کو افضل قرار دیتا ہے۔ جو صوفیاء کرام ولایت کو افضل قرار دیتے ہیں وہ توحیدِ وجودی کا مشرب رکھتے ہیں اور ان میں سب سے پہلے حضرت شیخ محی الدین ابن العربی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے یہ بات کہی ہے۔ جبکہ وحدت الشہودی مسلک والے سارے اولیاء اللہ ہمیشہ سے نبوت کو ہی افضل قرار دیتے آئے ہیں۔ اور یہی بات حق ہے اور اس بات کے بے شمار دلائل ہیں۔ مثال کے طور پر ولایت کی ابتداً اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ فعلیہ کے ظل سے ہوتی ہے اور ان صفات سے فیض یاب ہوتے ہوئے مدتِ مدید کے بعد اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل دستگیری کرے تو سالک صفاتِ ذاتیہ سے فیض اخذ کرنے کے قابل ہوتا ہے اور ایسے سالک بھی لاکھوں میں چند ہی ہوتے ہیں جبکہ باقی صفاتِ فعلیہ تک ہی محدود رہتے ہیں

جبکہ نبوت کی ابتدا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی صفاتِ ذاتیہ سے شروع ہوتی ہے اور اس کی انتہاء سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہی واقف ہیں۔

پس ثابت ہوا کہ ولایت ایک ظلی مقام ہے جبکہ نبوت اصل سے تعلق رکھتی ہے۔ نبوت کی ولایت پر فضیلت کی دوسری دلیل یہ ہے کہ ولایت میں تنگیٔ سینہ رہتی ہے جبکہ نبوت میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نبی کو انشراحِ صدر کی دولت عنایت فرماتے ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ ولایت میں استعداد کی کمی کے باعث ولی کا عمومی رُخ اپنے خالق ہی کی طرف رہتا ہے جبکہ نبوت میں اعلیٰ قسم کی استعداد باطنی نصیب ہوتی ہے اور نبی کا باطن اپنے خالق ومالک کی طرف متوجہ رہتا ہے جبکہ ان کا ظاہر مخلوق کی طرف ہوتا ہے اور وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی گمراہ مخلوق کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے احکامات کی تبلیغ کرکے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ وصل کر دیتے ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ ولایت میں صحو کے ساتھ سُکر کی آمیزش باقی رہتی ہے اور سُکر، نقص کی علامت ہے جبکہ نبوت میں سراسر صحو ہے اور اس میں سُکر کا شائبہ تک نہیں ہوتا۔

پھر مندرجہ بالا چند حقائق صرف ایک نمونہ ہیں۔ نبوت کی فضیلت ہر لحاظ سے مسلّم ہے اور اس بات کے دلائل بے شمار ہیں جن کو یہاں تنگیٔ عبارت کی وجہ سے نقل کرنا ممکن نہیں ہے۔ تاہم یہ وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ولایت کو نبوت سے افضل کہنے والے دو حال سے خالی نہیں۔ یا تو وہ عقلی دلیل سے کام لے کر یہ بات کہیں گے یا غلبۂ حال کے باعث۔ غلبۂ حال اور سُکر کی بناء پر یہ بات کہنے والے صوفی ناقص ہوتے ہیں اور اُن کی رسائی کم ہوتی ہے البتہ عقلی دلیل سے ولایت کو افضل قرار دینا گمراہی ہے اور اس کا نتیجہ کفر کی صورت میں سامنے آسکتا ہے، اس لئے ایسی بات سے بچنا نہایت ضروری ہے۔

[بعض مشائخ نے سُکر وقت میں کہا ہے ولایت نبوت سے افضل ہے اور بعض دوسرے مشائخ نے اس ولایت سے نبی کی ولایت مراد لی ہے، تاکہ ولی کے نبی پر مقدم ہونے کے وہم کو رفع کیا جائے لیکن حقیقت میں معاملہ برعکس ہے کیونکہ نبی کی نبوت بھی اس کی ولایت سے افضل ہے ولایت میں تو تنگیٔ سینہ کے باعث رُخ مخلوق کی طرف نہیں کیا جاسکتا لیکن نبوت میں کمال انشراحِ صدر کی بناء پر نہ تو حق سبحانہٗ کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے اور نہ خلق کی طرف توجہ حق سبحانہٗ کی طرف توجہ سے مانع ہوتی ہے نبوت میں صرف مخلوق ہی کی طرف رُخ نہیں ہوتا تاکہ ولایت کو جس میں رُخ حق کی طرف ہوتا ہے نبوت پر ترجیح دیں۔ **عیاذاباللہ سبحانہٗ**

صرف مخلوق کی طرف رُخ رکھنا عوام کالانعام کا مرتبہ ہے شانِ نبوت بہت بلند وبرتر ہے اس معنی کا سوچنا اربابِ سُکر پر دشوار ہے مستقیم الاحوال اکابر ہی اس معرفت کے ساتھ ممتاز ہیں۔

هَنِيْئًا لِاَرْبَابِ النَّعِيْمِ نَعِيْمُهَا

ترجمہ: اربابِ نعمت کو نعمتیں گوارا ہوں۔]

تشریح

شریعت سے دوری اور تصوف سے لاعلمی کی وجہ سے لوگ مجذوبوں کے پاس ڈیرا لگا لیتے ہیں اور ان کے سُکری اقوال اور مجذوبانہ احوال سے متاثر ہوتے رہتے ہیں اور ان کی محافل سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ کیا انہیں معلوم نہیں کہ مجذوب اپنے آپ پر بھی ضبط نہیں رکھتا تو دوسروں کا کیا خاک فائدہ کرے گا۔ مجذوب تو ہر وقت عروج میں رہتا ہے اور صرف عروج والا دوسروں کے لئے مفید ثابت نہیں ہوتا۔ ہاں جس صوفی کو عروج کے بعد نزول مل جائے وہ عقلِ سلیم والا کامل صوفی بنتا ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کے لئے بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رحمت ثابت ہوتا ہے۔ ایسے سالک

ہی مستقیم الاحوال کہلاتے ہیں اور یہی انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی وارث ہیں۔ کیونکہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام ہی وہ مکمل ہستیاں ہیں جن کا عروج بھی اَتم ہوتا ہے اور نزول بھی اَکمل۔ اور جس کا نزول مکمل ہو جائے وہ درد و غم، بھوک وپیاس اور اچھی بُری بات کی تمیز کر سکتا ہے یہی وجہ ہے کہ ان خصوصیات کی بناء پر کفار اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے برگزیدہ رسولوں کو عوام الناس کے ساتھ تشبیہ دے دیتے ہیں اور انہیں عام لوگ تصور کرتے ہیں (العیاذ باللہ)۔ پس جو صوفی کامل و مکمل ہو جائے وہ وراثت وتبعیت کے طور پر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی عملی صورت ہوتا ہے اور اس کا اُٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور رہنا سہنا عوام کی طرح نظر آتا ہے لیکن ایسے صوفی کا کلام دوا اور نظر شفا ہوتی ہے۔ اور چاہیئے کہ ایسے ہی صوفیاء کرام کی مجلس کو اپنے اُوپر لازم کرے، نہ کہ مجذوبین کی صحبت کو۔

[دوسری مقصود بات یہ ہے کہ میاں شاہ عبداللہ ولد میاں شیخ عبدالرحیم ان فقراَ (مجدد صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کا خاندان) کے ساتھ تعلقِ قرابت رکھتا ہے ان کے والد مدت تک بہادر خان کے ملازم رہے ہیں اور صاحبِ مرتبہ۔ اب نابینا ہو چکے ہیں انہوں نے اپنے لڑکے کو بھیجا ہے کہ بہادر خان کے پاس جا کر ملازمت کرے اس بارے میں اگر آپ کی طرف سے بھی کوئی اشارہ ہو جائے تو فائدہ مند رہے گا۔ والسلام]

تشریح

جائز اُمور میں سفارش کرنا نہ صرف روا ہے بلکہ مستحسن عمل ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مبارک زندگیوں سے بھی ثابت ہے۔ سفارشِ معاشرہ کے تمام افراد سے بھی کی جا سکتی ہے اور حکومتی سطح پر بھی۔ لیکن اس بات کا خیال رکھنا چاہیئے کہ جس کی سفارش کی جا رہی ہے وہ سفارش کا اہل ہے یا نہیں۔ اور اس سفارش سے کسی دوسرے حق دار کا حق تو نہیں مارا جائے گا۔ اگر یہ خدشات نہ

ہوں تو سفارش عین جائز کام ہے، ہاں جس کے آگے سفارش کی جاری ہو، ضروری نہیں کہ وہ سفارش کو قبول بھی کرے۔ سفارش کے انہیں اصولوں کو مد نظر رکھتے ہوئے حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالی سرہٗ الاقدس نے کئی ایک مقتدر شخصیات کے آگے اپنے متعلقین کے لئے سفارش فرمائی ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک اہم مسئلہ کو بیان فرما رہے ہیں جس کے متعلق صوفیائے کرام کی مختلف آراء ہیں۔ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے نزدیک نبوت ولایت سے افضل ہے اور یہی علمائے متکلمین اہل سنت کا مؤقف ہے کیونکہ نبی مرتبۂ نبوت اور مرتبۂ ولایت دونوں سے متصف ہوتا ہے۔ اس لئے دعوت وارشاد کے دوران کے دوران اسے فوق کی نگرانی کی فکر دامن گیر نہیں رہتی، جبکہ ولی کو ہر وقت فوق کی نگہداشت کرنا ہوتی ہے۔ یہ وہ معرفت ہے کہ جس کے ساتھ اصحابِ صحو اور مستقیم الاحوال مشائخ ممتاز ہیں جو کمالاتِ نبوت سے متصف ہیں جبکہ دیگر مشائخ نے اس کے برعکس قول کیا ہے جو ان کے اربابِ سُکر ہونے اور کمالاتِ نبوت سے حظ وافر نہ ملنے کی علامت ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ نبوت بوقت نزول ظاہر وباطن سے مخلوق کی طرف متوجہ ہوتی ہے اور مخلوق کو کلیۃً حق تعالیٰ کی طرف دعوت دینے میں مشغول رہتی ہے۔ محض مخلوق کی طرف متوجہ رہنا عوام

کالانعام کا درجہ ہے، مقامِ نبوت اس سے بہت بالا ہے لیکن اس حقیقت کا سمجھنا اربابِ سُکر کے بس کا روگ نہیں۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ گو فضیلت نبوت میں ہے لیکن لذت ولایت میں ہے اور نبوت میں بظاہر دوری ہے لیکن در حقیقت حضوری ہے۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ اولیائے کرام پر عروجی مراتب میں ولایت کا غلبہ ہوتا ہے اور نزولی مدارج میں کمالاتِ نبوت کا غلبہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عروجی مراتب میں اولیائے سے کرامات کا ظہور زیادہ ہوتا ہے جبکہ نزولی منازل میں صوفیائے کرام غلبہ کمالاتِ نبوت کے باعث مسندِ دعوت وارشاد پر متمکن ہوتے ہیں جن کا مطمع نظر ظہور کرامات نہیں ہوتا بلکہ ان کا مقصود لوگوں کی رشد وہدایت ہوتا ہے، کیونکہ اس قسم کے اولیائے کرام، انبیائے کرام علیہم الصلوات والتسلیمات کی نیابت وخلافت کے منصب وراثت پر فائز ہوتے ہیں جیسا کہ ارشادِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات اَلْعُلَمَاءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِیَاءِ۔[1] سے عیاں ہے اور مشائخِ طریقت اور علمائے حقیقت کے اسی پر استقامت گزیں ہونے کی وجہ سے رحمتوں کا ورود اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جیسا کہ آیۃ کریمہ: تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِکَةُ (فصلت ۳۰) سے واضح ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا:

مابرائے استقامت آمدیم ــــــ نے پئے کشف وکرامت آمدیم

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۴۴تا۳۴۵)

---

[1](مشکوۃالمصابیح، ۳۴)

مکتوب نمبر ۱۰۹

[حکیم صدر کی طرف صادر فرمایا ہے:

سلامتیٔ قلب اور اس کے غیرِ حق سبحانہٗ کو بھلا دینے کے بیان میں۔

اہل اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں، باطنی امراض کا ازالہ ان بزرگوں کی توجہ سے وابسطہ ہے۔

ان کا کلام دَوا اور ان کی نظر شفا ہے۔

حدیث پاک میں وارد ہے:

هُمُ الْقَوْمُ لَا يَشْقَى بِهِمْ جَلِيسُهُمْ۔

ترجمہ: یہ (ذاکرین) ایسی قوم ہے جن کا ہم نشین بد نصیب نہیں۔[1]

وَهُمْ جُلَسَاءَ اللهِ۔

ترجمہ: اور یہ لوگ اللہ کے ہم نشین ہیں۔

وبهم ترزقون وبهم تمطرون۔

ترجمہ: ان ہی کی برکت سے رزق ملتا ہے اور ان ہی کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔[2]]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ اولیاء اللہ قلبی امراض کے طبیب ہیں۔

---

[1] (صحیح مسلم، ج۴، ص ۲۰۶۹، دار إحیاء التراث العربي- بیروت)

[2] (الدر المنثور، فی التفسیر بالماثور، ج ۱، سورۃ البقرۃ، آیت نمبر ۲۵۲)

قلبی امراض کی دو اقسام ہیں:

اول: قلب کے ظاہری امراض جن میں عارضۂ قلب، قلب کی رگوں کا بند ہونا یا اس طرح کے دوسرے امراض ہیں۔ ان کا علاج ڈاکٹر یا تو آپریشن سے کرتا ہے یا دوائی کا استعمال کرواتا ہے۔

دوم: قلب کے باطنی امراض ہیں یعنی قلب میں شرک، ریا، کینہ، بغض، حسد، قطع صلہ رحمی اور عداوت کا ہونا۔ ان سب امراض میں بدترین چیز شرک اور رِیا ہے، ان امراض کے ڈاکٹر اولیاء اللہ ہیں اور ان امراض کا علاج صرف اولیاء اللہ کے پاس ہے اسی لئے اولیاء اللہ کی صحبت میں بیٹھنے سے قلب کے سارے امراض ختم ہو جاتے ہیں۔ اور اولیاء اللہ کی مجلس میں بیٹھنے والا شخص کبھی شقی اور بدبخت نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ فِي الْأَرْضِ فُضُلًا عَنْ كُتَّابِ النَّاسِ، فَإِذَا وَجَدُوا أَقْوَامًا يَذْكُرُونَ اللّٰهَ تَنَادَوْا: هَلُمُّوا إِلَى بُغْيَتِكُمْ، فَيَجِيئُونَ فَيَحُفُّونَ بِهِمْ إِلَى سَمَاءِ الدُّنْيَا، فَيَقُولُ اللّٰهُ: أَيَّ شَيْءٍ تَرَكْتُمْ عِبَادِي يَصْنَعُونَ، فَيَقُولُونَ: تَرَكْنَاهُمْ يَحْمَدُونَكَ وَيُمَجِّدُونَكَ وَيَذْكُرُونَكَ، قَالَ: فَيَقُولُ: فَهَلْ رَأَوْنِي، فَيَقُولُونَ: لَا، قَالَ: فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْنِي؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْكَ لَكَانُوا أَشَدَّ تَحْمِيدًا، وَأَشَدَّ تَمْجِيدًا، وَأَشَدَّ لَكَ ذِكْرًا، قَالَ: فَيَقُولُ: وَأَيَّ شَيْءٍ يَطْلُبُونَ؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: يَطْلُبُونَ الْجَنَّةَ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ قَالَ: فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا؟ لَكَانُوا أَشَدَّ لَهَا طَلَبًا، وَأَشَدَّ عَلَيْهَا حِرْصًا، قَالَ: فَيَقُولُ: فَمِنْ أَيِّ شَيْءٍ يَتَعَوَّذُونَ؟ قَالُوا: يَتَعَوَّذُونَ مِنَ النَّارِ، قَالَ: فَيَقُولُ: وَهَلْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ: لَا، فَيَقُولُ: فَكَيْفَ لَوْ رَأَوْهَا؟ فَيَقُولُونَ: لَوْ رَأَوْهَا لَكَانُوا مِنْهَا أَشَدَّ هَرَبًا، وَأَشَدَّ مِنْهَا خَوْفًا، وَأَشَدَّ مِنْهَا تَعَوُّذًا،

قَالَ: فَيَقُولُ: فَإِنِّي أُشْهِدُكُمْ أَنِّي قَدْ غَفَرْتُ لَهُمْ، فَيَقُولُونَ: إِنَّ فِيهِمْ فُلَانًا الخَطَّاءَ لَمْ يُرِدْهُمْ إِنَّمَا جَاءَهُمْ لِحَاجَةٍ، فَيَقُولُ: هُمُ القَوْمُ لَا يَشْقَى لَهُمْ جَلِيسٌ۔

ترجمہ: نامۂ اعمال لکھنے والوں کے علاوہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے کچھ فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر ایسے پھرتے رہتے ہیں جب وہ کسی جماعت کو ذکرِ الٰہی میں مشغول پاتے ہیں تو آپس میں ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ اپنے مقصود کی طرف آجاؤ، چنانچہ وہ آتے ہیں اور انہیں دنیا کے آسمان تک ڈھانپ لیتے ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پوچھتے ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کیا کرتے ہوئے چھوڑا؟ وہ کہتے ہیں کہ: ہم نے انہیں تیری تعریف بیان کرتے ہوئے، تیری بزرگی بیان کرتے ہوئے اور تیرا ذکر کرتے ہوئے چھوڑا ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیا انہوں نے مجھے دیکھا ہے؟ عرض کرتے ہیں: نہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر وہ مجھے دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ عرض کرتے ہیں اگر دیکھ لیں تو اور شدت سے تحمید وبزرگی بیان کرنے لگیں اور اس سے زیادہ شدت سے ذکر کرنے لگیں۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پوچھتے ہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں؟ عرض کرتے ہیں کہ: تیری جنت کے طلب گار ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پوچھتے ہیں کہ کیا انہوں نے جنت دیکھی ہے؟ عرض کرتے ہیں: نہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں: اگر وہ جنت دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں اگر دیکھ لیں تو اور زیادہ شدت اور حرص سے اسے مانگیں گے، پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ پوچھتے ہیں کہ وہ کس چیز سے پناہ مانگتے ہیں؟ عرض کرتے ہیں کہ: دوزخ سے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں اگر وہ لوگ دوزخ دیکھ لیں تو ان کا کیا حال ہو؟ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اگر دیکھ لیں تو اس سے زیادہ بھاگیں، اور زیادہ ڈریں اور پہلے سے بھی زیادہ پناہ مانگیں۔ چنانچہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں کہ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ میں نے ان سب کی مغفرت کردی۔ وہ عرض کرتے ہیں کہ ایک شخص ان میں ایسے ہی اپنے کسی کام آیا

تھا، انہیں دیکھ کر بیٹھ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے لوگ ہیں جن کے پاس بیٹھنے والا بھی بد نصیب نہیں رہتا۔[1]

آثار میں آتا ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ خلافت میں قحط پڑ گیا تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لوگوں کو فرمایا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے پاس جاؤ اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے آگے اُن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وسیلہ بناؤ کہ یا اللہ ان کے وسیلہ سے ہم پر بارش فرما۔

خلیفہ عبد الملک کے دورِ خلافت میں قطیبہ مجاہدین کے ایک گروپ کے کمانڈر تھے، یہ افغانستان میں کفار سے جہاد کرنے آئے تا کہ افغانستان کو فتح کریں۔ خلیفہ عبد الملک نے قطیبہ سے پوچھا کہ آپ کے پاس کتنے مجاہدین ہیں، انہوں نے کہا میرے پاس پچاس ہزار مجاہدین ہیں اور اُن کے پاس ایک لاکھ پچاس ہزار فوج ہے اور وہ بہت سخت لوگ ہیں۔ خلیفہ عبد الملک نے قطیبہ سے کہا کہ آپ کے لشکر میں ایک تابعی جن کا نام عبد السمیع ہے وہ زندہ ہے یا نہیں؟ قطیبہ نے کہا کہ وہ زندہ ہے۔ خلیفہ عبد الملک نے کہا کہ وہ ایک لاکھ فوج کے لئے کافی ہے اور باقی پچاس ہزار فوج کے ساتھ پچاس ہزار مجاہدین لڑیں۔ قطیبہ سوچ میں پڑ گئے کہ یہ کیسا شخص ہے جو اکیلا ایک لاکھ فوج کے ساتھ لڑے گا؟ اور ہم پچاس ہزار مجاہدین دُشمن کے پچاس ہزار فوجیوں کے ساتھ۔ جب قطیبہ عبد السمیع کے پاس گیا کہ دیکھوں کہ یہ کیا عمل کرتا ہے جب قطیبہ وہاں گیا تو اس نے کیا دیکھا کہ عبد السمیع رات کے وقت سجدے میں پڑے ہوئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دربار میں عجز وانکساری کر رہے ہیں اور جتنے وحوش وحیوانات ہیں وہ سب ان کے مطیع وفرمانبردار ہیں تو قطیبہ واپس آگئے اور کہا کہ ہمیں ضرور فتح ونصرت حاصل ہوگی پھر انہوں نے دشمن کے ساتھ لڑنا شروع کر دیا اور آخر کار ممالک شرقی سے

---

[1] (سنن الترمذی، ج۵، ص ۵۷۹، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

کاشغر تک سارے علاقوں کو فتح کرکے ان میں دینِ اسلام پہنچادیا۔ تو یہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی غیبی امداد تھی کہ جس نے مجاہدینِ اسلام کو ایک ولی اللہ کی وجہ سے تسکین عطا فرمادی۔

دینِ اسلام اور تقدیرِ الٰہی سے ناواقف لوگ کہتے ہیں کہ اگر اولیاء اللہ میں اتنی طاقت ہے تو عراق میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے روضہ کو کیوں میزائل لگے؟ یا اس نوع کے دیگر اعتراضات کرتے ہیں، یہ لوگ اپنی زبان سے اپنے دِین کو جھٹلاتے ہیں اور قرآن عظیم الشان، احادیث اور تاریخِ اسلام سے ناواقف ہیں کیونکہ مکہ معظمہ جو کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا گھر ہے، کتنی مرتبہ اسے منجنیق سے مارا گیا تو (نعوذ باللہ من ذلک) کیا اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اس پر قادر نہیں تھا کہ مکہ معظمہ کو محفوظ رکھتا۔ کیا غزوۂ احد میں اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو پہنچنے والا نقصان اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی قدرتِ کاملہ سے باہر تھا؟ نہیں، ہرگز نہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ تمام جہانوں کا اکیلا مالک ہے اور ہر چیز پر پورا قادر ہے، نفع ونقصان کا مالک ہے، جو چاہتا ہے سو کرتا ہے اور اس کو پوچھنے والا کوئی نہیں۔ لہٰذا اس قسم کے اشکالات سے گروہِ اولیاء کو منجانب اللہ حاصل وعطا ہونے والی طاقت سے انکار کرنا غیرِ مناسب ہے۔ جب اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اپنے اَٹل فیصلہ کو عملی شکل دینا چاہتا ہے تو مخلوق کی طاقت کارگر نہیں ہوتی اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارادہ پورا ہو جاتا ہے۔ تقدیر کے ان حقائق پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔

[امراضِ باطنی اور عللِ معنوی میں سب سے بڑی بیماری دل کی غیرِ حق تعالیٰ کے ساتھ گرفتاری ہے جب تک اس گرفتاری سے پورے طور پر نجات حاصل نہ ہو سلامتی قلب کا نصیب ہونا محال ہے کیونکہ اس ذات حق سلطانہٗ کے لئے کسی اور کی شرکت کا قطعًا کوئی دخل نہیں۔

أَلَا لِلّٰهِ الدِّينُ الْخَالِصُ (الزمر ۳)

ترجمہ: سُن لو خالص دین صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

یہ کیسے روا ہو سکتا ہے کہ شریک کو غالب کر دیا جائے نہایت بے حیائی کی بات ہے کہ غیرِ حق سبحانہٗ کی محبت کو حق تعالیٰ کی محبت پر اس طرح غالب کر دیا جائے کہ حق تعالیٰ کی محبت اس کے سامنے بالکل معدوم ہو کر رہ جائے یا مغلوب ہو جائے۔ اور حدیث:

اَلْحَیَاءُ شُعْبَةٌ مِنَ الْإِیمَانِ۔

ترجمہ: حیا ایمان کا شعبہ ہے۔[1]

میں شاید اسی حیاء کا بیان ہے۔]

تشریح

سرکاری دفاتر میں اکثر لوگ ظہر کی نماز ترک کر دیتے ہیں اور دفاتر سے باہر زندگی گزارنے والوں کی اکثریت بھی فرائض میں کوتاہی کرتے ہیں۔ دفاتر کے لوگ اپنے افسرانِ بالا کے آگے دی جانے والی خدمات اور دفاتر کی مصروفیات کا بہانہ بنا لیتے ہیں لیکن انہیں اپنے اللہ سے حیا کا خیال تک نہیں آتا۔ اگر وہ حیا جو ایمان کے شعبوں میں سے ایک اہم شعبہ ہے، دل میں پیدا ہو جائے تو پھر کسی سے نماز ترک ہی نہ ہو۔ اور یہی حال دوسرے معاملات میں ہے۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اہل اللہ کے فیوض و برکات اور ان کی صحبت و مجلس کے فوائد و ثمرات کا تذکرہ فرما رہے ہیں۔ دراصل اہل اللہ امراضِ باطنیہ اور علل معنویہ کے طبیب ہوتے ہیں۔ اس لئے سالک کو اپنے ذاتی مفادات، نفسانی خواہشات اور دنیوی

---

[1](صحیح البخاری، کتاب الایمان، باب امور الایمان، ج ۱، ص ۱۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اغراض کو پس پشت ڈال کر ہمیشہ ان کا نیاز مند رہنا چاہیئے تاکہ ان کی توجہات قدسیہ اور ارشادات عالیہ کی بدولت اسے قلبی امراض اور ماسوا اللہ کی محبت سے نجات حاصل ہو جائے۔بقول شاعر:

ہم نشینی اولیاء چوں کیمیاء است   کیمیائے خود بایں خوبی کجا است

حضرت شیخ ابو بکر بن سعدان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

مَنْ صَحِبَ الصُّوْفِيَّةَ فَلْيُصْحِبْهُمْ بِلَا نَفْسٍ وَ لَا قَلْبٍ وَ لَا مِلْكٍ فَمَتٰى نَظَرَ اِلٰى شَیْءٍ مِنْ اَشْيَائِهٖ قَطَعَهٗ ذٰلِكَ عَنْ بُلُوْغِ مَقْصَدِهٖ۔

یعنی جو شخص صوفیاء کی صحبت اختیار کرے تو اسے چاہیئے کہ بے نفس و بے قلب اور بے ملکیت ہو کر ان کی صحبت اختیار کرے پس جب وہ اپنی اشیاء میں سے کسی شئ کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اسے مقصود تک رسائی سے روک دیتی ہے۔[1]

بلکہ بقول شاعر طالب صادق کی کیفیت یوں ہونی چاہیئے:

بہ چہ مشغول کنم دیدہ ودل را کہ مدام
دل ترامی طلبد دیدہ دل ترامی خواہد

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ایک مثال کے ذریعے اچھی اور بری صحبت کا تذکرہ فرمایا ہے، چنانچہ ارشاد ہے:

مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَ السَّوْءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ وَ نَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَ إِمَّا أَنْ تبتاعَ مِنْهُ وإِمَّا أَن تجدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَ نَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يَحْرِقَ ثيابَكَ وإِمَّا أَنْ تجدَ مِنْهُ رِيحًا خبيثةً۔

[1] (مکتوبات معصومیہ، ج ۲، مکتوب ۱۱۰)

یعنی اچھے اور برے مصاحب کی مثال کستوری اٹھانے والے اور بھٹی دھونکنے والے جیسی ہے۔ کستوری اٹھانے والا یا تمھیں کستوری دے گا یا تم اس سے خریدوگے یا تمھیں اس کی خوشبو آئے گی اور بھٹی دھونکنے والا یا تمہارا کپڑا اجلائے گا یا تمھیں اس کی ناگوار بدبو آئے گی۔[1]

عارفِ کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایاہے:

نیکاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان عطاراں

سودا بھانویں مول نہ لیے حلے آون ہزاراں

بریاں لوکاں دی صحبت یارو جیویں دکان لوہاراں

کپڑے بھانویں کنج کنج بہیئے چنگاں پین ہزاراں

جب کوئی مریدِ صادق کسی اہل اللہ کی صحبت میں عقیدت و نیاز مندی سے سرشار ہو کر چند لمحے گزارتا ہے تو باہمی اخلاص کی بدولت اس مقام کی فضا میں لطافت اور مٹی میں شرافت آجاتی ہے کیونکہ وہاں رحمتوں کا ورود اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، جیسا کہ آیت کریمہ: تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ (فصلت ۳۰) سے واضح ہے۔بقول شاعر:

آسمان سجدہ کند پیش زمینے کہ درو

یک دو کس یک دو نفس بہر خدا بنشینند

چونکہ اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے مقبول و محبوب بندے اور اس کے جلیس و ہم نشین ہوتے ہیں، اس لئے گنہگار بھی ان کی مجلس سے محروم نہیں لوٹتا۔

---

[1](مشکوٰۃ المصابیح، ۴۲۶)

جیسا کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل اللہ کو مغفرت کا مژدہ سنایا تو فرشتوں نے عرض کی:

رَبِّ فِیهِمْ فُلَانٌ عَبْدٌ خَطَّاءٌ وَإِنَّمَا مَرَّ فَجَلَسَ مَعَهُمْ، قَالَ: فَيقُولُ وَلَهُ غَفَرْتُ هم الْقَوْم لَا يشقى بهم جليسهم۔

یعنی اے رب تعالیٰ ان میں فلاں شخص بڑا ہی گنہگار تھا وہ تو فقط گزر رہا تھا کہ ان کے ساتھ بیٹھ گیا؟ فرمایا اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا میں نے اسے بھی بخش دیا کیونکہ یہ وہ قوم ہے کہ ان کے پاس بیٹھنے والا بھی حرمان نصیب نہیں ہوتا۔[1]

ایک روایت میں یوں ہے کہ فرشتوں میں سے ایک فرشتہ عرض کرتا ہے:

فِيهِمْ فُلَانٌ لَيْسَ مِنْهُمْ إِنَّمَا جَاءَ لِحَاجَةٍ قَالَ: هُمُ الْجُلَسَاءُ لَا يَشْقَى جَلِيسُهُمْ۔

یعنی ان میں ایک شخص ایسا بھی ہے جو ان میں سے نہیں بلکہ وہ تو کسی کام کے لئے آیا تھا۔ ارشاد فرمایا یہ وہ ارباب مجلس ہیں کہ ان کی صحبت میں بیٹھنے والا شخص کبھی بدبخت نہیں ہوتا۔[2]

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

هَلْ تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ۔

یعنی ضعیفوں کی بدولت تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔[3]

نیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے یوں بھی ارشاد فرمایا:

يُسْقَى بِهِمُ الْغَيْثُ وَيُنْتَصَرُ بِهِمْ عَلَى الأعداءِ۔

یعنی ان (اہل اللہ) کی برکت سے بارشیں برستی ہیں اور دشمنوں پر فتح و نصرت عطا ہوتی ہے۔[1]

---

[1](مشکوٰۃ،۱۹۷)
[2](مشکوٰۃ،۱۹۷)
[3](مشکوٰۃ،۴۴۶)

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں ادا کیا ہے:

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضاء لیئے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں
تمنا دردِ دل کی ہو تو خدمت کر فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں
جلا سکتی ہے شمع کشتہ کو موجِ نفس ان کی
الٰہی کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں؟

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۴۹ تا ۳۵۲)

[اور قلب کے غیرِ حق کے ساتھ گرفتار نہ ہونے کی علامت یہ ہے کہ قلب ماسوا کا کلیۃً بھول جائے اور اشیاء کو پورے طور پر اس طرح فراموش کر دے کہ اگر تکلف سے بھی اشیاء کو یاد کرنا چاہے تو یاد نہ آئیں۔ تو اشیاء کے ساتھ گرفتاری کی اس مقام میں کیا گنجائش؟ یہ حالت اہل اللہ کے نزدیک فنا سے تعبیر ہوتی ہے اور یہ فنا اس راہ میں قدمِ اول ہے اور یہ مقام انوارِ قدم کے ظہور کا مبدا ٔ ہے اور معارف و حکم کے ورود کا منشاء ہے۔ اور اس حالت کے بغیر خاردار درخت پر ہاتھ پھیرنے والی بات ہے۔

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست راہ در بارگاہِ کبریا

ترجمہ: کوئی شخص جب تک فنا کا مقام حاصل نہ کرلے بارگاہِ کبریا تک راستہ نہیں پا سکتا۔]

[1](مشکوٰۃ، ۵۸۳)

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے قرآن عظیم الشان میں ارشاد فرمایا ہے:

إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكْرَىٰ لِمَنْ كَانَ لَهُ قَلْبٌ أَوْ أَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيدٌ (ق ۳۷)

ترجمہ: بے شک اس میں نصیحت ہے اس کے لیے جو دل رکھتا ہو یا کان لگائے اور متوجہ ہو۔

اور خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ:

مَنْ لَّمْ يَحْضُرْ قَلْبُهٗ فِي الصَّلٰوةِ فَلَا تُقْبَلُ صَلٰوتُهٗ۔

ترجمہ: جس شخص کا قلب نماز کے دوران حاضر نہ ہو تو اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔[1]

پس حضورِ قلب کی دولت عبادات کے مقبول ہونے کے لئے جزوِلازمی ہے اور حضورِ قلب کی دولت فنا کے ساتھ مشروط ہے، لہٰذا دولتِ فنا کے حصول کے لئے تصفیہ وتزکیہ ضروری ہے اور تصفیہ وتزکیہ کا بغیر سلوک کے میسر آنا انتہائی مشکل کام ہے اور سیر وسلوک کے مقامات کو قطع کرنا اولیاء اللہ کے کامل گروہ کی صحبت وتوجہ کے ساتھ ہی ممکن ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ جب سالک کے قلب سے ماسوا اللہ کے تعلقات اور دنیوی محبتیں سرد ہو جائیں اور وہ ہر چیز کو کلیۃً فراموش کر دے تو اہلِ طریقت کے نزدیک اس کیفیت کو فنا کہا جاتا ہے اسے ولایتِ صغریٰ بھی کہتے ہیں۔ صوفیائے کرام کے نزدیک فنا بمنزلہ وضوء ہے اور حق تعالیٰ کا قرب بمنزلہ نماز ہے۔

---

[1](تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار، ج ۹، ص ۳۰۰)

فنا راہِ طریقت کا پہلا قدم ہے جہاں سے عالمِ وجوب کے انوار و تجلیات کا ظہور اور علوم و معارف کا ورود شروع ہوتا ہے۔

اہلِ طریقت نے فنا کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ فنائے صوری ۲۔ فنائے حقیقی

فنائے صوری

یہ ہے کہ سالک کے قلب سے ہر ماسوا فراموش ہو جائے اور اسے ظلال صفات تک جو وجوب و امکاں کے درمیان برزخ ہے رسائی حاصل ہو جائے۔

فنائے حقیقی

یہ ہے کہ سالک کو صفات و شیونات و اعتبارات تک رسائی نصیب ہو جائے۔ اہلِ طریقت نے ولایات سہ گانہ اور کمالاتِ نبوت کے متعلق کچھ یوں وضاحت فرمائی ہے:

ولایتِ صغریٰ

اس ولایت میں سالک کو ظلال صفات تک رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

ولایتِ کبریٰ

یہ ولایت صفات کے ساتھ مربوط ہے اسے ولایتِ انبیاء بھی کہا جاتا ہے۔

ولایتِ ملاء اعلیٰ

یہ ولایت حق تعالیٰ کے شیونات سے متعلق ہے۔

کمالاتِ نبوت

یہ کمالات ذاتِ بحت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ چونکہ ولایت انبیاء صفات کے ساتھ مربوط ہے اور ولایتِ ملاءِ اعلیٰ شیونات سے متعلق ہے اس لئے حجۃ الاسلام حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت امام الحرمین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ما نے خواص ملک کو خواص بشر سے افضل قرار دے دیا۔ اگر یہ حضرات کمالاتِ نبوت سے بہرہ ور ہوتے تو اس قسم کا قول نہ کرتے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ کمالاتِ نبوت تک رسائی کامل مرادوں اور محبوبوں کو میسر ہوتی ہے مریدین کی وہاں تک رسائی نہیں ہوتی۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۵۲ تا ۳۵۴)

اللھم اغفر لکاتبہ و لمن سعٰی فیہ و لو الدیھم و لأساتذیھم و لأھل بیتھم اجمعین

آمین یا رب العالمین

بحرمت سید المرسلین و خاتم النبیین حضرت محمد

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و آلہ و اصحابہ وسلم

مکتوب نمبر ۱۱۰

[شیخ صدر الدین کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ پیدائش انسانی سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا اور پورے طور پر جناب حق تعالیٰ کی طرف توجہ کرنا ہے۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ اَربابِ کمال کی تمناؤں کی انتہاء تک عروج عطا کرے۔

پیدائش انسانی سے مقصود وظائف بندگی کا ادا کرنا اور جناب حق سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف دوام توجہ ہے اور یہ معنی سید اولین وآخرین علیہ من الصلوات اتمہا ومن التحیات ایمنہا کی کامل اتباع کے بغیر حاصل نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی قولاً، فعلاً، ظاہراً، باطناً، عملاً اور اعتقاداً اتباع نصیب کرے، آمین یارب العالمین

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست　　　بے دولت است آنکہ بہ ہیچ اختیار کرد

ترجمہ: خدا تعالیٰ کی ذات کو چھوڑ کر جس شے کی بھی پرستش کی جائے کچھ نہیں۔ وہ بد نصیب ہے جو ہیچ چیز کو اختیار کرتا ہے۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

ترجمہ: اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور ان کا جو تم میں حکومت والے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ أَطَاعَنِي فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَمَنْ يُطِعْ الْأَمِيرَ فَقَدْ أَطَاعَنِي وَمَنْ يَعْصِ الْأَمِيرَ فَقَدْ عَصَانِي۔

ترجمہ: جس نے میری اطاعت کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اُس نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی۔ اور جو حاکم کی اطاعت کرتا ہے وہ میری اطاعت کرتا ہے اور جو حاکم کی نافرمانی کرتا ہے وہ میری نافرمانی کرتا ہے۔[1]

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ:

بَايَعْنَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِي الْعُسْرِ وَالْيُسْرِ وَالْمَنْشَطِ وَالْمَكْرَهِ وَعَلَى أَثَرَةٍ عَلَيْنَا وَعَلَى أَنْ لَا نُنَازِعَ الْأَمْرَ أَهْلَهُ وَعَلَى أَنْ نَقُولَ بِالْحَقِّ أَيْنَمَا كُنَّا لَا نَخَافُ فِي اللّٰهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔

ترجمہ: ہم نے اس اَمر پر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے بیعت کی تھی کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا حکم سنیں گے اور مانیں گے دُشواری میں بھی اور آسانی میں بھی۔ خوشی میں بھی اور ناخوشی میں بھی اور احکام سے ان کے حکم میں کوئی جھگڑا نہیں کریں گے اور جہاں ہوں گے حق کو قائم کریں گے اور حق بات کہیں گے اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈریں گے۔[2]

---

[1] (صحیح البخاری، ج۱۰، ص۱۱۴، المکتبۃ الفاروقیۃ)

[2] (صحیح مسلم، ج۹، ص۳۷۳، المکتبۃ الفاروقیۃ)

اتباع نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے لزوم میں مندرجہ بالا دلائل صرف نمونے کے طور پر لکھے گئے ہیں، قرآن عظیم الشان اور کُتبِ احادیث میں اس موضوع پر بے شمار دلائل موجود ہیں اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کے لئے اُمت کو صرف اَطِیْعُوْا الرَّسُوْلَ کا حکم ہی کافی ہے۔ کیونکہ اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہی اطاعتِ خدا ہے اور اطاعتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے ہی دُنیا وآخرت کی نجات وفلاح ممکن ہے۔ کفار کے لئے جہنم کے ابدی عذاب کا حکم اسی لئے نازل ہوا ہے کہ انہوں نے حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت وپیروی سے منہ موڑا اور نفس وشیطان کی اتباع میں لگ گئے، اس لئے ایک مسلم کے لئے تو کسی بھی طور پر جائز نہیں ہے کہ وہ اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت چھوڑ کر دوسروں کی پیروی کرنے لگے۔

[حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے سوا اگر کوئی چیز مقصود ہے تو وہی معبود ہے، غیرِ حق تعالیٰ کی عبادت سے اس وقت نجات نصیب ہو گی جبکہ خداوند جل وعلا کے سوا کوئی چیز مقصود نہ رہے۔ اگرچہ وہ مقاصد اُخروی اور بہشتی نعمتوں میں سے ہی کیوں نہ ہو۔ اگرچہ یہ مقاصد حسنات میں سے ہیں لیکن مُقربین کے نزدیک سیئات میں داخل ہیں۔ جبکہ اُخروی اُمور کو مقاصد قرار دینے کی نوعیت یہ ہے تو اُمور دنیویہ کو مقاصد قرار دینے کی کیا گنجائش ہو سکتی ہے؟ کیونکہ دُنیا خدا کو سخت ناپسند ہے اور جب سے اللہ تعالیٰ نے اسے پیدا کیا ہے ایک بار بھی اس کی طرف نگاہ نہیں فرمائی، اور اس کی محبت گناہوں کی جڑ ہے، اور اس کے چاہنے والے لعنت ورَد کے مستحق ہیں۔

الدُّنْیَا مَلْعُوْنَۃٌ وَمَلْعُوْنٌ مَا فِیْھَا اِلَّا ذِکْرَ اللّٰہِ۔

ترجمہ: دُنیا ملعون ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا جو کچھ اس میں ہے بھی ملعون ہے۔[1]

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے حبیب پاک سید الاولین والآخرین حضرت محمد علیہ الصلوٰۃ والسلام وآلہ الکرام کے طفیل اس دُنیا کے شر اور جو کچھ اس میں ہے اس کے شر سے نجات عطا کرے۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں پر خالص رضائے الٰہی کی ترغیب دی ہے تاکہ عبادت وریاضت اور اطاعتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے پردہ میں دیگر عوامل مطلوب ومقصود نہ بنیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے مُقربین نے جنت کی طلب بھی محض اس وجہ سے کی ہے کہ وہاں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا حاصل ہے اور جہنم سے پناہ اس لئے مانگی ہے کہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ناراضگی کا مقام ہے۔

عاشقینِ حقیقی کہتے ہیں کہ:

تیرا جلوہ ہو تو دوزخ بھی ہے جنت مجھ کو

اور صوفیاء کرام نے بھی کہا ہے کہ طالبِ دُنیا عورت کی حیثیت رکھتا ہے، طالبِ آخرت ہیجڑا ہے اور مَرد وہ ہے جو طالبِ مولیٰ ہے۔ پس رب سے ہی رب کو ہی مانگنا چاہیئے کہ اگر رب مل گیا تو ہر نعمت مل گئی لیکن رب کے ملنے کو خود رب نے اپنے نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی پیروی کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي (آل عمران ۳۱)

---

[1](شرح السنة للبغوی، کتاب الرقاق، ج ۱۴، ص ۲۲۹، الناشر: المكتب الإسلامي - دمشق، بيروت)

ترجمہ: اے محبوب تم فرمادو کہ لوگو اگر تم اللہ کو دوست رکھتے ہو تو میرے فرمان بردار ہو جاؤ۔

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایاہے کہ:

كُلُّ أُمَّتِي يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ أَبَى قَالُوا يَا رَسُولَ اللهِ وَمَنْ يَأْبَى قَالَ مَنْ أَطَاعَنِي دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ عَصَانِي فَقَدْ أَبَى۔

ترجمہ: میری ساری اُمت جنت میں جائے گی سوائے اُس کے جس نے انکار کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم! انکار کون کرے گا؟ فرمایا: کہ جو میری اطاعت کرے گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور جو میری نافرمانی کرے گا اس نے انکار کیا۔ [1]

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابوالبیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرمارہے ہیں کہ انسان کی تخلیق کا مقصد وظیفہ ٔعبودیت بجالانا اور ہمہ وقت حق تعالیٰ کی طرف متوجہ رہنا ہے جو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم کی ظاہری اور باطنی متابعت کے بغیر ممکن نہیں اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے خوب کہا:

محال است سعدی کہ راہِ صفا ۔۔۔ تواں رفت جز در پئے مصطفیٰ

[1](صحیح البخاری، ج ۲۲، ص ۲۴۸، المکتبۃ الفاروقیۃ)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ سالک کا مقصود جنت ورضوان اور حور وغلمان بھی نہیں ہونا چاہیئے کیونکہ یہ ابرار کا کام ہے بلکہ اس کا مقصود صرف ذات حق تعالیٰ ہونا چاہیئے اور یہ مقربین کا کام ہے۔

بقول شاعر:

بعد از خدائے ہر چہ پرستند ہیچ نیست　　　　بے دولت است آنکہ ہیچ اختیار کرد

ترجمہ: بجز حق کے وہ جس کو پوجتے ہیں ہیچ وباطل ہے۔ جو باطل کی کرے پوجا بڑا ابد بخت وجاہل ہے۔

مقنن قوانین طریقت سید الطائفہ حضرت سیدنا جنید بغدادی قدس سرہٗ العزیز فرماتے ہیں:

اگر در نماز وسوسہ جنت پیدا شود سجدۂ سہو می کنم واگر خطرۂ دنیا بیاید نماز خود را دوبارہ می خوانم۔

یعنی اگر مجھے نماز میں جنت کا خیال آجائے تو میں سجدۂ سہو کرتا ہوں اور اگر دنیا کا خیال آجائے تو میں نماز کا اعادہ کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ حافظ شیرازی نے خوب فرمایا:

تو وطوبیٰ ماو قامت یار　　　　فکر ہر کس بقدر ہمت اوست

بینہ:

واضح رہے کہ اولیائے مقربین نزولی مراتب میں جنت کی خواہش فقط اس لئے رکھتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کی رضا کا محل ہے اور نار جہنم سے اس لئے پناہ مانگتے ہیں کہ وہ حق تعالیٰ کے غضب کا محل ہے نہ کہ دفع ایلام وتکالیف کے لئے۔

کسی عارف نے خوب کہا ہے:

رِضَاءُاللّٰہِ فِیْ الْجَنَّۃِ خَیْرٌ مِنَ الْجَنَّۃِ وَسَخَطُ اللّٰہِ فِی النَّارِ شَرٌّ مِّنَ النَّارِ۔

یعنی جنت میں اللہ تعالیٰ کی رضا جنت سے بہتر ہے اور جہنم میں اللہ تعالیٰ کی ناراضگی جہنم سے بدتر ہے۔

قطب الارشاد حضرت نور المشائخ قدس سرہٗ العزیز نے اس مفہوم کو یوں ادا فرمایا ہے:

لَوْ کَانَتِ الْجَنَّۃُ نَصِیْبًا الْعَاشِقِیْنَ بِدُوْنِ وِصَالِہٖ فَوَاوَیْلَاہُ وَلَوْ کَانَتِ النَّارُ نَصِیْبًا الْعَارِفِیْنَ مَعَ جَمَالِہٖ فَوَاشَوْقَاہُ۔

یعنی اگر عشاق کو وصل یار کے بغیر جنت مل گئی تو ہائے افسوس! اور اگر عارفین کو جمال یار کے ساتھ جہنم میں جھونک دیا گیا تو بہت خوب!

شیخ الشیوخ حضرت شیخ ابو سعید ابو الخیر قدس سرہٗ العزیز نے خوب فرمایا:

گفتی کہ ترا عذاب خواہم کرد | در حیرتم کہ در کجا خواہد بود
جائے کہ توئی عذاب نبود | وانجا کہ توئی کجا خواہد بود

عارف کھڑی حضرت میاں محمد بخش رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں منظوم فرمایا ہے:

بہار ہووے وچ یار نہ ہووے لگدا ای اوتھے دل کس دا
اجاڑاں وانگ بہاراں دسن یار ہووے وچ پھردا

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب جنت کی نعمتیں ولذتیں اور حور وقصور عارفین کے مقاصد میں سے نہیں ہیں تو دنیا کے فانی عیش وعشرت اور مال ودولت انسان کا مقصود کیسے ہو سکتے ہیں کیونکہ دنیا حق تعالیٰ کی مغضوب وملعون ہے جس کی محبت تمام گناہوں کی بنیاد ہے اور اس کے چاہنے والے لعنت کے حق دار ہیں۔ جیسا کہ ارشادات نبویہ علیٰ

صاحبہا الصلوات والتسلیمات: حُبُّ الدُّنیا رَأْسُ کُلِّ خَطِیئَۃٍ۔[1] اور لُعِنَ عَبْدُ الدِّینَارِ وَلُعِنَ عَبْدُ الدِّرْھَمِ۔[2] سے واضح ہوتا ہے۔ بقول شاعر:

اہل دنیا چہ کہین وچہ مہین　　　　لعنت اللہ علیہم اجمعین

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ دنیا کو مغضوبہ اور ہر گناہ کی بنیاد اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ یہ نفس امارہ کی پسندیدہ ہے اور احکامِ شرعیہ کی مخالفت کرنا اور حق تعالیٰ کے ساتھ عداوت رکھنا اس کی سرشت میں داخل ہے، جیسا کہ حدیث قدسی: عَادِ نَفْسِکَ فَاِنَّھَا اِنْتَصَبَتْ بِمُعَادَاتِیْ سے عیاں ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ نفس کی حق تعالیٰ کے ساتھ عداوت ذاتی نہیں، بلکہ صفاتی ہے۔ کیونکہ جب نفس امارگی وسرکشی سے چھٹکارا حاصل کرلیتا ہے اور اس کا تزکیہ ہو جاتا ہے تو یہ مرتبۂ محبوبیت سے مشرف ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ یَاأَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (۲۷) ارْجِعِي إِلَى رَبِّکِ رَاضِيَةً مَرْضِيَّةً (۲۸) فَادْخُلِي فِي عِبَادِي (۲۹) وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر ۳۰) سے مفہوم ہوتا ہے فلہٰذا یہ عداوت نفس کی امارگی کی طرف راجع ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۳۵۷ تا ۳۶۱)

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح ۴۴۴)

[2] (مشکوٰۃ المصابیح، ۴۴۱)

تربیت السالکین میں ہے:

مشائخ کی خدمت میں ہدیہ پیش کرنے کی وجوہات

بعض کم عقل مرید اور عوام کو یہ بد گمانی ہوتی ہے اور اعتراض ہوتا ہے ظاہر یا باطن میں اپنے شیخ کے خلاف کہ یہ ہمارے پیر صاحب مال پر زیادہ خوش ہوتے ہیں اور مال و دولت سے بہت محبت ہے۔ اور جتنا لوگ کچھ دیتے ہیں تو اس سے زیادہ خوش ہو کر زیادہ دعائیں دیتے ہیں اور جو لوگ کچھ نہیں دیتے تو ان کیلئے دعا نہیں کرتے یا صرف ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیر لیتے ہیں۔ یہ بد گمانی شیطان نے مرید کے دل میں ڈالی ہوتی ہے کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا پیر خاص دنیا پرست ہے تو صرف یہی بات نفاق، حسد اور بے محبتی کا سبب بن جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہلاک ہو جاتا ہے۔

جیسا کہ ایک دن ایک مرید نے ایک اللہ والے سے ظاہراً یہ کہا کہ جناب! اگر کوئی آپ کو کچھ زیادہ مال دے تو آپ لمبی دعا کرتے ہیں اور جو تھوڑا مال دے تو تھوڑی سی دعا کرتے ہیں اور جو کچھ نہیں دیتا تو اس کو دعا نہیں کرتے۔ تو ایک دن شیخ صاحب اپنے اسی مرید کو اپنے ساتھ بیابان لے گئے اور اس مرید کو حکم دیا کہ جاؤ اور اس چٹان (پتھر) سے کہو کہ میرے پیر صاحب فرماتے ہیں کہ مجھے خزانوں کا دروازہ کھول کر دکھاؤ تا کہ میں دیکھ لوں۔ مرید اسی فرمان کو لے کر چٹان کے پاس آیا اور پیر صاحب سامنے کھڑے ہوئے ہیں کہ اچانک چٹان کھل گئی۔ مرید اندر داخل ہوا اور لعل وجواہرات، سونے چاندی کے بے حساب خزانے دیکھے تو حیران ہو گیا۔ اور تردّد و بے اختیاری کی حالت میں پیر صاحب کی طرف متوجہ ہو کر کہا کہ حضرت یہ کیا بات ہے؟ پیر صاحب نے فرمایا کہ ان خزانوں کو آواز دو کہ تم کس کے ہو؟ جب مرید نے آواز دی تو ان تمام خزانوں اور دولت نے قدرتی طور پر آواز دی کہ ہم سب "دکڑے صاحب" کے ہیں۔ اور یہ حضرت پیر صاحب "صاحب

سوات" کے ماذون اور خلیفہ تھے۔ تو پس پیر صاحب نے پوچھا کہ کیا کہتے ہیں؟ مرید نے آواز دی کہ ایساہی کہتے ہیں تو پیر صاحب نے کہا کہ اگر تجھے حاجت ہو تو لے لو اور آؤ۔ تو مرید خالی ہاتھ نکل آیا اور دل میں یہ بات تھی کہ پیر صاحب سے واپس آکر سب پر قبضہ کرلوں گا۔ جب چند قدم گئے اور پیچھے دیکھا تو وہی عظیم الشان پتھر (چٹان) پھر اسی طرح تھا جیسے پہلے تھا تو مرید نے اپنے پیر صاحب سے پوچھا کہ حضرت یہ کیا بات ہے؟ تو شیخ نے اس بات کی وضاحت کردی اس طرح کہ یہ تمہاری اس بات کا جواب ہے جب تم نے کہا تھا کہ تم لوگ بہت مال کی وجہ سے لمبی لمبی دعا دیتے ہو اور تھوڑے مال پر کم دعا دیتے ہو اور جب مال نہیں ہوتا تو بالکل دعا نہیں کرتے۔ تو آج تم نے دیکھ لیا کہ ہم پر اللہ تعالیٰ کے خزانوں کے دروازے کھلے ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد یہ نہیں جس کی تم بدظنی (بدگمانی) کرتے ہو۔ "من کان اللہ کان اللہ لہ" جو خدا کا ہو جاتا ہے خدا اس کا ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے خزانوں کا اختیار اسے حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ اللہ والے لوگ بھوک وپیاس اور سختیاں و تکالیف اپنے نفوس پر برداشت کرتے ہیں۔ اور ان اشیاء کی طرف میلان نہیں کرتے۔ کیونکہ یہ اللہ والے باقی کو فانی سے نہیں بدلتے۔

جیسا کہ قرآنِ مجید میں ارشاد ہوا:

وَلَاتَشْتَرُوابِآيَاتِي ثَمَنًاقَلِيلًا (البقرة ۴۱)

مطلب یہ ہوا کہ اگر دنیا کے تمام خزانے قیمتی جواہرات سے لبریز ہو جائیں تو وہ صرف موت تک ہیں۔ پھر نہیں ہوں گے تو اگرچہ یہ دولت بہت ہے مگر اس کم عمری کی وجہ سے کم ہے۔ اس لئے اگر اس مال ودولت سے ہمارے نفسوں کو خوشحالی، آرام، فراخی، عیش و عشرت حاصل ہو جائے تو ہمارے نفوس سرکشی اختیار کرلیں گے۔ اور یہ ہمارا دشمن ہے تو ہمیں ہلاک کر دے گا۔ اور ہماری

ابدی (ہمیشہ کی) دوستی جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور ہمیشہ کی عزت اور خوشی جو آخرت کی ہے اس فانی خوشی وعزت سے بدل جائے گی۔ اور ہم جو لوگوں سے روپیہ (مال) لیتے ہیں اور وہ دیتے ہیں تو یہ اس حدیث پر عمل کرتے ہیں۔ ''لا کدّو لا ردّ'' یعنی کسی سے نہ مانگو اور جو لوگ کچھ دیتے ہیں تو اسے واپس نہ کرو۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضور ﷺ کا طریقہ ہے تو ہم بھی رضائے الٰہی اور اتباعِ رسول ﷺ کی وجہ سے لیتے ہیں۔ اور دوسری بات یہ کہ اس سے ہماری نیت یہ بھی ہے کہ اس شخص کو کامل ثواب ملے۔ اور جب کوئی بہت کچھ یعنی بہت مال ودولت دیتا ہے اور ہم اس کیلئے دعا دیتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کی باطنی محبت کی ہمیں اس خدمت کی وجہ سے وضاحت ہو جاتی ہے۔ اور وہ ہمیں اپنی محبت، صداقت، اخلاص اور اچھی نیت کی دلیل دیتا ہے جس کو روپیہ کہتے ہیں۔ جو روح کا دودھ کہلاتا ہے تو وہ ہمیں اپنی روح کا دودھ دیتا ہے۔ جس سے ہمیں اس کی محبت اور اخلاص ظاہر ہو جاتا ہے۔ تو اس کی اس محبت کی وجہ سے اس انداز سے ہمارے دل سے محبت کی آواز دعا کی شکل میں زبان سے ظاہر ہو جاتی ہے۔ تو جتنا اخلاص اس نے ظاہر کیا ہوتا ہے تو اتنی محبت اور اخلاص ہماری طرف سے بھی ظاہر ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف ہے:

''حب القلب یظهر بالید''۔

یعنی دل کی محبت ہاتھ سے ظاہر ہوتی ہے (جو مالی اور بدنی خدمت ہے)۔

تو ہر شخص سے ہماری محبت اس کی محبت اور اخلاص کے اندازے کے مطابق ہوتی ہے۔ اور یہ حضور ﷺ کی حدیث شریف سے ثابت ہے کہ۔ ''جس کی جس کے ساتھ محبت ہوتی ہے تو اتنی محبت دوسرے کی طرف سے بھی ہو جاتی ہے، اور بغض بھی دو طرف سے ایک جیسا ہوتا ہے۔

''الحب من الجانبین و البغض هٰکذا''۔

اور اس حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا: ایک دوسرے کے دوست بنو اور دوستوں کیلئے تحفہ لے جایا کرو اس سے محبت زیادہ ہوتی ہے۔ تو معلوم ہوا کہ محبت دل کی چیز ہے۔ جو دیکھی نہیں جاتی لیکن ظاہر میں مالی، بدنی خدمت، مال و دولت قربان کرنا اپنے شیخ کے سامنے یہ مرید کی اپنی دلی محبت پر اپنے شیخ کو اخلاص و محبت پر دلیل پیش کرنا ہے۔ تو جب بھی کسی کی طرف سے یہ دلیل ہمیں جس اندازے سے مل جائے تو اس کے مطابق ہماری زبان سے دعا نکلتی ہے۔

انشاء اللہ یہی اخلاص و محبت کا اظہار اور ہماری دعا اس کیلئے سبب مغفرت و رضائے الٰہی ہوتا ہے اور مال کو ویسے بھی ہم خزانہ نہیں بناتے بلکہ راہِ خداوندی میں خرچ کرتے ہیں۔ بلکہ یہ اس شخص کیلئے نیک بختی کا سبب ہے۔ جس کی وجہ سے وہ مغفرت اور عزت حاصل کر سکتا ہے۔

جیسا کہ آیتِ کریمہ ہے:

وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبَاتٍ عِنْدَ اللهِ وَصَلَوَاتِ الرَّسُولِ أَلَا إِنَّهَا قُرْبَةٌ لَهُمْ سَيُدْخِلُهُمُ اللهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنَّ اللهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ (التوبة ۹۹)

ترجمہ: یعنی جو لوگ اپنا مال اللہ تعالیٰ کے مقربین دوستوں رسولوں پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی انہیں للہ فی اللہ کچھ دے اور یہ دینا اپنے لئے ان سے دعا حاصل کرنے کا ذریعہ جانے۔ تو یہ ان لوگوں کیلئے قرب الٰہی کا سبب ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جلد ہی اپنی رحمت میں داخل فرمائے گا بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

فائدہ: معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کا اپنا مال و دولت خرچ کرنا مالی بدنی خدمت کرنا حضور ﷺ سے دعا حاصل کرنے کا سبب تھا اور آپ ﷺ کی دعا ان کیلئے قرب الٰہی کا سبب تھی۔ اور یہ قربِ الٰہی حضور ﷺ کی دعا سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت و بخشش اور مغفرت کا سبب تھا۔ اس آیت کریمہ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ جب بھی کوئی حضور ﷺ کی خدمت میں صدقہ و خیرات پیش کرتا تو

آپ ﷺ ان کیلئے خیر وبرکت اور مغفرت کی دعا فرماتے۔یہی آپ ﷺ کا طریقہ تھا اور یہی فاتحہ یعنی دعا کی اصل (دلیل) ہے۔کہ حضور ﷺ کو مال ودولت دینے یعنی صدقہ کرنے میں انسان یعنی امتی کو دعا ومغفرت حاصل ہوتی ہے۔ اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ اہلِ شریعت پیرِ طریقت نائب اور وارث وخلیفہ ٔرسول ﷺ ہیں۔ جیسا کہ "الشیخ کالنبی فی امتہ" شیخ یعنی پیرِ طریقت امت میں نبی کی طرح ہے یعنی وارث اور نائب رسول ﷺ ہے۔ تو نبی ﷺ کا ہر قول و فعل، طریقہ کو اپنے مقام پر ادا کرتا رہے گا اور لوگوں کے ساتھ اسی طرح معاملہ فرمائے گا جس طرح ذکر ہوا ہے۔وارث اور نائب کا یہی معنی ہے کہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال واعتقاد پر عمل کرے۔ تو یہی اہلِ شریعت وطریقت ہیں دوسرا کوئی نہیں۔

اس لئے نبی ﷺ نے فرمایا:

"الشریعۃاقوالی و الطریقۃافعالی"۔

یعنی شریعت میرا قول اور طریقت میرا فعل ہے۔

اسی طرح ہمارا بھی اپنے دوستوں کے ساتھ یہی رویہ ہے۔ اور ان کا بھی ہمارے ساتھ اسی طرح محبت ولین دین اور رویہ ہونا چاہئے جس طرح صحابہ ٔکرام و حضور ﷺ کے درمیان آیات واحادیث سے ثابت ہوا ہے۔ کیونکہ پیری ومریدی بھی اسی طرح ثابت ہے تمام شرائط کے ساتھ جیسا کہ آپ ﷺ اور صحابہ ٔکرام کا ثبوت موجود ہے۔ اسی لئے ہمارے سامنے ہمارے مرید، دوست، تعلقدار، محبان مالی اور بدنی خدمت اور دولت سے اپنے دل کی محبت کا ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اور ہم اس اندازے کے مطابق انہیں دعا دیتے ہیں۔ اور انشاء اللہ ان کی محبت کا اظہار اور ہماری طرف سے دلی دعا کرنا ان کیلئے رحمت، بخشش اور دوستی کا سبب بنے۔ وماتوفیقی الا باللہ۔

یہ صاحب کڑہ اور ان کے مرید کے متعلق حکایت تھی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صاف نیت اور صاف عقیدہ عطا فرمائے۔ "الشیخ کالنبی فی امته" شیخ مسلمان قوم میں مانند نبی ﷺ کے ہیں شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے القول الجمیل میں، حاجی امداد اللہ صاحب نے مرقومات امدادیہ صفحہ (۳۱) میں اشرف علی تھانوی امداد المشتاق میں، مولوی محمد اسماعیل نے صراط مستقیم صفحہ (۱۲۳) مترجم اردو میں "وابتغوا الیه الوسیلة"[1] سے پیرِ طریقت مراد لیا ہے۔

---

[1] حضرت مولانا اسماعیل حقی نور اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں:

واعلم ان الایة الکریمة صرحت بالامر بابتغاء الوسیلة ولا بد منها البتته فان الوصول الی اللہ تعالیٰ لا یحصل الا بالوسیلة وهی علماء الحقیقة ومشائخ الطریقة قال الحافظ شعر:

این مرحلہ بے همرهئے خضر مکن
ظلمات است بترس از خطر گمراهی

(تفسیر روح البیان ص ۵۲۰، جز اول مطبوعہ عثمانی)

ترجمہ: یقین کرو کہ اس آیہ مبارکہ مطلب نے وسیلہ طلب کرنے کے حکم کو صاف صاف بیان کیا ہے۔ اور اس (وسیلہ) کا ہو یقینا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تک رسائی بغیر وسیلہ کے حاصل نہیں ہوتی اور وہ وسیلہ علماء حقیقت و علماء ربانی اور مشائخ طریقت "بزرگان دین" ہی کا ہے۔

حافظ علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے:

یہ سفر خضر یعنی پیر کامل کی رہبری کے سوا شروع نہ کر، راستہ میں بڑی تاریکیاں ہیں، گمراہ ہونے کا خطرہ ہے، اس سے بچ۔ تاریخ گواہ ہے کہ بغیر وسیلہ پیر کامل کے عوام تو کیا سینکڑوں علماء بھی گمراہی کے گڑھے میں جا گرے۔ ظاہری کتابی علم نے کوئی نفع نہ دیا۔ علماء یہود کی گمراہی کے متعلق متعدد مقامات پر قرآن شریف میں تصریح موجود ہے۔ جو نہ فقط یک خود گمراہ ہوئے۔ بلکہ "قد ضلوا فاضلوا" "تحقیق گمراہ ہوئے پس گمراہ کیا" کے مطابق سینکڑوں دوسرے افراد کو بھی گمراہی کے گڑھے میں دھکیل دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت کے جید ماہر عالم بلعم بن باعوراء کا قصہ قرآن مجید میں مذکور ہے، جو ایک ہی دن میں ستر ہزار افراد کی ہلاکت کا باعث بنا۔ جبکہ اس کے علم کا یہ حال تھا کہ اس کے درس کے وقت تقریر نوٹ کرنے والوں کیلئے بارہ ہزار سیاہی کی شیشیاں رکھی ہوئی ہوتی تھیں۔ (تفسیر صاوی)

اندازہ لگائیں جہاں طلباء کیلئے بارہ ہزار شیشیاں ہونگی تو وہاں طلبا کی تعداد کتنی ہوگی۔

اشرف علی تھانوی اور مشتاق احمد صاحب نے لکھا ہے:

"مرشد کی محبت عین اللہ ورسول ﷺ کی محبت ہے"۔

اور صحابہ کرام اور نبی ﷺ کے درمیان محبت سے پیر اور مرید کے درمیان محبت کے بارے علامات ثابت ہوئی ہیں۔ جیسے کہ گذشتہ حکایت میں نقل ہوا ہے۔ اس بناء پر صاحب قشیری نے مطالب رشیدی میں لکھا ہے کہ یہ پیری ومریدی اصل میں حضور ﷺ اور صحابہ کرام کے سنت طریق کو زندہ کرنا ہے۔ تو جب بھی مرید پیر صاحب کے دربار میں جانا چاہے تو خالی ہاتھ نہ جائے۔ بلکہ حسبِ توفیق تحفہ لے جانا چاہئے۔ کیونکہ یہ محبت واخلاص کی علامت ہے۔ اور اپنے پیر صاحب کے ساتھ محبت کرنا اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ سے محبت کرنا ہے۔ اس لئے اپنے پیر صاحب سے محبت واخلاص پیدا کرنا یہ کامیابی اور نجات کا ذریعہ ہے، اور یہ ضروری ہے۔ اور اپنے پیر صاحب کے دربار

امام المتکلمین عمدۃ المفسرین علامہ فخر الدین رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مشہور تفسیر کبیر میں لفظ وسیلہ کی تشریح وتحقیق ان الفاظ سے کی ہے، فرمایا:

"المسئلة الثالثة" الوسيلة فعيلة من وسل اليه اذا تقرب اليه۔ قال لبيد الشاعر: ارى الناس لا يدرون ما قدروا آمرهم، الا كل ذى لب الى الله و اسل اى متوسل فالوسيلة النبى يتوسل بها المقصود۔

وسیلہ فعیلۃ کے وزن پر وسل الیہ سے بنا ہوا ہے۔ جب کوئی شخص کسی کے قریب ہو، شاعر لبید نے کہا ہے کہ میں دیکھتا ہوں کہ لوگ اپنی حقیقت سے بے خبر ہیں، خبر دار! ہر دانا آدمی اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا وسیلہ طلب کرتا ہے۔ یہ تو تھی فقط وسیلہ کی لفظ تحقیق۔ رہی یہ بات کہ آیہ کریمہ "وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ" سے کونسا وسیلہ مراد ہے؟ یہ عقیدہ بھی حضرت مفسر رازی قدس سرہ نے حل فرمایا کہ:

قالت التعليمية دلت الاية على انه لا سبيل الى الله تعالىٰ الا بمعلم يعلمنا معرفة و مرشد يرشدنا الى العلم به۔ (تفسیر کبیر ص ۳۹۷، ج ۳)

تعلیمیہ میں ہے کہ اس آیہ کریمہ مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کا اور کوئی بھی طریقہ نہیں بجز استادِ کامل کے جو ہمیں اللہ تعالیٰ کی معرفت کی تعلیم دے اور وہ مرشد برحق جو ہمیں اللہ کے پہچاننے کی ہدایت کردے۔ (اثبات البیعت، حضرت باباجی سراج الحق صاحب نور اللہ مرقدہ)

حررہ: سید عبد الحق شاہ حنفی ترمذی سیفی سواتی۔

میں پیر صاحب سے یا پیر بھائیوں سے مہمان نوازی طلب نہیں کرنا چاہئے۔ بلکہ ایک ادنیٰ خادم کی حیثیت سے رہنا چاہئے۔ بلکہ اگر تمہیں اپنے پیر صاحب کے دربار میں خدمت کرنے کا موقع ملے تو اس پر شکر ادا کرنا چاہئے۔ اور جب پیر صاحب کی محفل میں ہو تو ان کے حکم پر عمل کرنا لازم ہے۔ اس کے بعد ''مطالب رشیدی'' میں لکھا ہے کہ اگر مرید اپنے پیر صاحب سے کچھ نصائح سن کر اسے لکھ لے تو اللہ تعالیٰ ہر حرف کے بدلے میں ایک ہزار سال کا ثوابِ عبادت اس کے اعمال نامہ میں لکھے گا۔ الغرض کرامت وولایت مربوط (مشروط) ہے۔ یعنی کرامت وولایت کا حاصل کرنا خاص ان دو کاموں سے متعلق ہے۔ جیسا کہ صحابہ کرام کو اللہ تعالیٰ نے مغفرت، رحمت اور دوستی کا جو مژدہ سنایا ہے (جیسا کہ گزر چکا ہے) وہ صرف اور صرف اپنے محبوب ﷺ پر مال وجان قربان کرنے کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی بارگاہ میں تحفہ وتحائف دینے کی وجہ سے اسی طرح مرید کو بھی من جانب اللہ رحمت، مہربانی، مغفرت، دوستی اور ولایت انہی باتوں سے حاصل ہوتی ہے۔ جو شریعت کی تابعداری اور اپنے پیر صاحب سے اخلاص ومحبت کرتا ہے۔ اور پیر کی خدمت میں تحفے تحائف پیش کرتا ہے۔ اور یہ مال وجان قبول کرنا یہ صحابہ کرام کا وہ طریقہ ہے کہ جس کی پیروی کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کی دوستی کی دولت سے مالامال ہو جائے گا۔ اس لئے فرمایا ہے صاحب قشیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کہ اگر ان دونوں یعنی اتباع شریعت اور محبت مرشد میں کچھ قصور نہ ہو تو باقی ہر پریشانی یا تردد اگر مرید کے دل پر آئے تو نقصان کی بات نہیں کیونکہ آخر میں خیر اور عزت حاصل ہو جائے گی۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا **''من جاء بالحسنة فله عشر امثالها''** اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ایک کے بدلے دس تو عام حکم ہے لیکن اس چیز کی فضیلت وبہتری اور درجہ جو اہلِ شریعت پیرِ طریقت کو دیا جاتا ہے دین ودنیا میں یہ ہے جیسا کہ حضور ﷺ کو تحفے تحائف دیئے جاتے تھے۔ اور

اس کی بہتری اور ثواب اس قدر تھا کہ اللہ رب العزت کی دوستی حاصل ہوتی تھی۔ جو عقل سے ماوراء بات ہے۔ اسی طرح یہ بھی ایک بے اندازہ اور انسان کی عقل سے دور ثواب، درجات، عزت، اور اللہ تعالیٰ کی دوستی کا ذریعہ ہے کہ جو اخلاص اور محبت مالی وجانی اپنے پیر صاحب کے دربار میں ظاہر کرتا ہے۔ کیونکہ جس طرح نبی کریم ﷺ کا ہزاروں، لاکھوں سے دولت لینا رضائے الٰہی اور مخلوقِ خدا کا خیر وفائدہ اسلام کی خدمت اور مؤمنوں کی خیر خواہی اور سہولت کیلئے تھا۔ تو اسی طرح اہلِ شریعت و پیرِ طریقت کا مال ودولت لینا اور حاصل کرنا یہ دینِ اسلام کی خدمت اور جن سے لیا جاتا ہے ان کے ثواب اور بلندی درجات و خیر کیلئے اور مسلمانوں کی سہولت کیلئے یا اپنی یا اپنی قوت لا یموت کیلئے اور دینی خدمات کی ضروریات کیلئے اور خاص کر اللہ تعالیٰ کی رضا کیلئے ہوگا۔ خواہ اپنا مال ہو یا کوئی دیتا ہو یا کسی سے لیتا ہو صرف اسی مقصد کیلئے ہوگا۔ جیسا کہ ایک بزرگ کی حکایت ہے۔

مولانا جامی علیہ الرحمہ پیر کی تلاش میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار کی بارگاہ میں پہنچے اس زمانے میں خواجہ صاحب کی شہرت بہت تھی۔ دنیا بھر کی ہر قسم کی نعمتیں موجود تھیں۔ مولانا جامی علیہ الرحمہ پشیمان ہوئے اور جوش میں آکر خواجہ صاحب کے سامنے بے اختیار یہ کہا "نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد" یہ کہہ کر مسجد میں چلے گئے اور حسرت سے لیٹ گئے۔ خواب دیکھا کہ میدانِ حشر قائم ہے۔ اور مولانا جامی ایک قرض خواہ کے تقاضے کی وجہ سے سخت پریشان ہیں۔ کہ ایک طرف سے خواجہ صاحب جلدی سے آگئے اور کہا کہ درویش کو کیوں پریشان کرتے ہو۔ ہم نے یہاں جو خزانہ جمع کیا ہے اس سے اسے قرض دے دو۔ اس کے بعد مولانا جامی کی آنکھ کھل گئی اسی وقت خواجہ صاحب مسجد میں تشریف لائے۔ مولانا جامی نے فوراً حاضر ہو کر قدم بوسی کی اور کہا کہ حضور میری گستاخی معاف کیجئے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا۔ کہ تم نے وہ مصرعہ (شعر) کیسے پڑھا تھا

مولانا جامی نے عرض کیا کہ حضور وہ تو میری غلطی تھی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا میں اسے دوبارہ سننا چاہتا ہوں۔

مولانا جامی نے کہا کہ جب میں نے اس مقام کے سامان کو دیکھا تو زبان سے نکلا "نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد" یعنی وہ شخص مرد نہیں جو دنیا سے دوستی کرتا ہے۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ یہ صحیح ہے مگر یہ مصرعہ نامکمل ہے۔ اس کے ساتھ یہ دوسرا بھی ملالو۔ "اگر دارد برائے دوست دارد" اگر رکھتا ہے تو دوست کیلئے دولت رکھتا ہے۔

پورا شعر یوں ہے:

نہ مرد است آنکہ دنیا دوست دارد
اگر دارد برائے دوست دارد

نکتہ: یہ بات بھی جاننا چاہئے کہ جب کوئی مرید برائے رضائے الٰہی اپنے پیر صاحب کے دربار میں کسی کو کچھ دیتا ہے تو یہ بھی ایک حکمت اور زیادہ فائدے کے حصول کی بات ہے کہ وہ چیز جو یہ کسی کو دینا چاہتا ہے۔ اس کی نیت سے پیر صاحب کو دے دے اور نیت کرے کہ اگر یہ شخص اس چیز کا اہل ہے تو میرا پیر صاحب اپنے ہاتھ سے یہ چیز اسے دے دے تو یہ میرے لئے بہت زیادہ بے حساب ثواب، درجات، خیر اور کامیابی کا سبب ہو گا کیونکہ پیر صاحب کو دینے کا ثواب اور اس کی فضیلت تو آیت کے ضمن میں گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام اور حضور ﷺ کو تحفے تحائف کی فضیلت ثابت ہے اور اس کے ضمن میں اپنے پیر صاحب کو تحفہ دینا اور اس پر اجر عظیم و کمال ثابت و بیان ہو چکا ہے جو باقی لوگوں سے بہت زیادہ ہے۔ تو وہی شرافت، کمال، خیر اور درجہ اس مرید کو حاصل ہوا کہ اس نے اپنے پیر صاحب کو منصفی اور خیر کیلئے یہ چیز دی تھی۔ اس کے بعد اگر وہ دوسرا شخص اس کا اہل ہو۔

اور پیر صاحب وہ چیز اسے دیں تو یہ بھی اس مرید کیلئے اس سے زیادہ ثواب کا موجب ہو گا، جب کہ خود اپنے ہاتھ سے یہ چیز دیتا تو اتنا اجر نہ پاتا۔

دوسرا راز یہ ہے کہ یہ پیر صاحب کو معلوم ہو جائے گا کہ مرید بہت وفادار ہے۔ اور مجھ پر کامل یقین رکھتا ہے۔ اور رضائے الٰہی کیلئے جتنا اخلاص کرتا ہے تو میرے علاوہ اسے عزت اور حصول درجات کی کوئی اور جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ اور مجھ پر یہ یقین ہے کہ اگر یہ چیز میں خود اپنے ہاتھ سے دوں تو یہ مناسب ہو گا اور اسے بھی ثواب حاصل ہو گا۔ اور پیر صاحب دعا فرمائیں گے۔ جو ہر کسی سے بڑھ کر میرے لئے خیر کی دعا کر سکتے ہیں۔ اور نہ ان کے علاوہ کسی اور سے میں فائدہ اور عزت پا سکتا ہوں۔ بلکہ یہ وہی طریقہ ہے جو صحابہؓ کرام کا تھا کہ صحابہؓ کرام جتنے بھی صدقات و تحائف دیتے تو خاص حضور ﷺ کو دیتے تھے۔ اور پھر آپ حضور ﷺ انصاف سے اپنے دست مبارک سے تقسیم فرماتے کہ مجاہدین، مہاجرین، فقراء، مساکین، یتامیٰ اور دینِ اسلام کی خدمت کیلئے مناسب اوقات میں اچھے طریقے سے تقسیم فرماتے اور بھوکے پیاسے مہمان اور مسافر اس لنگرِ بے مثال سے سیر ہوا کرتے۔ اس لئے فرماتے کہ "الشیخ کالنبی فی امته" یعنی شیخِ طریقت خلیفہ و نائبِ رسول ﷺ ہیں۔ اس وجہ سے لوگوں سے بڑھ کر محبت اور خاص تعلق ہر قسم کی مالی بدنی خدمات اور لین دین مرید کا اپنے پیر صاحب کے ساتھ ہو گا۔ اور فقراء و مساکین، دوست و متعلقین اسی لنگر سے تناول فرمائیں گے اور ہر وقت مناسب طریقے سے دینی خدمات بھی ادا کی جائیں گی اور ان دینے والے مریدوں کیلئے دعا دو چند ہو جائے گی۔ ایک اپنے پیر صاحب کی دعا ہو گی اور دوسرے دعا باقی دوستوں اور روحانی بچوں کی ہو گی۔ تو اس صدقہ کرنے والے کا مال و دولت اپنے پیر پر نور علی نور ہو گا۔ اور صحابہؓ کرام کا طریقہ اس نے صحیح ادا کر دیا۔ بلکہ اصلی بات یہ ہے کہ صادقان، مقربین اولیاء کے نزدیک

مرید اپنامال ودولت، اہل وعیال پیر سے محبوب نہ جانے گا۔ اور یہ یقین رکھے گا کہ میرے اس مال وسر، اولاد، اہل وعیال سب کچھ کا اختیار پیر کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ میں ان کا تابع اور غلام ہوں تو میرا سب کچھ بھی انہی کا ہے۔ اور تابع ہے۔ اس وجہ سے مرید کسی کو کوئی چیز ثواب کیلئے دینے کا اختیار نہیں رکھتا۔ بلکہ اس کو بھی پیر کے حوالے کرتا ہے۔ اور اس کو ثواب اور خاص خیر جانتا ہے۔

اس لئے ایک سالک شمس العلماء سلطان الاولیا عارف کامل آخون درویزہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تم اپنے پیر پر مال وجان قربان کرلو تو تب مقصود تک پہنچ جاؤ گے۔ یعنی مقصد اصلی اور کمال کے انتہائی درجے تک مرید اس وقت پہنچے گا جب اپنا سب کچھ اپنے پیر کا تصور کر لے۔ یعنی اپنے پیر کے سامنے اپنے مال وسر کو قربان کرنے کیلئے تابعدار ہو۔ جیسے کہ مولانا روم نے اپنے آپ کو اپنے پیر کا مخلص خادم بنایا تھا۔ اور پیر کی غلامی پر فخر کرتے تھے تو کس کمال تک پہنچے۔ غلام کے معنی یہ کہ غلام کا مال وجان مالک کا ہوتا ہے۔ اگر مالک غلام کو فروخت کرنا بھی چاہے تو انکار نہیں کرسکتا یوں اپنے آپ پر بھی اختیار نہیں ہوتا۔ تو جتنے بھی مقربینِ خاصان، اولیاء انتہائی کمال تک پہنچے ہیں تو وہ صرف اور صرف اس خلوص، صداقت اور شرافت کی وجہ سے پہنچے ہیں۔ مولانا روم اس لئے اپنے آپ کو کہتے ہیں کہ: "مولوی روم تو اس وقت تک مولوی نہ ہوتے جب تک تم اپنے پیر کے غلام نہ ہوتے"۔

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم

تا غلامِ شمس تبریزے نہ شد

یعنی قربِ الٰہی کے اس مقام پر نہ پہنچتے اگر اپنے پیر کے غلام نہ ہوتے۔ جب پہلے غلام ہوئے تو بعد میں بادشاہ ہوئے۔ اور یہ بھی وہی طریقہ تھا جو صحابہ کرام اور حضور ﷺ کے درمیان تھا۔

حدیث شریف میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک میں اسے اپنے ماں، باپ، بچوں اور تمام لوگوں (مال وجان) سے محبوب نہ ہو جاؤں یعنی جب تک مجھ سے اپنے ماں، باپ، اہل وعیال، مال ودولت اور اپنے آپ سے زیادہ محبت نہ ہو تو وہ شخص کامل مؤمن نہیں ہو سکتا بلکہ صاحبِ ایمان نہیں بن سکتا۔

جیسا کہ فرمایا:

"الا لا ایمان لمن لا محبۃ لہ"۔

یعنی اس شخص کا ایمان نہیں جس کی مجھ سے محبت نہ ہو ہر چیز سے بڑھ کر۔

اس وجہ سے صحابہؓ کرام اپنے مال وجان، اہل وعیال کو قربان کرنے کیلئے بارگاہِ نبوی میں ہر وقت اور ہر جگہ آواز مبارک پر لبیک کہتے ہوئے تابعدار اور فرمانبردار تھے۔ اور ہر قسم کی قربانی انہوں نے دی تھی۔ اور آپ ﷺ کی یہ مبارک محبت انہوں نے ظاہراً باطناً حاصل کرلی تھی اس لئے دنیا بھر کے تمام اولیاء سے بھی ایک ادنیٰ صحابی کا درجہ بلند ہے تو پیری مریدی کا یہ سلسلہ یہ وہی صحابہؓ کرام اور حضور ﷺ کے درمیان والا سلسلہ ہے۔ تو اگر کسی مرید میں اسی طرح اخلاص، صداقت، محبت، تابعداری اور وفاداری پیدا ہو جائے اپنے پیر کیلئے تو وہ مرید بھی اپنے زمانے کے لوگوں میں عند اللہ ایسا معزز، سرفراز اور بلند درجہ اور عزت والا ہو جائے گا۔ جس طرح ایک ادنیٰ صحابی کی شرافت دنیا کے تمام اولیاء پر ہے۔ تو یہ معلوم ہوا یہ عزت وشرافت کا سلسلہ صحابہؓ کرام اور حضور ﷺ سے لے کر اہلِ طریقت یعنی پیری ومریدی میں چلا آرہا ہے اور قیامت تک چلتا رہے گا۔ خوش نصیب لوگ اسی بیان مذکورہ کی طرح عزت وشرافت حاصل کرتے ہیں۔ اور عند اللہ وعند الرسول تمام لوگوں میں سرفراز ہو جاتے ہیں۔ اور بدبخت لوگ اپنے حسد، تکبر وانانیت کی وجہ سے

اس طرح کے اعمال اور ایسے سلاسل سے محروم، بے نوا اور ذلیل رہ جاتے ہیں۔ اور شکوک وشبہات کے گندے تالاب میں غرق ہو جاتے ہیں۔ (العیاذ باللہ)

بعض عوام (جاہل) کہتے ہیں کہ ولی وہ ہوتا ہے جو تارک الدنیا ہوتا ہے۔ اور گھر بار نہیں رکھتا۔ اور جو لوگ مالدار ہوتے ہیں تو وہ ولی نہیں ہوتے۔ یہ صرف دھوکہ ہے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت عثمانِ غنی، حضرت امام ابو حنیفہ، غوثِ اعظم، مولانا روم رضی اللہ تعالیٰ عنہم یہ سب مالدار ہستیاں تھیں تو کیا یہ حضرات اولیاء نہیں تھے؟ بلکہ یہ سب کامل اولیاء تھے۔ اور یوں بہت کفار وراہب جو آج کل تارک الدنیا ہیں تو کیا وہ اولیاء ہوں گے؟ ہر گز نہیں۔

اولیاء کے ساتھ جتنا بھی مال ہو یا کوئی دیتا ہو یا لیتا ہو تو وہ اس فانی دنیا کیلئے نہیں ہوتا اور نہ عیش وعشرت اور نفسانی خواہشات کی تکمیل کیلئے ہوتا ہے اور نہ کسی ناجائز کام کیلئے ہوتا ہے۔ بلکہ یہ جو کچھ بھی ہو یہ ابدی اور اخروی زندگی اور خاص رضائِ الٰہی کے لئے ہوتا ہے۔ جس سے دینی خدمات، فقراء، مساکین، دوستوں، بزرگوں کی امداد اور ہر کارِ خیر میں چلاتے ہیں۔ اور وہاں استعمال کرتے ہیں۔ جو اس کیلئے آخرت کا خزانہ بنتا ہے۔ جیسا کہ گذشتہ صفحات خواجہ عبید اللہ احرار کی حکایت گزر چکی ہے۔ کہ مولانا نے ظاہر مال ودولت دیکھ کر ناراضگی کا اظہار کیا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ خواجہ صاحب کا خزانہ اللہ تعالیٰ نے مولانا کو خواب میں دکھایا تو اس کے بعد معتقد ہو گئے۔

تو صرف یہی دلیل صادق سچے مؤمن مسلمان اور صحیح مرید کیلئے کافی ہے۔ اگر کوئی اپنے پیر کے ساتھ مال دیکھے یعنی مالدار نظر آئے یا کسی سے مال لیتے وقت مرید دیکھ لے کہ خوشی سے کوئی مال دے رہا ہے تو پیر صاحب کی یہ دولت خالص آخرت کا خزانہ جانے۔ اور ان کی ہر چیز کو باقی اور ابدی زندگی یعنی آخرت کا خزانہ اور رضائِ الٰہی کا سبب جانے۔

حکایت: جیسے کہ سلطان الاولیاء حضرت محبوبِ الٰہی نظام الدین اولیاء بدایونی دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے ''ایک شخص دریا کے کنارے رہتا تھا اس نے بیوی سے کہا کہ دریا جمنا کے پار کنارے پر ایک درویش ہے اس کیلئے کھانا لے کر جاؤ۔ بیوی نے عرض کی کہ مجھے کوئی عذر نہیں مگر رات اندھیری ہے۔ درمیان میں دریا جمنا ہے کوئی کشتی نہ ملے تو کیسے جاؤں گی۔ تو اس آدمی نے کہا کہ جا کر دریا سے کہنا کہ مجھے اس شخص نے بھیجا ہے کہ جو تیس سال سے بیوی کے قریب نہیں گیا عورت کو تعجب ہوا کیونکہ وہ صاحب اولاد تھا، لیکن عورت باادب تھی کچھ نہ کہا اور روانہ ہو گئی۔ جب دریا سے وہی بات کہی تو دریا میں قدرتی خشک راستہ بن گیا۔ دریا پار کر کے بزرگ درویش کو کھانا دیا۔ واپس ہوتے وقت بزرگ نے اس عورت سے کہا کہ دریا سے کہنا کہ میں اس شخص کی خدمت سے آئی ہوں جس نے کبھی کچھ نہیں کھایا۔ اب تو عورت کی حیرانی اور زیادہ ہو گئی۔ کہ ابھی تو میرے سامنے کھانا کھایا اور کہتا کچھ اور ہے۔ لیکن خاموش ہو کر گئی اور دریا سے وہی بات کہہ دی تو دریا میں راستہ ظاہر ہو گیا۔ ایک دن اس عورت نے اپنے شوہر سے کہا کہ چند دن پہلے آپ کی اور اس درویش کی باتوں میں کیا راز تھا؟ تو شوہر نے فرمایا کہ ہم اپنے نفس کیلئے کچھ نہیں کرتے۔ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کیلئے کرتے ہیں۔ اس لئے ہمارا قول و فعل ہماری نسبت بالکل نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس تقویٰ کی یہ حقیقت ہے۔

اس لئے یہ حکم ہوا کہ:

الَّذِينَ آمَنُوا وَ كَانُوا يَتَّقُونَ (یونس ۶۳)

جس طرح ایمان یا تقویٰ ہوتا ہے اسی طرح ولایت ہوتی ہے۔

لَهُمُ الْبُشْرَى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ (یونس ۶۴)

دیکھا آپ نے کہ خاصانِ خدا گھر بار بھی رکھتے ہیں، کھانا پینا، بال بچے بھی ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی فکر، تصور، ذکر و محبت بلکہ اس باریک وقت میں جب بیوی سے جماع کرنا ہو اس وقت بھی اور تمام افوال و فعال میں وہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں مستغرق ہوتے ہیں۔ اور کوئی چیز ان کے اس رابطے، فکر و تصور میں تغیر نہیں لا سکتی۔ اور بیوی کے ساتھ خاص رابطے کے وقت بھی میاں بیوی کی محبت اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت اور تصور پر غلبہ نہیں کر سکتی۔ بلکہ دل میں جو حضوری، استقامت اور اطمینان ہوتا ہے وہ اس وقت بھی رہتا ہے۔ اور اس کا ظاہری وجود اگرچہ ظاہر میں قول و فعل ادا کرتا ہے اور ظاہراً اس کام میں مشغول و مصروف ہوتا ہے۔ لیکن وہ دوسرے لوگوں کی طرح نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ رضائے الٰہی کیلئے اس قول و فعل کو بھی حضور ﷺ کی متابعت کی نیت سے اختیار کیا ہوتا ہے۔ جو خود بھی اللہ تعالیٰ کی رضا، فرمان اور عبادت ہے۔ تو جب بھی انسان کی روح اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہوتی ہے۔ تو ظاہر میں بھی اس سے رضائے الٰہی کے کام صادر ہوتے ہیں۔ اور ان کے ظاہری افعال مال و اولاد، اہل و عیال نفسانی خواہشات کیلئے نہیں ہوتے اور نہ فانی دنیا کی رنگینیوں اور عیش و عشرت کیلئے ہیں بلکہ ان کے ظاہر و باطن ہر چیز عین رضائے الٰہی کیلئے ہوتا ہے۔ اور ظاہراً و باطناً عند اللہ حاضر ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا اور ان کی یہ بات ایسی سچی اور صادق ہے کہ ان کی صداقت پر دریائے جمنا بھی دلیل پیش کرتا ہے۔ کہ وہ بھی انسان کو راستہ دیتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ محکم اور کامل یقین چاہتا ہے۔ اس کے بعد ہر کوئی اولیاء کی شرافت و کمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لے گا۔ کسی بزرگ نے فرمایا ہے کہ زبان سے گڑ کہنا الگ اور گڑ دیکھنا الگ ہے۔ اور گڑ کھانا یہ انتہائی بات ہے۔ تو اللہ والوں نے گڑ کا ذائقہ حاصل کر لیا ہے اور کامل معتقدین نے اس گڑ کو دیکھ لیا۔ اور جس کی محبت کامل یقین و محبت کے ساتھ ہوتی ہے جیسے کہ اہلِ طریقت

مریدین تو وہ اس مقام تک پہنچ گئے۔ اور بے علم و یقین کمزور عقیدہ اور عمل والے بے محبت مریدین ویسے ہی گڑ کی رٹ لگا رہے ہیں۔ لیکن بہت منکرین اور گمراہ اور بے دین ایسے بھی ہیں جو بالکل نہیں مانتے اور انکار کرتے ہیں۔ جیسا کہ سیدنا غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک مختصر حکایت ہے کہ ایک دن آپ ذکرِ خداوندی میں مشغول تھے۔ نماز کے بعد خلوت خانہ میں تھے کہ کوئی آیا اور کہا کہ حضرت آپ کا سمندری جہاز غرق ہونے والا ہے۔ تو آپ نے سر مبارک اٹھایا اور فرمایا: **الحمد للہ۔** وہ شخص واپس گیا۔ اور تھوڑی دیر بعد آواز آئی کہ جہاز بچ گیا۔ تو وہ شخص پھر آیا اور غوثِ اعظمؓ سے کہا کہ حضرت جہاز غرق ہونے سے بچ گیا ہے۔ تو آپ نے الحمد للہ کہتے ہوئے سر اٹھایا۔ تو وہ آدمی حیران ہوا۔ کہ حضرت مبارک نے دونوں حالتوں میں **الحمد للہ** کہا اور ایک طرح شکریہ ادا کیا۔ تو پوچھا کہ حضرت قربان جائیں مجھے بھی اس راز سے آگاہ فرمایئے۔ کیونکہ میں آپ کے پہلے اور بعد والے حال کی تبدیلی نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ آپ نے دونوں حالتوں میں حمد و ثنا پڑھی تو غوث اعظمؓ نے فرمایا کہ میں نے دونوں حالتوں میں حمد اس لئے پڑھی کہ پہلی حالت میں جب مجھے جہاز کے غرق ہونے کا علم ہوا تو میں نے دل کی طرف توجہ کی تو میرے دل میں جس طرح اطمینان استقامت، محبت، حضوری اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ راز تھا تو اس بری خبر نے میری روح و قلب کے رابطے پر کوئی غلبہ نہ کیا تو میں نے دل کی طرف توجہ کی تو میرے دل مین وہی حال اور رابطہ خداوندی تھا۔ اور اس کے علاوہ مجھے جہاز بچنے سے زیادہ خوشی حاصل نہ ہوئی تو اس لئے میں نے **الحمد للہ** کہا۔ کہ کوئی دوسری محبت مجھ پر غالب نہ ہوئی کہ اس سے میرا باطن تبدیل ہوتا اور خوشی کی کمی و زیادتی کا انقلاب آتا صرف یہی وجہ تھی۔

دیکھیئے اولیاء اللہ کے حالات کو، اگر اولیاء مال و دولت رکھتے ہیں تو وہ بھی عین رضائے الٰہی کیلئے اور ان کی اس حالت پر صرف اللہ تعالیٰ کو علم ہے۔ صرف ان کے تابعدار و معتقدین ان کی ان باتوں پر یقین کریں گے۔ اور باطن تو ویسے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے۔ تو ان کے مال و دولت بھی دین اور عبادت ہے۔ اور ان کی عبادت اور دین تو ویسے بھی حق ہے۔ اور یہ دولت ان پر من جانب اللہ ایک امتحان ہے۔ اور دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے باقی لوگوں کے مال ورزق میں ان کے ہاتھوں پر تقسیم ہونے کیلئے اپنا حصہ بنایا ہے۔ کہ صرف اسی نام سے یہ لوگ اس دینے اور ان کے ساتھ تعلق اور محبت رکھنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اپنا دوست اور سخی بناتا ہے۔

"السخی حبیب اللہ لو کان فاسقا" یہ لوگ ان اولیاء اور بزرگوں کو جو دیتے ہیں رضائے الٰہی کیلئے تو یہ حقیقت میں اللہ تعالیٰ کو دیتے ہیں۔ یعنی ان بزرگوں کے ہاتھ پر اس مال و دولت کو اللہ تعالیٰ کے پاس اپنے لئے خزانہ جمع کرتے ہیں۔ اور ان خدمات کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کے درجات بھی بلند فرماتا ہے۔ جو سخاوت کا درجہ ہے اور یہ بلند درجہ ہے۔ اگر یہ بزرگانِ دین اس امتحان میں کامیاب ہو جائیں اس طور پر کہ دنیا ان کا مقصود نہ بن جائے اور اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ سے غافل نہ ہو جائیں۔ اور اس کے بجائے اگر کسی کا پیر و مرشد فقیر و مسکین ہو یعنی مال و دولت نہ ہو یا کوئی اسے کچھ نہیں دیتا ہے۔ بھوکا پیاسا ہو۔ یا بچے وغیرہ بھی نہ ہوں اور لوگ بھی اس کے ساتھ کوئی تعلق نہ رکھتے ہوں۔ لیکن اتنی بات ہے کہ جب وہ اہلِ شریعت و پیرِ طریقت اور صحیح عقیدے والا ہو اور حق کیلئے حق بولتا ہو۔ حق کا ساتھ سچا اور صادق ہو تو ہر مرید پر لازم اور فرض عین ہے کہ اس کے بارے میں کامل یقین رکھے اور اس غربت کی وجہ سے اس پیر کو خوار، ذلیل، کم درجہ اور بے عزت نہ جانے بلکہ یہ یقین کرلے کہ یہ ہمارے مرشد پر من جانب اللہ ایک امتحان ہے وقت مقرر تک یہ نہ کہے کہ

یہ غریب ہے عاجز ہے۔ اور لوگ اس کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتے اور کوئی اسے تحفہ وغیرہ بھی نہیں دیتا تو (نعوذ باللہ) یہ خدا کا دشمن ہے۔ اور خدا کا دوست وولی نہیں ہے۔ اگر اس طرح کے حضرات جن پر ظاہری صورت میں غربت وافلاس وتکالیف ہوں یا لوگ ان کے مخالف ہوں یا اللہ تعالیٰ نے ان کو کچھ عطا نہ فرمایا ہو، اگر یہ حضرات اللہ تعالیٰ کے دوست نہیں بن سکتے تو پھر حضرت ایوب علیہ السلام بھی اس طرح مصیبتوں میں گرفتار نہ ہوتے کہ مال ودولت اہل وعیال سب ہلاک ہو گئے تھے۔ اور ایسی بیماری میں مبتلا ہو گئے کہ سارے بدن مبارک میں کیرے پڑ گئے تھے۔ لوگوں نے اپنے علاقے سے نکال دیا تھا اور جہاں بھی اپنی زوجہ محترمہ کے ساتھ جاتے لوگ بھگا دیتے تھے۔ اور کچھ بھی نہ دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک نوالہ بھی نہ دیا۔ تو جنگل کی طرف گئے اور وہاں رہنے لگے اور درختوں کے پتے کھانے لگے یہاں تک کہ زبان مبارک میں بھی کیڑے پڑ گئے اور پتے کھانے سے بھی لاچار ہو گئے یہاں تک کہ جب سخت بھوک نے گھیر لیا۔ تو زوجہ محترمہ آپ کی اجازت سے ایک گاؤں کی طرف گئیں اور ایک کافر کے گھر گئیں اور فرمایا کہ اگر آپ کی کوئی خدمت ہو میں کر لوں تاکہ آپ ہمیں کھانا دیں۔ یہ طویل حکایت ہے مگر مقصود بات یہ ہے کہ اتنی تکالیف ومصیبتوں اور اپنے علاقے سے نکالنے کے باوجود کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے دوست نہیں ہیں؟ نہیں بلکہ وہ تو اللہ تعالیٰ کے محبوبان میں محبوبِ خدا تھے اور اس امتحان میں کامیاب ہو گئے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے دوست (خلیل) ہیں مقربِ رسول ہیں۔ لیکن اس کے باوجود نمرود کافر نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو جھولے میں بٹھا کر انتہائی بے ادبی اور گستاخی سے ظلماً آگ میں گِرا دیا۔ تو کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ

السلام اللہ تعالیٰ کے دوست نہ تھے۔ نہیں بلکہ ان پر تو امتحان تھا جس میں آپ کامیاب ہو گئے اور آگ میں جانا پسند فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آگ کو آپ پر گلزار بنا دیا۔ دوسرا یہ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھئے کہ کئی سال ایک بے دین بادشاہ کی غلامی میں گزار دیئے مشتِ نمونہ از خروار یعنی یہ ہزاروں لاکھوں واقعات جو گزرے ہیں ان میں سے نمونہ کی شکل میں یہ بات ظاہر کی گئی تاکہ صاحبانِ عقل اس سے عبرت حاصل کریں۔ تو اگر کوئی پیرِ طریقت واہلِ شریعت اس طرح تکالیف مخلوق کے ہاتھوں برداشت کرتے ہیں تو یہ ایک وقت تک امتحان ہے۔ اور ہو سکتا ہے کہ ان تکالیف کے بعد ایک ایسی عزت، روحانی و حقیقی بادشاہی بوجہ صبر پالے جس کا بیان مکمل ہے۔ اور مرید کو بھی چاہیۓ کہ ان تکالیف کو جو شیخ پر آتی ہیں مخلوق کی طرف سے ہو یا بھوک وپیاس، غربت وافلاس ہو حقیقت میں یہ تمام پیر صاحب کیلئے عزت، اجرِ عظیم، رضائے الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی دوستی کا سبب جانے اور اسے عین اپنے پیر کا کمال جانے اور اس کو اپنے اوپر بھی امتحان سمجھے کہ میرا پیر جو میرا بے مثال خیر خواہ اور حقدار ہے اس کے باوجود کہ ان پر ہر قسم کی تکالیف ومصیبت ہے مگر میں ان کے ساتھ کیسا سلوک، ہمدردی، اتباع اور یقین رکھتا ہوں۔ اس لئے مجھے بھی اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں صادق اور محبت کرنے والا مخلص مرید بنالے۔ تاکہ میں اپنا مال وجان سب ان پر قربان کروں تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو جاؤں کیونکہ مجھ سے بھی پوچھا جائے گا۔

پشتون قوم کے ایک عظیم بزرگ وشاعر حضرت عبد الرحمن بابا فرماتے ہیں:

”مالداری اور دین داری ایک دوسرے سے بہت دور ہیں، میں نے مالدار آدمی کو دیندار نہیں دیکھا“۔

ان کی اس سے مراد وہ مالدار ہیں جو دنیا پرست اور خلافِ شرع ہیں یعنی ایسے مالداروں کو دیندار نہیں کہا جاسکتا۔

پھر فرماتے ہیں:

"میری قناعت میرے خرقہ کے نیچے اطلس ہے، چھپ کر تمام دنیا کا بادشاہ اور ظاہر میں گدا ہوں"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر ایسا گدا، فقیر، عاجز، مسکین اور بھوکا پیاسا ہر کوئی حقیقت میں خدا کا دوست و حقیقی بادشاہ نہیں ہوتا بلکہ یہ حقیقی روحانی بادشاہی اور دوستی وولایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض حضرات کو عنایت ہوتی ہے جو ظاہر میں لوگوں کی نظروں میں خوار و فقیر، بلا مال وذلیل نظر آتے ہیں اور لوگوں کا ان سے تعلق بھی نہیں ہوتا۔ اور نہ انہیں کچھ دیتے ہیں۔ لیکن حقیقت میں بادشاہ ہوتے ہیں۔ کہ ان کی یہ بادشاہی ایسی ہوتی ہے کہ کسی کی طرف حاجت نہیں ہوتی۔

تو معلوم ہوا کہ نہ تو ہر قسم کے مالدارانِ دنیا اولیاء بنتے ہیں اور نہ ہر قسم کے بھوکے پیاسے فقیر و مسکین اولیاء اللہ ہوتے ہیں۔ کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ بروزِ قیامت ایسے فقراء ومساکین بھی ہوں گے جو بوجہ شکم پرستی۔ مخالفتِ شریعت اور دنیا پرستی کے فرعون، ہامان، شداد کی صف میں کھڑے ہوں گے۔ اور بہت مالدار بھی قیامت کے دن حشر کے میدان میں پچاس ہزار سال جتنے بڑے دن میں عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں امان نصیب فرمائے اللہ تعالیٰ ہمیں ایسا یقین مال ودولت، محبت، صداقت، دینداری، مالداری، حرکات وسکنات لین دین، گفتار ورفتار نصیب فرمائے جو ہمارے لئے بلندیٔ درجات کا سبب ہو۔ اور ابدی عزت کا موجب ہو۔ اللّٰھم آمین یارب العٰلمین

ان تمام اسباق سے یہ بات معلوم ہوئی کہ بعض اولیاء اللہ، مقربین دنیا کا جاہ و جلال، اور مخلوق پر ظاہری مجازی تصرف بھی رکھتے ہیں۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کے ساتھ استوار کردہ رابطہ بھی قائم رہتا ہے۔ اور بعض غربت وافلاس، فقر وفاقہ کے مارے ہوئے غرباء بھی اللہ تعالیٰ کے مقربین ہیں۔ اس وجہ سے کہ ان تمام تکالیف کے باوجود صبر وقناعت، خلوص، صداقت، تقویٰ اور پرہیز گاری قائم کئے ہوئے ہیں۔ اگرچہ ان غرباء اولیاء کی مخلوق مخالف ہوتی ہے۔ **فاعتبروا یااولی الابصار**

مولای صل وسلم دائما ابدا　　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

حقیقت کیلئے مجازی مثال یہ بھی ہے کہ دنیا کے امراء اور سردار لوگ بادشاہ وغیرہ جب دنیا میں غلام ونوکر رکھتے ہیں تو ایک مدت تک اس پر طرح طرح کے امتحانات لاتے ہیں۔ پہلی دفعہ چند روپیہ پیسہ اس نوکر کے راستے میں گرا کر خود غافل بن جاتے ہیں۔ جب نوکر وہ رقم اٹھا کر مالک کو دے دیتا ہے۔ تو مالک چند دن بعد کچھ زیادہ رقم اس کے سامنے گرا کر غافل بن جاتا ہے۔ اسی طرح رقم بڑھاتا رہتا ہے۔ سینکڑوں ہزاروں تک بات پہنچا دیتا ہے۔ لیکن جب نوکر وہ رقم لے کر اپنی ضروریات میں استعمال کرنے کے بجائے مالک کو دیتا ہے تو مالک غلام کو پرکھنے کے بعد اسے اپنے تمام خزانے گھر بار، حال ومال کا اختیار دیتا ہے۔ اور اسے ایک مخلص دوست کی حیثیت دیتا ہے۔ اور جب کوئی نااہل نوکر اس تھوڑی سی رقم پر دھوکہ کھا کر اور چھپا کر اپنی ضروریات میں استعمال کرتا ہے تو مالک سمجھ جاتا ہے کہ یہ نوکر اہل نہیں ہے۔ تو اسے کہتا ہے کہ بھائی جان آپ نوکری نہیں کرسکتے۔ آپ جائیے۔ اس کے بعد نوکر ہمیشہ ہمیشہ کیلئے اس مزے کیلئے حیران وپریشان دربدر پھرتا رہتا ہے۔ لیکن ہاتھ کچھ نہیں آتا۔ مطلب یہ کہ اس مثال کی طرح اگر کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ نوکری کرنے کا تعلق رکھتا ہے یعنی دوستی رکھنا چاہتا ہے اور وہ دوستی کے راستے میں یعنی شریعت یا طریقت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور

مشقت و مجاہدہ شروع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر دنیا کی دولت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ اور کوئی مانع نہیں ہوتا۔ لیکن یہ دنیاوی مال ودولت اللہ تعالیٰ کی دوستی اور ابدی واخروی عزت کے مقابلے میں بہت کم ہوتی ہے۔ لیکن جب وہ شخص اہل ہو جائے اور اس مال ودولت کو اپنے کاموں میں استعمال نہ کرے اور نہ کسی دوسرے کو مشغول کرے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنا قرب عطا فرماتا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم لوگ ابدی زندگی دولت وعزت کو اس فانی دنیا کے مال ودولت، جاہ وجلال سے نہ بدلو۔ اور اس فانی دولت کی وجہ سے ان ابدی عزتوں سے غافل نہ ہو جانا۔ اس لئے یہ صادق اولیاء اللہ اللہ تعالیٰ کے ان دنیاوی خزانوں کو اگرچہ اس میں کوئی مانع نہیں ہوتا نہ اپنے کاموں میں صرف کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو مشغول کرتے ہیں کیونکہ ان محبوں کا یہ مقصد نہیں ہوتا۔ جب یہ حضرات اس اخلاق کے ساتھ اصلی مقصد کے طالب بن جاتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ انہیں روحانی حقیقی ابدی عزت اور قرب عطا فرماتا ہے۔ یہ نکتہ بھی صاحب کڑہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تقریر سے ثابت ہوا۔ اور اگر یہی مدعی رضائِ الٰہی (اللہ کی دوستی کا دعویٰ کرنے والا) اس دنیاوی مال ودولت میں مشغول ہو جائے اور اللہ تعالیٰ سے غافل ہو جائے تو یہ مال ودولت بہت کم وقت تک ہوگا۔ بلکہ یہ بھی نصیب نہ ہوگا۔ اور ہمیشہ کیلئے روسیاہ، رسوا، شرمندہ، دھتکارا ہوا، راندۂ درگاہ ہو جائے گا۔ العیاذ باللہ تعالیٰ

یہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں کا معاملہ تھا جو بیان ہو چکا کہ ان کا تعلق خدا اور مخلوقِ خدا کے ساتھ کیسا تھا۔ اس لئے صحیح تابعدار، مخلص، صادق مرید بھی اسی طرح زندگی بسر کرے گا۔ تاکہ وہ بھی ان اخلاق، عادات اور اللہ تعالیٰ کے قرب ووصل کو حاصل کرلے اور ہمیشہ کی عزت، شرافت اور دولت پالے۔ (وماتوفیقی الا باللہ)

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی قرآنِ مجید میں فرمایا:

إِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِینَ أَنْفُسَہُمْ وَأَمْوَالَہُمْ بِأَنَّ لَہُمُ الْجَنَّۃَ (التوبۃ ۱۱۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جان ومال جنت کے بدلے میں خرید لی ہے۔

تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو جنت ان کے جان ومال کے بدلے میں دیتا ہے۔ تو جو لوگ مؤمن ہیں ان کا اپنے رب کے ساتھ اپنے مال وجان اور جنت کے بارے میں یہی معاملہ ہوتا ہے۔ اس لئے اہلِ طریقت مرید اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہی خرید وفروخت (بیع) اپنے مرشد کے ہاتھ پر کرتے ہیں اور رضائے الٰہی کیلئے اپنی مالی وجانی قربانی للہ فی اللہ انتہائی محبت وعقیدت کے ساتھ اپنے مرشد کے ہاتھوں میں پیش کرتے ہیں۔ جیسا کہ ایک شخص کسی بادشاہ کو خاص تحفہ دینا چاہے تو وہ یہ تحفہ کسی خاص ایسے آدمی کے ہاتھ ارسال کرتا ہے جو بادشاہ کا خاص درباری ہوتا ہے۔ اور یہ اصل میں وہی طریقہ ہے کہ صحابۂ کرام و حضور ﷺ کے درمیان تھا کہ صحابۂ کرام کو رضائے الٰہی، رحم وکرم، مغفرت، بلندئ درجات، جنت وغیرہ یہ تمام انعامات اس وجہ سے حاصل ہوئے کہ وہ اپنے پیشوائے کامل حضور ﷺ پر اپنی جان ومال کو صدقہ کرتے۔ جو گذشتہ صفحات میں آیت کی تفسیر میں گزر چکا ہے۔

اور جن لوگوں کو اپنا مال وجان، اہل وعیال، دولت وثروت محبوب ہو۔ بلکہ اہلِ طریقت میں سے اگر کسی کو یہ مال ودولت وغیرہ رضائِ الٰہی، جنت اور اپنے پیرِ شریعت کے تعلق سے محبوب ہو تو ایسی مال ودولت، عیش وعشرت ان کیلئے فتنہ ہے۔ جو آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ سے دوری کا سبب بنے گا۔ اور رضائے الٰہی اور ابدی عزت سے محرومی کا سبب بنے گا۔ اور یہی دنیا کا مال ودولت عین ہلاکت اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ دشمنی ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ (التغابن ۱۵)

دوسری آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ (التغابن ۱۴)

اے مؤمنو بے شک تمہاری بیویاں اور بچے تمہارے دشمن ہیں ان سے بچو۔

تیسری آیت میں ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المنافقون ۹)

خاسرون کا مطلب بھی یہی ہے کہ انسان کا مال و دولت فضول ضائع ہو جاتا ہے۔ اور کچھ فائدہ حاصل نہیں ہوتا اور مال ختم ہو جاتا ہے اسے خسران اور تاوان کہتے ہیں۔

اسی طرح اگر کوئی مرید اللہ تعالیٰ کی عبادات بدنی ومالی، رضائے الٰہی جنت حاصل کرنے سے جس کا حصول مال وجان کے بدلے میں ہے اور رضائے الٰہی محبوبانِ خدا کی رضا میں ہے۔ تو اگر یہ مرید ان سے غافل ہو جائے تو وہ ہمیشہ کیلئے تاوان اور نقصان میں ہو گا، اور رسوا اور شرمندہ ہو گا۔ (العیاذ باللہ تعالیٰ)

کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"افضل الاعمال الی اللہ الحب فی اللہ و البغض فی اللہ"۔

یعنی اللہ والوں سے محبت واخلاص اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے بغض وعداوت رکھنے کو آپ ﷺ نے افضل اور بہتر عبادت فرمایا۔ اور قرآن مجید میں بھی اللہ تعالیٰ نے ان محبت کرنے والوں

اور بغض رکھنے والوں کو اپنا گروہ (جماعت) فرمایاہے۔ جس طرح حدیث شریف میں یہ بہتر عمل بیان ہوا۔

جیسے کہ اس آیتِ کریمہ میں جو ذکر ہو چکا ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُلْهِكُمْ أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ (المنافقون ۹)

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ذکر سے غافل ہونے والوں اور دنیا سے محبت کرنے والوں کو تاوان اور نقصان اٹھانے والے فرمایاہے۔ تو اللہ تعالیٰ کی اطاعت، ذکر اور عبادت یہ حضور ﷺ کی اطاعت اور ذکر ہے۔

جیسے کہ فرمایا:

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ (النساء ۸۰)

حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنا ذکر فرمایا:

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ (الإنشراح ۴) [1]

---

[1] اور ہم نے آپ کے ذکر کو آپ کے لئے بلند کیا، حضور اکرم ﷺ کا ذکر ذکرِ خدا ہے۔

حدیثِ قدسی میں ہے:

جعلت تمام الایمان بذکرک معی وقال ایضا جعلتک ذکرا من ذکری فمن ذکرک ذکرنی۔ (شفاء شریف، ص ۱۲، ج ۱)

ترجمہ: میں نے ایمان کا مکمل ہونا اس بات پر موقوف کر دیا ہے کہ (اے محبوب) میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہو اور میں نے تمہارے ذکر کو اپنا ذکر ٹھہرا دیا ہے، پس جس نے تمہارا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

اتانی جبریل فقال ان ربک یقول اتدری کیف رفعت ذکرک قلت اللہ اعلم قال اذا ذکرت ذکرت معی۔ (زرقانی علی المواھب و درمنثور ص ۳۶۴ ج ۶)

ایک تفسیر میں ہے اے حبیب میں نے تمہیں اپنے ذکر سے بنایا۔ پس تیرا ذکر میرا ذکر ہے۔ جس نے تیرا ذکر کیا اس نے میرا ذکر کیا۔[1]

اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے اور محبوب کے تابعداروں کی شان میں فرمایا:

وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان ۱۵)

ان لوگوں کے راستے پر چلو جو میری طرف رجوع کرتے ہیں۔

دوسری آیت ہے:

وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء ۵۹)

اس سے معلوم ہوا کہ مرید کیلئے صحیح اور بہتر اولی الامر اس کا مرشد ہے جو اسے ہمیشہ نیکی کا حکم دیتا ہے۔ آیات واحادیث سے ثابت ہوا کہ نبی ﷺ کی اطاعت اور ذکر اسی طرح اللہ تعالیٰ کے نیک صالح بندوں مثلاً اہلِ شریعت وطریقت کے اوامر کی اطاعت اور محبت عین اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ کیونکہ ہر عبادت اور ذکر جو اللہ کا کیا جاتا ہے وہ تمام عبادات ہیں مگر صرف اللہ تعالیٰ کیلئے محبت کرنے کو حضور ﷺ نے بہترین عبادت فرمایا۔ تو مرید کا اپنے پیر ومرشد کے ساتھ محبت کرنا بہترین عبادت ہے۔ اور محبت کرنے کے وسائل واسباب بھی گزرے ہیں جو مالی وبدنی خدمات اور قربانی دینا

ترجمہ: میرے پاس جبرئیل آئے اور کہا بیشک آپ کا رب فرماتا ہے کہ (اے حبیب) تمہیں معلوم ہے کہ میں نے تمہارا ذکر کیسے بلند کیا ہے۔ میں نے کہا اللہ خوب جانتا ہے فرمایا کہ جب میرا ذکر ہوگا تو میرے ذکر کے ساتھ تمہارا ذکر بھی ہوگا۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ سے روایت ہے:

لا اذکر فی مکان الا ذکرت معی یا محمد ﷺ فمن ذکرنی ولم یذکرک فلیس لہ فی الجنۃ نصیب۔ (در منثور ج ٦ ص ۴۰۱)

یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ جہاں میرا ذکر ہوتا ہے تیرا ذکر بھی میرے ساتھ ہوتا ہے، جس نے میرا ذکر کیا اور تیرا ذکر نہ کیا تو جنت میں اس کا کوئی حصہ نہیں ہے۔ حررہ: فقیر سید عبد الحق شاہ ترمذی سیفی سواتی

[1] (بحوالۂ شفا شریف: صفحہ: ۱/۱۲)

ہے۔ اور اسی مال وجان کی قربانی جو جنت لینے کے بدلے میں تجارت ہے جو اللہ تعالیٰ سے بدستِ مرشد کی جاتی ہے۔ "وماتوفیقی الا باللہ، ماشاءاللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ"

مرید کا اپنے پیر کی عزت کرنا یہ بھی قرآن سے ثابت ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے مؤمن کیلئے عزت بیان فرمایا ہے اپنی عزت اور محبوب کی عزت کے ساتھ متصل۔ حضور ﷺ اور مؤمن کامل کی عزت یہ عین اللہ تعالیٰ کی عزت ہے۔ اور مرید تو ضرور یہ عقیدہ محکم رکھے گا کہ میرا پیر باقی مخلوق میں مجھے سب سے کامل مؤمن نظر آتا ہے۔ اسی لئے مرید نے اس پیر کامل کو اپنے لئے پیشوا، اور رہبر بنایا ہے۔ تاکہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلٰكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ (المنافقون ۸)

اس لئے اگر مرید نے اپنے پیر کی محبت وعزت کو عین اللہ ورسول کی عزت نہ جانا اور اللہ ورسول سے الگ جانا۔ اور پیر کی عزت سے بے پرواہ ہوا تو اس آیت سے اس مرید کی منافقت ثابت ہوگئی کہ یہ واقعی منافق ہے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (النساء ۱۴۵)

ترجمہ: منافق کیلئے درک اسفل یعنی دوزخ میں سب سے نیچے والا طبقہ ہے۔ (العیاذ باللہ)

(اس آیت کا حکم عام ہے)

لیکن پیر و مرید کے خصوصی تعلق و حق کی وجہ سے ہم نے خاص کر لیا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک صالح بندوں کے بارے میں قرآن مجید میں آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ (التوبة ۱۱۹)

اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔[1]

[1] وفی الایة مسائل المسئلة الاولیٰ انه تعالیٰ امر المؤمنین بالکون مع الصّدقین فلا بد من وجود الصادقین فی کل وقت۔ (تفسیر کبیر ص ۵۱۳، ج ۴)

بلاشک اللہ تعالیٰ نے مومنین کو صادقین (سچوں) کے ساتھ رہنے کا حکم دیا ہے۔

(توضروری ہے ہر وقت میں صادقین کا موجود ہونا)

امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ صادقین کی معیت و مرافقت مامور بہ ہے۔ اور ان سے مفارقت (جدائی) منهي عنه ہے۔ اور صحبت صالحین مشروط ہے (جن کو شرط لگائی گئی ہے) اور وجود صالحین اس کی شرط ہے معیت صالحین ملزوم ہے، وجود صالحین لازم ہے، اور بمقتضائے (هم الصالحون المتّقون فبقاء القرآن دلیل علی بقاء النبی ﷺ بدلیل هذه الاٰیة الله نزل احسن الحدیث۔) (تفسیر صاوی ج ۲، ص ۴۲) بے شک تفصیل وار بیان کردیں ہم نے آیتیں واسطے اس قوم کے جو نصیحت پکڑے۔ "جو نصیحت پکڑے" سے مراد بزرگان دین ہیں، پرہیزگار لوگ ہیں۔ قرآن مجید کا موجود اور باقی رہنا دلیل ہے حضرت رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والے نیک لوگوں کے موجود ہونے پر اس کے لئے یہ آیت بھی ہے۔ دلیل اور آیت: اَللّٰہُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِیْث بھی اس کے بعد لکھتے ہیں جو لوگ کہتے ہیں کہ عَدِمَتِ الصَّالِحُوْن (بزرگ ہو گزرے ہیں اب کوئی نہیں)۔ یا (انا لم ارا احدا منهم) ہمیں تو کوئی ولی نظر نہیں آتا، اس قسم کی باتوں پر کوئی بھی بھروسہ نہیں کریں، حقیقت یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابن عطاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے (اولیاء اللہ عرائس مخذة لا یری العرائس المجرمون) (تفسیر صاوی ص ۴۳) (اولیاء اللہ پردہ نشین دلہن کی مانند ہیں جن کو سکوئی غیر نہیں دیکھ پاتا۔ اسی طرح اولیاء اللہ کے مخالف بھی غیر ہیں)۔ اور یہ نالائق دوسروں کو بھی اپنے جیسا سمجھتے ہیں عربی مقولہ ہے (المرء یقیس علی نفسه) یعنی آدمی دوسروں کو بھی اپنے اوپر قیاس کرتے ہیں ۔ (اثبات البیعت، ھدایة السالکین الی صحبة الصادقین ص ۴۳)

پیران پیر حضرت محبوب سبحانی قطب ربانی شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مدرسہ معمورہ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"یا مریض الباطن علیک بالدّواء و هذا الدّواء لا یکون الا عند الصالحین من عباد الله الخ"۔

اے باطن کے مریض دوا حاصل کر اور یہ دوا اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کے سوا کہیں نہ ملے گی۔

ان سے دوا لے اور اس کا استعمال کرہ تجھ کو دائمی صحت اور ابدی عافیت نصیب ہو۔ تیرے اندرون کو بھی اور تیرے قلوب کو بھی اور تیرے باطن کو بھی، اور پروردگار کے ساتھ تیری خلوت کو بھی، تیرے قلب کی دونوں آنکھیں کھل جائیں گی پس تو ان سے اپنے پروردگار کو دیکھے گا، ان محبین میں سے بن جائیگا جو اس کے دروازے پر کھڑے رہتے ہیں، اور اسکے سوا کہیں بھی نظر نہیں کرتے۔ (فتح الربانی، ص ۳۲۰ تا ۳۲۱، مطبوعہ کراچی) حررہ: فقیر سید عبد الحق شاہ ترمذی سیفی

یعنی اللہ کے دوستوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ مثال یہ ہے کہ جب ایک آدمی کسی طاقتور سے ڈرتا ہو اپنے گناہ کی وجہ سے تو جب اس طاقتور کے سامنے جاتا ہے تو اپنی سفارش میں اور معذرت کیلئے ایک ایسا سفارشی دیکھتا ہے جو اس طاقتور کا ساتھی اور دوست ہو۔ اور اس طاقتور کے دربار کا عزت والا آدمی ہو تو اس وسیلے سے ان کی دوستی اور ملاقات ہو جاتی ہے۔ اور طاقتور اس کا قصور اور غلطی معاف کر دیتا ہے۔ مطلب یہ کہ اللہ تعالیٰ کے اولیاء گناہگار انسانوں کیلئے مغفرت اور بخشش اور عزت کے اسباب ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کا سبب ہیں۔ اس وجہ سے ہر مرید اپنے پیر کو اپنے لئے ایک کامل وسیلہ اور عزت کے حصول کا سبب بارگاہِ خداوندی میں جانے کہ اس کامل پیر کی اطاعت اور محبت کی وجہ سے میں بارگاہِ رب العزت میں واصل ہو جاؤنگا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يَاأَيُّهَاالَّذِينَ آمَنُوااتَّقُوااللّٰهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ (المائدة ٣٥)

مفسرینِ اہلسنت نے اس کی تفسیر میں وسیلے سے مراد پیرِ طریقت لیا ہے کہ ہر مرید کیلئے اپنا پیرِ طریقت رہبر شریعت اللہ تعالیٰ کے قرب کا وسیلہ ہے۔ تو معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوستی کرنا اور معرفت ووصلت حاصل کرنا اللہ کے دوستوں کے وسیلے سے حاصل ہوتا ہے۔ اور مرید تو یہ محکم یقین رکھے کہ میرے لئے اللہ تعالیٰ کی دوستی قربت اور وصلت کیلئے بارگاہِ خداوندی میں میرے مرشد سے بڑھ کر کوئی وسیلہ نہیں۔ اور یہی پیر میرے خیر خواہ اور عزت والی ہستی ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ قربِ خداوندی اپنے پیر کی محبت اور فرمانبرداری میں ہے اور یہی متابعت شیخ عین حضور ﷺ کی محبت واطاعت ہے۔ جو کامل ایمان ہے۔

اور مرید کیلئے ابدی عزت کا سبب ہے۔ کہ نہ تو مرید کبھی خفا ہوگا اور نہ غمگین ہوگا۔

كقوله تعالى: أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (يونس ٦٢)

خبر دار اللہ تعالیٰ کے دوستوں پر نہ خوف ہو گا نہ وہ غمگین ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ کے اولیاء وہ لوگ ہیں جو متقی اور پرہیز گار ہیں۔

سورۂ بقرہ میں ہے:

وَاعْلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ (البقرۃ ۱۹۴)

جان لو کہ بیشک اللہ تعالیٰ متقین کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو متقین کے ساتھ شمار کیا اور ان کو دوست جان لیا۔ تو اس لئے ان پر کوئی خوف اور غم نہ ہو گا۔ کیونکہ دوسرا کوئی ایسی طاقت والا نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں انہیں عذاب اور مصیبت دے۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مؤمنو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور نیک لوگوں کے ساتھ ہو جاؤ۔ تاکہ تم لوگ عزت اور نجات پالو۔ اس لئے مرید اپنا سب کچھ مال و جان اپنے پیر پر قربان و نثار کرتا ہے۔ اور ہر قسم کی قربانی پیش کرنے سے اپنے پیر کو اپنے اخلاص و محبت کی دلیل پیش کرتا ہے۔

”حب القلب یظھر بالید“۔

دل کی محبت کا اظہار مالی و جانی قربانی اور خدمات سے ہوتا ہے۔

اور محبت وہ چیز ہے کہ اس کے ذریعے وہ اپنے پیر کے ساتھ دربارِ خداوندی میں ابدی عزت و وصلت اور مقامِ ولایت حاصل کرتا ہے۔

”من احب قومًا فھو منه“۔

اس لئے بزرگوں نے فرمایا کہ مؤمن صفاتِ خداوندی کا مظہر ہے۔

جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"قلب المؤمن عرش اللّٰہ"۔

اس سے صاف ظاہر ہوا کہ زمین پر مؤمن کامل یعنی مؤمن کامل کا دل اللہ تعالیٰ کا عرش ہے۔ اور مرید کامل تو ویسے بھی اپنے مرشد کو مؤمن کامل مانتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی دوسرا اس کی نظر میں مؤمن کامل نہیں ہوتا۔

تو یہ ثابت ہوا کہ مرشد کے دل کی پاسداری، راضی کرنا، خوش کرنا اور ان کی قدر و عزت کرنا یہ عین اللہ تعالیٰ کے عرش کی عزت کرنا ہے۔ اور جس نے یہ عزت کی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے عرش تک پہنچا ہے۔ جیسا کہ سالک فرماتے ہیں: "ایک قدم سے عرش تک پہنچتے ہیں میں نے درویشوں کی رفتار دیکھی ہے" کیونکہ "کل شئ یرجع الی اصلہ" یعنی ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔

(تربیت السالکین)

مکتوب نمبر ۱۱۱

[شیخ حمید سنبلی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ توحید قلب کو غیرِ حق سبحانہٗ سے آزاد کرنے کا نام ہے، اور اس کے مناسب امور کے بیان میں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَ سَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

توحید دل کو ماسوائے حق سبحانہٗ کی توجہ سے خالی کرنے کا نام ہے۔ جب تک دل ماسوا کی گرفتاری میں مبتلا ہے، اگرچہ تھوڑی سی گرفتاری ہی کیوں نہ ہو بندہ اربابِ توحید سے نہیں ہو سکتا۔ اس دولت کے حصول کے بغیر واحد کہنا اور واحد جاننا ارباب حصول کے نزدیک فضولیات میں سے ہے۔ ہاں واحد کہنا اور واحد جاننا جو تصدیقِ ایمانی میں معتبر ہے، وہ ضروری ہے۔ لیکن وہ دوسرے معنی میں ہے۔ لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللہ اور لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللہ کے درمیان فرق بالکل واضح ہے۔ ایمانی تصدیق قبیلۂ علم سے ہے اور وجدانی ادراک قبیلۂ حال سے ہے، حال کے حاصل ہونے سے قبل حال کے متعلق گفتگو کرنا منع ہے۔

مشائخ کی ایک جماعت نے اس باب میں اگر کچھ باتیں کی ہیں تو وہ دو حال سے خالی نہیں:

۱۔ یا تو معذوری اور غلبۂ حال میں لپٹے ہوئے کہی ہیں۔

۲۔ یا لکھنے اور حال ظاہر کرنے سے ان کا یہ مقصود تھا کہ دوسروں کے حال کی کسوٹی اور ان کی استقامت کا باعث بنیں۔ نیز تاکہ دوسرے اپنے حالات کی کجی کو ان کے حالات کے ترازو پر تول سکیں۔

ان دو صورتوں کے علاوہ افشاء اسرار ممنوع ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اَربابِ کمال کے احوال کا تھوڑا سا حصہ ہم بے نصیب لوگوں کو بھی عطا کرے اور بلند مرتبہ سُنّتِ مصطفویہ علیٰ مصدرہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ کی متابعت نصیب فرمائے، بحرمۃ النبی وآلہٖ الامجاد علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔

ایک دوسری تکلیف آپ کو یہ دی جاتی ہے کہ میاں شیخ عبد الفتاح حافظ ذی عزت لوگوں میں سے اور آدمی زادہ ہیں۔ کثیر العیال اور بہت سی لڑکیوں کے باپ ہیں۔ اسبابِ معاش کی قلت نے ان کو اس امر پر مجبور کیا ہے کہ کریم اور سخی لوگوں کے آستانے تک پہنچیں۔ اُمید ہے کہ ان کا مقصود پورا ہوگا، زیادہ گفتگو دردِ سری ہے۔]

تشریح

عصرِ حاضر میں ہر گروہ اپنے آپ کو توحید کا علمبر دار اور عاشقِ مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کہتا ہے اور دوسروں پر مشرک اور گستاخِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہونے کا الزام لگاتا ہے لیکن ایسے خوش فہموں کو حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا یہ مکتوب توجہ سے پڑھنا اور سمجھنا چاہیئے۔

توحیدِ حقیقی یہ ہے کہ دل ماسوا سے خالی ہو جائے اور اس میں صرف اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت جاگزیں ہو جائے، دولت ودُنیا اور مال واسباب کی چاہت اور نفس کی غلامی کرنے والا توحید کا دعویٰ کیسے کر سکتا ہے؟ ہمیں چاہیئے کہ درجہ بدرجہ توحید کو تقویت دیں۔ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اوامر ونواہی کو دل وجان سے مان لینا اور شرک سے مکمل اجتناب توحید کا پہلا درجہ ہے، جسے توحیدِ تقلیدی کہا جاتا ہے۔ عوام الناس کا شمار اسی درجہ میں ہوتا ہے، اپنے ماں باپ اور آباؤاجداد کے مقلد ہونے کا قول غلط ہے، کیونکہ آباؤاجداد سے بہر صورت اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اور اس

کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی نافرمانی بھی تو ممکن ہے اور ایسی صورت میں ان کی تقلید کا دعویٰ کرنا سراسر گناہ اور باطل ہے۔

توحید کا دوسرا درجہ علماء کے ساتھ خاص ہے جو کہ توحید کے دقائق کو جاننے اور ماننے کے لئے آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبویہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم سے استدلال کر کے اپنے یقین میں اضافہ کرتے ہیں۔ اس درجہ کو توحیدِ استدلالی کہا جاتا ہے، عوام الناس کو حصولِ علم کے توسط سے پہلے درجے سے اس درجہ میں آنا چاہیئے۔

توحید کا تیسرا درجہ اُن صوفیاء کے ساتھ مخصوص ہے جن کے قلوب سے تزکیہ وتصفیہ کی بدولت غفلت کے پردے مکمل طور پر اٹھ چکے ہوں اور انہوں نے توحید کے احکام کی حقیقت کو کشف وشہود میں مشاہدہ کر لیا ہو۔ یہ درجہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ظاہری وباطنی مکمل تابعداری کے ساتھ وابسطہ ہے اسے توحیدِ شہودی کہا جاتا ہے۔ دوسرے درجے کی توحید رکھنے والے علماء کو چاہیئے کہ ظاہری علوم کے ساتھ ساتھ علم لدنی کی طرف کوشش وسعی کریں اور کسی کامل ولی اللہ سے قلبی رَبط پیدا کریں تا کہ ان کی توحید، استدلال سے شہود میں تبدیل ہو جائے۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مسئلہ توحید کا تذکرہ فرمارہے ہیں جو دینِ اسلام کا بنیادی اور اہم ترین رکن ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کی قدرے تفصیلات بیان کر دی جائیں تا کہ فہم مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللہِ التَّوْفِیْق

لفظِ توحید بابِ تفعیل کا مصدر ہے جو وحدت سے ماخوذ ہے اور وحدت سے واحد مشتق ہے اور واحد کا معنی "ایک" ہے اور لغت میں توحید کا معنی یگانہ کردن یعنی ایک کرنا ہے۔

فاضل اجل حضرت شیخ شریف جرجانی نقشبندی قدس سرہٗ العزیز توحید کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

التوحيد في اللغة الحكم بأن الشيء واحد والعلم بأنه واحد وفي اصطلاح أهل الحقيقة تجريد الذات الإلهية عن كل ما يتصور في الأفهام ويتخيل في الأوهام والأذهان۔

یعنی لغت میں توحید کسی چیز پر ایک ہونے کا حکم لگانا ہے اور اس بات کا علم ہے کہ وہ چیز واحد ہے اور اہل حقیقت کی اصطلاح میں ذاتِ الٰہیہ کو ہر اس چیز سے جو عقلوں میں متصور ہو سکے اور وہموں اور ذہنوں میں متخیل ہو سکے مجرد جاننا توحید کہلاتا ہے۔[1]

ایک مقام پر یوں رقم طراز ہیں:

التوحيد: ثلاثة أشياء معرفة الله تعالى بالربوبية والإقرار بالوحدانية ونفي الأنداد عنه جملة۔

یعنی توحید تین چیزوں کا نام ہے: اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کی معرفت، اس کی وحدانیت کا اقرار، اور اس سے تمام شریکوں کی نفی کرنا۔[2]

حق تعالیٰ کے لئے لفظ احد اور واحد دونوں استعمال ہوتے ہیں، جیسا کہ آیات کریمہ: قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ (الإخلاص ١) اور وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ (البقرة ١٦٣) سے عیاں ہے۔ احد میں احدیتِ الٰہیہ اور واحد میں وحدت مطلقہ کا بیان ہے بنابریں خالق کے ایک ہونے اور مخلوق کے ایک ہونے میں

[1] (كتاب التعريفات، ص ٣١)
[2] (كتاب التعريفات، ص ٣١)

نمایاں فرق ہے۔ نیز حق تعالیٰ کو بطریق عدد واحد نہیں کہنا چاہیئے بلکہ وحدہٗ لا شریک ہونے کے اعتبار سے اسے واحد کہنا چاہیئے کیونکہ واحد (ایک) منقسم ہے اور احد (یکتا) غیر منقسم اور یہی حق تعالیٰ کے شایان شان ہے۔

عمدۃ الابدال قدوۃ الاقطاب حضرت خواجہ محمد پارسا نقشبندی قدس سرہٗ العزیز نے توحید کے چار مراتب بیان فرمائے ہیں:

۱۔ توحیدِ ایمانی ۲۔ توحیدِ علمی ۳۔ توحیدِ حالی ۴۔ توحیدِ الٰہی

توحیدِ ایمانی

یہ ہے کہ کوئی شخص زبان سے حق تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کرے خواہ اس کا قلب اس سے غافل ہو یا اس کا منکر ہو جیسے منافق۔

توحیدِ علمی

یہ ہے کہ کوئی شخص نقلی و عقلی دلائل کے باوجود زبان اور قلب سے حق تعالیٰ کی توحید کا تقلیدی طور پر اعتقاد رکھے اس توحید کا قائل شرکِ جلی سے محفوظ ہوتا ہے۔ عامۃ المسلمین اور علمائے ظواہر اسی توحید کے قائل ہوتے ہیں، صوفیائے کرام اس توحید میں عام مؤمنوں کے ساتھ شریک ہوتے ہیں لیکن دیگر مراتب توحید میں ان سے منفرد ہوتے ہیں۔

توحیدِ حالی

یہ ہے کہ سالک طریقت کو احکامِ شرعیہ اور سنن نبویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات) اور شیخ کامل مکمل کی توجہات قدسیہ کی بدولت عقیدۂ توحید میں ایسا رسوخ اور ملکہ حاصل ہو جائے کہ اس کے قلب میں نورِ بصیرت جلوہ گر ہو جائے اور وہ فاعل حقیقی، محض ذاتِ واحد کو جانے اور مقامِ مجاہدہ سے گزر کر

مقامِ مشاہدہ پر فائز ہو جائے۔ ایسے عارف کو مؤحد کہا جاتا ہے اور وہ اس توحید میں شرکِ خفی (ریا) سے محفوظ ہو جاتا ہے۔

توحیدِ الٰہی

یہ ہے کہ حق تعالیٰ ازل سے بذات خود وصف وحدانیت سے موصوف اور نعت فردانیت سے منعوت ہے نہ کہ کسی دوسرے کے بنانے سے وہ واحد ہوا ہے اور جس طرح ازل سے وہ اس وصف سے متصف ہے اسی طرح ابد الاباد تک اس صفت سے متصف و موصوف رہے گا۔ جیسا کہ کَانَ اللّٰہُ تَعَالیٰ سُبْحَانَہٗ وَلَمْ یَکُنْ مَّعَہٗ شَیْءٌ سے عیاں ہے اور اس کی شان اَلْاٰنَ کَمَا کَانَ ہے۔

جب سالک کے قلب پر کثرت عبادات و مراقبات کی بدولت تجلیاتِ ذاتیہ اور صفاتِ الٰہیہ کا ورود شروع ہو جائے اور اسے وجودِ واحد کے سوا کوئی چیز حقیقی نظر نہ آئے اور اشیائے کائنات اسے خواب یا سراب معلوم ہونے لگیں اور وہ مشاہدۂ ذات میں کلیۃً مستغرق ہو جائے تو اس پر فنا فی التوحید (توحیدِ وجودی اور توحیدِ شہودی) اور فنا و بقا کے مراتب و مدارج منکشف ہوتے ہیں۔[1]

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز یہ وضاحت فرما رہے ہیں کہ بندۂ مؤمن کا لَا مَعْبُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا قول محض تقلیدی و استدلالی طور پر ہی ہوتا ہے لیکن جب عارف کو انوار و تجلیات کے غلبہ کے باعث وجود واحد کے سوا کوئی چیز مشہود نہ ہو تو اس کا لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ کا قول کرنا بر بنائے قال نہیں ہوتا بلکہ بر بنائے کشف و حال ہوتا ہے۔

---

[1](ماخوذ از فصل الخطاب بوصل الاحباب)

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ نے اہل اللہ کے توحید کے احوال واسرار کو ظاہر کرنے کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں:

۱۔ انہوں نے غلبۂ حال سے مغلوب ہونے کی وجہ سے ایسا کیا ہے۔

۲۔ یہ احوال واسرار دوسروں کے لئے معیار اور استقامت کا باعث ہوں تاکہ وہ اپنے احوال وکیفیات کو اس کسوٹی پر پرکھ سکیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۶۵ تا ۳۶۹)

الحاصل

توحید

توحید کا لغوی معنی

توحید 'وحدت' سے بنا ہے جس کا معنی ہے: ایک کو ماننا اورایک سے زیادہ ماننے سے انکار کرنا۔ائمہ لغت نے توحید کی تعریف اس طرح کی ہے:

التوحید تفعیل من الوحدة، وھو جعل الشیٔ واحداً، والمقصود بتوحید اللہ تعالیٰ اعتقاد أنه تعالیٰ واحد فی ذاته وفی صفاته وفی افعاله، فلا یشارکه فیھا أحد ولا یشبھه فیا أحد۔

''توحید 'الوحدة' سے باب تفعیل کا مصدر ہے۔اس سے مراد کسی چیز کو ایک قرار دینا ہے۔اللہ تعالیٰ کی توحید سے مراد ہے اس چیز کا اعتقاد رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور افعال میں واحد و یکتا ہے ان میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی اس کا مشابہ''۔

توحید کا شرعی و اصطلاحی مفہوم

"شریعت کی اصطلاح میں یہ عقیدہ رکھنا توحید ہے کہ "اللہ تعالیٰ اپنی ذات، صفات اور جملہ اوصاف و کمالات میں یکتا و بے مثال ہے، اس کا کوئی ساجھی یا شریک نہیں، کوئی اس کا ہم پلہ یا ہم مرتبہ نہیں"۔

امام ابو جعفر الطحاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ عقیدۂ توحید کی تشریح کرتے ہوئے اس کے شرعی و اصطلاحی مفہوم کو درج ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

نقول في توحيد الله معتقدين بتوفيق الله: إن الله واحد لا شريک له ولا شيء مثله ولا شيء يعجزه ولا إله غيره۔ قديم بلا ابتداء دائم بلا انتهاء لا يفنى ولا يبيد ولا يكون إلا ما يريد لا تبلغه الأوهام ولا تدركه الأفهام ولا يشبه الأنام حي لا يموت قيوم لا ينام. خالق بلا حاجة رازق بلا مؤنة مميت بلا مخافة باعث بلا مشقة ما زال بصفاته قديما قبل خلقه لم يزدد بكونهم شيئا لم يكن قبلهم من صفاته وكما كان بصفاته أزليا كذلک لا يزال عليها أبديا ليس بعد خلق الخلق استفاد اسم الخالق ولا بإحداث البرية استفاد اسم الباري له معنى الربوبية ولا مربوب ومعنى الخالقية ولا مخلوق وكما أنه محيي الموتى بعدما أحياهم استحق هذا الاسم قبل إحيائهم كذلک استحق اسم الخالق قبل إنشائهم ذلک بأنه على كل شيء قدير وكل شيء إليه فقير وكل أمر عليه يسير لا يحتاج إلى شيء (ليس كمثله شيء وهو السميع البصير) خلق الخلق بعلمه وقدر لهم أقدارا وضرب لهم آجالا لم يخف عليه شيء قبل أن يخلقهم وعلم ما هم عاملون قبل أن يخلقهم وأمرهم بطاعته ونهاهم عن معصيته وكل شيء يجري بتقديره ومشيئته ومشيئته تنفذ لا مشيئة للعباد إلا ما شاء لهم فما شاء لهم كان وما لم يشأ لم يكن. يهدي من يشاء ويعصم ويعافي فضلا ويضل من يشاء ويخذل ويبتلي عدلا وكلهم يتقلبون في مشيئته بين فضله وعدله وهو متعال عن الأضداد والأنداد لا راد لقضائه ولا معقب لحكمه ولا غالب لأمره آمنا بذلک كله وأيقنا أن كلا من عنده۔

''ہم اللہ رب العزت کی توحید پر اعتقاد رکھتے ہوئے اسی کی توفیق سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات یکتا و یگانہ ہے، اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں، کوئی شے اس کی مثل نہیں اور کوئی چیز اللہ تعالیٰ کو کمزور اور عاجز نہیں کر سکتی، اس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں۔ وہ قدیم ہے جس کے وجود کے لئے کوئی ابتداء نہیں، وہ زندۂ جاوید ہے جس کے وجود کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔ اس کی ذات کو فناء اور زوال نہیں۔ اس کے ارادہ کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔ اس کی حقیقت فکر انسانی کی رسائی سے بلند ہے اور انسانی عقل و فہم اس کے ادراک سے قاصر ہے۔ اس کی مخلوق کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں ہے۔ وہ ازل سے زندہ ہے جس پر کبھی موت وارد نہیں ہو گی۔ اور ہمیشہ سے قائم رہنے والا ہے جو نیند سے پاک ہے۔ وہ بغیر کسی حاجت کے خالق ہے، وہ بغیر کسی محنت کے رازق ہے۔ بغیر کسی خوف و خطر کے وہ موت دینے والا ہے۔ وہ بغیر کسی مشقت کے دوبارہ کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ مخلوق کو پیدا کرنے سے قبل ہی اپنی صفات کاملہ سے متصف تھا۔ اس نے مخلوق کے وجود سے کوئی ایسی صفت حاصل نہ کی جو اسے پہلے حاصل نہ تھی۔ جس طرح ازل میں وہ صفات الوہیت سے متصف تھا اسی چرح ابد تک بلا کم و کاست ان سے متصف رہے گا۔ اس نے اپنے لئے خالق اور باری کا نام مخلوقات اور کائنات کی پیدائش کے بعد حاصل نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ کو ربوبیت کی صفت اس وقت بھی حاصل تھی جب کوئی مربوب یعنی پرورش پانے والا نہ تھا۔ اور اسے خالق کی صفت اس وقت بھی حاصل تھی جب کسی مخلوق کا وجود ہی نہ تھا۔ جس طرح وہ مردوں کو زندہ کرنے والا انہیں زندہ کرنے کے بعد کہلایا حالانکہ وہ انہیں زندہ کرنے سے پہلے بھی اس نام کا مستحق تھا۔ یہ اس وجہ سے ہے کہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، ہر چیز اس کی محتاج ہے۔ ہر امر کا کرنا اس پر آسان ہے اور وہ خود کسی کا محتاج نہیں، اس کی مثل کوئی چیز نہیں ہے اور وہی سننے والا دیکھنے والا ہے۔ اس نے مخلوق کو اپنے علم کے مطابق پیدا کیا ہے،

اس نے مخلوق کے لئے ہر ضروری چیز کا اندازہ اور مقدار پہلے سے مقرر اور متعین کر دی ہے اور اس نے ان کی موت کے اوقات مقرر کر دیئے ہیں۔ مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے بھی اس سے کوئی شے پوشیدہ نہ تھی، اسے ان کی تخلیق سے قبل ہی علم تھا کہ یہ لوگ (پیدا ہونے کے بعد) کیا کریں گے۔ اس نے انہیں اپنی اطاعت کا حکم دیا اور اپنی نافرمانی و سرکشی سے منع کیا۔ ہر چیز اس کی مشیت اور تقدیر کے مطابق چلتی ہے اور اسی کی مشیت و ارادہ نافذ ہوتا ہے۔ بندوں کی (اپنی) کوئی مشیت و ارادہ نہیں ہوتا مگر جو وہ ان کے لئے چاہے پس جو وہ ان کے لئے چاہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہ چاہے نہیں ہوتا۔ وہ جسے چاہے اپنے فضل سے ہدایت کی توفیق دیتا ہے، نافرمانی سے بچاتا ہے اور معاف کرتا ہے، اور وہ جسے چاہے اپنے عدل کی بناء پر گمراہ کرتا ہے، رسوا ٹھہراتا ہے اور عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ تمام لوگ اس کی مشیت کے اندر اس کے فضل اور عدل کے درمیان گردش کرتے رہتے ہیں۔ نہ کوئی اس کا مدمقابل ہے اور نہ کوئی شریک۔ اس کے فیصلہ کو کوئی رد کرنے والا نہیں، اس کے حکم کے آگے کوئی پس و پیش کرنے والا نہیں اور کوئی اس کے امر پر غالب آنے والا نہیں۔ ہم ان تمام باتوں پر ایمان لاچکے ہیں اور یقین رکھتے ہیں کہ یہ سب کچھ اس کی طرف سے ہے"۔[1]

اللہ تعالیٰ ہی معبود ہے

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، قرآن مجید کی بہت سی آیتیں اس عقیدہ کی دلیل ہیں جن میں سے چند آیات یہ ہیں:

(۱) وَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ (البقرۃ ۱۶۳)

اور تمہارا معبود ایک معبود ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں مگر وہی بڑی رحمت والا۔

---

[1] (العقیدۃ الطحاویۃ، ابو جعفر الطحاوی ج ۹، ص ۱۱)

(۲) اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ (البقرة ۲۵۵)

اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ آپ زندہ اور اوروں کا قائم رکھنے والا۔

(۳) وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللّٰهُ وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران ۶۲)

اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بے شک اللہ ہی غالب ہے حکمت والا۔

(۴) إِنَّمَا اللّٰهُ إِلَهٌ وَاحِدٌ (النساء ۱۷۱)

اللہ تو ایک ہی خدا ہے۔

(۵) لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ إِلَهًا آخَرَ (الاسراء ۲۲)

اللہ کے ساتھ دوسرا خدا نہ ٹھہرا۔

(۶) وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (ص ۶۵)

اور معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ سب پر غالب۔

(۷) وَهُوَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ إِلَهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَهٌ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْعَلِيمُ (الزخرف ۸۴)

اور وہی آسمان والوں کا خدا اور زمین والوں کا خدا اور وہی حکمت و علم والا ہے۔

(۸) إِنَّ إِلَهَكُمْ لَوَاحِدٌ (۴) رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ (الصافات ۵)

بے شک تمہارا معبود ضرور ایک ہے، مالک آسمانوں اور زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور مالک مشرقوں کا۔

(۹) فَإِلَهُكُمْ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ (الحج ۳۴)

تو تمہارا معبود ایک معبود ہے تو اسی کے حضور گردن رکھو اور اے محبوب خوشی سنادو ان تواضع والوں کو۔

(۱۰) أَنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ أُولُو الْأَلْبَابِ (ابراهيم ۵۲)

وہ جان لیں کہ وہ ایک ہی معبود ہے اور اس لیے کہ عقل والے نصیحت مانیں۔

(۱۱) وَإِلَهُنَا وَإِلَهُكُمْ وَاحِدٌ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ (العنکبوت ۴۶)

اور ہمارا تمہارا ایک معبود ہے اور ہم اس کے حضور گردن رکھے ہیں۔

ان آیات مذکورہ بالا سے ثابت ہوا کہ خداوند کریم کے سوا کوئی معبود نہیں۔

ایک ہی معبود پر کفار کا تعجب کرنا

(۱) أَجَعَلَ الْآلِهَةَ إِلَهًا وَاحِدًا إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ (صٓ ۵)

کیا اس نے بہت خداؤں کا ایک خدا کر دیا بے شک یہ عجیب بات ہے۔

(۲) شَهِدَ اللهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا بِالْقِسْطِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (آل عمران ۱۸)

اللہ نے گواہی دی کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور فرشتوں نے اور عالموں نے انصاف سے قائم ہو کر اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں عزت والا حکمت والا۔

(۳) قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ (۱) اللهُ الصَّمَدُ (۲) لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ (۳) وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ (الإخلاص ۴)

فرما دیجئے (یارسول اللہ ﷺ) وہ اللہ ایک ہی ہے اللہ ہی بے نیاز ہے اس کی اولاد نہیں اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے اور نہ ہی کوئی اس کی برابری کرنے والا ہے۔

ان آیات کریمہ سے صراحتاً پانچ مطالب ثابت ہوئے:

(۱) کہ خداوند کریم ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، باقی سب عابدین ہیں۔

(۲) خداوند ہی کسی کا محتاج نہیں۔ باقی سب اس کے محتاج ہیں۔

(۳) اس کی کوئی اولاد نہیں۔ ثابت ہوا کہ اولاد والا معبود ہو سکتا ہی نہیں، کیونکہ وہ بے نیاز نہیں۔

(۴) اور نہ وہ کسی کی اولاد ہے۔ کیونکہ ولادت بھی بے نیازی کے منافی ہے۔

(۵) اس کا کوئی عدیل نہیں، اس آیت کریمہ نے شرک کی صفائی کر دی۔ اس آیت کریمہ کے پڑھنے سے نہ فرشتہ اس کا شریک بن سکتا ہے نہ نبی اللہ اور نہ ہی ولی اللہ۔ اس آیت کریمہ کو جس نے ایمان سے سمجھ کر تلاوت کر لیا، اس نے شرک کی جڑیں کاٹ دیں، مشرک نہیں کہلا سکتا۔

اقرار توحیدِ خداوندی اور باقی معبودوں سے بے زاری

أَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُونَ أَنَّ مَعَ اللهِ آلِهَةً أُخْرَى قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ وَإِنَّنِي بَرِيءٌ مِمَّا تُشْرِكُونَ (الأنعام ۱۹)

تو کیا تم یہ گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور خدا ہیں تم فرماؤ کہ میں یہ گواہی نہیں دیتا تم فرماؤ کہ وہ تو ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ کریم کے سوا سب معبودوں سے بچنا چاہیئے۔

لیکن جس کی اطاعت کا رب العزت نے ارشاد فرمایا اس کی اطاعت سے بیزاری کرنا اور بچنا یہ بھی شرک ہے جو لَا يُشْرِكُ فِي حُكْمِهِ أَحَدًا (الكهف ۲۶) سے ظاہر ہے۔

اللہ تعالیٰ ہی سب کا رب اور خالق ہے

(۱) ذَلِكُمُ اللهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ (الأنعام ۱۰۲)

یہ ہے اللہ تمہارا رب اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں ہر چیز کا بنانے والا تو اسے پوجو۔

(۲) قُلِ اللهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (الرعد ۱۶)

تم فرماؤ اللہ ہر چیز کا بنانے والا ہے اور وہ اکیلا سب پر غالب ہے۔

(۳) اللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ (الزمر ۶۲)

اللہ ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہ ہر چیز کا مختار ہے۔

(۴) ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ (غافر ۶۲)

وہ ہے اللہ تمہارا رب ہر چیز کا بنانے والا اس کے سوا کسی کی بندگی نہیں تو کہاں اوندھے جاتے ہو۔

(۵) إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلَّاقُ الْعَلِيمُ (الحجر ۸۶)

بے شک تمہارا رب ہی بہت پیدا کرنے والا جاننے والا ہے۔

ان آیات کریمہ سے ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ ہی خالق ہے۔ باقی سب اس کی مخلوق ہیں۔

اللہ تعالیٰ کیا پیدا کرتا ہے؟

يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ (المائدہ ۱۷)

جو چاہے پیدا کرتا ہے اور اللہ سب کچھ کر سکتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوا کہ خداوند کریم کو ہر شے پیدا کرنے پر قدرت ہے۔ جو چاہتا ہے پیدا کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ میں یہ کمی نہیں کہ یہ پیدا کر سکتا ہے اور وہ نہیں۔ یا وہ پیدا کر سکتا ہے یہ نہیں۔ اس کو ہر شے کی خلق پر قدرت ہے۔ چاہے نوری سے ناری پیدا کر دے چاہے نوری سے خاکی پیدا کر دے۔ چاہے خاکی سے نوری پیدا فرما دے، چاہے ناری سے نوری پیدا فرما دے اور جَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ (الأنعام ۱) قرآنی شہادت کافی دوافی ہے۔

اللہ تعالیٰ کیسے پیدا کرتا ہے؟

(۱) وَهُوَ الَّذِي يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ وَهُوَ أَهْوَنُ عَلَيْهِ وَلَهُ الْمَثَلُ الْأَعْلَى فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (الروم۲۷)

اور وہی ہے کہ اوّل بناتا ہے پھر اسے دوبارہ بنائے گا اور یہ تمہاری سمجھ میں اس پر زیادہ آسان ہونا چاہیے اور اُسی کے لیے ہے سب سے برتر شان آسمانوں اور زمین میں اور وہی عزت و حکمت والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے قدرت باری تعالیٰ ثابت ہوئی کہ وہ خالق ایسا کاریگر ہے جو شے پیدا کرتا ہے بے مثال ہوتی ہے۔ جس کی پہلے مثال ہوتی ہی نہیں۔ ابداً اس کی شان ہے۔ اور پھر ایسا قادر ہے کہ فنا کرکے ویسے ہی ہر شے کو دوبارہ پیدا کردے گا۔ جس کے اول و آخر میں کسی قسم کا فرق نہ ہو گا۔ اور یہ ذوالجلال کی ذات کے لئے بالکل آسان ہے، کسی قسم کی دقت نہیں۔ اور ایسے پیدا کرنا یہ اس کی مثال بالاتر ہے ایسا کوئی دوسرا آسمانوں اور زمینوں میں نہیں کرسکتا۔ اور وہ بڑا غالب اور بڑا دانا ہے۔

(۲) بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ (البقرة۱۱۷)

نیا پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا۔

(۳) اللَّهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ (الروم ۱۱)

اللہ پہلے بناتا ہے پھر دوبارہ بنائے گا۔

(۴) خَلَقَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا وَأَلْقَى فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَ أَنْ تَمِيدَ بِكُمْ وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ زَوْجٍ كَرِيمٍ (۱۰) هَذَا خَلْقُ اللَّهِ فَأَرُونِي مَاذَا خَلَقَ الَّذِينَ مِنْ دُونِهِ بَلِ الظَّالِمُونَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ (لقمان ۱۱)

اُس نے آسمان بنائے بے ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں اور زمین میں ڈالے لنگر کہ تمہیں لے کر نہ کانپے اور اس میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور ہم نے آسمان سے پانی اُتارا تو زمین میں ہر نفیس جوڑا اُگایا۔ یہ تو اللہ کا بنایا ہوا ہے مجھے وہ دکھاؤ جو اس کے سوا اوروں نے بنایا بلکہ ظالم کھلی گمراہی میں ہیں۔

(۵) أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّ اللهَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يَخْلُقَ مِثْلَهُمْ (الاسراء۹۹)

اور کیا وہ نہیں دیکھتے کہ وہ اللہ جس نے آسمان اور زمین بنائے ان لوگوں کی مثل بنا سکتا ہے۔

(۶) وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ (الانبیاء۳۳)

اور وہی ہے جس نے بنائے رات اور دن اور سورج اور چاند۔

(۷) أَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللهُ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طِبَاقًا (۱۵) وَجَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُورًا وَجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا (النوح۱۶)

کیا تم نہیں دیکھتے اللہ نے کیوں کر سات آسمان بنائے ایک پر ایک۔ اور اُن میں چاند کو روشنی کیا اور سورج کو چراغ۔

قرآن کریم کی مذکورہ آیات اور دوسری بہت سی آیات سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے، اللہ عزوجل کے سوا کوئی چیز خواہ کتنی ہی بڑی کیوں نہ ہو ہرگز ہرگز عبادت کے لائق نہیں، لہٰذا جو کوئی خدا کے غیر کے لئے کسی طرح کی کوئی عبادت کرے وہ مشرک ہے۔ اور شرک اکبر الکبائر یعنی تمام بڑے بڑے گناہوں میں سب سے بڑا گناہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

إِنَّ اللهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (النساء۱۱۶)

اللہ اسے نہیں بخشتا کہ اس کا کوئی شریک ٹھرایا جائے اور اس سے نیچے جو کچھ ہے جسے چاہے معاف فرمادیتاہے اور جو اللہ کا شریک ٹھہرائے وہ دور کی گمراہی میں پڑا۔

غیر اللہ کے لیے سجدہ

اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کے لیے سجدہ اگر عبادت کی نیت سے کرے تو یہ کھلا ہوا شرک ہے، اور اگر تعظیم کے قصد سے ہو تو یہ اگرچہ شرک تو نہیں مگر حرام و ناجائز اور بہت بڑا گناہ کبیرہ ہے۔ بہر حال خداوند تعالیٰ کے غیر کو سجدہ کرنے والا سخت گناہ گار، قہرِ قہار و غضب جبار میں گرفتار اور عذابِ نار کا حق دار ہے۔

معتبر تفسیروں میں ہے کہ:

ایک شخص نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ! ہم لوگ حضور ﷺ کو بھی اسی طرح سلام کرتے ہیں، جس طرح ہم آپس میں ایک دوسرے کو سلام کیا کرتے ہیں۔ تو کیا ہم حضور ﷺ کو سجدہ نہ کریں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ اپنے نبی ﷺ کی تعظیم کرو، اور سجدہ چونکہ خدا کا ہی خاص حق ہے۔ اس لئے خدا کے سوا کسی دوسرے کو سجدہ جائز نہیں۔

اس موقع پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّانِيِّينَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ (٧٩) وَلَا يَأْمُرَكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا أَيَأْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ (آل عمران ٨٠)

کسی آدمی کا یہ حق نہیں کہ اللہ اُسے کتاب اور حکم و پیغمبری دے پھر وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے ہو جاؤ ہاں یہ کہے گا کہ اللہ والے ہو جاؤ اس سبب سے کہ تم کتاب سکھاتے ہو

اور اس سے کہ تم درس کرتے ہو۔ اور نہ تمہیں یہ حکم دے گا کہ فرشتوں اور پیغمبروں کو خدا اٹھہرالو کیا تمہیں کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو لیے۔[1]

حضرت بی بی عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ:

أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي لَمْ يَقُمْ مِنْهُ: «لَعَنَ اللهُ الْيَهُودَ وَالنَّصَارَى اتَّخَذُوا قُبُورَ أَنْبِيَائِهِمْ مَسَاجِدَ۔

بے شک رسول اللہ ﷺ نے اپنے مرض وفات میں فرمایا کہ یہود و نصاریٰ پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔[2]

اس حدیث شریف کی شرح حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تحریر فرمائی جس کا ترجمہ یہ ہے:

"علامہ قاضی بیضاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ یہود و نصاریٰ اپنے انبیاء علیہم السلام کے مزاروں کو سجدہ کرتے اور انہیں قبلہ بنا کر نماز میں ان کی طرف منہ کرتے۔ تو ان لوگوں نے ان قبروں کو بت بنالیا۔ اس لئے حضور ﷺ نے ان پر لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو ایسا کرنے سے منع فرمایا"۔[3]

---

[1] (مدارک، ج ۱، ص ۱۶۲، جمل، ج ۱، ص ۲۹۱)
[2] (مشکاۃالمصابیح، ج ۱، ص ۶۹ بحوالہ بخاری و مسلم)
[3] (مرقاۃالمفاتیح شرح مشکوٰۃالمصابیح، ج ۱، ص ۴۵۶)

اور حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس حدیث کی شرح میں تحریر فرمایا جس کا ترجمہ یہ ہے:

یہود و نصاریٰ نے جو انبیاء علیہم السلام کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا تھا تو اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ مزاروں کو سجدہ کرتے تھے۔ اور اسی کو عبادت کا مقصود سمجھتے تھے جیسے کہ بت پرست لوگ بتوں کی عبادت کرتے ہیں اور دوسری صورت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت مقصود و منظور تھی۔ لیکن وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خداوند تعالیٰ کی عبادت اور نماز میں انبیاء علیہم السلام کی قبروں کے سامنے ہونا خداوند تعالیٰ کی نزدیکی اور اس کی خوشی کا سبب ہے اور یہ دونوں ہی صورتیں ناپسندیدہ اور ناجائز ہیں۔ پہلی صورت تو کھلا ہوا شرک و کفر ہے، اور دوسری صورت میں بھی خداوند تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا ہے۔ اگرچہ یہ چھپا ہوا شرک ہے اور لعنت دونوں صورتوں میں ہے اور برکت و تعظیم کے قصد سے کسی نبی یا ولی کے مزار کی طرف منہ کرکے نماز ادا کرنی حرام ہے اور کسی عالم یا فقیہ کا اس میں اختلاف نہیں ہے۔[1]

حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا کہ:

اَلْسَجْدَۃُ حَرَامٌ بِغَیْرِہٖ سُبْحَانَہٗ۔

اللہ تعالیٰ کے غیر کے لئے سجدہ حرام ہے۔[2]

فتاویٰ عالمگیری، ج۵، ص۲۳۱ مصری میں جواہر اخلاطی سے ہے جس کا ترجمہ یہ ہے:

جس نے بطور سلام کے بادشاہ کو سجدہ کیا یا اُس کے سامنے زمین چومی تو وہ کافر نہ ہوا، مگر گناہ کبیرہ کرنے کے سبب سے گناہگار ہوا، مذہب مختار یہی ہے۔

---

[1](اللغات، ج ۱، ص ۳۳۰)

[2](شرح فقه اکبر، ص ۲۳۰)

اور فتاویٰ عالمگیری کے اسی صفحہ پر فتاویٰ غرائب سے منقول ہے کہ:

لا یجوز السجود إلا للہ تعالی۔

غیر اللہ کے لئے سجدہ جائز نہیں۔

ضروری تنبیہ

آج کل بعض بزرگوں کے مزاروں پر بعض جاہل لوگ اور بعض جاہل بدعتی پیروں کے روبرو ان کے جاہل مریدین اپنی جہالت سے سجدہ کرکے شرک یا گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوا کرتے ہیں۔ اور بعض سجادہ نشین صاحبان اور کچھ علماء کرام چشم پوشی کرتے ہوئے اس پر سکوت اختیار کرتے ہیں۔ جزو توبیخ تو کجا منع بھی نہیں کرتے۔ سجادہ نشین صاحبان اور علماء کرام کا فرض ہے کہ لوگوں کو اعلانیہ اس گناہ عظیم سے روکیں اور منع کریں۔ بلکہ مزاروں پر ایک پہرے دار مقرر کر دیں جو سختی کے ساتھ جاہل عوام کو اس گناہ سے روک دے۔ ورنہ یاد رکھیئے کہ عذاب آخرت سے پہلے دنیا ہی میں سب لوگ عذاب خداوندی میں گرفتار ہو جائیں گے۔

حدیث شریف میں حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

إن الناس إذا رأوا منكرا فلم يغيروه يوشك أن يعمهم الله بعقابه۔

بے شک جب لوگ کسی خلاف شریعت بات کو دیکھیں اور نہ روکیں، تو عنقریب اللہ تعالیٰ ان سب لوگوں پر اپنا عذاب عام بھیج دے گا۔[1]

دوسری حدیث شریف میں ہے کہ:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَتَأْمُرُنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلَتَنْهَوُنَّ عَنِ الْمُنْكَرِ أَوْ لَيُوشِكَنَّ اللّٰهُ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِنْ عِنْدِهِ ثُمَّ لَتَدْعُنَّهُ وَلَا يُسْتَجَابُ لكم۔

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۴۳۶، ابن ماجہ و ترمذی)

اس ذات کی قسم کہ میری جان اس کے قبضے میں ہے کہ تم لوگ ضرور شریعت کی باتوں کا حکم دیتے رہو اور ضرور ضرور خلاف شریعت باتوں سے منع کرتے رہو۔ ورنہ عنقریب اللہ تم لوگوں پر اپنے پاس سے عذاب سے بھیج دے گا، پھر تم لوگ خدا سے دعا مانگو گے تو تمہاری دعا قبول نہیں ہو گی۔[1]

امام الاجل عظیم المرتبت امام احمد رضاخان بریلوی قدس سرہٗ لکھتے ہیں:

نصوص فقہ سے سجدۂ تحیت حرام ہونے کا ثبوت

اور وہ بھی دو نوع ہیں:

نوع اول: تین قسم:

قسم اول: نفس سجدہ کا حکم کہ غیر خدا کے لئے مطلقا حرام ہے۔

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) تحریم متفق علیہ ہے اور اسی قدر ہمارا مقصود، اور تکفیر میں عبارات چھ طور پر آئیں گی:

(۱) غیر خدا کے لئے سجدہ کفر ہے۔ اس کا ظاہر الاطلاق ہے۔

(۲) غیر خدا کو سجدہ مطلقاً کفر ہے اس میں تصریح اطلاق ہے۔

(۳) بحال اکراہ کفر نہیں ورنہ کفر یہ قید اولین میں بھی ضروری ہے۔

(۴) غیر کی نیت سے کفر اور اللہ عزوجل کے لئے نیت ہو یا کچھ نیت نہ ہو تو کفر نہیں۔

(۵) بہ نیت عبادت کفر، اور بہ نیت تحیت کفر نہیں، اور کچھ نیت نہ ہو جب بھی کفر۔

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۲، ص ۴۳۶ بحوالہ ترمذی)

(۶) غیر کی طرف اصلاً کفر نہیں جب تک نیت عبادت نہ ہو، اور یہی صحیح و معتمد ہے و حق و معتقد ہے اور باقی کفر صوری وغیرہ سے مؤول وباللہ التوفیق۔

نص ۱

(۱) تبیین الحقائق امام فخر الدین زیلعی جلد اول ص ۲۰۲
(۲) غنیۃ المستملی محقق ابراہیم حلبی ص ۲۶۶
(۳) فتح اللہ المعین العلامۃ السید ابی السعود الازہری، جلد اول ص ۲۹۰

التواضع نهاية تو جد في السجود ولهذا لوسجد لغير الله تعالٰى يكفر۔

تواضع کا ختم سجدہ پر ہے اس لئے غیر خدا کو سجدہ کفر ہے۔[1]

(۴) نصاب الاحتساب قلمی باب ۴۹
(۵) کفایۃ شعبی سے

اذا سجد لغير الله تعالٰى يكفر لان وضع الجهة على الارض لا يجوز الا لله تعالٰى۔

غیر خدا کو سجدہ کرے تو کافر ہے کہ زمین پر پیشانی رکھنا دوسرے کے لئے جائز نہیں۔[2]

[1] (تبیین الحقائق باب صلٰوۃ المریض ۱/ ۲۰۲ وغنیۃ المستملی الثانی القیام سھیل اکیڈمی لاہور ص ۲۶۶، فتح المعین باب صلٰوۃ المریض کراچی ۱/ ۲۹۰)

[2] (فتاوٰی نور الہدٰی بحوالہ المبسوط کتاب الکراھیۃ فصل فیما یصیر بہ المسلم کافرا مکتبہ حقانیہ کوئٹہ، ص ۴۳۹)

نص۶: مسبوط الامام جلیل شمس الائمہ سرخسی

(۷)اس سے جامع الرموز ص۵۳۵

من سجد لغیر اللہ تعالٰی علی وجہ التعظیم کفر۔

غیر خدا کو سجدہ تعظیمی کرنے والا کافر ہے۔[1]

نص۸: منح الروض الازہر فی شرح الفقہ الاکبر ص۲۳۴

اقول وضع الجبین اقبح من وضع الخدفینبغی ان لایکفر الایوضع الجبین دون غیرہ لان ھذہ سجدۃ مختصتہ اللہ تعالٰی۔

میں کہتاہوں زمین پر ماتھا رکھنا رخسارہ رکھنے سے بھی بدتر ہے تو چاہئے کہ اس میں کفر نہ ہو اور میں کہ یہ سجدہ ہے کہ اللہ عزوجل کے لئے خاص ہے۔[2]

اقول:اولا ان کان علی وجہ العبادۃ کفر ولو لویزد علی تقبیل ارض او انحناء بل بمجرد النیۃ والافلا کفر فی المعتمد وھو الحق المعتقد وثانیا الجبین احد جانبی الجبھۃ وھما جبینان وانما السجود وضع الجبھۃ فلیتنبہ۔

اقول:(میں کہتاہوں۔ت)اولا اگر زمین پر بطور عبادت پیشانی رکھے توکافر ہوجائے گا اگرچہ زمین چومنے یاصرف جھکنے بلکہ صرف نیت کرنے پر اکتفاء کیا(اور اس سے مزید کچھ نہ کہا)تو قابل اعتماد کیامذہب میں کفر نہیں لہذا یہی حق قابل اعتقاد ہے۔ثالثا جبین"پیشانی کی ایک جانب اور طرف ہے۔اور پیشانی میں دو جنبین ہیں۔اور سجدہ زمین پر پیشانی رکھنے کا نام ہے۔لہذا اس سے آگاہ ہونا چاہئے۔(ت)

---

[1](جامع الرموز کتاب الکراھیۃ مکتبہ الاسلامیہ گنبد قاموس ایران ۳/۳۱۵)

[2](منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا وکنایۃ مصطفی البابی مصر، ص۱۹۳)

نص ۹: شرح نقایہ علامہ قہستانی ص ۳۳۵
(۱۰) مجمع الانہر ملتقی الابحر جلد ۴ ص ۲۲۰
دونوں فتاوٰی ظہریہ سے
(۱۱) ردالمحتار علامہ شامی جلد ۵ ص ۴۷۸ جامع الرموز سے

یکفر بالسجدۃ مطلقا۔

غیر خدا کو سجدے سے مطلقاً کافر ہو جائے گا۔[1]

اقول: (میں کہتا ہوں۔ت) امام عینی کے اختصار اور علی قاری کی نقل سے ظہیریہ میں یہ حکم جزمی نہیں بلکہ بعض کی طرف نسبت ہے کہ بعض نے مطلقاً کافر کہا کماسیأتی (جیسا کہ آگے آئے گا۔ت) مجمع الانہر وشامی دونوں کے مستند نقل علامہ قہستانی ہیں اور شک نہیں کہ امام عینی ان سے اوثق ہیں لہذا ہم نے یہاں ظہیریہ کو نہ گنا۔

نص ۱۲: غایۃ البیان علامہ اتقانی قلمی کتاب الکراھیۃ قبیل فصل من البیع

اما السجود لغیر اللّٰہ فھو کافر اذا کان من غیر اکراہ۔

غیر خدا کو بلااکراہ سجدہ کفر ہے۔[2]

نص ۱۳: منح الروض ص ۲۳۵

اذا سجد بغیر الاکراہ یکفر عندھم بلاخلاف۔

---

[1] (مجمع الانہر کتاب الکراھیۃ بیروت ۲/ ۵۴۲ وجامع الرموز کتاب الراھیۃ ایران ۳/ ۳۱۵، ردالمحتار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ داراحیاء التراث العربی بیروت ۵/ ۲۴۶)

[2] (غایۃ البیان کتاب الکراھیۃ قبیل نص من البیع (قلمی)

اگر بلاکراہ سجدہ کیاتو باتفاق علماء کافر ہو جائے گا۔[1]

اقول :(میں کہتاہوں۔ت) دعوی اتفاق بے محل ہے اولا بلکہ صحیح و مختارہ وہی تفصیل نیت عبادت وتحیت ہے جن پر نصوص کثیرہ مطلقہ عنقریب آتے ہیں:

ثانیا اجلہ اکابر نے خاص صورت عدم اکراہ میں بھی سجدہ تحیت کفر نہ ہونے کی تصریحیں فرمائیں۔ فتاوٰی کبرٰی میں پھر خزانۃ المفتین قلمی کتاب الکراھیۃ نیز واقعات امام صدر شہید پھر خود یہی غایۃ البیان مذکور میں مسئلہ اکراہ لکھ کر فرمایا:

فھذا دلیل علی ان السجود بنیۃ التحیۃ اذا کان خائفا لایکون کفرا فعلی ھذا القیاس من سجدہ عن السلاطین علی وجہ التحیۃ لایصیر کافرا۔

یہ اس کی دلیل ہے کہ سجدہ تعظیمی جبکہ خائف (اور خطر محسوس کرے) تو کفر نہ ہوگا۔ لہٰذا اسی پر یہ مسئلہ قیاس کیاگیا ہے کہ جو بادشاہوں کو سجدہ تعظیمی کرے توکافر نہ ہوگا۔[2]

جامع الفصولین جلد دوم میں بعد مسئلہ اکراہ ہے:

فھذا تؤیدمامر ان من سجد للسلطان تکریما لایکفر۔

یہ مسئلہ گزشتہ کلام کی تائید کرتاہے کہ جس نے کسی بادشاہ کو بطور تعظیم سجدہ کیاتو(اس کاروائی سے)وہ کافر نہ ہوگا۔(ت)[3]

ثالثاخود علی قاری کی عبارت آتی ہے کہ روضہ انور کے سجدے کو صرف حرام کہانہ کہ کفر۔

رابعابلکہ نص ۲۷ میں وہی کہیں گے کہ بعض علماء نے تکفیر کی اور ظاہر تر عدم تکفیر ہے۔ پھر اتفاق درکنار وہ قول راجح بھی نہیں ضعیف ومرجوح ہے۔

---

[1] (منح الروض الازھر شرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا و کنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳)

[2] (خزانۃ الفتاوٰی کتاب الکراھیۃ قلمی نسخہ ۲/ ۲۱۳)

[3] (جامع الفصولین الفصل الثامن و الثلاثون اسلامی کتب خانہ کراچی ۲/ ۳۱۴)

نص ۱۴ : امام ابن حجر مکی کی اعلام بقواطع الاسلام ص ۵۵

علم من کلاھم ان السجود بین یدی الغیر منه ماھو کفر و منه ماھو حرام غیر کفر فالکفر ان یقصد السجود المخلوق و الحرام ان یقصده اللہ تعالٰی معظما به ذٰلک للمخلوق من غیر ان یقصده به او لا یکون له قصد۔

کلام علماء سے معلوم ہوا کہ غیر کو سجدہ کبھی کفر ہے اور کبھی صرف حرام۔ کفر تو یہ ہے کہ مخلوق کے لئے سجدہ کا قصد کرے اور حرام یہ کہ سجدہ اللہ تعالٰی کے لئے کرے اور مخلوق کی طرف کرنے سے اس کی تعظیم یا یہ کہ اصلا کچھ نہ ہو۔[1]

نص ۱۵: جواہر الاخلاطی کتاب الاستحسان

(۱۶) پھر ہندیہ جلد ۵ ص ۳۶۸،۳۶۹

(۱۷) نصاب الاحتساب باب ۴۹

(۱۸) یہ سب امام اجل فقیہ ابو جعفر ہندوانی سے

وھذا لفظ النصاب و ھو اتم من قبل الارض بین ایدی السلطان او الامیر او سجد له فان کان علی وجه التحیة لا یکفر و لکن یصیر آثما مرتکبا الکبیرة و ان کان سجد بنیة العبادة للسطان او لم تحضره النیة فقد کفر۔

جس نے بادشاہ یا سردار کے سامنے زمین چومی یا اسے سجدہ کیا اگر بطور تحیت تھا تو کافر تو نہ ہوا مگر گنہگار مرتکب کبیرہ ہوا، اور اگر پرستش بادشاہ کی نیت کی یا عبادت و تحیت کوئی نیت اس وقت نہ تھی تو بیشک کافر ہو گیا۔[2]

---

[1] (اعلام بقواطع الاسلام مع سبیل النجاۃ مکتبۃ الحقیقۃ دار الشفقت استنبول ترکی ص ۳۸۸)

[2] (فتاوٰی ھندیه کتاب الکراھیة الباب الثامن و العشرون نورانی کتب خانہ کراچی ۵/ ۳۶۸_۳۶۹)

نص ۱۹: فتاوٰی امام ظہیر الدین مرغینانی

(۲۰) اس کا مختصر للامام عینی

(۲۱) اس سے غمز العیون والبصائر ص ۳۱

(۲۲) فتاوٰی خلاصہ قلمی قبیل کتاب الہبۃ

(۲۳) اس سے منح الروض ص ۲۳۵

وھذا الفظ الامام العینی قال بعضھم یکفر مطلقا وقال اکثرھم ھو علی وجوہ ان ارادبه العبادہ یکفر وان ارادبه التحیة لایکفر ویحرم علیه ذٰلک وان لم تکن له ارادۃ کفر عند اکثر اھل العلم۔

غیر خدا کو سجدے سے بعض نے کہا مطلّقا کافر ہے، اور اکثر نے اس میں کئی صورتیں ہیں اگر اس کی عبادت چاہی تو کافر ہے اور تحیت کی نیت کی تو کفر نہیں حرام ہے اور اگر کچھ نیت نہ تھی تو اکثر ائمہ کے نزدیك کافر ہے۔[1]

خلاصہ کے لفظ یہ ہیں:

اما السجدۃ لھٰؤلاء الجبابرۃ فھی کبیرۃ ھل یکفر قال بعضھم یکفر مطلقا وقال بعضھم (وفی نسخة الطبع اکثر ھم) المسالة علی التفصیل ان اراد بھا العبادۃ یکفر وان ارادبھا التحیة لایکفر قال وھذا موافق لماقال وھذا موافق لمافی سیر الفتاوٰی والاصل۔

رہا ان سلاطین کو سجدہ وہ گناہ کبیرہ ہے۔ اور کافر بھی ہوگا یا نہیں بعض نے کہا مطلقا کافر ہوجائے گا اور اکثر نے فرمایا مسئلہ میں تفصیل ہے اگر عبادت چاہی کافر ہوجائے گا اور تحیت تو نہیں۔ اور یہی

---

[1] (غمز العیون البصائر بحوالہ العینی فی مختصر الفتاوی الظہیریۃ الفن الاول ادارۃ القرآن کراچی ۱/ ۴۵)

اس مسئلہ کے موافق ہے جو فتاوٰی کی کتاب السیر اور امام محمد رضی اللہ تعالٰی عنہ کی کتاب مبسوط میں ہے۔[1]

ملا علی قاری نے اسے یوں نقل بالمعنی کیا:

فی الخلاصة من سجد لهم ان ارادبه التعظيم ای کتعظيم الله سبحانه کفروا ان ارادبه التحية اختار بعض العلماء انه لايکفر اقولو هذا هو الاظهر وفی الظهيرية قال بعضهم يکفر مطلقا۔[2]

اقول: ليس فی الخلاصة لفظ التعظيم بل العبادة فلا حاجة الی ايراده ثم تفسيره بما يرجع الی العبادة الا ان يکون فی نسخة لفظ التعظيم کما ان فيها بعضهم مکان اکثر هم کنسخة القلم واللّٰہ تعالٰی اعلم۔

اقول: (میں کہتا ہوں کہ خلاصۃ میں لفظ "التعظیم" نہیں بلکہ لفظ "عبادت" مذکور ہے لہذا اس کے لانے کی کچھ ضرورت نہیں پھر اس کی ایسے کلام سے تشریح کرنا کہ عبادت کی طرف راجح ہے مگر یہ کہ اس کے ایک نسخہ میں لفظ "تعظیم" موجود ہو جیسا کہ اس کے ایک "نسخہ" میں اکثر ھم کی جگہ بعضھم جیسا کہ قلمی نسخہ میں۔ واللّٰہ تعالٰی اعلم۔ (ت)[3]

بہر حال خلاصہ یہ ہے کہ سجادہ نشین صاحبان اور علماء کرام پر بہت بڑی ذمہ داری ہے کہ مزارات پر سجدہ اور طواف اور دوسرے محرمات شرعیہ جو اس زمانے میں ہو رہے ہیں ان کو روک دینے کی پوری پوری کوشش کریں، اللہ تعالٰی سب کو ہدایت دے اور اتباع شریعت کی توفیق بخشے، آمین۔ (مسائل القرآن، ص ۱۴)

---

[1] (خلاصۃ الفتاوٰی کتاب الفاظ الکفر الفصل الثانی الجنس الحادی عشر مکتبہ حبیبیہ کوئٹہ ۴/ ۳۸۹)

[2] (منح الروض الازھر الشرح الفقہ الاکبر فصل فی الکفر صریحا و کنایۃ مصطفی البابی مصر ص ۱۹۳)

[3] (فتاوٰی رضویہ، ج ۲۲، ص ۴۵۸ تا ۴۶۳)

مکتوب نمبر ۱۱۲

[شیخ عبد الجلیل تھانیسری ثم جونپوری کی طرف صادر ہوا:

اس بیان میں کہ اصل کام یہ ہے کہ ہم اپنے آپ کو عقائد اہلِ سنت و جماعت کے ساتھ مزین وآراستہ کریں۔

اس دولت کی موجودگی میں اگر احوال و مواجید بھی عطا کر دیں تو ہم احسان مند ہوں گے۔ ورنہ اسی دولت کو کافی جانیں گے، کیونکہ جب یہ ہے تو سب کچھ ہے۔

حق سبحانہٗ و تعالیٰ ہم مفلسوں کو اہلِ حق یعنی اہلِ سنت و جماعت کے معتقداتِ حقہٗ کی حقیقت سے موصوف کرے اور پسندیدہ اعمال کی توفیق کو ہمارا نقد وقت بنائے۔ اور وہ احوال جو ان اعمال کے ثمرات ہیں ان سے بہرہ ور فرمائے، اور مکمل طور پر اپنی جنابِ قدس جل سلطانہٗ کی طرف کھینچ لے۔

کار این ست و غیر این ہمہ ہیچ

ترجمہ: اصل کام یہی ہے، باقی سب ہیچ ہے۔

کیونکہ وجد و حال کی وہ کیفیتیں جو فرقۂ ناجیہ اہلِ سنت کے معتقدات کی حقیقت حاصل ہوئے بغیر ہیں سراسر اِستدراج ہیں، ان کی کوئی قدر و قیمت نہیں۔ اور ان کیفیات کو سوائے خرابی کے کچھ خیال نہیں کرتے۔ فرقۂ ناجیہ کی اتباع کے ساتھ جو کچھ مزید عطا فرمائیں ہم اس پر احسان مند ہیں، اور شکر بجالائیں گے۔ اور اگر صرف عقائدِ حقہٗ کی نعمت ہی عطا فرمائیں اور وجد و حال کی کیفیات میں سے کچھ عطا نہ کریں تو ہمیں کچھ ڈر نہیں اور ہم راضی اور خوش ہیں۔

اور بعض مشائخ کرام قدس اللہ تعالیٰ اسرارہم سے غلبۂ حال اور سُکر وقت کے وقت اہلِ حق کی درست اور صحیح آراء کے خلاف بعض علوم و معارف کا ظہور ہوا ہے۔ چونکہ ان کی بنیاد کشف ہے اس لئے وہ معذور ہیں۔

اُمید ہے کہ کل قیامت کے روز اس بنا پر ان کا مواخذہ نہیں ہوگا۔ یہ لوگ خطا کرنے والے مجتہد کے حکم میں ہیں، جسے خطا کی صورت میں بھی ثواب ملتا ہے۔ حق علمائے اہلِ حق شکر اللہ تعالیٰ سعیہم کی جانب ہے۔ کیونکہ علماء کے علوم سینہ نبوت علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام والتحیۃ سے اخذ کیے گئے ہیں، جن کی تائید وحی قطعی سے ہو چکی ہے۔ اور صوفیاء کے ان معارف کا مقتداء کشف والہام ہے، جس میں خطاء کی گنجائش ہے۔ اور کشف والہام کی صحت کی علامت علمائے اہلِ سُنت کے علوم کے ساتھ مطابقت ہے۔ اگر کشف والہام میں بال برابر بھی مخالفت ہے تو درستی اور ثواب کے دائرہ سے باہر ہے۔ یہی صحیح علم اور صریح حق ہے، اس کے علاوہ ضلالت و گمراہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں سید المرسلین علیہ وعلیٰ آلہٖ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی ظاہراً و باطناً اور عملاً و اعتقاداً متابعت و پیروی پر استقامت عطا کرے۔

آپ پر اور ہر متبع ہدایت پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔]

تشریح

حضرت شیخ الاسلام فخر الاسلام علی بزدوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اصول فقہ میں فرمایا ہے کہ "(دینی) علم کی دو اقسام ہیں، ایک توحید و صفات کا علم (جسے عرفِ عام میں عقائد کا علم کہا جاتا ہے) اور دوسرا شریعت و احکام کا علم (جسے اصطلاح میں فقہ و تفسیر و حدیث کا علم کہا جاتا ہے)۔ پہلی قسم (عقائد) کی اصل اور بنیاد یہ ہے کہ قرآن و سنت سے تمسک کیا جائے اور خواہشاتِ نفسانی و بدعت

سے اجتناب کیا جائے نیز اہلِ سُنت وجماعت کے اس طریقے کو اپنے اوپر لازم کر لیا جائے جس پر اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم، تابعین عظام اور سلفِ صالحین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ م اجمعین چلے۔ اور یہ (یعنی اہل سنت وجماعت کا راستہ) وہ راستہ ہے جس پر ہمارے مشائخ یعنی حضرت امام ابو حنیفہ وحضرت امام ابو یوسف اور حضرت امام محمد اور اُن کے دیگر (فقہاء) اصحاب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ م اجمعین چلے اور یہ وہی راستہ ہے (جس کے عقائد کو واضح کرنے کے لئے) حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے (اپنی کتاب) فقہ الاکبر تصنیف فرمائی"۔

تو مندرجہ بالا تصریح سے بغیر کسی اختلاف اور شک وشبہ کے یہ بات ثابت ہو گئی کہ اہل سنت وجماعت کے عقائد وہ عقائد ہونے چاہئیں جو حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور اُن کے شاگردوں نے رکھے اور اپنی روشن کتابوں میں لکھے اور ہر وہ عقیدہ جو ان بزرگوں کے عقائد کے خلاف ہو وہ مردود اور قابلِ مذمت ہے۔ نیز یہ بات بھی ذہن نشین کر لیں کہ اہل سنت وجماعت سے مراد صرف احناف ہی نہیں بلکہ چاروں امام اور ان کی فقہ مراد ہے کیونکہ عقائد، دینِ اسلام کے اصول وقوانین ہیں اور فقہ کے چاروں آئمہ ان اصولوں میں متفق ہیں اور کسی بھی عقیدے میں ان اکابر میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔

عقیدہ کی درستگی کو دینِ اسلام میں وہی حیثیت حاصل ہے جو کسی عالی شان اور کثیر المنازل عمارت میں اس کی بنیادوں کو حاصل ہوتی ہے، اگر بنیادیں صحیح اور مضبوط ہوں تو اُن پر کھڑی ہونے والی عمارت گرنے یا خراب ہونے سے محفوظ رہتی ہے لیکن اگر خدانخواستہ بنیاد ہی غلط ہو یا کمزور ہو تو اس پر کیا خاک عمارت تعمیر ہو گی؟

تو اس مثال پر قیاس کرتے ہوئے سب سے پہلے عقائد کی بنیاد کو صحیح اور مضبوط کرنا چاہیئے تاکہ اس پر قائم ہونے والی دینِ اسلام کی عظیم عمارت صحیح سمت میں قائم رہ سکے ورنہ عقائد کی خرابی بڑے نقصانات کا باعث بنے گی۔ عقائد اگر چند ایک ہی ہوتے تو ہم ان کو فرداً فرداً یہاں بیان کر دیتے لیکن یہ کثیر تعداد میں ہیں اور ان تمام عقائد کو یہاں بیان کرنا ممکن نہیں ہے اس لئے عقائدِ اہل سنت وجماعت کی تفصیلات کے لئے عقائد کی کتابوں کا مطالعہ کرنا ضروری ہے۔ ان کتابوں میں اولین کتاب "فقہ الاکبر" ہے جسے خود حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے تصنیف فرمایا ہے اور ان کے صاحبزادے حضرت حماد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کی پہلی شرح "نور ظُلم" کے نام سے کی ہے۔

عقائد کی درستگی کے ساتھ ساتھ احکامِ شریعت مثلاً فرض وواجب، سُنت و مستحب اور حرام ومکروہات کا علم حاصل کرنا نیز ان کے مطابق عمل کرنا فرض کے درجہ میں ہے۔ اُخروی نجات ان کے بغیر ممکن نہیں ہے (الا ماشاءاللہ)

عقیدہ کی درستگی اور احکامِ فقہ کے حصول کے بعد تیسرے نمبر پر تصوف وسلوک اور روحانیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے کیونکہ روحانی کیفیات اور باطنی منازل پہلے دو علوم (یعنی عقائد وفقہ) اور اعمالِ صالحہ کا ثمرہ اور نتیجہ ہیں۔ اگر عقیدہ اور عمل درست ہوا تو اس سے حاصل ہونے والا پھل میٹھا ومزیدار اور مفید ہوگا لیکن ان کی غیر موجودگی یا نادرستگی کی وجہ سے پھل کی مٹھاس تو کیا اس کی خوشبو کا حصول بھی ممکن نہیں ہے۔

وہ تصوف جو خود آقائے دوجہاں کے سینۂ مبارک سے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سینوں میں منتقل ہوا، اور ان نیک ہستیوں کے سینوں سے اُمتِ مرحومہ کے کبار اولیاء کرام کی طرف

سینہ بہ سینہ چلتا رہا، اُس کا متفقہ اصول یہی ہے جو ہم نے اوپر بیان کر دیا ہے، کوئی بھی سلسلۂ تصوف وطریقت اس اصول و قانون سے مستثنیٰ نہیں ہے اور نہ ہی کسی شخصیت کو اس میں ترمیم و تخفیف کرنے کی اجازت دی گئی ہے اگر کسی نے اس کے خلاف عمل کیا بھی ہے تو وہ حقیقی ثمرات ونتائج سے بہرہ ور نہیں ہو سکا ہے۔

اب مندرجہ بالا کلیہ کی کسوٹی میں ان لوگوں کو تول لیا جائے تو تصوف کے ثمرات یعنی وجد وحال اور کشف و شہود کے خواہش مند تو ہوتے ہیں لیکن عقیدہ کی درستگی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے یا پھر جنات اور علمِ نجوم کے ذریعے لوگوں کو ان کے دلوں کا حال اور ان کے گھریلو معاملات کی خبریں بتا کر اپنی بزرگی ظاہر کرتے ہیں اور عوام کا یہ حال ہے کہ ایسے بدبخت اور گمراہ ٹولے کے ارد گرد ایسے گھومتے نظر آتے ہیں جیسے گُڑ کے ارد گرد مکھیاں۔

حقیقت یہ ہے کہ کل قیامت کے دن عقائد اور اعمال کے بارے میں سوال ہو گا۔ کشف و شہود اور القاء والہام کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ اس لئے اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی طرف سے عقائد کی درستگی کی دولت اور اعمال کی صحت عنایت ہو جائے تو نجاتِ اُخروی کے لئے کافی ہے اور اگر اس دولت کے ساتھ حقیقی کشف اور القاءِ رحمانی بھی مل جائے تو زہے نصیب، لیکن خدانخواستہ اگر عقائد درست نہ ہوں اور گمراہ فرقوں کے خود تراشیدہ اعتقادات کی پیروی کی جانے لگے تو کشف و کرامتوں کا ظہور عذابِ قبر اور اُخروی خسارے سے نہیں بچا جا سکے گا۔

آخر میں ہم اس بات کی وضاحت کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ غلبۂ سُکر کی وجہ سے مغلوب الحال سالک وصوفی اور مجذوب لوگ مندرجہ بالا بحث سے خارج ہیں۔ کیونکہ سُکر کی وجہ سے اُن سے ایسی باتیں ظاہر ہوئی ہیں جو بظاہر خلافِ شرع ہیں لیکن ایسی مجذوبانہ باتیں محض سُکر اور حال کا نتیجہ

تھیں، اُن کے عقائد میں خرابی نہیں تھی جیسے شیخ بسطامی کا قول ''سُبْحَانِیْ مَا اَعْظَمَ شَانِیْ'' اور منصور حلاج کا قول ''اَنَا الْحَق'' وغیرہ۔ اور جاننے والوں سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ یہ دونوں حضرات اولیاء کرام کے مبارک گروہ میں شمار ہوتے ہیں، لیکن دیگر سالکوں کو یا عوام کو ان کے سُکری کلمات کی پیروی کرنا مناسب نہیں ہے۔(واللہ اعلم بالصواب)

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرمارہے ہیں کہ امت محمدیہ اور ملت مصطفویہ (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کی سب سے بڑی وحدت اور واضح اکثریت اہل سنت وجماعت کے مطابق عقائد درست کر لینے اور اعمالِ صالحہ بجالانے کے نتیجہ میں اگر احوال و مواجید میسر ہو جائیں تو زہے نصیب ورنہ عقائد اہل سنت وجماعت کے برعکس احوال وکیفیات سب استدراج ہیں البتہ اگر اہل سنت وجماعت کے مطابق عقائد واعمال نصیب ہو جائیں اگرچہ احوال و مواجید نہ بھی میسر ہوں تو کوئی مضائقہ نہیں۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ بعض صوفیائے کرام کے جو علوم ومعارف عقائد اہل سنت کے مخالف ہیں وہ غلبۂ حال اور سُکر وقت کا ثمرہ ہیں، اس لئے انہیں معذور جاننا چاہیئے اور ان کی خطائے کشفی کو خطائے اجتہادی کی مانند سمجھنا چاہیئے کیونکہ اس خطا پر بھی وہ اجر وثواب کے مستحق ہیں، جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: إِذَا حَكَمَ الْحَاكِمُ فَاجْتَهَدَ فَأَصَابَ فَلَهُ أَجْرَانِ وَإِذَا حَكَمَ فَاجْتَهَدَ

فَأَخْطَأَ فَلَهُ أَجْرٌ (وَاحِدٌ)۔ یعنی جب کسی حاکم نے فیصلہ سنایا اور اس نے اس میں اجتہاد کیا تو اس کے لئے دوہرا ثواب ہے اور جب اس نے فیصلہ دیا لیکن سہواً غلط ہو گیا تو اس کے لئے ایک اجر ہے۔[1]

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ صوفیائے کرام کے معارف اگر علمائے اہل سنت کے علوم سے متصادم ہوں تو حق علماء کی طرف ہی راجع ہو گا کیونکہ علمائے اہل سنت کے علوم مشکوٰۃ نبوت سے مقتبس ہیں جو قطعی اور یقینی ہیں، جن میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں، جبکہ صوفیاء کے معارف الہامی ہیں جو کشفی اور ظنی ہیں اس لئے ان میں خطا کی گنجائش ممکن ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۷۳، ۳۷۴)

عقائد اہلسنت وجماعت کے بیان میں

(۱) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کی حیات اور وفات میں کوئی فرق نہیں۔ رسول اللہ ﷺ اب بھی اپنی امت کو دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کی حالتوں اور ان کی نیتوں اور ان کے ارادوں اور ان کے دل کے خیالوں سے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو باخبر کیا ہے۔ لیکن خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس سے انکاری ہیں جو کوئی اس سے منکر ہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۲) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی نبی کریم ﷺ کی شان اقدس میں گستاخی کا مرتکب ہو جائے یا آپ ﷺ سے جھوٹ کی نسبت کرے یا آپ کی عیب جوئی کرے یا آپ کے نقائص بیان کرے یقیناً وہ شخص کافر ہے، واجب القتل ہے اور اس قسم کے گستاخان رسول کی توبہ بھی

[1] (سنن ابی داؤد، ج۲، ص ۱۴۷)

[2] (بحوالہ: تجلیات مدینہ از الحاج مولوی محمد احتشام الحسن دیوبندی کاندھلوی ص ۱۹، اثبات الاغراض ص ۲۲، مقام رسول ص ۴۶۷، مواہب اللدنیہ ص ۳۸۷ ج ۲، زرقانی ص ۳۰۵ ج ۸ جاء الحق ص ۱۴۸)

قابل قبول نہیں۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ انبیاء کرام کی شان میں گستاخی کرتے ہیں۔جو کوئی گستاخی کرتا ہے وہ واجب القتل ہے۔[1]

(۳)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے آباؤاجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب مؤمن وموحد تھے خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس سے منکر ہیں۔جو کوئی اس سے منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۴)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ سردار دوجہاں حضرت محمد رسول اللہ ﷺ بیمثل بشر اور بے نظیر نور ہیں ۔جبکہ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ رسول اللہ ﷺ کی نورانیت سے انکار کرتے ہیں۔جو کوئی رسول اکرم ﷺ کی نورانیت سے انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۵)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ میلاد النبی ﷺ کا اہتمام کرنا جائز اور مستحب ہے، جبکہ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔جو کوئی میلاد النبی ﷺ کو بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1](خلاصة الفتاوٰی ص ۳۸۶ ج ۴،شفاشریف ص ۲۶۱ ج ۲،کتاب الخراج: ص ۱۴۲ ، ردالمختار، ص ۳۱۹، ج ۳، تمهید الایمان سیدنااعلیٰ حضرت حسام الحرمین ص ۲۷)

[2] (تفسیر خازن ص ۱۱۷ ج ۵،تفسیر صاوی ص ۲۸۷ ج ۳،تفسیر جمل ص ۲۹۶ ج ۳،تفسیر جامع البیان ص ۳۱۴،زرقانی ص ۲۴۳ ج ۵، کشف الغمه ص ۵۱ ج ۲،مدارج النبوت ص ۱۱۶ ج ۱ ،شفاشریف ص ۶۳ ج ۱ ،سیرت رسول عربی ص ۶۴۴)

[3](تفسیر روح المعانی ص ۹۷ ج ۲ پ ۶،تفسیر صاوی ص ۲۷۵ ج ۱ ،تفسیر خازن ص ۴۴۷ ج ۱ ،تفسیر کبیر ص ۳۹۵ ج ۱ ، تفسیر ابن عباس رضی اللہ عنہ ص ۲۷،تفسیر جلالین ص ۹۷)

[4] (نسائی شریف برحاشیه ص ۳۵۶،امدادالفتاوٰی ص ۳۳۷ ج ۶،کلیات امدادیه ص ۸۰، الحاوی للفتاوٰی ص ۱۹۶ ج ۱ ،فتاوٰی حدیثیه ص ۱۵۰ ،سنن الهدیٰ فی متابعة المصطفیٰ ص ۳۸۱،فتاوٰی سلطانیه ص ۵۲۸،فتاوٰی فریدیه ص ۳۱۴ ج ۱ تفسیر روح البیان ص ۲۲۴ ج ۴)

(۶)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ عرس شریف کرنا جائزاور باعث ثواب ہے جبکہ خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ عرس سے منکرہیں۔ جو کوئی عرس شریف کاانکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۷)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ درود تاج پڑھنا جائزاور باعث ثواب وسعادت ہے۔ خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ اسے شرک کہتے ہیں اور جو کوئی اسے شرک سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۸)ہم اہلسنت وجماعت کاعقیدہ ہے کہ مردہ اپنی قبر میں اپنے ملاقاتیوں کو جانتاہے،۔خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ اس کاانکار کرتے ہیں اور جو کوئی انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۹)ہم اہلسنت وجماعت کاعقیدہ ہے کہ قبر میں روح کے تابوت (جسم) کو واپسی حق ہے اور خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ کہتے ہیں کہ مر گیاتو ختم ہو گیا۔جو کوئی روح کا تابوت (جسم) کی طرف واپسی کاانکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

1 (شرح الصدورص ۸۷،المسئلة البيضاء ص ۴۷،فیصله حق وباطل ص۱۵۸ ،جآء الحق ص ۳۰۰،فتاوٰی عزیزیه ص ۹۴،انفاس العارفین ص ۲۸ لشاه ولی الله رحمه الله تعالیٰ،ماثبت بالسنة ص ۵۵،همعات ص۱۶ ،تفسیر کبیر ص ۲۰۰، ج۵،تفسیر ابن جریر ص ۱۴۲ ج۱۳ ،فتاوٰی نوریه ص ۶۳۵ ج۱)

2 (الامن والعلیٰ مصنف اعلیٰ حضرت محمد احمد رضا خان افغانی صاحب رحمه الله تعالی ص ۵ ،السیف المبیر ص ۱۶)

3 (شامی ص ۶۰۴ ج۱ ،تفسیر ابن کثیر ص ۴۸۲ ج۳،شرح الصدور ص ۸۴،الروح لابن قیم ص ۵،تفسیر روح البیان ص ۱۲۵ ج۲،مراقی الفلاح ص ۳۴۱،الحاوی للفتاوٰی ص ۱۷۰ ج۲،تفسیر روح المعانی،سورة روم ص ۸۵ ج۱۱ ،مکتبه حقانیه ملتان)

4 (شرح عقائد الجلالی ص ۱۰۴ ج۲،حاشیه ابی داؤد ص ۲۹ ج۲،اثبات الاغراض ص ۴۵،تسکین الصدور ص ۱۰۱ ،تفسیر ابن کثیر ص ۵۳۱ ج۲، کتاب الروح ص ۵۲،شفاء السقام ص ۱۴۸)

(۱۰)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو کوئی مذاہب اربعہ سے فی زمانہ باہر ہے وہ ضال اور مضل ہے اور اسلام سے خارج ہے۔[1]

(۱۱)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ یوم عاشورہ میں چھولے یا حلیم پکانا جائز اور باعث ایصال ثواب ہے۔اور اس میں اجر عظیم ہے۔اور خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ چھولے اور حلیم پکانے کا انکار کرتے ہیں جو کوئی چھولے اور حلیم پکانے کا انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۱۲)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ صلحاء،علماء اور اولیاء کے مزارات پر عماموں اور کپڑوں کا رکھنا جائز ہے۔اور خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو ناجائز اور بدعت کہتے ہیں۔جو کوئی اسے بدعت اور ناجائز کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۱۳)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ کنکریوں اور تسبیح کے دانوں پر ذکر الٰہی جائز اور باعث ثواب ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ تسبیح کا انکار کرتے ہیں۔جو کوئی تسبیح کے دانوں پر ذکر الٰہی کرنے سے انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

(۱۴)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاً احناف کا یہ عقیدہ ہے کہ امام اور مقتدی کیلئے اقامت کے دوران بیٹھنا اور حی علی الفلاح پر اٹھنا جائز اور مستحب ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اقامت میں

---

[1] (تفسیر صاوی ص ۹ ج۳،البصائر ص ۵۲،تعلیق المجلی شرح منیۃ المصلی ص ۱۵،تشریحات ضیائیہ ص ۱۲۴)

[2] (تفسیر روح البیان ص ۱۴۲ ج۴،نزھۃ المجالس ص ۱۸۳ ج ۱)

[3] (شامی ص ۲۳ ۱ ج ۲،کشف النور ص ۱۴،تنبیہ الضمائر علی رد الزخائر ص ۲۶)

[4] (مستخلص ص ۲۳،شرح الیاس،تبلیغی نصاب ص ۲۲۶،سیف المقلدین ص ۳۷۲،بحر الرائق ص ۲۹ ج ۲،مظاھر حق ص ۲۸۹)

بیٹھنے اور حی علی الفلاح پر اٹھنے کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے بدعت اور ناجائز سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۱۵) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ تعویذ لکھنا اور اس پر شکرانہ لینا جائز اور مستحب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ تعویذ لکھنے کو شرک کہتے ہیں جو کوئی تعویذ کو شرک کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۱۶) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اولیاء کرام کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسہ دینا اور اسی طرح ان کے وصال کے بعد ان کے تبرکات (بال اور کپڑے) وغیرہ چومنا اور ان کی تعظیم کرنا جائز اور مستحب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ہاتھ وغیرہ کو بوسہ دینے اور تبرکات کو چومنے کو حرام اور شرک کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے حرام اور شرک کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۱۷) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جب مؤذن کہنے لگتا ہے اشھدان محمدرسول اللہ اور تو اس کے سننے پر اپنے انگوٹھے چوم کر دونوں آنکھوں پر پھیر ناجائز اور مستحب ہے خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ابھامین کی تقبیل (انگوٹھے چومنے) کو بدعت اور حرام کہتے ہیں، جو کوئی اسے بدعت اور حرام کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1] (بدائع ص ۲۰۰ ج ۱، فتاویٰ عالمگیری ص۵۷، ج ۱، نورالایضاح ص ۶۹ شرح وقایه ص ۱۵۵ ج ۱، فتاوٰ ی ودودیه ص ۱۳۶، کنزالدقائق ص ۲۴)

[2] (منهاج السنن ص ۹۵ ج ۱، بهشتی زیور ص ۱۰۲۶ نواں حصه پشتو، معارف القرآن ص ۵۱۰ ج۵، فتاویٰ عالمگیری ص ۴۲۶ ج ۱، نسائی شریف برحاشیه ص ۱۷۱ ج ۲)

[3] (مشکوٰة ص ۴۰۲، ترمذی شریف ص ۳۳۰، ابن ماجه ص ۲۶، فتاویٰ عالمگیری ص ۴۲۵، جوهرة النیرة ص ۲۸۶ ج ۲، شرح الیاس ص ۱۵۱ ج ۲)

[4] (تفسیرروح البیان سورة مائدة پ۶ ص ۲۶۸، شامی ص ۳۷۰ ج ۱، فتاوٰی واحدی ص ۷۵، تعلیق المجلیٰ شرح منیة المصلیٰ ص ۴۱۶، فتاوٰی مجددیة نعیمیه ص ۳۹۶ ج ۱، علم الفقه)

(۱۸)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاًاحناف کایہ عقیدہ ہے کہ بیس رکعات نمازتراویح سنت رسول اللہ ﷺ، سنت صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین اور سنت مسلمین ہے اورآٹھ رکعات تراویح خلاف سنت ہے۔خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ بیس رکعات تراویح کوبدعت کہتے ہیں،جوکوئی اسے بدعت کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۱۹)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ شفاعت رسول اللہ ﷺ اور عذاب قبر حق ہے۔ خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ اس کے منکرہیں، جوکوئی شفاعت رسول اکرم ﷺ کامنکرہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔اوراس کی اقتداء کرنادرست نہیں اس لئے کہ وہ کافرہے۔[2]

(۲۰)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ غیر اللہ کو نداء کرنا(یارسول اللہ ﷺ)کہنا صحیح اور جائزہے۔اوراہل سنت کاشعارہے۔خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ نداء غیر اللہ کوشرک کہتے ہیں جوکوئی نداءیارسول اللہ ﷺ کوشرک کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۲۱)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاًاحناف کایہ عقیدہ ہے کہ سنت پڑھنے کے بعد جماعت کے ساتھ دعاکرنامستحب اور جائزہے۔خوارج کلاب النارو ہابیہ خبیثہ اس کو بدعت کہتے ہیں۔جوکوئی اسے بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1] (شرح وقایہ ص ۴۹،جامع الرموزص ۹۵،الزیلعی ص ۱۷۸، کبیری ص ۳۴۹،عمدۃالقاری شرح بخاری ص ۳۵۵ ج۵، جآءالحق حصہ دوم ص ۱۰۵)

[2] (خلاصۃالفتاوٰی ص ۱۴۹،فتح القدیر ص ۲۴۷،تسکین الصدور ص ۷۵،فتاوٰیٰ عالمگیری ص ۲۷۴ ج ۲)

[3] (کنوز الحقائق ص ۲۰۴ ج ۲،ادب المفرد ص ۱۴۲،الشفاء ج ۲ ص ۱۱۷،فتح القدیر ص ۲۰۴ شوکانی،البدایہ والنہایہ ص ۳۲۹ ج ۶،ابن الکثیر الکامل فی التاریخ ابن کثیر ص ۲۴۶ ج ۲،طحطاوی ص ۱۱۱،شامی ص ۲۹۳ ج ۱،جلاء الافہام ص ۲۵۸،ابن قیم،تبلیغی نصاب ۹۸ فضائل درود شریف، کلیات امدادیہ ص ۹۱ ص ۲۰۵)

[4] (نورالایضاح ص ۸۰،مراقی الفلاح ص ۷۲،طحطاوی ص ۱۷۱،فتاوٰیٰ نورالہدیٰ،تسہیل المشکوٰۃ ص ۱۲۰،تسہیل ترمذی ص ۳۱۴،ارشادات نصیری،سنن الہدیٰ ص ۲)

(۲۲)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ عمامہ باندھنا طریقۂ سنت ہے خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو بدعت اور ناجائز کہتے ہیں جو کوئی اسے ناجائز سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۲۳)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اذان سے قبل یا بعد میں حضور اکرم ﷺ پر درود وسلام نہ صرف جائز بلکہ مستحب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور ناجائز کہتے ہیں ،جو کوئی اسے بدعت اور ناجائز سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۲۴)ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ ماہ رمضان کی تیئیسویں شب کو سورۃ عنکبوت اور سورۃ روم کی تلاوت کرنا جائز اور مستحب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور ناجائز کہتے ہیں جو کوئی اسے بدعت اور ناجائز سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۲۵)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو علماء، طلباء اور حفاظ صاحبان جب بھی ختم قرآن شریف فرماتے ہیں۔ انہیں بطریق احسان طعام اور روپے پیسے دینا جائز اور مستحب ہے خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور حرام کہتے ہیں جو کوئی بھی اسے بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

1 (اشعۃ اللمعات ص ۵۴۵ ج۳،مظاہر حق ص ۵۵۴ ج۳،مسندالامام اعظم ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ ص ۱۱۶ ،ابن ماجہ (لباس)ص ۲۶۴)

2 (شفاءشریف ص ۱۲۹ ج۲،الجامع الصغیر ص ۱۹ ج۹،القول البدیع ص ۱۹۳ ،فتاویٰ کبریٰ ص ۱۲۹ ج ۱ ،اعانۃ الطالبین ص ۲۲۳ ج ۱ ،تبلیغی نصاب (فضائل درودشریف)ص ۵۲/۷۷،فتاویٰ مجددیہ نعیمیہ ص ۳۷۸،معارف القرآن ص ۱۲۷ ،فتاویٰ نوریہ ص ۱۸۲ ،مسلم شریف ص ۱۶۶)

3 (تفسیر ابی سعود آخر سورۃ العنکبوت ص ۲۶۴ ج۲،تفسیر ابی سعود آخر سورۃ روم ص۲۸۸،جنت الفردوس ص ۶۵ ،ارشادالطالبین ص ۲۳۳ ،انیس الواعظین ص ۳۰)

4 (فتاویٰ عزیزیہ ص ۹ ج ۱ ،حدیقیہ ص ۲۵۶ ،اثبات الاغراض ص ۱۹۵ ،الخیرات الحسان ص ۹۳،قاضی خان ص ۱۹ ،باب الاجارۃ،مجمع الانہار ص ۳۸۴ ج۲ ،درالمختار ص ۴۲۶ ج۲ ،فتاویٰ حامدیہ ص ۱۲۶ ج ۲)

(۲٦)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاً احناف کا یہ عقیدہ ہے کہ مروجہ دورہ اسقاط جائز اور مستحب ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور حرام کہتے ہیں۔جو کوئی اسے بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۲۷)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاً احناف کا یہ عقیدہ ہے کہ نماز جنازہ پڑھنے کے بعد دعا جائز اور مستحب ہے اور خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور حرام کہتے ہیں ۔جو کوئی نماز جنازہ کے بعد دعا کرنے کو بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۲۸)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔اور نماز بھی پڑھتے ہیں ۔(باذان واقامت) خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ حیات الانبیاء علیہم السلام کے منکر ہیں جو کوئی حیات انبیاء کرام کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۲۹)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ مزارات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ پر حاضری دینا خواہ وہ دور ہوں یا نزدیک ،ان کی عزت وحرمت اور برکت پر اللہ سے دعا کرنا اور اپنی حاجات میں انہیں وسیلہ بنانا جائز اور باعث برکت ہے،خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے شرک

---

[1] (طحطاوی مراقی الفلاح ص ۲۳۹،فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۰ ج ۱،خلاصۃ الفتاویٰ ص ۱۹۲،شامی ص ۲۸۷،جامع الفوائد ص ٦۳،تسہیل المشکوٰۃ ص ۱۱۵،البصائر ص ۱۲۹،تسہیل الترمذی ص ۳۱٦)

[2] (مشکوٰۃ شریف ص ۱۳۸،ابوداؤد شریف ص ۲۵٦ ج ۱،ابن ماجہ ص ۱۰۹،شرح الوقایہ المحشی بحواشی جدیدہ ص ۲۲۹،مفتی عبدالرحیم،درمختار ص ۲۲۹،جآء الحق ص ٦۷۴،مبسوط ص ٦۷ ج ۲ باب غسل المیت،اظہار حق ص ۲۹)

[3] (نسائی شریف ص ۲۳۷،البصائر ص ۷،تبلیغی نصاب ص ۲۲، فضائل درود،عقائد علمائے دیوبند ص ۲۲۱،آپ کے مسائل اوران کاحل ص ۵۱۴،۴٦۰،مجمع الزوائد ص ۲۱۱،فتح الباری ص ۴۸۷ج٦،حاشیہ بخاری ص ۵۱۷ ج ۱،الخصائص الکبریٰ ص ۲۸۱،ج ۲،فتح الملہم ص ۴۱۹ ج۳،الحاوی للفتاویٰ ص ۱۸۴ ج ۲،بذل المجہود باب التشہد ص ۱۱۷ ج ۲،فیض الباری ص ۱۸۳ ج ۱)

اور حرام کہتے ہیں ۔جو کوئی اس قسم کی زیارات اور سوال کرنے کو شرک اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۳۰)ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ نماز عیدین کے بعد دعا جماعت کے ساتھ ، روا اور جائز ہے، خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور حرام کہتے ہیں ۔جو کوئی اسے بدعت اور حرام کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۳۱)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ عید کے دن مصافحہ کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے بدعت اور حرام کہتے ہیں ۔جو کوئی اسے بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۳۲)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ ذکر بالجہر جائز اور مستحب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اسے حرام اور بدعت کہتے ہیں جو کوئی اسے بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

(۳۳)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاً احناف کا یہ عقیدہ ہے کہ اگر وصیت کے مطابق مردے کے حق میں خیرات کی جائے یا اس کا بالغ وارث یا غیر وارث بالغ اس کے حق میں پہلے دن یا دوسرے

---

[1] (شامی ص ۸۳ ج ۱ ، فتاویٰ عزیزی ص ۱۷۰ ،تسهيل المشكوٰة ص ۱۵ ،تسهيل الترمذی ص ۳۱۵،تبليغی نصاب ص ۱۳۴ فضائل ذکر،فضائل درود ص ۵۳،منهاج السنن ص ۶۵ ،سيف المقلدين ص ۳۸۲ ج ۲)

[2] (بخاری شريف ص ۱۳۴ ج ۱ ،فيض الباری ص ۴۱۷،تسهيل المشكوٰة ص ۱۲۰ ،بهشتی زيور ص ۸۱ ج ۱۱ بحث عيد)

[3] (قطب الارشاد ص ۲۸۱ ،تسهيل المشكوٰة ص ۸۳،طحطاوی ص ۳۱۹،الادلة الواضحه لاستنان المصافحه ص ۳،فتاویٰ ارشاديه)

[4] (جآء الحق ص ۳۴۴ ج ۱ ،مشكوٰة شريف ص ۸۸،بخاری شريف ص ۱۱۶ ج ۱ ،تبليغی نصاب فضائل ذکر ص ۱۳۲ ،تفسيرات احمديه لملاجيون ص ۲۰۷،تفسير خازن ص ۹۴ ج ۱ ،تفسير کبير ص ۳۴ ج ۲،تفسير روح البيان ص ۳۲ ج ۱)

دن خاص رضائے الٰہی اور میت کی مغفرت کیلئے خیرات کرے بشرطیکہ اس میں ریاء یا مہمان نوازی کا شائبہ تک نہ ہو نہ صرف جائز، باعث ثواب بلکہ مردے کیلئے باعث مغفرت ہے اس قسم کی خیرات کو خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ حرام کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۳۴) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جمعہ کی شب بعد از نماز عشاء سورۃ الملک کا پڑھنا نہ صرف جائز، مستحب بلکہ باعث ثواب بھی ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ شب جمعہ کو سورۃ الملک کی تلاوت کو بدعت کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے بدعت کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۳۵) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو عالم الغیب بالذات ہے اور حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ کو علم غیب عطائی عنایت فرمایا ہے۔ بلکہ رسول اللہ ﷺ کو علم غیب، **ماکان ومایکون** اور **علوم خمسہ** بھی عنایت فرمائے ہیں خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ علم غیب عطائی سے منکر ہیں جو کوئی اس کا منکر ہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۳۶) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ ابن تیمیہ فرقہ مجسمہ میں سے ہے۔ یعنی وہ اللہ پاک کی جسمیت کا قائل ہے اور مجسمہ کافر ہیں خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو شیخ الاسلام کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے شیخ الاسلام کہے یا سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1] (لمعات ص ۱۷۶ ج ۱، فتاوٰی عزیزیہ ص ۴۰ ج ۱، شامی ص ۷۳، تفسیر روح البیان ص ۲۶۹ ج ۲، طحطاوی ص ۳۷۳، ریاض الصالحین ص ۳۷۱، فتح القدیر ص ۳۶۵، کبیری ص ۶۵۸، نسائی برحاشیہ ص ۹۰، شرح الصدور ص ۵۷، تسہیل المشکوٰۃ ص ۱۱۷، تسہیل الترمذی ص ۳۱۹، شرح شرعتہ الاسلام ص ۵۶۸، المتانہ ص ۳۰۹، فتاوی مجددیہ ص ۳۷۰ ج ۱، ص ۲۹۲ ج ۱، ص ۱۹ ج ۱ شرح عین العلم وزین الحلم ص ۳۹۴ ج ۱)

[2] (اعلام المؤمنین ص ۲۶۱، احیاء العلوم ص ۱۱۸، فتاوٰی دستور القضاۃ ص ۴۸)

[3] (بخاری شریف ص ۴۵۳، مشکوٰۃ شریف ص ۵۰۶، مسلم شریف ص ۳۹۰ ج ۲، معالم التنزیل ص ۱ ج ۷، تفسیر صاوی ص ۱۳۹ ج ۲، تفسیر جمل ص ۲۵۳، تفسیر حسینی ص ۲۱۴)

[4] (البصائر لمولوی حمداللہ دیوبندی ص ۱۵۳، نبراس ص ۱۳۹، الجواہر البہیہ، فتاوٰی حدیثیہ ص ۱۱۶)

(۳۷) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ ابن عبد الوہاب نجدی خارجی گمراہ اور گمراہ کرنے والا ہے۔ اور فرقہ خوارج سے ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو مجدد کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے مجدد کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۳۸) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ پیر کامل سے بیعت کرنا نہ صرف جائز بلکہ سنت ہے اور خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو بدعت اور حرام کہتے ہیں، جو کوئی اسے بدعت اور حرام سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۳۹) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ مشائخ عظام، اہل تصوف اور اہل اللہ کا تصرف، توجہ باطنی، سماع، وجد، جذبہ اور حال وسرور، شریعت، طریقت، حقیقت اور معرفت کی حدود میں کلی شرائط وآداب ظاہر وباطن کے ساتھ قلبی اقتضائے عبدیت کے موافق حق ہیں اور صحیح ثابت ہیں۔ منکرین حق خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ہیں۔[3]

(۴۰) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک کو دائرہ اسقاط میں رکھنا جائز اور مستحب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کو نارواء اور بدعت کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے بدعت اور ناجائز کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1] (عقائد علمائے دیوبند ص ۲۲۸، البصائر ص ۱۴۹، نسائی شریف برحاشیہ ص ۳۶۰، الشہاب الثاقب، شامی ص ۳۳۷ ج ۳)

[2] (قطب الارشاد ص ۵۴۳، اثبات الاغراض ص ۱۵۵، آداب المخلصین ص ۲۷، تفسیر احمدی ص، حجۃ السالکین ص ۲۳)

[3] (تفسیر روح المعانی ص ۱۵۵، ص ۸۶ ج ۲)

[4] (البصائر ص ۱۳۸، تسہیل المشکوٰۃ ص ۱۱۵، ارشادات نصیری ص ۳، المدراح السنیۃ ص ۲۹)

(۴۱) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جس کا یہ گمان ہو کہ نبی اکرم ﷺ عام مسلمانوں کی مانند ہیں اور بالکل کسی چیز کے مالک نہیں اور نہ ہی ان کی ذات سے ظاہری اور باطنی نفع ہے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا مسلمان نہیں بلکہ کافر ہے، دائرہ اسلام سے باہر ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کے منکر ہیں۔ جو کوئی اس سے منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۴۲) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ علامات قیامت میں سے ایک نشانی خروج دجال کی ہے اور خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ دجال کے خروج کو افسانہ کہتے ہیں جس طرح ملا مودودی نے اپنی تصنیف ،،رسائل مسائل ،،میں ذکر کیا ہے۔ اسے افسانہ یا کہانی قصہ خیال کرنا قول پیغمبر ﷺ کی تکذیب ہے۔ جو کوئی خروج دجال سے انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۴۳) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ مقبرے کو ہٹانا اور اس پر دکان مکان اور منڈی وغیرہ تعمیر کرنا یا کھیتی باڑی کرنا یا اس میں پیشاب وغیرہ کرنا حرام ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ مقبروں کو ہٹانا اور ان پر تعمیرات کرنا اور پیشاب وغیرہ کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ جو کوئی اسے جائز سمجھے وہ پکا وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۴۴) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ مقبرے سے گھاس، سبز درخت اکھیڑنا اور انہیں بیچنا حرام ہے۔ اس لئے کہ یہ مردوں کا حق ہے اس وجہ سے کہ ہر ایک پتا اور ہر ایک شاخ تسبیح اور ذکر الٰہی کرتے ہیں جس کے سبب ثواب ورحمت مردے کے حق میں پہنچتا ہے اور ان سے عذاب

---

[1] (تفسیر صاوی ص ۱۵۸ ج ۱، ص ۱۶۱، تنویر الایمان ص ۱۰)

[2] (شرح عقائد ص ۱۲۴، نبراس ص ۵۸۵، تحفۃ الاحباب ص ۱۱۸)

[3] (وجوب احترام القرآن والقبور منع وقطع اشجارھا والمرور ص ۲، اھلاک الوھابین ص ۲۹، فتاویٰ عالمگیری وقف مقابر ص ۲۴۳ ج ۲)

دور ہوتا ہے اور یہ پتے اور گھاس پھوس لاکھوں کی تعداد میں ہوتے ہیں غالباً ایصال ثواب اور عذاب بھی لاکھوں میں پہنچ جاتا ہے **(العیاذ باللہ تعالیٰ)**۔

خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ مقبرے سے درخت اور سبز گھاس کاٹتے ہیں، اور جو کوئی مقبرے سے سبز درخت اور سبز گھاس کاٹے اور اسے بیچے یا اس کو جائز کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۴۵) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ رسالت ،ولایت اور کرامت موت واقع ہونے پر باطل نہیں ہو جاتے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ کہتے ہیں کہ رسالت، ولایت اور کرامت موت واقع ہونے پر ختم ہو جاتے ہیں، جس کسی کا یہ عقیدہ ہو گا وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۴۶) ہم اہلسنت وجماعت خصوصاً احناف کا یہ عقیدہ ہے کہ نماز میں ناف سے نیچے ہاتھ باندھنا سنت ہے۔ لیکن خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ناف سے نیچے ہاتھ باندھنے کو حرام سمجھتے ہیں ،جو اسے حرام کہتے ہیں وہ وہابی اور خارجی ہیں۔[3]

(۴۷) ہم اہلسنت وجماعت خصوصاً احناف کا یہ عقیدہ ہے کہ تین بار دعا کرنا جائز اور باعث ثواب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ تین بار دعا کو بدعت کہتے ہیں۔ جو کوئی اسے بدعت کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1] (جمل ص۶۲۷، خازن ص۱۶۶، شامی ص۲۰۶، عالمگیری ص۲۳۳)

[2] (شامی ص۳۳۷ ج۳، عمدۃالرعایۃ ص۳۵۴، ج۲، اثبات الاغراض ص۶۰)

[3] (قدوری ص۴۰، نورالایضاح ص ۶۹، کنزالدقائق فصل ارادالدخول فی الصلوٰۃ ص ۵۷، مستخلص الحقائق ص۱۷۲، ہدایۃ باب صفۃ الصلوۃ ص۴۰۶)

[4] (بخاری شریف، ص۹۴۵، اثبات الاغراض ص۱۴۲، البصائر ص۱۲۴، اعلام المؤمنین ص۳۷ ج۲)

(۴۸)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاًاحناف کا یہ عقیدہ ہے کہ طعام کے شروع اورآخر میں نمک چکھنا جائز اور مستحب ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ نمک چکھنے کو ناجائز کہتے ہیں۔جو کوئی نمک کے استعمال کو ناجائز سمجھے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۴۹)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ دعا سے پہلے اوربعد میں درود شریف کا پڑھنا جائز،باعث ثواب اور باعث قبولیت ہے خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس سے انکار کرتے ہیں جو کوئی اس کا انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۵۰)ہم اہلسنت وجماعت خصوصاًاحناف کا یہ عقیدہ ہے کہ ننگا سر نماز پڑھنا مکروہ ہے اور یہ یہود ونصاریٰ کا فعل ہے کیونکہ وہ بھی ننگے سر نماز پڑھتے تھے خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ننگے سر نماز پڑھتے ہیں اور یہ عمل کرنا فقہ کی مخالفت ہے اوروہابی اور خارجی فقہ کی مخالفت کرتے ہیں اور جو کوئی فقہ کی مخالفت کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۵۱)ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ سنت ایک اہم عبادت ہے۔یہ سفر میں بھی ادا کرنا ضروری ہے۔اگر گاڑی جانے کا خوف نہ ہو تو اس کا ادا کرنا لازمی ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ لوگوں کو سفر میں سنت پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔جو کوئی سنت پڑھنے سے منع کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

[1] (خلاصۃالفتاوٰی ص ۳۶۰ ج ۲،الحجج البینات فی ثبوت الاستعانۃ من الاموات المعروف بدلائل السیفیہ ص ۱۱۶)

[2] (مشکوٰۃ شریف ص ۸۷،ھدایہ ص ۲۴۳ ج ۱،الجوھرۃ النیرۃ ص ۱۲۹،فتاوٰی مجددیہ ص ۴۰۹)

[3] (شرح المنیہ ص ۳۴۹،مقالات کوثری ص ۱۷۳،سنن الکبریٰ ص ۲۳۶ ج ۲،)

[4] (فتاوٰی ھندیہ ص ۱۳۹ ج ۱،شرح تنویر ص ۵۸۵،بحر الرائق ص ۱۳۶ ج ۲،ردالمحتار ص ۵۳۱ ج ۱،شرح منیہ ص ۵۳۰ ج ۱)

(۵۲)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ نعت خوانی ہر زبان میں جائز ہے۔اور خصوصاًوہ اشعار جو حضوراکرم ﷺ کے معجزات وکمالات پر مشتمل ہوں وہ باعث ثواب اور فلاح ہیں ۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ نعت خوانی سے انکار کرتے ہیں جو کوئی نعت خوانی سے انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۵۳)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضوراکرم ﷺ خاتم النبیین ہیں اور یہ مسئلہ قرآن پاک اور کثیر احادیث سے ثابت ہے اوراس سے انکار کرنا صریح کفر ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ حضوراکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے سے انکار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ عوام کا خیال ہے۔جو کوئی اس طرح کہے وہ وہابی اور خارجی ہے اور اسلام کے دائرے سے باہر ہے۔[2]

(۵۴)ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ بدعت کی پانچ اقسام ہیں:

(۱)حرام (۲)واجب (۳)مندوب (۴)مباح (۵)مکروہ

خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ بدعت کی اقسام سے انکار کرتے ہیں ۔جو کوئی بدعت کی اقسام کا انکار کرتا ہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

---

1 (معارف السنن ص ۳۵۸ ج ۲،الصارم المسلول ص ۴۳۴،کشف الخفاء ص ۲۔۱۰،دیوان حسان)

2 (مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۱ ج ۲،مسلم شریف ص ۲۴۸ ج ۲،بخاری شریف ص ۵۰۱ ج ۱،مسندابوعوانہ ص ۳۹۵ ج ۱، ابوداؤد ص ۲۲۸ ج ۲،ترمذی ص ۴۵ ج ۲،مقالات غازی ص ۹۸)

3 (شامی ص ۳۹۳،صراط مستقیم ص ۷۷،الحاوی للفتاوٰی ص ۳۴۸ ج ۱،البصائر ص ۱۷۴،نیل الاوطار ص ۵۷ ج ۲،النہایہ ص ۱۰۶،۱۰۷،حاشیہ مشکوٰۃ ص ۲۷،اقامۃ الحجۃ ص ۵،جامع الکمالات ص ۸۰،مقالات غازی ص ۷۶،فتاوٰی مجددیہ ص ۴۴۱ ج ۱،سنن نسائی ص ۳۵۶ ج ۲ بر حاشیہ نمبر ۱)

(۵۵)ہم اہلسنت وجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام ،اولیاء کرام اور علماء المشہورین کے مزارات پر گنبد بنانا جائز ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کا انکار کرتے ہیں ۔جو کوئی اس کا انکار کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۵۶)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن پاک میں ایک حرف زیادہ کرنا یا کم کرنا یا کسی حرف کو دوسرے حرف سے بدل دینا جان بوجھ کر یہ کفر ہے۔لہذا ''ضاد'' کی جگہ ''ظاد'' پڑھنا کفر ہے۔ ایسے شخص کی امامت بھی جائز نہیں ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ''ضاد'' کی جگہ ''ظاد'' پڑھتے ہیں۔جو کوئی یہ عمل کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۵۷)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جاہل کا تبلیغ کرنا زنا سے بھی بدتر ہے۔جیسا کہ فتاویٰ رضویہ میں لکھاہے کہ ،،اوریقیناً عوام کا حق یہ ہے کہ ایمان اوراسلام لانے کے بعد اپنی عبادات اور معاش دنیامیں مصروف عمل رہے اور علم کو علماء کے ذمہ رہنے دیں۔پس کوئی عامی زنااور چوری کرے یہ اس کیلئے تکلم فی العلم (مبنی برجہالت) سے بہتر ہے۔اگرچہ وہ بھی گناہ کبیرہ ہے۔کیونکہ اللہ تعالیٰ اوراس کے دین میں اتقان فی العلم کے بغیر باتیں کرنے والا کفر میں واقع ہو جاتا ہے اوراسے اس امر کا پتہ نہیں چلتا(من حیث لایدری)جیسا کہ دریا کی لہر میں کود پڑے درآں حالانکہ اسے تیر نانہ آتا ہو۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ بغیر علم کے تبلیغ کرتے ہیں جو کوئی بغیر علم کے تبلیغ کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

---

[1] (مرقاۃ ص ۶۹ ج۴،شامی ص ۲۳ ۱ ج ۱ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ ،کشف النورص۱۳۔۱۴،روح البیان ص ۴۰۰ ج۳،تشریحات ضیائیہ ص ۲۱۶)

[2] (شرح فقہ اکبر لملاعلی قاری ص ۲۰۱ ،فصول عمادی ص ۵۲۶،بحر الرائق ص ۱۲۴ ج۵،بحث الفاظ الکفر،جامع الفصولین ص ۳۱۶،اعلام المؤمنین ص ۱۱۷)

[3] (فتاویٰ رضویہ ص ۲۱۵ ،ج ۱۰ ،احیاء العلوم ص ۳۹ ج۳)

(۵۸)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ ثواب وعذاب اورواجب کر دینااور حرام کر دیناوغیرہ عقل سے ثابت نہیں ہو سکتا بلکہ شرع سے ثابت ہو تا ہے۔اور معتزلہ احکام عقل سے ثابت کرتے ہیں نہ کہ شرع سے۔جو کوئی احکام عقل سے ثابت کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۵۹)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ معتزلہ، مجوسیوں سے بھی بدتر ہیں۔کیونکہ معتزلہ دعااورایصال ثواب کے منکر ہیں۔جو کوئی ایصال ثواب کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۶۰)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ داڑھی اور سر کے بالوں پر کالارنگ لگاناحرام ہے۔علامہ ابن حجر مکی نے اسے گناہ کبیرہ کہاہے۔ صرف مجاہدین کیلئے اجازت ہے۔[3]

(۶۱)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ پاک غذاپاک لوگوں کیلئے ہے اور ناپاک اور خبیث غذاناپاک اور خبیث لوگوں کیلئے ہے۔ کواخبیث اورناپاک ہے اس کا کھاناپاک مومن کیلئے ناجائز ہے۔اوراس کا کھانے والا حرام خوراورعذاب کا مستحق ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ کواکھانے کو جائزاورباعث ثواب کہتے ہیں۔جو کوئی کواکھانے کو جائزاورباعث ثواب کہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

(۶۲)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ولیوں کو جو کرامات عطافرمائی ہیں۔ ان میں سے ایک کرامت یہ ہے کہ بیک وقت متعدد مقامات پر متعدداجساد کے ساتھ

---

[1] (نبراس ص ۴۹۰،تفسیر خازن ص ۱۲۱)

[2] (ابن ماجہ ص ۱۱۰ حاشیہ،نماز جنازہ کے بعد کی دعا کاحکم ص ۲۱)

[3] (سنن نسائی ص ۲۷۷،احیاءالعلوم ص ۱۴۳ ج ۱،شرح صحیح مسلم ص ۲۱۴ ج ۲،سنن ابوداؤد ص ۲۲۲ ج ۲،الترغیب والترھیب ص ۲۸ ج ۳،خلاصۃ الفتاوٰی مع مجموعۃ الفتاوٰی ص ۳۵۱ ج ۴،جامع الاحادیث ص ۲۳ ج ۴،مجمع الزوائد ص ۱۶۱ ج ۵،مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۵۲،مسندلاحمدبن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ص ۲۴۷ ج ۳،کنز العمال ص ۱۷۲ ج ۶،الجامع الصغیر للسیوطی ص ۱۲۹ ج ۱،غنیۃ الطالبین ص ۱۶ ج ۲،فتاویٰ عالمگیری ص ۳۶۹ ج ۵)

[4] (ابن ماجہ ص ۲۴۱،فتاوی فیض نقشبندیہ ص ۲۵۶)

ظاہر ہو جاتے ہیں ۔اس کرامت کو تعدد اجساد کہا جاتا ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کے منکر ہیں۔جو کوئی اس کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۶۳)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ امام مسلم کے استاد ابوزرعہ الرازی رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایاہے کہ جب تم کسی ایسے شخص کو دیکھو جو صحابہ کرام میں سے کسی کی تنقیص کرتا ہے تو جان لو کہ یہ شخص زندیق ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ حق ہیں۔ قرآن حق ہے اور جو کچھ اس میں ہے وہ بھی حق ہے اور یہ سب ہمیں صحابہ کرام کے توسط سے ملا ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی شان میں تنقیص کرتے ہیں،جو کوئی صحابہ کی شان میں تنقیص کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(۶۴)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ علماء حقانی اہل سنت وجماعت کی توہین کرنا(اہانت واحتقار)یہ کفر ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ علماء حقانی کی توہین کرتے ہیں۔جو کوئی علماء حقانی کی توہین کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(۶۵)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوۃ والسلام قبل از نبوت اور بعد از نبوت تمام صغائر اور کبائر سے پاک ہیں۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کے منکر ہیں جو کوئی اس کا منکر ہے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

1 (تفسیرروح البیان ص۲۱۵ ج۹،الحاوی للفتاوٰ ی ص ۳۴۲ ج ۱،تفسیرمظھری ص ۲۷۷ ج۳،تفسیرروح المعانی ص۳۵ ج۲۲،الیواقیت والجواھر ص ۲،جمال الاولیاء ص۱۸۸)

2 (الصواعق المحرقہ ص ۲۱۱،مقدمۃ العواصم من القواصم ص۴۳)

3 (فتاویٰ عالمگیری ص ۸۹۰ ج۲،شرح فقہ اکبر ص ۲۱۱،الاشباہ والنظائر ص۱۷۸،بحرالرائق ص ۱۲۴ ج۵)

4 (مجموعۃ الرسائل الشامی ص ۳۱۳ ج۱،تحفۃ الاعالی ص ۳۵،اشعۃ اللمعات ص ۴۳۱ ج۱،شرح العقائدالنسفیۃ ص ۱۰۲،نبراس ص ۴۵۵،حاشیۃالامیر ص ۹۶،شرح المواقف ص ۲۲۸)

(٦٦) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی زیارت سے بحالت بیداری بعض کاملین مومنین مشرف ہوتے ہیں۔ اور بہت سے اولیاء اللہ نے حضور اکرم ﷺ کو بحالت بیداری دیکھا ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ بحالت بیداری دیدار نبی ﷺ سے منکر ہیں۔ جو کوئی اس کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(٦٧) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ دعا بعد ختم قرآن مستحب ہے اور یہ دعا مستجاب ہے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کے منکر ہیں۔ جو کوئی اس کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[2]

(٦٨) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ مؤمنین کی روحیں شب جمعہ، جمعہ کے دن، رمضان المبارک، عیدین کے دن، شب برأت اور عاشورہ کے دن اپنے گھروں میں آتی ہیں۔ اور گھروں کے دروازوں کے پاس کھڑی ہو جاتی ہیں اور غمناک آواز سے کہتی ہیں کہ اے ہماری اولاد اور قریبیو ہم پر مہربانی کرو اور ہمارے لیے صدقہ کرو۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ ارواح کا اپنے گھروں میں آنے کا انکار کرتے ہیں۔ جو کوئی اس کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[3]

(٦٩) ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ حدیث ضعیف فضائل میں معتبر ہے۔ اس پر عمل کرنا چاہیئے۔ خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ اس کے منکر ہیں جو کوئی اس کا منکر ہو وہ وہابی اور خارجی ہے۔[4]

---

1 (فیض الباری ص ٢٠٤ لکشمیری، الحاوی للفتاویٰ ص ٣١١ ج ٢، ص ٤٤٤ ج ١، کلیات امدادیه ص ٧٩، تنویر الصدور ص ١١، سعادت الدارین ص ٤٢٢، تنویر الایمان ص ١٤، فتاؤ ی حدیثیه ص ٥٦، ٢٥٥، فتاویٰ فیض نقشبندیه ص ١٧٥)

2 (مجمع الزوائد ص ١٧٢ ج ٧، مطبوعة مصر، دارمی شریف ص ٤٤٠، گیارهویں شریف ص ٣٧٠، کتاب الاذکار للنووی)

3 (تفسیر روح البیان ص ٣٦٦، ج ٤، تذکرة الموتیٰ والقبور ص ٢٨، حاشیه نسائی شریف ص ٢٨٥ ج ١، اشعة اللمعات شرح مشکوة ص ٧٤٠ ج ١)

4 (شامی ص ٢٩ ج ١، وایضاً ص ٢٩ ج ١، میزان الشعرانی ص ٥٥، اعلام المومنین ص ٩٦، روح البیان ص ٢٧٣ ج ٢، اشعة

(۷۰)ہم اہلسنت وجماعت کاعقیدہ ہے کہ قرآن مجید کی تفسیر بالرائے کفر ہے۔خوارج کلاب النار وہابیہ خبیثہ تفسیر بالرائے کرتے ہیں۔ جو کوئی بھی تفسیر بالرائے کرے وہ وہابی اور خارجی ہے۔[1]

(۷۱)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے کہ جو خلافتِ شیخین کاانکار کرے یاان سے بغض رکھے وہ کافر ہے، اسلام کے دائرے سے باہر ہے اور ایسے لوگوں کی توبہ بھی قبول نہیں۔روافض شیخین کی خلافت کاانکار کرتے ہیں اوران سے بغض رکھتے ہیں لہذاوہ اسلام کے دائرے سے باہر ہیں۔[2]

(۷۲)ہم اہلسنت وجماعت کا عقیدہ ہے اوراس پر علماءکااجماع ہے کہ جوان روافض کے کفر میں شک کرے یاتوقف کرے وہ ان کی طرح کافر ہے۔[3]

اللمعات ص۷

[1] (شرح فقہ اکبر ص ۱۵۴،مطبوعۃ مصر،مکتوبات شریف ص ۴۵ ج ۲)

[2] (اشباہ والنظائر،تنویر الابصار متن،درمختار مطبع ہاشمی ص ۳۱۹)

[3] (تنقیح الحامدیہ فتاویٰ رضویہ)

مکتوب نمبر ۱۱۳

[جمال الدین حسین کولابی کی طرف صادر ہوا:

مبتدی کے جذبہ اور منتہی کے جذبہ کے درمیان فرق کے بیان میں۔ اور اس اَمر کے بیان میں کہ مجذوبوں کو اولاً صرف روح کا شہود نصیب ہوتا ہے، جو قلب سے اوپر ہے۔ اور وہ روح کے اسی شہود کو حق جل شانہٗ کا شہود خیال کر لیتے ہیں۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی

جذب و کشش صرف مقام فوق تک ہوتی ہے۔ فوقِ فوق تک نہیں ہوتی۔ اور یہی صورتِ حال شہود وغیرہ میں ہے۔ پس سلوک طے نہ کئے ہوئے مجذوب جو مقامِ قلب میں ہیں ان کا انجذاب صرف مقامِ روح تک ہے جو قلب سے اوپر مقام ہے۔ ذاتِ حق تک کشش وانجذاب منتہی لوگوں کا جذبہ ہے جس سے اوپر کوئی مقام نہیں۔ اور ابتدائی جذبہ میں صرف انسانی روح کا شہود ہوتا ہے۔ اور چونکہ روح اپنی اصل صورت میں موجود ہے:

اِنَّ اللّٰہَ خَلَقَ اٰدَمَ عَلٰی صُوْرَتِہٖ۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا فرمایا۔

لٰہذا روح کے شہود کو حق تعالیٰ و تقدس کا شہود سمجھ لیتے ہیں۔]

تشریح

یہ مکتوب خالصتاً سلوک اور معارفِ لدنیہ پر مشتمل ہے۔ جس میں سالکینِ طریقت کو دورانِ سلوک پیش آنے والی کیفیات کو بیان کیا گیا ہے سالک دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک مجذوبِ سالک اور دوسرا سالکِ مجذوب اور ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

یہاں مجذوب کو بیان کرنا مقصود ہے۔

جذب کے دو درجے ہیں: ایک جذبِ ابتدائی یا جذبِ صوری اور دوسرا جذبِ انتہائی یا جذبِ حقیقی۔

جذبِ صوری شیخِ مقتدا کی صحبت وتوجہ سے پیدا ہوتا ہے اور کسی بھی وقت ختم ہو سکتا ہے اس جذبہ والے سالک کے لطائف مکمل نہیں ہوتے اور ان کی رسائی قلب تک محدود رہتی ہے ہاں اگر بہت زیادہ کوشش وزاری کریں تو مقامِ روح تک پہنچ سکتے ہیں۔ ان کو اگر مشاہدے کی دولت نصیب ہو جائے روح کے مشاہدے میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور چونکہ روح کو بھی ایک طرح کی بے چونی وبے کیفی حاصل ہے اس لئے سالک اپنی روح کو ہی خالقِ حقیقی سمجھ لیتے ہیں۔ اور یہی وہ خطرناک مقام ہے جہاں سالک کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ میں اپنی روح کو خدا سمجھ کر دس سال تک اس کی عبادت کرتا رہا۔ پھر اگر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا فضل شاملِ حال ہو جائے تو اس مجذوب کو اس مقام سے ترقی دے کر جذبِ حقیقی کی طرف کھینچ لیتا ہے ورنہ اُسی مقام میں بند ہو جاتا ہے۔ اسی کو مقامِ فوق کہا جاتا ہے۔

اور فوق الفوق تو وہ مقامات ہیں جنہیں یا تو بیان ہی نہیں کیا جا سکتا یا پھر بیان کرنا خطرے کا سبب ہے کہ انہیں سمجھنا عوام وخواص کا کام نہیں بلکہ اخص الخواص کی خاصیت ہے۔

ابتدائی سالک کو جذبہ کا یہ درجہ اس لئے عنایت کیا جاتا ہے کہ اس میں شوق وذوق پیدا ہو اور مقاماتِ سلوک کو طے کرنے میں آسانی ہو ورنہ یہ جذبہ مقصود ومطلوب نہیں ہے بلکہ صرف نشانِ راہ ہے۔ توحیدِ وجودی اسی راہ میں پیش آتی ہے۔ اس درجے کے سالک کے بقیہ لطائف بھی اگر طے ہو جائیں تو وہ صرف ظلی طور پر ہی ذاکر ہوتے ہیں حقیقی نہیں ہوتے۔ سالکوں کی اکثریت جذبہ کے اسی

درجے میں ہے اور بہت ہی کم وہ خوش نصیب سالک ہیں جنہیں اس مقام سے ترقی دے کر جذبِ حقیقی عنایت کیا گیا ہے۔

جذبِ حقیقی کا مقام مقامِ روح سے آگے شروع ہوتا ہے ایسے سالک کو اگر روح کا مشاہدہ ہو تو وہ جان لیتا ہے کہ یہ میری روح ہے نہ کہ اللہ احکم الحاکمین کیونکہ وہ ذاتِ بابرکات تو بے مثل و بے کیف ہے جسے عالمِ امکانات کے ساتھ کسی بھی طرح کی مناسبت نہیں ہے۔ اسی راستے میں وحدت الشہود کا معاملہ پیش آتا ہے اور عالی مقامات عنایت کئے جاتے ہیں اور اسی کے لطائف کو ذکرِ حقیقی اور دوامِ حضور نصیب ہوتا ہے سالکوں کی تربیت ورُشد وہدایت کے لئے جذبِ حقیقی کے ایسے حامل کا وجود گوہرِ نایاب ہے اور اگر فضلِ ایزدی سے کسی کو نصیب ہو جائے تو اس کی مجلس کو اختیار کر لینا چاہیئے۔

[اور جبکہ روح کے لئے عالمِ اجسام کے ساتھ ایک گونہ مناسبت ثابت ہے تو کبھی اس شہود کو شہودِ احدیت در کثرت کہتے ہیں اور کبھی معیت کے قائل ہوتے ہیں۔ حق جل وعلا کا شہود فنائے مطلق کے حصول کے بغیر جو انتہائے سلوک پر متحقق ہوتی ہے متصور نہیں۔

ہیچ کس را تا نگردد او فنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

ترجمہ: بندے کو جب تک فنا حاصل نہ ہو، بارگاہِ کبریا تک راستہ نہیں پا سکتا۔

اور اس شہود کا عالم کے ساتھ کچھ تعلق نہیں۔ دونوں شہودوں میں فرق یہ ہے کہ اگر عالم کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے مناسبت رکھتا ہو تو وہ شہودِ حق تعالیٰ نہیں۔ اور اگر بے مناسبت ہے تو شہودِ الٰہی ہے جلّ وعلا۔ شہود کا اطلاق تنگیٔ عبارت کے باعث ہے۔ ورنہ اس کی طرف نسبت بھی اس کی ذات پاک کی طرح بے کیف و بے مثل ہے۔

چون راب بے چون راہِ نیست

ترجمہ: مثل کو بے مثل ذات کی طرف راستہ نہیں مل سکتا۔

بادشاہ کی عطاؤں کو اسی کی سواریاں اٹھا سکتی ہیں۔]

تشریح

شہودِ وحدت در کثرت سے مراد یہ ہے کہ سالک ہر چیز میں اور ہر سو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا مشاہدہ کرتا ہے، اسے وحدت الوجود بھی کہا جاتا ہے اور یہ سلوک کی ابتدائی اور وسطی حالت میں پیش آنے والی کیفیت ہے۔ حق الیقین کے مرتبہ کو پہنچنے کے بعد وحدت الوجودی حالت طاری نہیں ہوتی۔
(دار المعرفت، جلد سوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب کوئی شخص کامل مکمل کسی سالک کو داخل بیعت کے بعد توجہات قدسیہ سے نوازتا اور اسے ذکر تلقین کرتا ہے تو سالک کو عالم بالا کی طرف جذب و کشش میسر ہوتی ہے یعنی سالک عالمِ امر کے کے لطائفِ خمسہ (قلب، روح، سر، خفی اور اخفٰی) تدریجاً طے کرتا ہے۔ ان لطائف کی سیر کے دوران سالک کو جو جذب میسر ہوتا ہے وہ جذب مبتدی ہوتا ہے جو ابتدائے سلوک میں اسے دیا جاتا ہے تاکہ سلوک طے کرنا اس کے لئے آسان ہو جائے۔ یہ جذبہ بدایت امام الطریقہ غوث الخلیقہ حضرت شاہ نقشبند بخاری قدس سرہٗ العزیز کا اپنے سلسلہ نقشبندیہ کے مریدوں کے لئے تحفہ و خیرات ہے تاکہ کوئی مرید جذبہ کی لذت چکھے بغیر نہ مر جائے۔ اسی دوران سالک پر توحید وجودی جلوہ گر ہوتی ہے، جس میں وہ چون اور بے چون کے درمیان امتیاز نہیں کر سکتا، بنابریں کبھی عینیت اور معیت کا قول کرتا ہے اور کبھی شہود روح کو مشاہدۂ ذات سمجھ کر اس کی عبادت شروع کر دیتا ہے۔

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

بعضی از مشائخ گفتہ اند کہ سی سال روح را بخدائی پرستیدم وچون ازاں مقام گذرانید حق از باطل جدا شد۔

یعنی بعض مشائخ نے کہا ہے کہ میں تیس سال تک روح کو خدا سمجھ کر پرستش کرتا رہا اور جب اس مقام سے آگے گزار دیا گیا تب حق باطل سے جدا ہوا۔[1]

حالانکہ مشاہدۂ ذات کا حصول فنائے مطلق کے بغیر متحقق نہیں ہوتا۔بقول شاعر:

ہیچ کس راتانگرددا وفنا نیست رہ در بارگاہِ کبریا

جبکہ عارف جذبۂ بدایت میں عالمِ وجوب کا مشاہدہ کرتا ہے فلہٰذا توحید وجودی کے تصورات وتوہمات سے رہائی حاصل کرلیتاہے کیونکہ عالمِ امکان،عالمِ وجوب کے ساتھ کوئی مشابہت نہیں رکھتا، یہاں توحیدِ شہودی جلوہ گر ہوتی ہے جو اقربیت کا مرتبہ ہے۔جیسا کہ آیتِ کریمہ: نَحنُ أَقْرَبُ إِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيدِ (ق ۱٦) سے عیاں ہے۔اس مرتبے میں عارف بندے کو بندہ ملاحظہ کرتا اور حق کو حق سمجھتاہے۔یہ مقام صحو ہے جو نبوت و شریعت کا مرتبہ ہے۔جبکہ توحیدِ وجودی مقامِ قرب ہے جہاں حضرت محی الدین ابن عربی قدس سرہٗ العزیز جلوہ افروز ہیں۔

چنانچہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز رقم طراز ہیں:

شیخ با این گفتگو و با این شطح خلاف جواز از مقبولان بنظر می درآید ودر عداد اولیاء مشاہد می گردد۔

---

[1](مبداءومعادمنہا،ص ۱۳)

یعنی شیخ اس قسم کی گفتگو اور شطحیات کے باوجود مقبولین میں نظر آتے ہیں اور زمرۂ اولیاء میں شمار مشاہدہ ہوتے ہیں۔[1]

لیکن یاد رہے کہ مقامِ قرب مقام ولایت ہے جو سُکر کی آمیزش رکھتا ہے جبکہ مقامِ اقربیت کمالاتِ نبوت سے مزین ہے اور مرتبہ ٔصحو ہے۔

بینہ

یہ امر مستحضر رہے کہ اربابِ طریقت نے روح کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔روح حقیقیہ ۲۔روحِ منفوخہ

روحِ حقیقیہ

یہ عالمِ امر کے لطائف میں سے ایک لطیفہ ہے جسے امرِ ربی کہا گیا ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: قُلِ الرُّوحُ مِنْ أَمْرِ رَبِّي (بنی اسرائیل ۸۵) سے عیاں ہے۔

روحِ منفوخہ

یہ وہ روح ہے جو بذریعہ فرشتہ شکمِ مادر میں موجود بچے میں پھونکی جاتی ہے۔ جیسا کہ آیتِ کریمہ: وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي (ص ۷۲) سے مفہوم ہوتا ہے اور اس کا قبض کر لینا موت کا باعث ہوتا ہے۔ واللہ اعلم بحقیقۃ الحال

بیہقیٔ وقت حضرت قاضی ثناء اللہ مجددی پانی پتی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ آیہ کریمہ: وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوحِي (ص ۷۲) کی تفسیر کرتے ہوئے رقم طراز ہیں، چنانچہ اردو تلخیص ملاحظہ ہو:

---

[1](مکتوبات، دفتر سوم، مکتوب ۷۷)

روح کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ روحِ علوی ۲۔ روحِ سفلی

روحِ علوی حق تعالیٰ کی مخلوق تو ہے لیکن مادی نہیں بلکہ مجرد ہے، نظرِ کشفی سے جس محل عرش کے اوپر معلوم ہوتا ہے۔ حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ بھی روح کے مجرد ہونے کے ہی قائل ہیں جبکہ جمہور متکلمین کے نزدیک یہ جسم لطیف ہے جو اپنی ماہیت وصفت کے اعتبار سے دیگر اجسام سے مختلف ہے اور جسم میں یوں حلول کئے ہوئے ہے جیسے زیتون کے دانہ میں تیل یا کوئلہ میں آگ۔

روحِ سفلی اس لطیف بخار کو کہتے ہیں جو عناصرِ اربعہ (آب، خاک، نار، باد) سے پیدا ہوتا ہے اسی کو نفس بھی کہا جاتا ہے، یہی سفلی روح، علوی روح کا آئینہ ہے جس میں وہ ظاہر ہوتی ہے۔ روح کو حق تعالیٰ نے جو اپنی طرف مضاف فرمایا ہے یہ اضافت تبعیضیہ نہیں بلکہ یہ اضافت تشریفیہ ہے جو اس کی شرافت وکرامت پر دال ہے۔ جس طرح بیت اللہ اور ناقۃ اللہ وغیرہا کہا جاتا ہے اسی اضافت کی بدولت تجلیاتِ رحمانیہ کی قبولیت کی استعداد محض اسی میں پائی جاتی ہے اور اسی بناء پر اسے خلافت کا مستحق قرار دیا گیا اور نورِ معرفت اور نارِ عشق کا اہل ٹھہرا اور تجلیاتِ ذاتیہ وصفاتیہ وظلالیہ کا مہبط بنا۔

ملاحظہ ہو:

صار مستحقًا للخلافة أهلا لنور المعرفة ونار العشق ومهبطا للتجليات الذاتية والصفاتيةوالظلالية۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۳۷۷تا۳۸۰)

[1](تفسیرِ مظهری، ج ۱، ص ۲۰۲، ناشر: مکتبۃ رشدیہ)

مکتوب نمبر ۱۱۴

[صوفی قربان کی طرف لکھا گیا:

حضور سید المرسلین علیہ و علیہم وآلہٖ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر اُبھارنے کے بیان میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہم بے سر وسامان مفلسوں کو سید اولین وآخرین کی اتباع کی دولت سے سرفراز فرمائے اور اس پر استقامت نصیب کرے۔

آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم وہ بلند ہستی ہیں کہ آپ کی دوستی کے طفیل رب تعالیٰ اپنے اسمائی اور صفاتی کمالات کو میدانِ ظہور میں لایا اور آپ کو تمام کائنات میں بہترین قرار دیا، علیہ من الصلوات افضلہا ومن التسلیمات اکملہا۔ آپ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دُنیوی لذتوں اور اُخروی نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے۔ فضیلت روشن سُنت کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے، اور بزرگی آپ کی شریعت کی بجاآوری کے ساتھ مربوط ہے۔ علیہ وعلیٰ آلہٖ الصلوٰۃ والتحیہ۔]

تشریح

بنی نوع انسان کو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے تمام تر مخلوقات سے زیادہ فضیلت وشرف بخشا ہے حتٰی کہ نورانی مخلوق یعنی ملائکہ سے بھی افضل قرار دیا۔ اسی مناسبت سے انسان کو اشرف المخلوقات کہا گیا ہے۔ پھر انسانوں میں بھی درجات بنائے تو عام مسلمانوں کو کفر وشرک کی پراگندگیوں میں ملوث کفار سے بلند درجہ دیا، کیونکہ عام درجہ کے مؤمن کے دل میں بھی نورِ ایمان تو موجود رہتا ہے، اور متقی مؤمنوں کو عام مسلمانوں سے بلند درجات نصیب فرمائے۔ ارشاد فرمایا کہ: إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (الحجرات ۱۳) پھر متقی مؤمنوں سے بلند درجہ گروہِ اولیاء اور اولیاء کرام سے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فضیلت بخشی اور اصحابِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے دیگر تمام انبیاء

علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اعلیٰ مراتب وفضیلت عطا فرمائی۔ ان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو گناہِ صغیرہ وکبیرہ سے معصوم بنایا اور اپنے اعلیٰ ترین قُرب کے شرف سے نوازا۔ اور دُنیا کے اس عظیم ترین گروہِ انبیاء سے ایک ہی ہستی کو چُنا جسے دُنیا "محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم" و"احمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم" کے نام سے جانتی ہے۔ سبحان اللہ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خود حدیثِ قدسی میں وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ:

لو لاک لما خلقت الافلاک۔

ترجمہ: اگر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم (پیدا کیئے جانے والے) نہ ہوتے تو میں آسمانوں کو پیدا نہ کرتا (یعنی دنیا کو وجود میں نہ لاتا)۔ [1]

معلوم ہوا کہ تمام ترجہاں اپنے وجود کے لئے سرورِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے وجودِ مبارک کا محتاج ہے۔ پھر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اس سے زیادہ واضح مفہوم میں فرمایا کہ:

ولما أظهرت الربوبية۔

ترجمہ: اور اپنی ربوبیت کا اظہار نہ کرتا۔ [2]

گویا مخلوقاتِ کُل جہان کو اپنے خالق ومالک ہونے کا علم بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی وجہ سے دیا گیا۔

تو یہ چند سطریں محض حصولِ نسبت کے لئے لکھی ہیں ورنہ تاجدارِ دوعالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی ذاتِ مقدسہ تو وہ مفہوم ہے جسے خود اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے علاوہ کوئی بشر بیان کرنے کی لیاقت نہیں رکھتا۔ ہم کم مایہ وبے سر وسامانوں کو یہی نسبت کافی ہے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے محض

---

[1] (تفسیر مظهری، ج ۱، ص ۴۲۵۴، ناشر: مکتبۃ رشدیه)

[2] (تفسیر مظهری، ج ۱، ص ۴۲۵۴، ناشر: مکتبۃ رشدیه)

اپنے فضل واحسان سے اس مبارک ہستی کے اُمتی ہونے کا شرف بخشا ہے ورنہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام جیسے اولو العزم نبی نے بھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے اُمتی ہونے کی خواہش فرمائی ہے۔ تو ایسی برگزیدہ ہستی سے عقیدت ومحبت اور اتباع ہی وہ دولتِ عظمیٰ ہے جس کی بدولت سعادتِ دارین ممکن ہے۔ ورنہ ذلت ورسوائی کا عذاب منتظر ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ ہمیں اپنے محبوب نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی غلامی میں قبول فرمائے، آمین۔

پھر اسے خدمتِ اسلام کی توفیق ملے
پھر ہو بیدار مسلمان رسولِ عربی ﷺ
تاجدارانِ زمانہ کا غرورِ شاہی
تیرے نعلین پہ قربان رسولِ عربی ﷺ

[مثلاً دوپہر کا قیلولہ جو متابعت سُنت کی نیت سے ہو، کروڑ بار اتوں کے نوافل سے اولیٰ اور افضل ہے جو بے نیت متابعت ہوں۔ اسی طرح عیدِ فطر کے روز روزہ نہ رکھنا جس کا شریعتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حکم دیا ہے، ابد الاباد (ہمیشہ) کے روزوں سے جو شروع سے ماخوذ نہیں، بہتر ہے۔ شارع علیہ السلام کے حکم سے ایک پیسہ خرچ کرنا اپنی طرف سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

امیر المؤمنین عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز فجر کی نماز باجماعت ادا کرکے اپنے اصحاب رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر نگاہ ڈالی، ایک شخص کو جماعت میں موجود نہ پایا۔ اس کے متعلق دریافت فرمایا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے عرض کیا وہ شخص ساری رات عبادت میں مصروف رہتا ہے، شاید

اس وقت سو گیا ہو۔ امیر المؤمنین نے فرمایا اگر وہ شخص ساری رات سوتا اور صبح کی نماز باجماعت ادا کرتا تو اس سے بہتر تھا۔]

تشریح

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے:

إِنِّي تَرَكْتُ فِيكُمْ مَا إِنْ تَمَسَّكْتُمْ بِهِ لَنْ تَضِلُّوا كِتَابَ اللَّهِ وَسُنَّتِي۔

ترجمہ: میں تم میں وہ چیزیں چھوڑے جارہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رکھو گے کبھی گمراہ نہیں ہوگے، یعنی اللہ تعالیٰ کی کتاب اور میری سُنت۔ [1]

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

رَجُلَانِ مَا تَنَالُهُمَا شَفَاعَتِي إِمَامٌ ظَلُومٌ غَشُومٌ وَآخَرُ غَالٍ فِي الدِّينِ مَارِقٌ مِنْهُ۔

ترجمہ: (میری اُمت میں) دو قسم کے لوگوں کو میری شفاعت نصیب نہ ہوگی۔ انتہائی ظالم امام اور دوسرا دین میں غلو کرنے والے کو (جو نبی کی سُنت اور جماعتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے طریق سے تجاوز کرتا ہے)۔ [2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ:

المتمسک بسنتي عند فساد أمتي له أجر مائة شهيد۔

---

[1] (تفسیر الرازی، ج۲، ص ۱۵۲، الناشر: دار إحیاء التراث العربي -بیروت)

[2] (السنة لأبی عاصم، باب لا یقبل اللہ عمل صاحب بدعة و الدرر المنثور فی التفسیر بالماثور عربی، ج ۱، پارہ۳، آیت ۲۷۰)

ترجمہ: فسادِ اُمت کے دور میں میری ایک سُنت کو سینے سے لگانے والے اور اپنانے والے کو سو شہید کا ثواب ملے گا۔[1]

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ گرامی نقل کرتے ہیں کہ:

مَنْ أَكَلَ طَيِّبًا، وَعَمِلَ فِي سُنَّةٍ، وَأَمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهُ دَخَلَ الجَنَّةَ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ هَذَا اليَوْمَ فِي النَّاسِ لَكَثِيرٌ، قَالَ: وَسَيَكُونُ فِي قُرُونٍ بَعْدِي۔

ترجمہ: جو شخص حلال کھاتا ہے سُنت کے موافق عمل کرتا ہے، لوگوں کو تکلیف نہیں دیتا۔ وہ جنت میں جائے گا۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس طرح کے لوگ تو بہت ہیں۔ ارشاد فرمایا ابھی میرے بعد والے زمانے میں بھی رہیں گے، پھر تھوڑے ہو جائیں گے۔[2]

پس عبادت وہی معتبر ہے جو سنتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے عین مطابق ہو۔ صلوٰۃ تسبیح جسے فرداً فرداً پڑھنا ہی مسنون ہے اسے آج کل با جماعت ادا کیا جارہا ہے اور جو اس جماعت میں شریک نہ ہو اسے طنز و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے، حالانکہ اس کی جماعت سُنتِ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

کھانا بیٹھ کر کھانا اور کھانے سے قبل ہاتھ دھونا نیز جوتے اُتارنا مسنون فعل ہیں لیکن شادی بیاہ اور دیگر تقریبات میں کھانا کھانے کا طریقہ اور انداز کیا سُنتِ مطہرہ ہی کا نمونہ ہے؟

---

[1] (المعجم الأوسط، باب الميم، من اسمه محمد، ج۵، ص ۵ ۱ ۳، الناشر: دار الحرمين - القاهرة)

[2] (سنن الترمذی، ج۴، ص ۹ ۶ ۶، الناشر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي - مصر)

عوام کے لئے عشاء کی نماز کے بعد جلدی سونا اور نمازِ فجر کے لئے جلدی بیدار ہونے کا حکم ہے لیکن آدھی آدھی رات نیٹ کی فحاشیوں میں گزار دینا اور سورج نکلنے کے بعد تک بستروں میں بے ہوش پڑے رہنا نیز صبح کی نماز کو ترک کرنا کہاں کا عشقِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم ہے؟

ہم اگر اپنی زندگیوں کا سُنّتِ مصطفٰی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ موازنہ کرنے لگیں تو شاید ہمارا کوئی عمل بھی درست نہ نکلے۔ ایسی حالت میں یہ مثال ہم پر بالکل صادق آتی ہے کہ "اونٹ رے اونٹ، تیری کون سی کل سیدھی" لیکن جب باتوں کی بات آئے تو ہم ہیں "عاشقِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم"۔

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کی تلقین فرما رہے ہیں۔ دراصل انسان کے لئے سعادت ابدی اور کرامتِ سرمدی حق تعالیٰ جل سلطانہٗ کی محبت کے ساتھ وابستہ ہے اور اس دولت قصویٰ اور سعادتِ عظمیٰ کا حصول حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی متابعت کے ساتھ مربوط ہے اور یہ نعمتِ کبریٰ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سنت کی اتباع پر موقوف ہے۔ جیسا کہ آیۃ کریمہ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللهُ (آل عمران ۳۱) سے واضح ہے۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں اتباع (متابعت) کی قدرت وضاحت کر دی جائے تاکہ فہمِ مکتوب میں سہولت رہے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيق

حضرت امام ابوالحسن آمدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اتباع کی وضاحت کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

الاِتّبَاعُ فِي الْفِعلِ هُوَ التَّأَسِّي بِعَيْنِهِ وَالتَّاسّیْ اَنْ تَفعَلَ مِثْلَ فِعْلِهٖ عَلٰی وَجهِهٖ مِنْ اَجْلِهٖ۔

یعنی کسی کے فعل میں اتباع کا مطلب یہ ہے کہ اس کے اس فعل کو اسی طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس وجہ سے کیا جائے کہ وہ کرتا ہے۔[1]

حضرت علامہ آمدی اطاعت کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

وَمَنْ أَتَی بِمِثْلِ فِعْلِ الْغَيْرِ عَلَی قَصْدِ إِعْظَامِهِ، فَهُوَ مُطِيعٌ لَهُ۔

یعنی جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عظمت کے پیش نظر اس کے فعل کی مانند کسی فعل کا اکتساب کرے تو وہ اس کا مطیع کہلاتا ہے۔[2]

چونکہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع واطاعت دونوں کا حکم دیا گیا ہے جیسا کہ ارشادات باری تعالیٰ: فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ (آل عمران ۳۱) اور أَطِيعُوا اللّٰهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ (النساء ۵۹) سے عیاں ہے اور حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی ہی اطاعت ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (النساء ۸۰) سے واضح ہے۔ اس لئے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع واطاعت (سنت)، دارین کی سعادتوں اور کونین کی عظمتوں کی ضامن ہے۔ بنابریں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس خواہش کا اظہار فرمارہے ہیں کہ باطن کو نسبتِ خواجگان (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) سے معمور رکھا جائے اور ظاہر کو متابعتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات سے آراستہ رکھا جائے۔

بینہ

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عمل دو طرح کا ہے ایک بطریق عبادت اور دوسرا عرف وعادت کے طور پر۔ وہ عمل جو

---

[1] (الأحکام فی اصول الأحکام، ج ۱، ص ۸۸)

[2] (الأحکام فی اصول الاحکام، ج ۱، ص ۹۱)

عبادت کے طریق پر ہے اس کے خلاف کرنا بدعت منکرہ جانتا ہوں اور اس کے منع کرنے میں بہت مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ یہ دین میں نئی بات ہے جو مردود ہے اور وہ عمل جو عرف وعادت کے طور پر ہے اس کے خلاف کو بدعت منکرہ نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے منع کرنے میں مبالغہ کرتا ہوں کیونکہ وہ دین سے تعلق نہیں رکھتا۔ اس کا ہونا، نہ ہونا عرف وعادت پر مبنی ہے نہ کہ دین ومذہب پر۔ کیونکہ بعض شہروں کا عرف، دوسرے شہروں کے عرف سے مختلف ہے اور ایسے ہی ایک شہر میں زمانوں کے تفاوت کے اعتبار سے عرف میں تفاوت ہونا ظاہر ہے۔ البتہ عادی سنت کو مد نظر رکھنا بھی بہت سے فائدوں اور سعادتوں کا مؤجب ہے۔[1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۸۴، ۳۸۵)

[گمراہ لوگوں نے بھی ریاضتیں اور مجاہدے بہت کئے ہیں لیکن شریعتِ حقہ کے مطابق نہیں، لہٰذا خوار اور بے اعتبار ہیں۔ اگر ان گمراہوں کے ان اعمال شاقہ پر کچھ اجر وثواب بھی ملا تو وہ بعض دنیوی منافع ہی کی صورت میں ہو گا۔ اور اجر وثواب کے طور پر ساری دُنیا کا مل جانا بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ بعض دُنیوی منافع کے حاصل ہونے کا کیا اعتبار ہے؟ گمراہوں کے مجاہدات اور اعمال شاقہ کی مثال جارُوب کش کی ہے جس کی کوشش ومحنت سب سے زیادہ ہے، مگر اس کی مزدوری سب سے کم ہوتی ہے۔ اور شریعت کی پیروی کرنے والوں کی مثال اس جماعت کی طرح ہے جو اعلیٰ درجہ کے موتیوں اور ہیروں کے ساتھ کام میں مصروف ہو۔ ان کا کام تو بہت تھوڑا ہوتا ہے، لیکن ان کی اجرت بہت زیادہ ہوتی ہے بلکہ گھڑی کا عمل ہزار سال کے اَجر کے برابر ہو سکتا ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ جو عمل موافق شریعت واقع ہوتا ہے وہ حق تعالیٰ کو پسند ہوتا ہے اور خلافِ شریعت عمل رب تعالیٰ

---

[1](دفتر اول، مکتوب ۲۳۱)

کو ناپسند ہے۔ پس ناپسندیدہ عمل پر ثواب کے کیا معنیٰ؟ بلکہ عذاب کی توقع ہے۔ اس مضمون کے عالمِ مجاز میں بہت سے شواہد موجود ہیں ادنیٰ توجہ سے سامنے آسکتے ہیں۔

ہر چہ گیرد علتی علت شود　　　کفر گیرد کاملے ملت شود

ترجمہ: بیمار جس شے سے بھی تعلق قائم کرے گا وہ بھی بیمار ہو جائے گی، اور کامل شخص کفر کی طرف رُخ کرے گا تو اسے ملتِ حقہ کی شکل دے دے گا۔

پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سُنت کی متابعت ہے اور تمام فسادات کا مادہ شریعت کی مخالفت ہے، اللہ تعالیٰ ہم اور تم کو سید المرسلین علیہ و علیہم و علیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت پر ثابت و قائم رکھے، والسلام۔]

تشریح

ہمارے ملک میں جہاں عوام کی بہت بڑی تعداد غربت کا شکار ہے وہیں ایسے صاحبِ ثروت وامارت بھی ہزاروں میں ہیں جنہیں اپنی دولت وجائیداد کا بھی صحیح علم نہیں۔ لاکھوں نہیں بلکہ کروڑوں کے حساب سے اُن کے مالوں کی سالانہ زکوٰۃ بنتی ہے لیکن وہ یہ فریضہ ادا کرنے سے قاصر ہیں۔ ان میں سے کئی لوگ مجھ سے پوچھتے ہیں کہ شاہ صاحب! زکوٰۃ تو ادا کرنے سے رہے ہم، لیکن غرباء کی بچیوں کی شادی کے لئے ہم نے جہیز فنڈ بنایا ہوا ہے جس کے توسل سے ہم نفلی صدقے کے طور پر ان بچیوں کو جہیز کا سامان لے کر دے دیتے ہیں تو کیا ہمارا یہ عمل ثواب میں لکھا جائے گا یا نہیں۔ لوگوں کے اس سوال کا میری طرف سے جواب یہ ہے کہ آپ کا یہ عمل سراسر خلافِ شرع ہے۔ لاکھوں روپے جہیز پر لگا دینا اور صرف ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا نہ کرنے کی حکمت آپ نے کہاں سے سیکھی ہے؟ ہو سکتا ہے کہ اس وقت کے بڑے بڑے علماء میرے اس مؤقف کی مخالفت کرنے لگیں

لیکن ان کی خدمت میں میری گزارش یہ ہے کہ آپ مجددِ ملت اور وارثِ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم حضرت شیخ احمد سرہندی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کا زیرِ نظر مکتوب ذرا غور سے پڑھیں۔ اگر میرا مؤقف اس کے مخالف ہو تو مجھے مطلع فرمائیں، فرائض وواجبات سے لاپرواہی اور مسنون افعال کی ادائیگی کو معمولی جان کر نفلی عبادتوں کو ترجیح دینا اور ان اُمور کا اہتمام کرنا جن میں شہرت وریاکاری ہو، محض اس وجہ سے ہے کہ تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب کی دولت ختم ہو چکی ہے، اور اس باطنی مرض کی طرف توجہ نہیں رہی ورنہ ان دو نعمتوں والا انسان کبھی بھی غیر ضروری افعال کے مقابلے میں فرض کو ترک نہیں کر سکتا۔ اور تصفیہ وتزکیہ کے حصول کے لئے ایسا شخص درکار ہے جس کی نظر شفا اور جس کا کلام باطنی امراض کی دوا ہو۔

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اُن اولیاء اللہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ:

آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند بود کہ گوشہ چشمش نظر بما کنند

ترجمہ: اولیاء اللہ وہ لوگ ہیں جو ایک ہی نظر سے مٹی کو سونا بنا دیتے ہیں مجھے اپنے پروردگار سے یہ اُمید ہے کہ کسی نہ کسی دن وہ میری طرف بھی نظر فرما دیں۔

در مسِ قلب من این حق کن نظر زانکہ اکسیراثر زر گھسِ شہلیٰ داری

ترجمہ: میرے خراب تانبے کی طرف ایک پاک نظر فرمائیں اس لئے کہ آپ کے پاس اکسیر ہے، اپنی اکسیر کو میرے تانبے کے ساتھ لگائیں تاکہ یہ بھی سونا بن جائے۔

بنشین بہ گدایانِ درِ دوست کہ ہر کس
نشست بہ این طائفہ شاہِ شد برخاست

ترجمہ: اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے دوستوں کے دروازوں پر بیٹھ جا کیونکہ جو شخص بھی اس گروہ کے ساتھ بیٹھتا ہے بادشاہ بن جاتا ہے۔

(دارالمعــــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

سطورِ بالا میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز غیر شرعی ریاضتوں اور مجاہدوں کی مذمت بیان فرمارہے ہیں۔

ریاضت کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ ریاضتِ تابعین ۲۔ ریاضتِ منکرین

ریاضتِ تابعین

یہ ہے کہ جس میں سالک احکامِ شرعیہ اور سنن نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات کے مطابق مجاہدہ وریاضت بجالاتا ہے جو نفس کی اصلاح واطمینان اور تزکیہ کا مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ یہ اولیائے کرام کی ریاضت ہے جس کی بدولت انہیں ولایت، قربِ خداوندی جل سلطانہٗ، باطنی کمالات اور عالمِ وجوب کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے۔

ریاضتِ منکرین

یہ ہے کہ جو غیر شرعی چلّوں، دہوں اور اربعین وغیرہا پر مشتمل ہوتی ہے یہ جوگیوں، برہمنوں، پادریوں اور حکمائے یونان کی ریاضت ہے۔ ان لوگوں کو ان ریاضتوں کی وجہ سے بعض ظاہری کمالات ومکشوفات بھی حاصل ہو جاتے ہیں، جو سراسر استدراج ہیں لیکن وہ ولایت وقرب خداوندی اور باطنی کمالات سے محروم ہوتے ہیں۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ غیر مسلموں کو ریاضات و مجاہدات کی بنا پر تصفیہ ٔنفس تو حاصل ہو جاتا ہے لیکن تزکیہ ٔنفس میسر نہیں ہوتا۔ تزکیہ ٔنفس محض ایمان کے ساتھ مربوط ہے جو دارین کی فلاح وصلاح کا باعث ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ: قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى (الأعلى ۱۴) سے واضح ہے۔ تصفیہ ٔنفس کی مثال عملِ ملمع سازی کے ذریعے تانبے کو سونا بنانے کی مانند ہے جبکہ تزکیہ ٔنفس کی مثال عملِ کیمیاء کے ذریعے تانبے کو خالص سونا بنانے کی طرح ہے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ تزکیہ ٔنفس کسی شیخ کامل مکمل کی صحبت اور توجہاتِ قدسیہ کے ساتھ مربوط ہے۔ کیونکہ اس کی توجہ کبریتِ احمر کی مانند ہے۔ بقول شاعر:

آنان کہ خاک را بنظر کیمیا کنند

آیا بود کہ گوشہ ٔچشمے بما کنند

در مس قلب من اے مظہر حق کن نظری

زانکہ اکسیر اثر زگھس شہلا داری

بنشیں بہ گدایاں بہ در دوست کہ ہر کس

بنشست بایں طائفہ شاہی شد و برخاست

اور جب کسی طالبِ صادق کو شیخ کامل و مکمل کی توجہات قدسیہ میسر ہو جاتی ہیں تو وہ ابنائے جنس سے بے نیاز اور ممتاز ہو جاتا ہے۔

بقول شاعر:

یک نظر کن تاکہ مستغنی شوم ابنائے جنس
سگ چو شد منظور نجم الدین سگاں را سرور است

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ حق تعالیٰ نے اپنی قدرت کو اسباب کے پردوں میں مستور کر رکھا ہے اس لئے اس کی عادت جاریہ کے مطابق اکثر امور تدریجًا سر انجام پاتے ہیں۔ بنابریں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا شق صدر متعدد بار ہوا۔ حالانکہ وہ اس امر پر قادر تھا کہ بدونِ شق صدر حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے جسم اطہر کو جملہ بشری لوازمات وصفات سے مصفّٰی ومزکّٰی کر کے کمال طہارت عطا کر دے یونہی سالکین کی باطنی تربیت اور تصفیہ وتزکیہ، شیخ کامل ومکمل کی توجہات قدسیہ کی بدولت تدریجًا انجام پاتا ہے۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ اور سنت نبویہ علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کے مطابق کئے گئے اعمال، حق تعالیٰ کے پسندیدہ ہونے کی وجہ سے اجر وثواب کا مؤجب ہیں جبکہ غیر شرعی اعمال، حق تعالیٰ کے ناپسندیدہ ہونے کی بناء پر عتاب وعذاب کا باعث ہیں۔ ناپسندیدہ اعمال کے مرتکب کی صحبت کے اثرات بد ہوتے ہیں جبکہ اعمال صالحہ بجالانے والے عارف کی صحبت قلبی امراض کے لئے اکسیر کا درجہ رکھتی ہے۔ بقول شاعر:

کاملے گر خاک گیرد زر شود دست
ناقص ار زر برد خاکستر شود

ناقص دست شیطان است و دیو

زانکہ اندر دام تلبیس ست و

چوں قبول حق بود آن مرد راست

ریو دست او در کارہا دست خداست

جہل آید پیش او دانش شود

جہل شد علمی کہ در ناقص رود

دانائے شیراز حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

پسرِ نوح بابداں بنشست

خاندانِ نبوتش گم شد

سگِ اصحاب کہف روزے چند

پے نیکاں گرفت مردم شد

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص۳۸۷تا۳۹۰)

مکتوب نمبر ۱۱۵

[ملا عبد الحق دہلوی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ جس راہ کو طے کرنے کے ہم درپے ہیں وہ صرف سات قدم ہے۔

مصرع:

از ہر چہ می رود سخن دوست خوشتر است

ترجمہ: دوست کی بات جس طرف سے بھی کان میں پہنچے اچھی ہے۔

یہ راستہ جس کے طے کرنے کے ہم درپے ہیں صرف سات قدم ہے۔ دو قدم عالمِ خلق میں ہیں اور پانچ قدم عالمِ امر میں۔

عالمِ اَمر میں پہلا قدم رکھنے پر تجلی افعال ظاہر ہوتی ہے اور دوسرے قدم پر تجلی صفات اور تیسرے قدم میں تجلیاتِ ذاتیہ کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔]

تشریح

قُرب الٰہی کا وہ راستہ جسے سلوک یا تصوف کہا جاتا ہے وہ دو درجوں میں طے ہو جاتا ہے۔ ایک درجہ عالمِ خلق کا ہے اور دوسرا عالمِ اَمر کا۔ عالمِ خلق دو قدموں میں طے ہوتا ہے اور عالمِ اَمر پانچ قدموں میں اور دونوں کا مجموعہ سات قدم بنتا ہے۔ یہ سات قدم یوں ہیں کہ پہلے قدم کو لطیفۂ قلب، دوسرے قدم کو لطیفۂ روح، تیسرے قدم کو لطیفۂ سر، چوتھے قدم کو لطیفۂ خفی اور پانچویں قدم کو لطیفۂ اخفٰی کہا جاتا ہے۔ یہ پانچ قدم عالمِ اَمر کے ہیں، انہیں جواہرِ خمسہ بھی کہا گیا ہے اور باطنی حواسِ خمسہ بھی کہا جاتا ہے۔ عالمِ خلق میں دو قدم ہیں۔ پہلے قدم کو نفسِ ناطقہ کہتے ہیں اور دوسرے قدم میں اسی نفس کے عناصرِ اربعہ ہیں یعنی مٹی، پانی، آگ اور ہوا۔ اگر عناصرِ اربعہ کو الگ الگ لطیفہ کے

طور پر شمار کیا جائے تو پھر لطائف کی تعداد دس (۱۰) بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تصوف کی بعض کُتب میں لطائفِ عشرہ کا ذکر ہے۔

[پھر اربابِ کمال کے درجات کے تفاوت کے مطابق تجلیاتِ ذاتیہ میں بندہ ترقی کرتا چلا جاتا ہے۔ مگر یہ سب کچھ حضور سید الاولین والآخرین علیہ من الصلوات اکملہا ومن التسلیمات افضلہا کی متابعت سے وابستہ ہے۔ اور جن بزرگوں نے اس راستے کو دو قدم قرار دیا ہے انہوں نے اجمال کے طور پر اس سے عالمِ خلق اور عالمِ اَمر مراد لئے ہیں، طالبانِ حق پر معاملہ آسان کرنے کے لئے۔ لیکن اصل بات وہی ہے جو میں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے بیان کی ہے اسے ذہن نشین کرنا چاہیئے۔]

تشریح

دوسرے سلاسلِ طریقت کے بر خلاف سلسلۂ نقشبندیہ کا سلوک عالمِ اَمر سے شروع کروایا جاتا ہے۔ اس کی وجہ اور دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب اُس کی اصلاح ہو تو سارا جسم صحیح اور درست ہو جاتا ہے اور جب وہ (لوتھڑا) خراب ہو جائے تو سارا بدن خراب (اور بیمار) ہو جاتا ہے سُن لو وہ (لوتھڑا) دل ہے۔

اور چونکہ دل ہی عالمِ اَمر کا پہلا لطیفہ ہے اس لئے اکابرِ نقشبندیہ نے سلوک کی ابتداء عالمِ اَمر سے کی ہے۔ عالمِ اَمر کے قدمِ اول یعنی قلب پر اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے افعال کی تجلی ظاہر ہوتی ہے۔ دوسرے لطیفہ یعنی روح پر تجلیٔ صفاتِ ثمانیہ پڑتی ہے۔ لطیفۂ سِر پر تجلیٔ شیونات اور لطیفۂ خفی پر صفاتِ سلبیہ کی تجلی پڑتی ہے۔ اس کے بعد جامع ترین اور افضل لطیفۂ اخفٰی کی باری آتی ہے جس پر تجلیٔ شانِ

جامع وارد ہوتی ہے، اس تجلی کو شانِ کُلی بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ تمام تجلیاتِ مذکورہ (یعنی صفاتِ ذاتیہ، شیونات اور صفاتِ سلبیہ) اس جامع تجلی میں موجود و مندرج ہیں۔

دوسرے سلاسل کا سلوک عالمِ خلق سے شروع ہوتا ہے اور عالمِ خلق کی اصلاح کے لئے ریاضاتِ شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن حضرت شاہ نقشبند قدس سرہٗ العزیز کے قول کے مطابق سلسلہ ٔ نقشبندیہ کا زیادہ تر کام اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل کے ساتھ مربوط ہے۔ ہاں سلوک چاہے کسی بھی سلسلہ کا ہو اتباعِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم اس کی شرطِ اولین ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہاں پر صرف عالمِ اَمر کے پانچ لطائف کو ذکر فرمایا ہے اور بقیہ دو لطائف جو عالمِ خلق کے ساتھ متعلق ہیں بظاہر اُن کا ذکر نہیں ہے، لیکن اس کی تشریح یوں ہے کہ سلسلہ ٔ نقشبندیہ کے کامل مشائخ کی توجہاتِ باطنی اور مجلس کی برکات سے عالمِ اَمر کے دوران ہی عالمِ خلق بھی طے ہو جاتا ہے گویا ایک تیر سے دو شکار والی ضرب المثل صادق آجاتی ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز راہِ طریقت کا اجمالی تذکرہ فرمارہے ہیں۔ دراصل حق تعالیٰ تک پہنچنے کا راستہ پچاس ہزار سال کی مدت کا ہے جس میں سالک کو ستر ہزار حجابات پھاڑنے پڑتے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ: كَانَ مِقْدَارُهُ خَمْسِينَ أَلْفَ سَنَةٍ (المعارج ۴) اور حدیثِ قدسی: اِنَّ لِلّٰہِ سَبۡعِیۡنَ اَلۡفَ حِجَابٍ مِنۡ نُوۡرٍ وَّ ظُلۡمَۃٍ۔[1] سے مفہوم و معلوم ہوتا ہے۔ اور مشائخِ طریقت نے اپنے مریدین کی تسلی و تشفی اور حوصلہ بڑھانے کے لئے راہِ سلوک کو سات لطیفوں

---

[1] (عقیدۂ اهل سنت، عبداللہ بن جوران، ج ۱، ص ۱۲۰)

کے مطابق سات قدم کہا ہے اور ان سات قدموں میں سے ہر قدم میں دس ہزار نورانی و ظلمانی پردے پھاڑنے پڑتے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ایک مقام پر رقم طراز ہیں:

نزد فقیــر یک قدم ســـ از ہزار قدم است

ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں:

نزد فقیــر یک گام زدن برابر ہزار گام است بطـــریق دیگر۔

یعنی فقیر کے نزدیک دیگر سلاسل طریقت کی نسبت ایک قدم ہزار قدم کے برابر ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ بعض مشائخ نے اپنے شیخ کامل و مکمل کی دعا و نگاہ سے پچاس ہزار سالہ راستہ ایک سال میں طے کیا ہے بعض نے ایک مہینے میں طے کیا بعض نے ایک ہفتے میں طے کیا ہے بعض نے ایک دن میں اور بعض عارفین نے ایک آہ میں سارا راستہ طے کیا ہے۔

ســیرِ زاہد ہر شبے یک روزہ راہ
ســیرِ عــارفـــ ہر دمے تا تخــت شاہ
مــنـزلِ عشق بسے دور دراز است و لے
طے شود جــادۂ صـــد ســالہ بــہ آہے گاہے

اسی مفہوم کو اقبال مرحوم نے یوں ادا کیا ہے:

عشق کی اک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسماں کو بے کراں سمجھا تھا میں

بینہ نمبر ۲

یہ امر بھی ذہن نشین رہے کہ ظلمانی حجابات سے مراد غفلت کے پردے ہیں اور نورانی حجابات سے مراد حق تعالیٰ کی عظمت و کبریائی کے حجاب ہیں۔ حجاب کے اُٹھنے یا پھاڑنے کا مطلب یہ ہے کہ سالک ہر قدم میں بشری کثافتوں اور قلبی کدورتوں سے دور ہوتا جاتا ہے اور قُربِ خداوندی کی منزلوں میں گُم ہوتا جاتا ہے۔ اس مقام کو فنا وبقا سے تعبیر کیا جاتا ہے یہاں تک کہ سالک ولایتِ خاصہ کے مرتبہ پر فائزالمرام ہوجاتا ہے۔وَ ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْم۔

حضرت حافظ شیرازی نے کیا خوب فرمایا:

میانِ عاشق و معشوق ہیچ حائل نیست
توخود حجابِ خودی حافظا از میاں برخیز

بینہ نمبر ۳

یہ امر مستحضر رہے کہ مشائخ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالیٰ سلوک کی ابتداء عالمِ اَمر سے شروع کرواتے ہیں۔ فلہٰذا لطیفہ ٔ قلب کی سیر کے دوران سالک پر تجلیٔ افعال کا ظہور ہوتا ہے جسے تجلیاتِ صفات اضافیہ بھی کہا جاتا ہے۔ لطیفہ ٔروح کی سیر کے دوران تجلیاتِ صفاتِ ذاتیہ ظاہر ہوتی ہیں، لطیفہ ٔ سِر کی سیر کے دوران تجلیاتِ شیونیہ جلوہ گر ہوتی ہیں، لطیفہ ٔخفی کی سیر کے دوران تجلیاتِ شیونیہ جلوہ گر ہوتی ہیں، لطیفہ ٔخفی کی سیر کے دوران تجلیاتِ صفاتِ سلبیہ کا ظہور ہوتا ہے، جنہیں اعتباراتِ ذاتیہ بھی کہتے ہیں اور لطیفہ ٔاخفٰی کی سیر کے دوران تجلیاتِ جامع، صفاتِ ثبوتیہ وسلبیہ رونما ہوتی ہیں، اسے شانِ کُلی سے بھی موسوم کرتے ہیں۔

بینہ نمبر ۴

اہلِ طریقت کے نزدیک تجلیات ذاتیہ کا اطلاق دو معنوں پر ہوتا ہے:

۱۔ تجلی ذاتی بمعنی اعمّ ۲۔ تجلیٔ ذاتی بمعنی اخص

تجلی ذاتی بمعنی اعمّ

تجلی ذاتی بمعنی اعمّ سے مراد تجلیاتِ شیونات، تجلیات واعتبارات اور تجلیاتِ ذات ہیں۔ صفات سے صفات ثمانیہ حقیقیہ مراد ہیں جو وجودِ خارجی رکھتی ہیں مگر زاید برذات ہیں۔، جبکہ شیونات واعتبارات خارجی وجود نہیں رکھتے، بلکہ ان کا وجود انتزاعی ہے فلہٰذا یہ مُنْتَزِع عَنِ الذَّاتِ ہیں۔

تجلی ذاتی بمعنی اخص

تجلی ذاتی بمعنی اخص سے مراد ذاتِ بحت جل سلطانہٗ ہے جو ہر قسم کے شائبہ تشبیہ سے وراء ہے۔

بینہ نمبر ۵

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ تیسرے قدم پر تجلیاتِ ذاتیہ کا ظہور ہوتا ہے۔ لطیفۂ سرّ میں تجلیاتِ شیونات اور لطیفۂ خفی میں تجلیاتِ اعتبارات اور لطیفۂ اخفٰی میں تجلیاتِ ذات جلوہ گر ہوتی ہیں، یعنی آپ نے تجلیاتِ ذاتیہ میں شیونات اور اعتبارات کو بھی شامل فرمایا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۳۹۳تا ۳۹۶)

مکتوب نمبر ۱۱۶

[ملا عبد الواحد لاہوری کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ قلب کی سلامتی اس کے ماسوا کو بھول جانے پر موقوف ہے۔ اور دُنیوی اُمور میں زیادہ مصروف ہونے سے روکنے میں تاکہ دُنیا کے ساتھ اُلفت ورَغبت پیدا نہ ہو۔

عزیز بھائی کا مکتوب مرغوب موصول ہوا، اور سلامتیٔ قلب کے متعلق جو کچھ آپ نے تحریر فرمایا تھا اس سے بھی آگاہی ہوئی۔ ہاں ہاں، دل کی سلامتی ماسوائے حق تعالیٰ کے ہر شے کو بھول جانے پر موقوف ہے۔ اس حد تک کہ اگر غیرِ حق کا خیال تکلف و کوشش سے بھی لانا چاہیں تو نہ آئے۔ اس صورت میں غیرِ خدا کا گزر دل پر نہیں ہو سکتا۔ اس حالت کو فنائے قلبی سے تحریر کرتے ہیں، اور یہ اس راہ میں قدمِ اول ہے۔ اور اس سے درجات استعداد کے مطابق مراتب ولایت کے کمالات کی بشارت ملتی ہے۔ ہمت بلند رکھیں، اخروٹ و منقّٰی یعنی معمولی اشیاء پر قناعت نہ کریں۔

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ مَعَالِیَ الْھِمَمِ

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بلند ہمت والوں کو دوست رکھتا ہے۔[1]

دُنیوی اُمور میں زیادہ رَغبت سے خطرہ ہے کہ اس کمینی دُنیا کے کاموں میں ہی نہ کہیں اُلجھ جاؤ، دل کی موجودہ سلامتی سے دھوکا نہ کھا جائیں۔ کیونکہ اس حالت کے چھن جانے کا امکان ہے۔ اور دُنیوی اشتغال کی طرف حتی المقدور رُخ نہ کریں تاکہ دُنیا سے ہی لگاؤ پیدا نہ ہو جائے۔ اور یہ بات نقصان میں ڈال دے (عیاذاً باللہ سبحانہٗ) فقر میں جارُوب کشی دولت مندوں کی صدر نشینی سے بہتر

---

[1] (الجامع الکبیر للسیوطی بروایت ابنِ حبان، طبرانی، خرائطی، ابن عساکر اور خیا مقدسی بروایت سہل بن سعد رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ)

ہے۔ ساری ہمت اس طرف مبذول کرنی چاہیئے کہ فقر ونامرادی ہی میں زندگی گزر جائے جس قدر شیر سے بھاگتے ہو اس سے زیادہ دولت اور اربابِ دولت سے دور بھاگو۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

قلب کسی بھی مخلوق کا ہو، اسے جسم میں وہی حیثیت حاصل ہے جو ایک سلطنت میں حاکمِ وقت کو حاصل ہوتی ہے۔ جیسے ایک بادشاہ اور حاکم اپنے ملک کے انتظامی امور کو چلاتا ہے اور تمام ادارے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اور ان اداروں کی صحت و تندرستی کے لئے ان کے حاکم کا صحیح اور ایماندار ہونا ضروری ہے بعینہٖ جسدِ انسانی کے حاکم یعنی قلبِ انسانی کا بھی صحت مند اور ضروری شرائط کے ساتھ ممتاز ہونا لازم و ضروری ہے تاکہ جسم اور اس کے بقیہ اعضاء صحیح طور پر دُنیاوی اُمور کے ساتھ دینی اُمور کو بھی سرانجام دے سکیں۔ اس بات کی قوی دلیل وہ حدیث مبارکہ ہے جسے سابقہ مکتوب میں بیان کر دیا گیا ہے۔

قلبی امراض میں سب سے خطرناک امراض وہ ہیں جو اسے روحانی نقصان پہنچاتے ہیں اور ان امراض کی سب سے پہلی اور بڑی وجہ قلب کا ماسوا اللہ کے ساتھ حد سے زیادہ ربط و تعلق ہے۔ یہی ربط قلب کو دنیا کی غلاظتوں اور نجاستوں میں ملوث کر دینے کا باعث بنتا ہے، تو ضروری ہوا کہ قلبِ انسانی کو دُنیا کی رنگینیوں سے حتی الوسع دور رکھا جائے۔ شیطان کی مکاریاں بڑی پوشیدہ اور قوی ہیں اور انسان ان کو سمجھتے سمجھتے نہ صرف گمراہی کے دہانے پر پہنچ جاتا ہے بلکہ اکثر و بیشتر گمراہی کے اندھیرے کنویں میں گر جاتا ہے تب اُس کا اس غلاظت سے باہر نکلنا ممکن نہیں رہتا۔

دُنیا کے وہ تعلقات جنہیں شریعت نے حرام کیا ہے ان میں بے شک نقصانات ہی نقصانات ہیں

لیکن بے شمار ایسی چیزیں بھی ہیں جو اپنے ظاہری رنگ و خوبصورتی کی آڑ میں قلبِ انسانی کو دھوکہ دے کر خدائے حقیقی سے بے نیاز کر دیتی ہیں حالانکہ انسان ان سے واقف ہی نہیں ہوتا۔

سالک کو تو خاص طور پر ایسی چیزوں کی خواہش سے اپنے دل کو محفوظ رکھنا چاہیئے۔ اس طرح کی شکر نُماز ہر کی ایک مثال ابتدائی اور وسطی حالت والے سالک کا کشف ہے۔ نیز رنگ برنگی خوابوں کا ظہور ہے جن کے چُنگل میں پھنسا ہوا انسان کبھی بھی اپنے بے راہ ہونے کا گمان نہیں کرتا اور چونکہ یہ چیزیں بذاتِ خود ماسوا میں داخل ہیں اس لئے آخر کار نقصان دہ ثابت ہوتی ہیں۔

ایک اور مثال پر غور فرمائیں: نامحرم چہروں پر نظر ڈالنا گناہِ صغیرہ ہے اور عام لوگ اس گناہ کو یا تو گناہ ہی نہیں سمجھتے یا اس کے خطرے سے واقف نہیں ہوتے۔ نظر کا تیر ہمیشہ دل پر گرتا ہے اور دل جیسے نازک برتن کو ایک دَم زخمی کر دیتا ہے۔ خوبصورت نامحرم چہروں کی چمک قلب کی آنکھوں کو تھوڑی دیر کے لئے اندھا کر دیتی ہے اور پھر انسان ان چہروں کے ان دیکھے جادو میں پھنس کر روز بروز گمراہی کی طرف بڑھتا چلا جاتا ہے اور بالآخر۔۔۔۔ وہ فعل کر بیٹھتا ہے جو گناہِ کبیرہ کے زمرے میں آتا ہے۔ دیکھیں۔۔۔۔ وہ نامحرم چہرے جن کی طرف دیکھنا گناہِ صغیرہ کا درجہ رکھتا تھا انہوں نے انسان کو گناہِ کبیرہ کا مرتکب کر ڈالا اور گندی دُنیا میں ملوث کر دیا۔ تو چاہیئے کہ جب قلب کی طرف معمولی خطرہ بھی آنے کی کوشش کرے تو اسے ابتداء میں ہی روک دیا جائے تاکہ اس سے بڑے اور نقصان دہ خطرات پیش آنے کی نوبت ہی نہ آئے۔

کسی شاعر نے اس بارے میں کیا خوب فرمایا ہے کہ:

این سراپا باغ تو، زندانِ تو — خانمانِ تو بلائے جانِ تو

ترجمہ: یہ باغ، گھر اور جائید اد تیرے لئے قید خانے کی طرح ہیں، کیونکہ تیرا گھر بار اور جائید اد تیرے لئے وبالِ جان بن جائے گا۔

بعد ازین دستِ من ودامانِ یار　　　بعد ازین گوشِ من وحلقۂ یار

ترجمہ: اس کے بعد دوست کے ہاتھ اور دامن کو مضبوطی کے ساتھ پکڑنا۔ اس کے بعد میرے کان اور گردن میں شریعت کی زنجیر ڈال کر مجھے کھینچ لے۔

بے غم و تودردِ سرہائے ضیائع عمرِ تو گذشت
پس ازین کاش گرفتارِ غمِ دی بودم

ترجمہ: افسوس، غم اور درد کیونکہ میرا غم ودرد دُنیا کے لئے تھا اور وہ تباہ ہو گئی لیکن اس غم ودرد کی کچھ پرواہ نہیں ہے۔ افسوس اس غم ودرد پر جس کی وجہ سے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت اور اطاعت چھوٹ گئی ہے۔ کاش میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت اور دینِ اسلام کے غم میں مبتلا ہوتا۔

تو دل کو دُنیا کے ساتھ لگانا نہیں چاہیئے کہ اس کا انجام تباہی وبربادی ہے۔

حضرت یحیٰی بن معاذ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ حکمت آسمان سے قلوب میں اُترتی ہے اور ایسے قلب میں نہیں ٹھہرتی جس میں چار خصلتیں ہوں:

اول دنیا کی طرف میلان، دوسرے کل کی فکر، تیسرے بھائیوں سے حسد اور چوتھے جاہ وشرافت کی محبت۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشادِ مبارک نقل کرتے ہیں کہ:

من أشرب قلبه حب الدنيا التاط منه بثلاث، شقاء لا ينفد، وحرص لا يبلغ عناه، وأمل لا يبلغ منتهاه۔

ترجمہ: جس قلب میں دُنیا سما جاتی ہے تو اس میں تین چیزیں پیدا ہو جاتی ہیں ایسی مصروفیت جس کی مشقت سے کبھی نجات نہیں ملتی اور ایسی حرص جس کا خاتمہ نہیں اور ایسی اُمیدیں جن کا منتہی نہیں۔[1]

تو دُنیا کی اصل چونکہ ماسوا میں داخل ہے اس لئے قلب کو اس سے محفوظ رکھنا ضروری ہے تا کہ سلامتیٔ قلب حاصل ہو۔ جب تک سلامتی میسر نہ آئے، فنا نصیب نہیں ہو سکتی اور قلب جب فانی ہو جائے تو ضروریاتِ زندگی کے لئے دُنیا کی طرف متوجہ ہونا نقصان دہ ثابت نہیں ہو سکتا۔ اس وقت یہ مقولہ صادق آتا ہے کہ دست بہ کار دل بہ یار۔

قرآن عظیم الشان نے اسی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ:

رِجَالٌ لَّا تُلۡهِيهِمۡ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَيۡعٌ عَنۡ ذِكۡرِ اللّٰهِ (النور ۳۷)

ترجمہ: وہ مرد جنہیں غافل نہیں کرتا کوئی سودا اور نہ خرید و فروخت اللہ کی یاد سے۔

اور اسی حالت کو حضرت خواجہ عبد الخالق غجدوانی قدس سرہٗ العزیز نے "خلوت در انجمن" فرمایا ہے۔

(دار المعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

زیرِ نظر مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز سلامتیٔ قلب کا ذکر فرما رہے ہیں جو اغیار کی محبت سے آزاد اور بیزار ہو جانے اور ماسویٰ اللہ کے نسیان پر موقوف ہے جسے فنائے قلب سے تعبیر کیا جاتا ہے، جو قُربِ خدا تک رسائی کا پہلا زینہ ہے۔ اس کے بعد باطنی استعداد اور سنت و شریعت کی پیروی کے مطابق درجاتِ ولایت حاصل ہوتے ہیں اس لئے سالک کو معمولی اشیاء پر

---

[1] (حلية الاولياء، ج۸، ص ۱۲۰، الناشر: دار الكتاب العربي - بيروت)

قناعت نہیں کرنا چاہیئے بلکہ بلند ہمتی کے ساتھ راہِ سلوک کو طے کرنا چاہیئے تاکہ ماسویٰ اللہ کی محبت سے نجات اور حریم قدس جلّ سلطانہٗ تک شرفِ باریابی میسر ہو سکے۔ بقول شاعر:

ایں سرائے و باغ توزندانِ تو خان ومان تو بلائے جان تو

جب سالک کو فنائے قلب نصیب ہو جاتی ہے اور وہ خلوت در انجمن کے مرتبہ پر فائز ہو جاتا ہے اور دست بہ کار و دل بہ یار کے مطابق اس کی کیفیت ہو جاتی ہے تو دنیوی مصروفیات اور کاروبارِ حیات اس کے لئے باعثِ نقصان نہیں ہوتے۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ: رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (النور ۳۷) سے واضح ہے اور اس کی کیفیت کچھ یوں ہوتی ہے۔

بقول شاعر:

بے غم و دردِ تو صد حیف زعمرے کہ گذشت
پیش ازیں کاش گرفتار غمت می بودم
بعد ازیں دست من و دامن دوست
بعد ازیں گوشِ من و حلقۂ یار

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ مکتوب الیہ کو حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے لطیفۂ قلب کامل طور پر طے نہ ہونے کی وجہ سے دنیوی کاموں میں مشغول ہونے سے منع فرمایا تھا کہ مبادا رجعت واقع ہو جائے ورنہ جس سالک کا لطیفۂ قلب مکمل طور پر طے ہو جاتا ہے تو بشری صفات اس میں عود نہیں کرتیں۔

بینہ نمبر ۲

عروۃ الوثقٰی حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندی قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تک صوفی وسالک کو فنائے قلب کلیتًا میسر نہیں ہو جاتی وہ قبورِ اولیاء سے استفاضہ اور استفادہ نہیں کر سکتا۔

اسی مقام پر خواجہ بزرگ حضرت شاہ نقشبند بخاری اویسی قدس سرہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

تُوتا کئے گورِ مرداں راپرستی

یہ فرمودہ مبتدی سالکین کے احوال کے مطابق تو درست ہے جنہوں نے ہنوز فنائے قلب حاصل نہیں کی، ورنہ جن صوفیاء کو کمالِ فنائے قلب میسر ہو جاتا ہے وہ قبورِ اولیاء سے بھی فیض حاصل کرتے ہیں۔ بلکہ اگر مشائخ کرام کی توجہاتِ قدسیہ ان کے شامل حال ہو جائیں تو فبہا و گرنہ وہ بالذات عالمِ قدس سے فیض یاب ہو سکتے ہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۰۰، ۴۰۱)

مکتوب نمبر ۱۱۷

[مُلّا یار محمد قدیم بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اس بیان میں کہ ابتداءً قلب جس کے تابع ہوتا ہے اور انتہاء میں جا کر یہ تبعیت باقی نہیں رہتی۔

اُمید ہے کہ مولانا یار محمد نے ہمیں فراموش نہیں کیا ہو گا۔ ایک عرصہ تک چونکہ قلب حِسّ کے تابع رہتا ہے، اس لئے جو چیز حِسّ سے دور ہوتی ہے قلب بھی اسے دُور محسوس کرتا ہے۔

حدیث مبارکہ:

مَنْ لَّمْ یَمْلِکْ عَیْنَهُ فَلَیْسَ الْقَلْبُ عِنْدَهُ۔

ترجمہ: جو شخص اپنی آنکھ کی حفاظت نہیں کرتا اس کا دل اس کے قابو میں نہیں ہوتا۔

میں اسی مرتبہ کی طرف اشارہ ہے، اور نہایت کار میں چونکہ قلب حِسّ کے تابع نہیں رہتا، اس بنا پر حِسّ سے دوری قُربِ قلبی پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ اسی لئے مشائخِ طریقت نے مبتدی اور متوسط کے لئے شیخ کامل و مکمل کی صحبت سے دور رہنے کو جائز نہیں رکھا۔

الغرض "جو چیز پوری طرح حاصل نہ ہو سکے اسے بالکل ترک نہیں کرنا چاہیئے" کے مطابق اسی طریقہ پر قائم رہیں، اور ناجنس لوگوں کی صحبت سے پوری طرح اجتناب کریں۔

میاں شیخ مزمل کی تشریف آوری کو سعادت کا پیش خیمہ خیال کرتے ہوئے ان کی صحبت کو غنیمت جانیں اور زیادہ وقت ان کی صحبت میں گزاریں، کیونکہ شیخ مزمل بے نظیر شخصیت ہیں۔

وَالسَّلَامُ]

تشریح

مکتوب نمبر ۱۱۵ میں بیان ہو چکا ہے کہ مشائخِ نقشبندیہ نے سیر و سلوک کی ابتداء قلب سے کی ہے اور آغازِ سلوک میں قلب پر تجلیٔ افعال کا اثر پڑتا ہے۔ تو شیخِ کامل کے باطن کی وساطت سے تجلیٔ افعال کے اثرات سالک کے قلب پر پڑتے ہیں تو اس کا قلب ان کا احساس کرنے لگتا ہے۔ اس احساس کے اثرات میں قلب کی حرکات میں اضافہ، دَرد، حرارت اور خوشی کا محسوس ہونا ہے اور یہی محسوسات ذکرِ قلبی کی علامت ہیں۔ نیز لطیفۂ رُوح پر بھی یہی علامات ظاہر ہوتی ہیں لیکن ایک سالکِ حقیقی کو یہ بات ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ یہ احساسات تصوف کا مقصود و مطلوب نہیں ہیں کہ سالک ان ہی پر خوش ہوتا رہے اور ان سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرے۔ جیسے اوّل کلاس کے بچے کو اُردو یا عربی عبارت کے سیکھنے کے لئے اعراب کی ضرورت پڑتی ہے اور اس کا مقصود اعراب نہیں ہوتے بلکہ کتاب اور سیاقِ کلام کو سیکھنے اور سمجھنے کے لئے اعراب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے، لیکن کچھ عرصہ بعد وہی بچہ جب عبارت کو پڑھنا سیکھ لیتا ہے تو اعراب کی ضرورت باقی نہیں رہتی اور اگلی کلاسوں میں اعراب کو ختم کر دیا جاتا ہے۔ فالعاقل تکفیه الاشارة۔

فنا دو طرح کی ہے ایک فناءِ صوری (یعنی ابتدائی فنا) اور دوسری فناءِ حقیقی (یعنی منتہی کی فنا)۔ اور یہ ضروری نہیں کہ ہر سالک کے ہر لطیفہ کو فنا میسر آئے بلکہ کارکنانِ قضاء وقدر کسی سالک کے صرف قلب کو فنا عنایت کرتے ہیں اور بس۔ لیکن کسی دوسرے خوش نصیب کو فنائے روحی بھی عطا کر دیتے ہیں اور کسی کو ان دونوں کی فنا کے ساتھ ساتھ لطیفۂ سِر کو بھی فانی کر دیتے ہیں وعلیٰ هذا القیاس۔

پھر کسی سالک کو صرف فنائے صوری میسر آتی ہے اور کسی کو فنائے حقیقی بھی میسر آجاتی ہے لیکن ہر درجہ پر شریعتِ مطہرہ کی کامل پابندی ہی سے یہ ترقیات وابستہ ہیں بصورتِ دیگر ناممکن۔

ابتدائی سالک جو فنائے حقیقی تک نارسیدہ ہوتا ہے اُسے اپنے لطائف کا احساس ہوتا رہتا ہے اور متوسط کو کبھی احساس ہونے لگتا ہے اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے لیکن فنائے حقیقی پر پہنچنے کے ساتھ ہی احساسات ختم ہو جاتے ہیں، اب اس کے ساتھ اور طرح کے معاملات پیش آتے ہیں جنہیں احاطۂ تحریر میں لانا مناسب نہیں اور بیان کرنا بھی قوانینِ تصوف کے خلاف ہے۔

طریقتِ حقیقی میں شامل ہونے والے بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو بیعت کرنے کے بعد شیخ مقتداء کی صحبت کو اپنے اوپر لازم نہیں کرتے اور کبھی کبھار، جب دل چاہا کوئی مشکل پیش آئی تو شیخ کی طرف رجوع کر لیا، ایسے سالکوں کا احساسِ لطائف جلد ہی ختم ہو جاتا ہے کیونکہ وہ شیخ کی توجہات کا عکس ہوتا ہے جب شیخ کی محفل و مجلس ہی نہ رہی تو عکس کتنا عرصہ اثر انداز رہے گا؟ تو اس درجہ والوں کو شیخ سے دوری ضرر دیتی ہے، ہاں جو خوش نصیب حقیقی فنا حاصل کر لے اور بقا کی دولت سے فیض یاب ہو جائے اُسے یہ دوری اور ترکِ مجلس نقصان نہیں پہنچا سکتی لیکن فتنوں اور فحاشیوں کے اس دَور میں وہ کتنے خوش نصیب ہوں گے جو فنا و بقا کی حقیقت پر مشرف ہوں گے؟

حضرت مولانا جلال الدین بلخی رومی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ:

یک زمانہ صحبتے با اولیاء

بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

گر تو سنگ خارہ و مرمر شوی

چون بصاحب دل رسی گوہر شوی

صحبتِ صالح ترا صالح کند

صحبتِ طالع ترا طالع کند

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کے دوستوں کی مجلس میں کچھ عرصہ بیٹھنا ایک سو سال کی بے ریا عبادت سے بہتر ہے۔ اے سالک اگر تو اپنے باطن کے لحاظ سے سنگِ مَر مَر اور سنگِ خارہ جیسا سخت دل بھی ہو گا تو جب کسی صاحبِ دل (ولی) کے پاس پہنچے گا تو گوہر و موتی بن جائے گا۔ ایسے صالح اور نیک لوگوں کی محافل و مجالس تجھے بھی نیک بنا دیں گے (لیکن اگر تُو نے ان نیک ہستیوں کی محفل کی بجائے بُرے لوگوں کی محفل اختیار کر لی تو) بُرے لوگوں کی محفل تجھے بھی بُرا بنا دے گی۔

حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز جو اکابر نقشبندیہ میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ:

سایۂ رہبر بہتر است از ذکرِ حق

فنا و بقا پر مشرف باشرع کامل شیخ کی صحبت (اپنے طور پر کئے جانے والے) ذکرِ خدا سے فائدے کے لحاظ سے بہتر ہے (لیکن فضیلت کے لحاظ سے بہتر نہیں ہے) کیونکہ شروع میں سالک کی، ذکرِ خدا کے ساتھ مناسبت نہیں ہوتی اس لئے وہ اس سے زیادہ استفادہ نہیں کر سکتا۔ لیکن صحبتِ شیخ کے ساتھ نسبتِ بشری کی وجہ سے جلد مستفید ہو جاتا ہے۔

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ جب تک سالک کا قلب دنیوی تعلقات سے آزاد اور اغیار کی محبتوں سے بیزار نہیں ہو جاتا وہ (قلب) مظاہرِ جمیلہ اور مناظرِ حسنہ کے دیکھنے سے متاثر و مغلوب ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً سالک ان مظاہر کی رنگینیوں اور مناظر کی رعنائیوں میں گم ہو کر گناہ میں مشغول ہو جاتا ہے، اسی لئے مبتدی اور متوسط سالکین کو صحبتِ شیخ کی تلقین و ترغیب دی جاتی ہے۔ کیونکہ شیخ کی صحبت و محبت مریدین کے لئے حصار کی حیثیت رکھتی ہے،

تا کہ ان کے قلوب ماسوا اللہ کے تعلقات سے چھٹکارا حاصل کر لیں اور ان کے قلب و نظر پر شیخ کی محبت مستولی رہے اور وہ اغیار کی دید و شنید سے محفوظ رہیں۔ بصورتِ دیگر حسین و جمیل مناظر کی نشیلی اداؤں اور سریلی نواؤں سے ان کے قلوب میں اغیار کی محبت گھر کر جاتی ہے اور وہ گناہوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث نبوی علٰی صاحبہا الصلوات والتسلیمات: مَنْ لَّمْ یَمْلِکْ عَیْنَہٗ فَلَیْسَ الْقَلْبُ عِنْدَہٗ سے عیاں ہے۔ مشائخِ نقشبندیہ رحمہم اللہ تعالٰی کے نزدیک اسی کو نظر بر قدم کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے حضرت انس رضی اللہ تعالٰی عنہ کو ارشاد فرمایا:

یَا أَنَسُ اجْعَلْ بَصَرَکَ حَیْثُ تَسْجُدُ۔

یعنی اے انس! اپنی نگاہ کو جائے سجدہ پر رکھا کرو۔ [1]

حضرت شیخ ابو بکر شبلی قدس سرہٗ العزیز آیہ کریمہ: قُلْ لِلْمُؤْمِنِینَ یَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ (النور ۳۰) کی تفسیر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

اَبْصَارُ الرُّؤُسِ عَنِ الْمَحَارِمِ وَاَبْصَارُ الْقُلُوْبِ عَمَّا سِوَ اللّٰہِ۔

یعنی چشم ہائے ظاہری کو حرام چیزوں سے بچائیں اور چشمِ باطن کو ماسوا اللہ سے بچائیں۔

یعنی مؤمن حرص انگیز اشیاء سے نگاہیں پھیر لیں اور مشاہدۂ حق کے سوا کسی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھیں۔ [2]

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ج ۱، ص ۳۱۵، الناشر: المکتب الإسلامي - بیروت)

[2] (کشف المحجوب و نفحات الانس)

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز ارشاد فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے خواب میں مجھے نصیحت فرمائی:

اِحْبِسْ حَوَاسَکَ۔

یعنی اغیار کی طرف سے حواس بند کر لو۔

حضرت مولانا روم مست بادۂ قیوم رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا:

چشم بند ولب بہ بند و گوش بند

گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

البتہ منتہی سالک وعارف دنیا ومافیہا سے اعراض اور حق میں انہماک، غیر سے نسیان اور یار کا عرفان، کثرت سے بیزاری اور وحدت میں گرفتاری، فانی سے فراق اور باقی سے وصال ہونے کی بنا پر مظاہر جمیلہ سے مغلوب نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ماحول سے متاثر نہیں ہوتا بلکہ ابو الوقت ہونے کی وجہ سے ماحول کو متاثر کر دیتا ہے۔ اسی لئے مریدین کو اپنے شیخ کی حرکات وسکنات پر اعتراض کرنے سے گریز کرنا لازم ہے۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ سالک کو ایسے شیخ کامل مکمل کے دست حق پرست پر شرف بیعت حاصل کرنا چاہیئے جس کی معیت بدنی اور صحبتِ جسمانی باآسانی میسر ہو سکے تاکہ وہ امراضِ باطنیہ کا علاج کروا سکے اور اس کے فیوض وبرکات سے مستفیض ہو سکے۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین رہے کہ مشائخ طریقت کے اپنے مریدین کو دوسرے مشائخ کی مجالس سے روکنے کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں:

مشائخِ طریقت اپنے مریدین کو دوسرے مشائخ کی صحبت سے بر بنائے حسد نہیں روکتے بلکہ اس لئے روکتے ہیں کہ جیسے ماہر اور حاذق طبیب کسی شخص کے مرض کی تشخیص کر کے نسخہ تجویز کرتا اور نہایت محتاط طریقے سے اس کا علاج کرتا ہے اور اگر دورانِ علاج کسی نا اہل اور نیم حکیم سے بھی علاج شروع کر دیا جائے تو مزاج بگڑ جانے کی وجہ سے مرض گھٹنے کی بجائے بڑھ جاتا ہے بلکہ بعض اوقات جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔

چونکہ صوفیائے کاملین باطنی امراض کے روحانی طبیب ہوتے ہیں ممکن ہے وہ مریدین کی باطنی استعداد کے مطابق انہیں اجمالی سلوک طے کروانا چاہتے ہوں اور دوسرا شیخ انہیں تفصیلی سیر کے مطابق اسباق کی تلقین کر دے۔ یوں اسباق و توجہات کے مختلف ہونے سے مریدین کا روحانی مزاج بگڑ جائے گا اور ان کی منزل کھوٹی ہو جائے گی۔

نیز مشائخِ کاملین اپنے مریدین کو روحانی استحقاق کی بنا پر صحبت ناجنس سے اس لئے روکتے ہیں کیونکہ مریدین اپنے شیخ کی معنوی اولاد ہوتے ہیں۔ غیرتِ طریقت کی وجہ سے وہ اپنے اطفالِ طریقت کو دوسروں کے حوالے نہیں ہونے دیتے البتہ اگر کوئی شیخ کسی مرید کی روحانی تربیت سے خود بخود دستبردار ہو جائے یا اسے کسی دوسرے شیخ کی صحبت اختیار کرنے کی اجازت دے دے تو یہ امر آخر ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔

بینہ نمبر ۳

یاد رہے کہ بعض ناقص مشائخ اپنے مریدین کو دوسرے مشائخ کی صحبت وحلقہ ہائے ذکر وفکر سے حسد وعداوت کی بناپر روکتے ہیں جو نہایت ناپسندیدہ اور قابلِ مذمت ہے۔

بینہ نمبر ۴

یہ امر مستحضر رہے کہ جب سالک فنافی الشیخ، فنافی الرسول، فنافی اللہ اور بقاباللہ طریقت کے ان چاروں مراحل کو طے کرلیتاہے تو ایسے منتہی عارف کو اگر شیخ کی ظاہری صحبت میسر نہ بھی ہوسکے تو پھر بھی شیخ کی توجہاتِ قدسیہ کی بدولت اس میں اس قدر روحانی استعداد پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ عالمِ قدس سے براہِ راست فیض حاصل کرسکتاہے۔

بینہ نمبر ۵

یہ بھی یادرہے کہ کسی سالک کو اپنے شیخ کامل کی صحبتِ ظاہری کسی وجہ سے اگر میسر نہ ہوسکے تو اسے اپنے شیخ کے ساتھ روحانی رابطہ اور قلبی معیت ضرور رکھنی چاہیئے، جسے تصورِ شیخ کہا جاتا ہے۔ تاکہ اسے مَا لَایُدْرَکُ کُلُّہٗ لَایُتْرَکُ کُلُّہٗ۔ کے مصداق باطنی ارتقاء نصیب ہوتا رہے کیونکہ مبتدی اور متوسط سالکین کے عالمِ قدس کے ساتھ عدم مناسبت کی وجہ سے وہ براہِ راست فیض حاصل نہیں کرسکتے اور حصولِ فیض میں تصورِ شیخ، رابطہ اور برزخ کا کام دیتاہے کیونکہ فائدہ کے اعتبار سے تصورِ شیخ، ذکر سے بھی بہتر ہے۔

قطب الارشاد حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز نے کیاخوب فرمایا:

سایۂ رہبر بہ از ذکرِ حق

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۰۶ تا ۴۰۹)

مکتوب نمبر ۱۱۸

[مُلاّ قاسم علی چشتی کی طرف صادر فرمایا:

اس جماعت کی نامرادی اور خسارے کے بیان میں جو اہل اللہ پر اعتراض کرتی ہے۔

محبت کے نشانات والے مولانا قاسم علی نے جو خط ارسال کیا تھا موصول ہوا۔ اس کے مضمون سے بھی واقفیت حاصل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا (فصلت ۴۶)

ترجمہ: جو نیکی کرے وہ اپنے بھلے کو اور جو برائی کرے تو اپنے برے کو۔

حضرت خواجہ عبد اللہ انصاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں:

"الٰہی! تو جسے برباد کرنا چاہتا ہے اسے ہمارے طعن و تشنیع میں مبتلا کر دیتا ہے"۔

ترسم آں قوم کہ بر دردکشاں می خندند

بر سرِ کار خرابات کنند ایماں را

ترجمہ: مجھے ڈر ہے کہ وہ لوگ جو مے نوشوں پر ہنستے ہیں، شراب خانہ میں کہیں اپنا ایمان ہی نہ ضائع کر بیٹھیں۔

حق سبحانہٗ وتعالیٰ تمام اہلِ اسلام کو فقرأ (اولیاء اللہ) کے انکار اور ان پر اعتراض سے بچائے بحرمۃ سید البشر علیہ وعلیٰ آلہ الصلوات والتسلیمات۔]

تشریح

اولیاء کرام ہی وہ مقدس ہستیاں ہیں جو احکاماتِ الٰہی اور فرمودات نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی کامل و مکمل اتباع کرتی ہیں اور یہی وہ کامیاب گروہ ہے جسے سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے ساتھ قوی نسبت حاصل ہے اس لئے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ان مُقربین کے ساتھ محبت والفت رکھنی ضروری ہے کیونکہ ان کی محبت سے ہی بارگاہِ خداوندی تک کامل رسائی ممکن ہے۔

فقیہ ابو اللیث سمرقندی قدس اللہ سرہٗ العزیز نے فرمایا ہے کہ مسلمان کو چاہیئے کہ فقرأ سے محبت رکھے اگرچہ خود غنی ہو۔ کیونکہ فقرأ کی محبت، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی محبت ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے خود اپنے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کو فقرأ سے محبت کا اَمر فرمایا اور ان کی ہمنشینی کا حکم دیا ہے۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ:

وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ (الکھف ۲۸)

ترجمہ: اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر اور پر نہ پڑیں۔

اور چونکہ یہ بات طے شدہ ہے کہ فقرأ واولیاء کے علاوہ بقیہ لوگوں کی عبادت اور ذکر واذکار میں کچھ نہ کچھ ریا ضرور شامل ہو جاتی ہے، اور یہ اولیاء ہی ہیں جو کامل اخلاص کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی عبادت بجالاتے ہیں اسی لئے ان کے ساتھ محبت واُلفت سے پیش آنا اور ان پر طعن واعتراض سے باز آنا ضروری ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے اپنی اُمت کے نیک لوگوں کی بابت فرمایا تھا کہ "وہ ایسے لوگ ہوں گے کہ ان سے انس رکھنے والا نامراد نہ ہوگا۔" (رواہ البخاری، مسلم وترمذی)

نیز رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ میں نے تم میں دو عظیم چیزیں چھوڑی ہیں ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی آل۔ پس اللہ تعالیٰ کی کتاب کو استنباطِ احکام، درستیٔ اعمال اور نصیحت پزیری کے لئے پکڑنا ضروری ہے اور اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مرضی کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کے لئے آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے دامن سے وابستہ ہونا لازم ہے۔ آلِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم میں ساداتِ کرام کے ساتھ متقی لوگ بھی شامل ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا فرمان ہے کہ:

كل تقي نقي آلي۔

ہر تقی اور نقی میری آل سے ہے۔[1]

پس صوفیاء کرام سے محبت رکھنا ہی باعثِ نجات ہے اور محبت اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جس سے محبت ہو اس پر اعتراض نہ کیا جائے۔ بزرگانِ دین کا قول ہے کہ:

مَنْ رَأىٰ ظَاهِرَهُمْ خَابَ وَخَسِرَ وَمَنْ رَأىٰ بَاطِنَهُمْ اَفْلَحَ وَنَجىٰ۔

جس نے اولیاء اللہ کے ظاہر کو دیکھا وہ نامراد ہوا اور گھاٹے میں پڑ گیا اور جس نے ان کے باطن پر نگاہ ڈالی وہ کامیاب ہوا اور جس نے اولیاء اللہ کو (حقیقی طور پر) پہچان لیا وہ صاحبِ کمال ہو گیا۔[2]

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

---

[1](تفسیر روح البیان، ج۵، ص ۱۶۲، دار النشر/دار إحياء التراث العربی)

[2](شرح مکتوبات قدسی آیات مولوی نصر اللہ ہوتکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ میدانِ وردک خلیفۂ حضرت نور المشائخ محمد عمر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مشہور بہ حضرت صاحب شور بازار کابل، ج ۱، ص ۲۲۱)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اہل اللہ کی شان میں دریدہ دہنی وزبان درازی و گستاخی اور طعن و تشنیع کرنے والوں کی مذمت فرمارہے ہیں جو تیرہ بختی اور حرماں نصیبی کی علامت اور دینی مضرتوں اور دنیوی ذلتوں کا باعث ہوتی ہے۔ چنانہ ملا عصام سمرقندی ایک صاحبِ علم و جاہ ومنزلت شخص تھا جو امام العارفین حضرت خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہٗ العزیز کے ساتھ باطنی عداوت رکھتا تھا اور بادشاہِ مملکت کے سامنے اُس کی عیب جوئی کیا کرتا تھا۔ شامل اعمال کی بنا پر اس کا ذہنی توازن خراب ہو گیا بالآخر اسی حالتِ دیوانگی اور پاگل پن میں ہرات میں مر گیا۔ اَلْعِیاذُ بِاللہ سبحانہٗ۔

بینہ نمبر ا

واضح رہے کہ عارفین تکمیلی مراتب اور نزولی مدارج میں بظاہر عامۃ الناس کی مانند ہوتے ہیں مگر بباطن باخدا اور فرشتہ صفت ہوتے ہیں۔ بلکہ ملائکہ پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ جیسا کہ آیہ کریمہ: إِنَّ الَّذِینَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِکَ هُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّةِ (البینة۷) سے مفہوم ہوتا ہے۔ بنا بریں ان کا ادب واحترام ہمیشہ ملحوظَ خاطر رکھنا چاہیئے۔

بزرگانِ دین کا مقولہ ہے:

مَنْ رَأیٰ ظَاهِرَهُمْ خَابَ وَخَسِرَ وَمَنْ رَأیٰ بَاطِنَهُمْ اَفْلَحَ وَنَجیٰ۔

یعنی جس نے صوفیاء کرام کے محض ظاہر کو دیکھا خائب و خاسر ہو گیا اور جس نے ان کے باطن کو بھی پیش نظر رکھا وہ فلاح و نجات پا گیا۔

لیکن چونکہ اہل اللہ کو پہچاننا ہر کس وناکس کے بس کا روگ نہیں اور:

ولی را ولی می شناسد

کے مصداق کوئی صاحبِ نظر ہی انہیں پہچان سکتا ہے، فلہٰذا ہر حال میں ہمیشہ ان کا نیاز مند ہی رہنا چاہیئے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا اِیَّاھَا۔

بینہ نمبر ۲

یہ امر ذہن نشین کہ اولیائے محفوظین ہی ملائکہ سے افضل ہیں، عامۃ المسلمین کو یہ مرتبہ حاصل نہیں۔ جیسا کہ ارشادات نبویہ علٰی صاحبہا الصلوات: اَلْمُؤمِنُ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ بَعْضِ مَلَائِکَتِہٖ۔[1] سے اور عَنْ اَنَسٍ اَلْمُؤْمِنُ اَکْرَمُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ مَّلَائِکَتِہِ الْمُقَرَّبِیْنَ۔[2] سے عیاں ہے۔

نیز کتبِ عقائد میں ہے:

عَامَّۃُ الْبَشَرِ اَفْضَلُ مِنْ عَامَّۃِ الْمَلَائِکَۃِ۔

یعنی عام بشر (اولیاء کرام) عام فرشتوں سے افضل ہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَۃِ الْحَالِ۔

بینہ نمبر ۳

یہ امر بھی مستحضر رہے کہ عقائد اسلامیہ کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ عقائدِ قطعیہ　　　۲۔ عقائدِ ظنیہ

مسئلۂ تفضیل عقائدِ ظنیہ میں سے ہے، اس لئے اس کے لئے دلائل ظنیہ ہی کافی ہیں، عقائدِ قطعیہ کی چنداں حاجت نہیں۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۱۳ تا ۴۱۵)

---

[1] (مشکوٰۃ المصابیح، ص ۵۱۰)

[2] (کنز العمال، ج ۱، ص ۱۶۴)

مکتوب نمبر ۱۱۹

[میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

شیخ مقتدا کی صحبت کی ترغیب اور اس اَمر کے بیان میں کہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ کامل حضرات اپنے بعض ناقص مُریدوں کو بعض اچھی نیتوں کے تحت تعلیم طریقت کی اجازت دے دیتے ہیں۔

جناب میر صاحب کا مکتوب شریف موصول ہوا یہ راستہ دیوانگی چاہتا ہے۔

حدیث شریف میں وارد ہے کہ:

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدَکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ۔

ترجمہ: تم میں سے اس وقت تک ہرگز کوئی بھی مؤمن نہیں ہو گا جب تک لوگ اسے دیوانہ نہ کہیں۔[1]

اور جب دیوانگی آئی تو بندہ زَن و فرزند کی تدبیر سے فارغ ہو گیا اور اِدھر اُدھر کے تفکرات سے نجات حاصل ہو گئی یہ دیوانگی آپ کی طبیعت و سرشت میں موجود ہے۔ لیکن بے فائدہ عوارض کی خس و خاشاک میں آپ نے اسے چھپا رکھا ہے، کیا کیا جائے؟ اس ظاہری جدائی کے باعث آپ میں کچھ زیادہ ہی بے مناسبتی محسوس ہو رہی ہے۔ اس کا جلد تدارک کریں۔ اور بے استطاعتی کو عین استطاعت جانتے ہوئے اس ظاہری دوری کو دور کریں۔ اس گروہِ صوفیاء کی جمعیت (دل جمعی) باقی مخلوق کی دلجمعی کے علاوہ ہے۔ جو اسباب دوسروں کے لئے سکون کا باعث ہیں وہ ان کے لئے تفرقے

---

[1] (صحیح ابن حبان، باب الاذکار، المستدرک علی الصحیحین للحاکم، کتاب الدعاء والتکبیر والتهلیل والتسبیح والذکر، مسند احمد، ابویعلی و ابن سنی بروایت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ باختلاف یسیر)

اور بے چینی کا سبب ہیں۔ مخلوق کی پراگندگی کے اسباب اختیار کرنے چاہئیں تاکہ جمعیت حاصل ہو۔ اور اگر بفرضِ محال مخلوق کی جمعیت کے اسباب میں ہی اس گروہ کو بھی جمعیت عطا کر دیں تو ایسی جمعیت سے ڈرنا چاہیئے اور جناب حق سبحانہٗ میں التجا کرنی چاہیئے تاکہ یہ جمعیت بلائے جان نہ بن جائے۔ اور دوسروں کے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ یہ سب کچھ اختلاف درجات کے مطابق تمام مراتب نقص دور ہونے سے پہلے ہے۔

فراق دوست اگراندک است اندک نیست

ترجمہ: دوست کی جدائی اگر تھوڑی بھی ہو تو تھوڑی نہیں۔

مشائخِ طریقت نے بعض مریدوں کو ان کے تمام مراتبِ سلوک طے ہونے سے پہلے بھی تعلیمِ طریقت کی اجازت دی ہے۔

حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے حضرت مولانا یعقوب چرخی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کو تعلیمِ طریقت اور بعض منازلِ سلوک طے کرانے کے بعد فرمایا: "اے یعقوب! جو کچھ ہم سے تجھے ملا ہے اسے مخلوق تک پہنچادے" حالانکہ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ان کو یہ بھی فرمایا کہ میرے بعد مولانا علاؤالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی خدمت میں رہنا۔ چنانچہ آپ نے زیادہ کام حضرت علاؤالدین رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ہی کی خدمت میں انجام دیا۔ یہاں تک کہ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی کتاب "نفحات الانس" میں آپ کو پہلے خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مُریدین میں شمار کیا ہے۔ اور دوسرے درجے پر آپ کی نسبت حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی طرف کی ہے۔

خلاصہ ٔکلام یہ ہے کہ اس تفرقہ اور پراگندگی کا علاج اربابِ جمعیت کی صحبت ہے۔ بار بار اور بڑی تاکید سے یہ مضمون آپ کو لکھا گیا ہے۔

سُنا ہے کہ مولانا محمد صدیق نے نوکری اختیار کر لی ہے، اور فقر اور ان کی وضع اور ان کے طور طریقے کو چھوڑ دیا ہے۔ افسوس ہزار افسوس، کہ کسی کو اعلیٰ علیین سے اسفل سافلین میں ڈال دیں۔ اب اس شخص کا معاملہ دو حال سے خالی نہیں۔ یا نوکری میں اسے جمعیت نصیب ہو گی یا نہیں ہو گی۔ اگر حاصل ہو گی تو بھی بُری ہے اور اگر حاصل نہیں ہو گی تو بد تر۔

اے اللہ! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دلوں کو ٹیڑھا نہ کر اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما بے شک تو ہی بے اندازہ عطا فرمانے والا ہے۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

دُنیا کے مقدس ترین انسان انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے لطفِ خاص سے ان پاکیزہ ہستیوں کو اپنی تجلیاتِ ذاتیہ اور انوارِ الٰہیہ سے مستفید کر کے مخلوق کی رُشد وہدایت کا فریضہ سونپا ہے۔ اور ان کی روحانی ونورانی مجالس کو اختیار کرنے والوں کے سینوں کو بھی ان کی برکات سے منور فرمایا ہے۔ پھر ان صحبت یافتہ لوگوں کے سینوں سے فیوض وبرکات کو اُمت کے بقیہ مستحقین تک پہنچانے کے لئے ایک لڑی میں ان کاملین کو پرو دیا ہے۔ پھر اس لڑی اور سلسلۂ طریقت کے ہر کامل کو نبی کی وراثتِ علمی وتبعیت باطنی عنایت کر کے کمال عطا کیا ہے۔ ان وارثوں کو تصوف کی اصطلاح میں خلیفہ کہا جاتا ہے۔

اس معرفت کو ایک دوسرے پہلو سے یوں سمجھیں کہ جب ایک انسان کسی صاحبِ قلب کی صحبت میں توبہ وانابت کا راستہ اختیار کر کے تقویٰ اپناتا ہے اور روشن شریعت کے احکامات کے مطابق

زندگی گزارنے لگتا ہے۔ نیز شیخِ کامل کی محفل و مجلس کی برکتوں اور فیوض سے منازلِ سلوک کو طے کر کے فناءِ حقیقی اور بقاءِ کامل حاصل کر لیتا ہے تو اس کا سینہ بھی اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مخلوق کو فیض یاب کرنے کی صلاحیت حاصل کر لیتا ہے اور یہ سالک بھی اپنے شیخ کے رنگ میں رنگا جاتا ہے۔ عالمِ اَمر وعالمِ خلق کے لطائفِ عشرہ کے تصفیہ وتزکیہ کے بعد اس کا شیخ اسے اپنا نائب و جانشین مقرر کر لیتا ہے اور شریعت وطریقت کی تعلیم وترویج کا ذمہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اجازت سے اپنے اس مُریدِ صادق کو بھی سونپ دیتا ہے۔ اس صادق و مخلص مُرید کو خلیفہ کہتے ہیں، اور اسے شیخ کی طرف سے ملنے والی خلعت کو خلافت کہا جاتا ہے۔ طریقت کے اماموں نے خلیفہ کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں اور ہر ایک کی استعداد اور اس کے فرائض بھی بتلائے ہیں۔

راہِ سلوک پر چلنے والا سالک چاہے عام مُرید ہو یا صاحبِ خلافت، کسی بھی وقت اور کسی بھی صورت میں اپنے پاؤں دائرۂ شریعت سے باہر نکالنے کا حق نہیں رکھتا۔ بلکہ مسندِ خلافت ملنے کے بعد اُسے شریعتِ حقّہٗ اور طریقت کے قوانین کی پابندی بہت زیادہ کرنی پڑتی ہے کیونکہ پہلے وہ صرف مُرید تھا لیکن اب اُسے مسندِ دعوت وارشاد عنایت ہو چکی ہے، اور اب اُس کی زندگی نے دوسروں کے لئے نمونہ بننا ہے ایسی صورت میں اگر وہ خلافِ شرع یا خلافِ طریقت کام کرے تو دوسرے لوگوں کی کیا خاک رہنمائی کر سکے گا۔

اب اُس نکتے کی طرف آئیں جو حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس مکتوب میں بیان فرمایا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض مشائخ نے بعض صورتوں میں اُن مریدوں کو بھی خلافت کا منصب سونپا ہے جن کی منازلِ سلوک پایۂ تکمیل تک نہیں پہنچی ہوتیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسے مریدِ صادق کو خلافتِ مقید ملنے تک صرف عالمِ اَمر ہی مکمل ہوتا ہے یعنی اسے

تصفیہ کی دولت تو حاصل ہو جاتی ہے لیکن عالمِ خلق کے طے نہ ہونے کی وجہ سے اس کا تزکیۂ نفس نہیں ہوتا۔ ایسا خلیفہ اُمورِ طریقت میں اپنے شیخِ مقتداء کا مقید و پابند ہوتا ہے اور آگے اپنے مریدین کی اصلاحِ باطن اور تبدیلیٔ لطائف میں اپنے شیخ کے مشورہ پر چلتا ہے۔

خلافتِ مطلق کے حامل خلیفہ کے دونوں عالم یعنی امر و خلق اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے فضل سے طے ہو جاتے ہیں اور تصفیۂ قلب کے ساتھ تزکیۂ نفس بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ ایسے خوش نصیب کو ولایت کا اعلیٰ درجہ ملتا ہے اور وہ طریقت و سلوک چلانے میں اپنے شیخ کے تابع نہیں رہتا بلکہ مُریدین کے باطن پر تصرف کرنے کا کامل اختیار رکھتا ہے۔ تاہم طریقت کے آداب کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اگر وہ اپنے مُرشد کی طرف رجوع کر لے تو بہت بہتر و احسن ہوتا ہے۔

مراتبِ سلوک مکمل ہونے سے قبل مسندِ خلافت پالینے والے سالک کو شریعت و طریقت کی بجا آوری کی وجہ سے ایک طرح کی جمعیت نصیب ہو جاتی ہے اور اس میں وہ لیاقت پیدا ہو جاتی ہے جو دوسروں کی دل جمعی اور سکونِ قلب کا باعث بنتی ہے نیز وہ دوسرے لوگوں کو ایک حد تک منازلِ سلوک اور جذبۂ صوری کی طرف کھینچ سکتا ہے۔ اس کی مثال خود حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے مولانا یعقوب چرخی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس کی صورت میں دی ہے۔

نیز حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے یہ بھی فرمایا ہے کہ جسے منازلِ سلوک طے ہونے کے بعد خلافت کا منصب عطا ہو، اُسے مریدین کی کثرت پر خوش نہ ہونا چاہیئے کیونکہ عین ممکن ہے کہ یہ کثرت خود اس کی اپنی جمعیت کو پراگندہ کر دے اور وہ اپنے مُریدوں کی کثرتِ تعداد پر نازاں ہو کر شریعت کی اتباع سے محروم ہو جائے۔ البتہ اگر چند ایک مُریدین کی صحیح اور درست سمت میں رہنمائی کر دی گئی تو یہ بھی کافی ہو گا، لیکن اگر مُرید تو ہزاروں میں کر لئے لیکن

شریعت کا راستہ اور سلوک کی منازل ایک کی بھی طے نہ کر سکا تو کیا ہزار ہا مُرید اسے بار گاہِ الٰہی کی ناراضگی اور روزِ حشر کی شرمندگی سے بچالیں گے ؟

(دارالمعــرفت، جلددوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز جنون کا تذکرہ فرمارہے ہیں، در حقیقت جنون اور دیوانگی کو شریعت وطریقت میں ایک خاص مقام حاصل ہے جس کے بغیر اعمالِ شرعیہ اور مجالس دینیہ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوتیں اجر و ثواب تو ملتا ہے مگر وصلِ یار نصیب نہیں ہوتا۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز طریقت میں جنون کی اہمیت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں:

دریں راہ اندکی جنون ہم در کاراست۔

یعنی اس راہِ طریقت میں تھوڑا سا جنون بھی مطلوب ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے جنون کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَنْ یُّؤْمِنَ اَحَدَکُمْ حَتّٰی یُقَالَ اِنَّہٗ مَجْنُوْنٌ۔

یعنی تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک اسے دیوانہ نہ کہا جائے۔[1]

ایک روایت میں یوں ہے:

أکثروا ذکر اللہ تعالی حتی یقولوا مجنون۔

یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کیا کرو یہاں تک کہ لوگ تمہیں مجنون کہیں۔[1]

[1](صحیح ابن حبان، ج ۲، ص ۹۳)

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

چلو اچھا ہوا کام آگئی دیوانگی اپنی
وگرنہ ہم زمانے بھر کو سمجھانے کہاں جاتے
تمہارا نام لینے سے ہی دنیا جان جاتی ہے
نہ ہوتی آپ سے نسبت تو پہچانے کہاں جاتے

اہل جنون اپنی اس دیوانگی پر ناز و فرحت محسوس کرتے ہیں۔ دراصل یہ دیوانگی نہیں بلکہ فرزانگی ہے۔بقول شاعر:

میری دیوانگی عقل و خرد سے لاکھ اچھی ہے
کہ دنیا کی زباں مجھ کو ترا دیوانہ کہتی ہے

مجنون اور دیوانہ شخص مصلحت اندیش اور مفاد خویش نہیں ہوتا، بلکہ وہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر رضائے محبوب کی خاطر جانِ عزیز کو بھی داؤ پر لگا دیتا ہے۔ اس سر فروشی اور جان سپاری کی تاریخِ اسلام میں متعدد مثالیں موجود ہیں۔

چنانچہ غزوۂ احد کے موقع پر حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یوں دعا مانگی تھی:

"الٰہی! میرے مقابلہ میں ایسا کافر بھیج جو بڑا طاقتور، تنومند اور فن حرب و ضرب کا ماہر ہو۔ میں تیری رضا کی خاطر اس سے جہاد کروں اور وہ مجھ سے لڑے، بالآخر وہ مجھے قتل کر کے میری ناک اور میرے کان کاٹ دے اور جب میں کل قیامت کے روز اس حالت میں تیری بارگاہِ ربوبیت میں حاضر

---

[1](کنز العمال، ج ۱، ص ۴۱۴، الناشر: مؤسسة الرسالة)

ہوں تو تو فرمائے: يَاعَبْدِیْ فِيْمَ جُدِعَ اَنْفُکَ وَ اُذُنُکَ۔ یعنی اے میرے بندے کس جرم کی پاداش میں تیری ناک اور کان کاٹے گئے ؟ تو میں جواباً عرض کروں: فِيْکَ وَفِیْ رَسُوْلِکَ۔ یعنی تیری رضا اور تیرے محبوب (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم) کے عشق کے جرم میں میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔ یہ سُن کر جواباً تو فرمائے: اے میرے بندے! تو سچ کہہ رہا ہے"۔

بینہ

واضح رہے کہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز نے نگاہِ کشف سے بھانپ لیا تھا کہ مکتوب الیہ میں جنون اور دیوانگی ہے جو دنیوی معاملات و تعلقات کے خس وخاشاک کے نیچے دبی ہوئی ہے۔ یہ خواجۂ بے رنگ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز کے فیوض وبرکات اور آپ کی توجہات قدسیہ کی بدولت پیدا ہوئی تھی جسے آپ مکتوب الیہ کے اندر اجاگر کرنا چاہتے تھے اسی لئے مکتوب الیہ کو دنیوی تعلقات کو ختم کرکے اپنی صحبت ومعیت اختیار کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اس امر کی وضاحت فرما رہے ہیں کہ سالکینِ طریقت کے لئے شیخِ کامل کی صحبت لازم وضروری ہے۔ خواہ انہوں نے عالمِ اَمر کے لطائف بھی طے کر لئے ہوں کیونکہ اس قسم کے سالکین کے لئے دنیوی مصروفیات میں انہماک، رجعتِ قہقہری کا باعث ہو سکتا ہے جبکہ اولیائے کاملین جنہیں تزکیۂ نفس حاصل ہو جائے ان کے لئے دنیوی تعلقات نقصان دہ نہیں ہوتے کیونکہ وہ باہمہ ہو کر بھی بے ہمہ ہوتے ہیں، اسی کو خلوت در انجمن کی اصطلاح سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بنابریں مبتدی اور متوسط سالکین کو منتہی عارفین پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے۔ بقول شاعر:

کار پاکاں راقیاس از خود مگیر
گرچہ باشد در نوشتن شیر و شیر

دراصل حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو یہ سمجھانا چاہتے ہیں کہ اگرچہ آپ شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز سے خلافت یافتہ ہیں مگر آپ کی خلافت مقیدہ ہے اس لئے اپنے آپ کو کامل نہ سمجھیں بلکہ ہماری صحبت وتوجہات قدسیہ میں رہ کر تزکیۂ نفس کی دولت سے سرفراز ہوں۔

اہلِ طریقت نے خلافت کی دو اقسام بیان فرمائی ہیں:

۱۔ خلافتِ مقیدہ ۲۔ خلافتِ مطلقہ

خلافتِ مقیدہ

خلافت مقیدہ اس سالک کو شیخ کامل کی طرف سے عطا ہوتی ہے جس کا ابھی تک تزکیۂ نفس کامل طور پر نہ ہوا ہو بلکہ اس کے بعض لطائف فنا پزیر ہوں۔

خلافتِ مطلقہ

خلافتِ مطلقہ اس عارفِ کامل کو اپنے شیخ کامل و مکمل کی طرف سے نصیب ہوتی ہے جو لطائف کی فنا اور تزکیۂ نفس کے بعد نفسانی خباثتوں اور شیطانی شرارتوں سے محفوظ ہو جائے۔

سالکین کو خلافتِ مقیدہ دینے کی وجوہات

اولیائے کاملین کا یہ معمول رہا ہے کہ وہ اپنے ناقص مریدوں کو بھی خلافت سے نوازتے رہے ہیں جس کی چند وجوہات ہو سکتی ہیں:

۱۔ شیخِ کامل نگاہِ بصیرت اور نظرِ کشف سے جان لیتے ہیں کہ میرے فلاں مرید میں کامل بننے کی بالقوہ استعداد موجود ہے۔ ہو سکتا ہے زندگی وفا نہ کرے لہٰذا میں ابھی اسے خلافت دے کر فارغ ہو جاؤں۔

۲۔ شیخِ کامل اپنے ناقص مرید کو خلافت اس لئے دے دیا کرتے ہیں تاکہ وہ حلقۂ ذکر قائم کر کے مراقبات کرائے، لوگوں کو راہِ سلوک طے کرائے اور ان کی تربیت کرے یوں دوسروں کی تربیت کے ضمن میں اس کی اپنی بھی ساتھ ساتھ تربیت ہوتی رہتی ہے۔

بینہ نمبر ۱

واضح رہے کہ عالمِ اَمر اور عالمِ خلق کے لطائف طے ہو جانے کے بعد بھی نفسانی حملوں اور شیطانی تسلطوں کا خدشہ بدستور رہتا ہے، تاوقتیکہ سالک کی بشری کدورتیں معدوم نہ ہو جائیں اور وہ تزکیۂ نفس کی دولتِ قصویٰ سے سرفراز نہ ہو جائے۔ اس لئے خلیفہ مقید کو اپنے شیخ کامل کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنا چاہیئے تاکہ اس کی توجہاتِ قدسیہ کی بدولت وہ تکمیلی مراتب طے کر سکے۔ اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَااِیَّاھَا۔

بینہ نمبر ۲

واضح رہے کہ خلیفۂ مطلق ہی اپنے شیخ کے سجادہ کا وارث، اس کے جملہ تبرکات کا مستحق، قائم مقام اور جانشین ہوتا ہے اور مریدوں کو اپنے نام کا شجرہ دیتا ہے۔۔۔۔ جبکہ خلیفۂ مقید بطریقِ سفارت اور بر سبیل نیابت لوگوں سے اپنے ہاتھ پر بیعت لیتا اور انہیں اپنے شیخ کا مرید بناتا ہے اور اپنے شیخ کے نام کا شجرہ دیتا ہے۔ اسے اپنے نام کا شجرہ دینے کی اجازت نہیں ہوتی۔

اس ضمن میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز کا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو:

گاہ باشد کہ کاملے، ناقصے را اجازتِ تعلیمِ طریقت می کند و در ضمنِ اجتماعِ مریدانِ آن ناقص کارِ آں ناقص باتمام می رسد حضرت خواجہ نقشبند رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ را پیش از وصول بدرجۂ

کمال اجازتِ تعلیم طریقت فرموده بودند وگفته بودند که اے یعقوب آنچه از من بتو رسیده است بمردم برساں وکارِ مولانا بعد ازاں در خدمتِ خواجه علاؤالدین عطار قدس سرہٗ سرانجام یافت لهٰذا خدمتِ مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ در نفحات مولانا را اول از مریدانِ خواجه علاؤالدین عطار رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ می شمرد ثانیاً بخواجه نقشبند رحمۃاللہ تعالیٰ علیہ نسبت می کند۔

یعنی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شیخ کامل، کسی ناقص مرید کو تعلیم طریقت کی اجازت دے دیتا ہے اور اس ناقص شخص کے مریدین کے اجتماع کے ضمن میں اس ناقص کا کام بھی تکمیل کو پہنچ جاتا ہے۔ حضرت خواجہ نقشبند قدس سرہٗ نے مولانا یعقوب چرخی علیہ الرحمۃ کو درجۂ کمال تک پہنچنے سے پیشتر ہی تعلیمِ طریقت کی اجازت عطا فرمادی تھی اور فرمایا تھا کہ ”اے یعقوب! جو کچھ تجھے مجھ سے پہنچا ہے اسے لوگوں تک پہنچا“۔ حالانکہ مولانا موصوف کا کام اس کے بعد خواجہ علاؤالدین عطار قدس سرہٗ کی خدمت میں سرانجام تک پہنچا۔ اسی لئے مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نفحات میں مولانا موصوف کو پہلے خواجہ علاؤالدین عطار رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے مریدوں میں شمار کیا ہے پھر خواجہ نقشبند قدس سرہٗ کی طرف اس کی نسبت کرتے ہیں۔ [1]

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۱۹ تا ۴۲۵)

اللھم اغفر لکاتبه ولمن سعی فیه ولو الدیھم ولاساتذیھم ولاھل بیتھم اجمعین

آمین یارب العالمین

[1] (مبدأ ومعاد منھا، ص ۲۹)

مکتوب نمبر ۱۲۰

[یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

اربابِ جمعیت کی صحبت کی ترغیب اور اس کے مناسب اُمور کے بیان میں۔

شاید حضرت میر صاحب نے ہم کو فراموش کر دیا ہے کہ کبھی سلام وپیام سے یاد نہیں فرمایا۔ فرصت بہت کم ہے، اسے نہایت اہم کام ہی میں صَرف کرنا چاہیئے۔ اور وہ اربابِ جمعیت کی صحبت ہے۔ صحبت کے برابر کسی شے کو نہ جانو، چاہے کوئی ہی چیز ہو۔ آپ کو معلوم نہیں کہ صحابہ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلیہم وسلم وبارک کو انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی سب لوگوں پر صحبت کی بنا پر ہی فضیلت حاصل ہوئی۔ حتٰی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور عمر مروانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے افضل تھے۔ باوجودیکہ یہ دونوں بزرگ صحبت رسول علیہ السلام کے علاوہ باقی تمام درجات کی نہایت اور تمام کمالات کی غایت تک پہنچ چکے تھے۔ اسی صحبت کی فضیلت کی بنا پر ہی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا ان دونوں کے صواب سے بہتر اور عمرو بن العاص کی سہو وبھول ان دونوں کے ہوش وبیداری سے افضل تھی۔ کیونکہ ان بزرگ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا ایمان رسول پاک علیہ السلام کی زیارت، فرشتوں کے نزول وحضور، مشاہدۂ وحی اور معائنہ معجزات کی وجہ سے شہودی ہو چکا تھا۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے سوا اور کسی کو بھی یہ کمالات نصیب نہیں ہو سکے جو باقی تمام کمالات کی جڑ اور اصل ہیں۔ اگر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحبت کی یہ فضیلت اس خاصیت کے ساتھ جان لیتے تو انہیں صحبت کی اس فضیلت کے پانے سے کوئی چیز نہ روکتی۔ اور نہ ہی وہ صحبت کی اس فضیلت پر کسی اور شے

کو ترجیح دیتے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہتا ہے خاص کرتا ہے۔ اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

سکندر را نمی بخشند آبے　　　بزور وزر میسر نیست ایں کار

ترجمہ: سکندر کو آبِ حیات عطا نہیں کرتے، زور وزَر سے یہ کام حاصل نہیں ہوتا۔

اے اللہ! اگرچہ تونے اس دنیا میں ہمیں طبقۂ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے پیدا نہیں فرمایا۔ مگر آخرت میں بحرمت سید المرسلین علیہ و علیہم الصلوات والتحیات والتسلیمات ہمیں گروہِ صحابہ میں اٹھانا۔ (آمین) وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی محبت اور اُس کے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا عشق ہی وہ اصل دولت ہے جس کی بنا پر ایک مسلمان صحیح معنوں میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی اطاعت اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی اتباع کا فریضہ سرانجام دیتا ہے۔ دل میں عشق ومحبت کی یہ چنگاری بھڑکانے کے لئے ضروری ہے کہ کوئی ایسی مجلس اختیار کی جائے جس کے جلیس خود اس دولت کے حامل ہوں اور یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ عشقِ حقیقی اور محبتِ معنوی کا یہ درجہ صرف کامل اولیاء کو ہی حاصل ہے۔ کیا دیکھتے نہیں کہ ان لوگوں نے دینِ اسلام کی اصل عمارت کو اس کی اصل بنیادوں پر ہی قائم رکھا ہوا ہے اور اس میں کسی قسم کی بدعات وخرافات سے تبدیلی نہیں ہونے دیتے یہی بات ان کے اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے ساتھ عشق کی واضح دلیل ہے۔

راہِ معرفت کو جاننے والوں نے فرمایا ہے کہ وہ کمالات جو اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو اصالتاً عنایت کئے ہیں اُن سے انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے

کامل تابعداروں کو وراثتاً مستفید فرمایا ہے اور چونکہ نبوت و رسالت اور اس کا پاکیزہ دور اختتام پذیر ہو چکا ہے اس لئے کمالاتِ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام سے فیض یاب ہونے کا اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں رہا کہ کمالاتِ نبوت کے چراغ سے منور ہونے والے اولیاء عظام کی صحبت اختیار کی جائے۔ صرف صحبت و مجلس سے ہی اصلاحِ باطن اور حصولِ درجاتِ عالیہ ممکن ہے۔

وہ عبادت گزار جنھوں نے کسی کامل کی مجلس اختیار کئے بغیر عبادات و ریاضات کی ہیں اور تنہائی و گوشہ نشینی کے چلے کاٹے ہیں وہ منزلِ مقصود کو نہیں پا سکے ہیں بلکہ اکثر تو راستے سے ہی یا تو واپس لوٹ آئے یا پھر کسی غلط راستے پر چل نکلے اور ہدایت یاب ہونے کی بجائے گمراہی میں جا پڑے۔

پس تقویٰ کے کامل درجات پر فائز ہونے اور منزلِ مقصود کا گوہر حاصل کرنے کے لئے لازم و ضروری ہوا کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے اولیاء سے ظاہری و باطنی تعلق استوار کیا جائے اور مرتے دَم تک ان کی صحبت اختیار کی جائے کیونکہ اعلیٰ درجات کا حصول صحبت سے ہی وابستہ ہے۔ اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم جنہیں ہدایت کے ستارے ہونے کا شرف بھی ملا، مرتبۂ صحابیت پر صحبت ہی کی برکت سے مشرف ہوئے اور جنہیں صحبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نصیب نہ ہوئی وہ صحابی بننے کی بجائے تابعی رہ گئے۔ پھر غور فرمائیں کہ صحبتِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پانے والے اصحاب کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی صحبتوں نے لوگوں کو تابعی بنا دیا اور جو صحبتِ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے محروم ہوئے وہ تابعی کے درجے پر بھی فائز نہ ہو سکے۔

صوفیاءِ کبار نے فرمایا کہ آخر زمانے میں ولی کم ہوں گے لیکن نسبت میں قوی ہوں گے۔ تو اس آخری زمانے میں پائے جانے والے قوی النسبت اولیاء کی محفل اور صحبت رکھنا زیادہ ضروری ہوا

کیونکہ دین سے دوری اور عام گمراہی کا دور ہے اس میں شریعت سے پھلسنے کے مواقع بہت زیادہ ہیں اس لئے کاملینِ اُمت سے سلوک کا تعلق اور صحبت و مجلس کی نسبت قائم رکھنا بہت ضروری ہے۔

(دارالمعــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز اربابِ جمعیت کی صحبت و ملازمت کی تلقین فرما رہے ہیں۔ درحقیقت اربابِ جمعیت ان اہل اللہ کو کہا جاتا ہے جنہیں ہمہ وقت حق تعالیٰ کے ساتھ حاضر باش رہنے کی بدولت اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ اس قسم کے مخلصین اور اربابِ جمعیت کی خدمت وصحبت، سالکین کے لئے کبریتِ احمر کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت ہی کی برکت تھی کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بعد از انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات تمام انسانوں پر فضیلت وبرتری رکھتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا:

صحبــتــِ روشــن دلاں یکدم دودم　　　　ایں دودم ســـرمایہٗ بود وعــدم

اور جو لوگ قلبی اور ذہنی طور پر منتشر اور پراگندہ خیالات ہوتے ہیں اور شب وروز ذاتی مفادات اور دنیوی اغراض کے لئے مارے مارے پھرتے ہیں ان کی مجلس وصحبت مارِ بد سے بھی بد ہے کیونکہ سانپ تو صرف جان لیوا ہے، جبکہ اہلِ دنیا کی صحبت جان اور ایمان دونوں کے لئے نقصان دہ ہے۔

عارفِ رومی قدس سرہٗ العزیز نے اس مفہوم کو یوں بیان فرمایا ہے:

دور شو از اختــلاط یارِ بد　　　　یار بد بدتر بود از مارِ بد

مارِبد تنہا بر جان می زند　　　یارِبد بر جان و بر ایمان زند

بینہ

واضح رہے کہ جو علماء تصفیۂ قلب اور تزکیۂ نفس کی دولت سے محروم ہیں اور نہ ہی اس کے حصول کے لئے سرگرم ہیں، وہ بھی اربابِ جمعیت میں سے نہیں ہیں۔ کیونکہ کتب بینی اور ورق گردانی سے علم و حکمت تو حاصل ہو جاتی ہے مگر اطمینانِ قلب اور تزکیۂ نفس نصیب نہیں ہوتے، اس لئے علماء کو اس نعمتِ عظمیٰ کے حصول کی خاطر کسی صاحبِ تزکیۂ نفس کا نیاز مند ہونا پڑتا ہے۔

اقبال مرحوم کہتے ہیں:

دیں مجو اندر کتب اے بے خبر
علم و حکمت از کتب، دیں از نظر

عارفِ رومی فرماتے ہیں:

صد کتاب و صد ورق در نار کن
روئے دل را جانبِ دلدار کن

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے مقام و عظمت اور مرتبہ و منزلت کو بیان فرمارہے ہیں جو انہیں حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی صحبت وزیارت کی بدولت میسر ہوئی تھی۔ نیز معجزات کی رؤیت، ملائکہ کی زیارت اور نزولِ وحی کے مشاہدات کی بناپر ان کا ایمان غیبی نہیں بلکہ شہودی تھا۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

صحابہ وہ کہ جن کی ہر صبحِ عید ہوتی تھی
نبی کا قُرب حاصل تھا، نبی کی دید ہوتی تھی
ملا تھا حق سے یہ مرتبہ عجیب ان کو
محمد کی امامت میں نمازیں تھیں نصیب ان کو

یہی وجہ ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا اور حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سہو، خیر التابعین حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صواب و درستگی سے فضیلت رکھتا ہے۔ اگر حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو صحبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات کی تاثیرات و خاصیات معلوم ہو جاتیں تو وہ ہر امرِ خیر پر صحبتِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات کو فضیلت و ترجیح دیتے۔

بینہ

واضح رہے کہ امیر المسلمین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجتہد تھے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے اور مجتہد سے درست اور خطا دونوں صادر ہو سکتے ہیں۔

خطا کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ خطائے عنادی ۲۔ خطائے اجتہادی

خطائے عنادی

اس کی بنیادی تحقیق حق پر نہیں ہوتی بلکہ عناد اور اتباع ہوائے نفس پر اس کی اساس ہوتی ہے جس کا مقصد فتنہ و تخریب ہوتا ہے اور یہ مجتہد کی شان کے لائق نہیں۔

خطائے اجتہادی

اس کی بنیادی تحقیق حق پر ہوتی ہے، اس لئے اس پر مجتہد سے عند اللہ اصلاً مؤاخذہ بھی نہیں ہوتا کیونکہ یہ خطا مبنی بر اخلاص اور فسادِ نیت کے شائبہ سے پاک ہوتی ہے۔

علمائے کرام نے احکام دنیویہ کے اعتبار سے خطائے اجتہادی کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں:

۱۔ خطائے مقرر ۲۔ خطائے منکر

خطائے مقرر

یہ وہ خطائے اجتہادی ہے کہ جس سے دین میں کوئی فتنہ پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس میں مجتہد پر نہ انکار ہوگا اور نہ ہی اس کی تذلیل و تفسیق کی جائے گی۔ جیسا کہ عند الاحناف مقتدی کا امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ پڑھنا خطائے مقرر ہے۔

خطائے منکر

یہ وہ خطائے اجتہادی ہے کہ جس کے صاحب پر انکار کیا جائے گا کیونکہ اس کی یہ خطا باعثِ فتنہ ہے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت سیدنا علی المرتضٰی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اختلاف اسی قسم کی خطا تھا اور فیصلہ وہی ہے جو خود رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے فرمایا تھا کہ مولیٰ علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حق کے لئے تصویب اور امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مغفرت۔[1]

واضح رہے کہ یہاں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا کو خطائے منکر کہا گیا ہے مگر حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز ان کے متعلق خطائے منکر کہنا بھی پسند نہیں فرماتے۔

---

[1](ماخوذ از بہارِ شریعت، ج ۱، ص ۵۸)

چنانچہ آپ رقم طراز ہیں:

حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی کہ خطاء منکر گفتہ است نیز زیادہ کردہ است بر خطا ہر چہ زیادت کنند خطا است۔

یعنی حضرت مولانا عبدالرحمٰن جامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے جو خطاء منکر کہا ہے، انہوں نے بھی زیادتی کی ہے۔ "خطا" پر جو زیادتی کرتے ہیں وہ بھی خطا ہے۔[1]

یعنی حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خطا کو خطائے منکر کہنے سے اجتناب کرنا چاہیئے، بس اتنا کہنا کافی ہے کہ ان سے خطائے اجتہادی سرزد ہوئی۔ واللہ ورسولہ اعلم بالصواب۔

تابعین میں سے افضل کون ہیں؟

مظہرِ کمالات خفی و جلی حضرت شاہ غلام علی دہلوی مجددی قدس سرہٗ العزیز صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے بعد تابعین عظام میں سب سے افضل کون بزرگ ہیں؟ کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔

بعض حضرات نے نسب اور عبادت کے باعث امام العارفین حضرت امام زین العابدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب سے افضل قرار دیا ہے۔۔۔ بعض نے فقر وزہد، ترک و تجرید اور محبتِ نبوی (علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات) کے باعث حضرت خواجہ اویس قرنی قدس سرہٗ العزیز کو افضل بتایا ہے۔۔۔ بعض حضرات ترویجِ شریعت اور تجدیدِ ملت کے باعث حضرت عمر بن عبدالعزیز

---

[1] (دفتر اول، مکتوب نمبر ۲۵۱)

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو افضل کہتے ہیں۔۔۔۔اور بعض نے اشاعت شریعت اور اجرائے طرق طریقت کی بدولت حضرت خواجہ حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تابعین میں بہتر جانا ہے۔[1]

محدث کبیر حضرت علامہ ملا علی قاری احراری قدس سرہٗ العزیز تفضیلِ تابعین کے متعلق رقم طراز ہیں کہ شیخ الاسلام محمد بن حنیف شیرازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ افضلیت تابعین میں اختلاف بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اہلِ مدینہ کے نزدیک حضرت سعید بن المسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل تابعی ہیں، اہل بصرہ کے ہاں حضرت امام حسن بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سب سے افضل ہیں، جبکہ اہل کوفہ کے مسلک کے مطابق حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا درجہ سب سے مقدم ہے۔ جیسا کہ ارشاد نبوی علیٰ صاحبہا الصلوات والتسلیمات: إِنَّ خَيْرَ التَّابِعِينَ رَجُلٌ يُقَالُ لَهُ: أُويس۔[2] سے عیاں ہے۔ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ بِحَقِیْقَةِ الْحَالِ۔[3]

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں خیر التابعین حضرت خواجہ اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اجمالی تعارف بیان کر دیا جائے۔ وَبِاللهِ التَّوْفِيْق

حضرت سیدنا اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختصر تعارف

آپ کا اسم گرامی اویس، والد کا نام عامر، والدہ کا نام بدار تھا۔ کنیت ابو عمرو اور قبیلہ اویس میں سے ہونے کی وجہ سے ابو عمرو اویسی کے اسم سے موسوم تھے۔ قرن یمن کے ایک محلہ کا نام ہے۔ اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ جب سب سے پہلے محلہ قرن کی بنیاد کھود کر ستون قائم کیا گیا تو زمین کے نیچے

---

[1] (در المعارف)

[2] (مشكوٰة المصابيح، ج٣، ص ١٧٦٥، الناشر: المكتب الإسلامي-بيروت)

[3] (شرح فقه اكبر)

سے گائے کا سینگ نمودار ہوا۔ چونکہ لغتِ عرب میں سینگ کو قرن کہا جاتا ہے اس لئے اس محلہ کا نام ہی قرن مشہور ہو گیا اور حضرت خواجہ بھی اس محلہ کے باسی ہونے کی وجہ سے قرنی معروف ہوئے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم گاہے گاہے وفورِ شوق میں اپنے پیراہن مبارک کے بند کھول کر سینہ مبارک یمن کی طرف کر کے ارشاد فرماتے: وَا شَوْقَاہُ اِلٰی لِقَاءِ اِخْوَانِیْ۔ یعنی مجھے اپنے بھائیوں کے ساتھ ملاقات کا شوق ہے۔ نیز ارشاد فرماتے: اِنِّیْ لَاَجِدُ نَفَسَ الرَّحْمٰنِ مِنْ قِبَلِ الْیَمَنِ۔ یعنی مجھے یمن کی طرف سے رحمٰن کی خوشبو آتی ہے۔

کسی شاعر نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

بوئے جاں می آید از سوئے یمن　　　　از دم جاں پرور ویس قرن

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ان کی علامات بتاتے ہوئے بعض صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو ارشاد فرمایا کہ تم میں سے جو ان سے ملاقات کرے تو فَلْیَسْتَغْفِرْ لَکُمْ۔[1] یعنی ان سے اپنے لئے بخشش کی دعا کرائے۔

نیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ میری اُمت کے لئے قیامت کے روز قبیلہ ربیعہ اور قبیلہ مضر کی بھیڑ بکریوں کی تعداد کے برابر لوگوں کی شفاعت کریں گے۔

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز معارف لدنیہ میں رقم طراز ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسندِ ابدال پر فائز تھے۔

---

[1] (مشکوٰۃ، ص ۵۸۲)

قدوۃ الکاملین حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری قدس سرہٗ العزیز تحریر فرماتے ہیں کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زمانہ میں تھے مگر زیارت سے مشرف نہ ہو سکے۔ غلبۂ حال اور والدہ ماجدہ کی خدمت میں حاضر باشی سدّ راہ رہی، جنگِ صفین میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے لڑتے ہوئے شہید ہو گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ عَاشَ حَمِیْدًا وَمَاتَ شَھِیْدًا۔

ملک یمن کے شہر زبید میں باہر کی جانب شمالی سمت میں آپ کا مزار پُر انوار ہے۔ ایک قول کے مطابق آپ آذربائیجان کی لڑائی میں شریک ہوئے اور وہیں آپ کا وصال ہو گیا۔ جب احباب قبر کھودنے لگے تو کھدائی کے دوران اچانک ایک قبر نما پتھر نمودار ہوا، جس میں لحد بنی ہوئی تھی۔ نیز تکفین کے وقت ایک جامہ دان ظاہر ہوا جس میں ایسے کپڑے تھے جو انسان کے بُنے ہوئے نہیں تھے۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان ہی کپڑوں کا کفن پہنایا گیا اور اسی قبر میں دفن کیا گیا۔ وَاللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ بِالصَّوَاب۔

امیر المؤمنین حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مختصر تعارف

آپ قرنِ اول ۶۳ھ کو مدینہ منورہ میں متولد ہوئے۔ آپ کا اسمِ گرامی عمر، والد کا نام عبد العزیز اور دادا کا نام مروان بن حکم تھا جو اموی حکمرانوں میں سے تھے۔ آپ کی والدہ کا نام نامی حضرت ام عاصم تھا جو خلیفۃ المسلمین حضرت سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوتی تھیں جن کے حُسنِ تربیت اور پاکیزہ دودھ کی برکات وفیضان آپ کی سیرت وکردار میں جلوہ گر تھیں۔ شاہی خاندان کے فرد ہونے کی وجہ سے نہایت ناز ونعم اور عیش وتنعم میں پرورش پائی تھی۔ آپ اپنے دور کے سب سے زیادہ خوش لباس تھے۔ مگر سریر آرائے خلافت ہونے کے بعد آپ کے کپڑوں کو پیوند

لگے ہوتے تھے۔ جب آپ مسندِ خلافت پر متمکن ہوئے تو چرواہے تعجب سے کہتے تھے لوگوں پر کون خلیفہ مقرر ہوا ہے کہ ہماری بکریوں کو بھیڑیئے کچھ نہیں کہتے؟ ابتداء ہی سے کلیدی عہدوں پر فائز رہے۔ آپ پر خشیتِ الٰہی کا اس قدر غلبہ رہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ جلالت میں حاضری کے تصور سے ہمیشہ لرزہ براندم رہتے تھے۔

چنانچہ آپ کا مشہور قول ہے:

تم لوگ میرے رونے پر ملامت و تعجب نہ کیا کرو کیونکہ اگر فرات کے کنارے بکری کا ایک بچہ بھی ہلاک ہو گیا تو اس کا بھی جواب دے دوں۔

آپ کے عدل وانصاف کا یہ عالم تھا کہ اعلانِ عام کر رکھا تھا جو شخص ہمیں کسی ظلم کی اطلاع دے یا ایسی بات سے آگاہ کرے جس سے ہر خاص وعام کو فائدہ پہنچے تو اس کو تین سو دینار انعام دیا جائے گا۔

آپ کی احکامِ شرعیہ کی تنفیذ اور رعایا پروری کی یہ کیفیت ہو گئی تھی کہ ملک کے طول وعرض میں کوئی صدقہ لینے والا نہ ملتا تھا بلکہ ایک سال کے بعد صدقہ لینے والے صدقہ دینے کے قابل ہو گئے تھے۔

آپ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی محبت اور اہل بیت اطہار رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی مؤدّت سے اس قدر سرشار تھے کہ اموی دور میں عمال خطبوں میں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سب وشتم کیا کرتے تھے مگر آپ نے موقوف کرکے آیت کریمہ: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ (النحل ۹۰) الخ پڑھنے کا حکم نامہ جاری کر دیا اور حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے گستاخ کو درّے لگوائے۔ آپ نہایت نرم خو، حلیم الطبع، سنجیدہ مزاج، شجاع اور شریف

النفس انسان تھے۔ آپ بہت بڑے فقیہ، مجتہد، عارف باللہ اور متبع شریعت تھے۔ آپ نے تاریخِ اسلام میں وہ انقلابی خدمات سرانجام دی ہیں جن کے مطالعہ سے خلفائے راشدین کے دور کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ احیائے اسلام اور تجدیدی کارناموں کی بدولت حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو خلفائے راشدین میں شمار کیاہے اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے آپ کو پہلی صدی کا مجدد قرار دیاہے۔

آپ کی اصلاحات سے برہم ہو کر خاندانِ بنوامیہ کے بعض لوگوں نے آپ کو زہر دے دیا جس کے نتیجے میں آپ جامِ شہادت نوش فرماگئے۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تاریخ الخلفاء میں تحریر فرماتے ہیں کہ خلیفۃ الرسول حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح آپ کی مدتِ خلافت دو سال پانچ ماہ ہے۔ اس مختصر عرصہ میں آپ نے مظلوموں کو ظالموں کے پنجۂ استبداد سے رہائی دلوا کر زمین کو عدل و مساوات سے بھر دیا۔جَزَاہُ اللّٰہُ اَحۡسَنَ الۡجَزَاءِعَنَّا وَعَنۡ سَائِرِ الۡمُسۡلِمِیۡنَ۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۲۹ تا ۴۳۸)

مکتوب نمبر ۱۲۱

[یہ مکتوب بھی میر محمد نعمان کی طرف صادر ہوا:

اس بیان میں کہ یہ راستہ سات قدم قرار پا چکا ہے اور بعض دوست چھ قدم میں اپنی منزلِ مقصود تک پہنچے ہیں۔

حضرت میر صاحب کے ہر وقت بے شمار دعائیں شاملِ حال ہوں۔ مدت ہوئی ہے کہ آپ نے اپنے حالات کے متعلق اطلاع نہیں دی۔ اور یہاں کے فقرا کی خبر گیری نہیں فرمائی۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ وَ الْمِنَّۃُ (اللہ سبحانہٗ کی حمد اور اس کا احسان ہے) کہ فقرا خوشحال ہیں۔ اجمال کے طور پر تھوڑی سی بات بیان کرتا ہے:

اے محبت کے نشانات والے! یہ سلوک کا راستہ سات قدم قرار پا چکا ہے۔ دوستوں کی ایک جماعت نے چھ قدم ہی میں اپنے کام کو انجام تک پہنچا دیا ہے، اور ایک گروہ نے پانچ قدم میں۔ اور ایک گروہ نے چار قدم اور ایک نے اپنے درجات کے فرق کے مطابق تین قدم ہی میں منزلِ مقصود کو پالیا ہے۔ تین قدم والا بھی لوگوں کو اس راستہ کی تعلیم دے سکتا ہے، تو وہ جماعت بطریقِ اولیٰ اس راستہ کی تعلیم دے سکتی ہے جو کئی قدم آگے جا چکی ہے۔ بلند ہمتی درکار ہے۔ حقیر و معمولی اشیاء پر کفایت کرنا ٹھیک نہیں۔ اس سے زیادہ لکھنے کی گنجائش نہیں تھی۔ وَ السَّلَامُ۔]

تشریح

مکتوبِ ہذا میں بیان ہونے والے سات قدموں کی اصطلاح سے مراد سات لطائف ہیں، اس بحث میں سالک کے فنا و بقا پر مشرف ہونے اور اپنی استعداد کے مطابق سلوک و جذبہ کے مراتب کو طے کر لینے کے بعد تعلیمِ سلوک کی لیاقت کو پا لینے کی طرف اشارہ ہے۔

ہر سالک اپنی استعداد و لیاقت کے اعتبار سے کسی نہ کسی مشرب کے ساتھ وابستہ ہوتا ہے۔ مقامِ قلب کے مراتب کو طے کرنے والے سالک کا مشرف، مشربِ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کہلاتا ہے۔ لطیفۂ رُوح تک رسائی رکھنے والا مشربِ ابراہیمی و مشربِ نوحی علیہما الصلوٰۃ والسلام پر مشرف ہوتا ہے۔ لطیفۂ سِر والے کا مشرب، مشربِ موسوی علیہ السلام ہوتا ہے۔ یونہی لطیفۂ خفی والا عیسوی علیہ السلام مشرب ہوتا ہے اور کامل و مکمل سالک جو لطیفۂ اخفٰی کی منازل کو دورانِ سلوک طے کر لیتا ہے اسے محمدی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم المشرب کہتے ہیں یہ سب سے اعلیٰ اور فائق مشرب ہے اور اس کے بعد اور کوئی مشرب نہیں آتا۔

طالبوں کی اصلاحِ باطن اور انہیں جذبہ وسلوک کے مراتب طے کروانے کی سب سے اعلیٰ استعداد و قابلیت اس شیخ میں پائی جاتی ہے جو محمدی المشرب ہو۔ ایسے ہی شیخ سے جامع تکمیل ممکن ہے اور اسی کی توجہاتِ عالیہ سے عالمِ اَمر و عالمِ خلق دونوں کی تصحیح ہوتی ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ اگر ایسا نادر الوجود شیخ نہ ملے تو اس سے نچلے مراتب والے مشائخ سے منازلِ سلوک کی تکمیل کا ذمہ ادا نہیں ہو سکتا، بلکہ لطیفۂ خفی کے غلبہ والا شیخ بھی لوگوں کو اپنے سینے سے فیوض و برکات منتقل کرنے کی اہلیت رکھتا ہے اور اپنے مرتبہ تک عروج و نزول دینے کا اہل ہوتا ہے۔ اور اگر ایسے شیخ سے منسلک ہونا بھی درکار نہ ہو سکے تو موسوی المشرب والے مُرشد سے اکتسابِ فیض ہو سکتا ہے اور جذبہ وسلوک کی منزلوں کو طے کیا جا سکتا ہے۔

شاید سالکین کے دل میں یہ سوال اُبھرے کہ یہ کیسے معلوم ہو گا کہ فلاں شیخ موسوی المشرب ہے، فلاں عیسوی المشرب اور فلاں محمدی المشرب شیخ ہے اور وہ کون سی کسوٹی ہے جس کے ذریعے ان میں فرق و امتیاز کیا جا سکتا ہے تو یہ ایک ایسی معرفت ہے جس کا اخفٰی ہی بہتر ہے۔ البتہ وہ سالک جو

عالمِ اَمر کے لطائف سے گزر چکا ہو اور جمعیتِ قلبی رکھتا ہو وہ اپنے باطنی حواسِ خمسہ سے اس فرق وامتیاز کا ادراک کرلیتا ہے۔(واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب)

(دارالمعـــرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

اس مکتوب گرامی میں حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز راہِ سلوک کو سات قدم قرار دیتے ہوئے اپنے زیرِ تربیت سالکین کے باطنی احوال کا تجزیہ فرمارہے ہیں۔ دراصل راہِ سلوک کی طوالت کے پیشِ نظر آپ نے طریقۂ نقشبندیہ کو مزید دو آتشہ کر دیا ہے اور اپنے مریدین ومتوسلین کو تسلی دیتے ہوئے اسے اقرب الطرق فرمایا ہے جس کا بین ثبوت یہ ہے کہ آپ کے مریدین کا ایک گروہ تین قدم میں راہِ سلوک طے کر کے منزل مقصود تک پہنچ گیا تھا، اور مسندِ دعوت وارشاد کے لائق ہو گیا تھا۔ یعنی وہ خلافتِ مقیدہ کے قابل ہو گیا تھا کہ اب دوسروں کو بھی اس کی توجہاتِ قدسیہ اور صحبت کی بدولت قُربِ حق حاصل ہو سکتا تھا۔ جب خلیفۂ مقید راہِ طریقت کی تعلیم دے سکتا ہے تو خلیفۂ مطلق بدرجہ اتم سالکین کی تعلیم وتربیت کر سکتا ہے۔

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۴۲)

مکتوب نمبر ۱۲۲

[مُلّا طاہر بدخشی کی طرف صادر فرمایا:

بلند ہمت بننے کی ترغیب اور جو کچھ ہاتھ آجائے اس کی طرف توجہ نہ کرنے کے بیان میں۔

مولانا محمد طاہر خط کا جواب دیر سے دینے میں ہمیں معذور جانیں۔ مولانا یار محمد ہماری نقل وحرکت کی وجہ بتادیں گے۔

جب آپ ہندوستان کے سفر کا پختہ ارادہ رکھتے ہیں تو چلے جائیں اور اہل وعیال کی خبر گیری کریں۔ اَلْبَاقِیْ عِنْدَ التَّلَاقِیْ "باقی ملاقات کے وقت" مثل مشہور ہے۔

دل کی دائمی حضوری اور اغیار کے میل جول سے پرہیز ضروری ہے۔ ہمت بلند رکھنی چاہیئے، اور جو کچھ ہاتھ آجائے اس پر کفایت نہیں کرنی چاہیئے۔

ما ازپئے نورے کہ بود مشرق انوار　　　از مغربی و کوکب و مشکٰوۃ گزشتیم

ترجمہ: ہم اس نور کی خاطر جو مشرق انوار بنا ہوا ہے، جانب مغرب ستاروں اور فراخ وکشادہ طاق سے گزر گئے ہیں۔

اس زمانے کے اکثر فقرا ٔسیراب ہو جانے اور کفایت کے میدان میں مقیم ہو چکے ہیں۔ ان کی صحبت ومجالست زہرِ قاتل ہے۔ ان سے اس طرح دور بھاگو جس طرح شیر سے بھاگتے ہو۔ اسی طریقہ پر کاربند رہیں اور واقعات کو کچھ اہمیت نہ دیں کیونکہ تاویل کی گنجائش کا میدان بڑا وسیع ہے۔ خواب وخیال کے مکروفریب میں نہ آئیں۔

کَیْفَ الْوُصُوْلُ اِلٰی سُعَادَ وَدُوْنِھَا　　　قُلَلَ الْجِبَالِ وَدُوْنَھُنَّ حُیُوْفُ

ترجمہ: سعاد (معشوقہ) تک پہنچنا آسان نہیں۔ کیونکہ اس کے اور میرے درمیان پہاڑوں کی بلند چوٹیاں اور خوفناک نشیب و فراز حائل ہیں۔ وَالسَّلَامُ۔]

تشریح

حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے سابقہ مکتوبات میں جو یہ فرمایا ہے کہ سلوک کا راستہ سات قدم ہے تو اس سے یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ سات قدم تو سات منٹوں میں طے ہو جاتے ہیں اس لئے سات قدموں کے سلوک کو فوراً طے کیا جا سکتا ہے بلکہ سات قدم سے مراد سات لطائف ہیں جنہیں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

ہر قدم میں بے شمار ولاتعداد مقامات و منازل ہیں، جنہیں طے کرنا اگلے قدم پر پہنچنے کے لئے ضروری ہے۔ سلوک کی ابتدا میں تجلیات وانوارات کا ظہور تجلّیٔ فعلیہ سے ہوتا ہے اور وہ بھی شیخ کے واسطہ سے مرید تک پہنچتی ہے اس لئے ابتدائی کیفیات جن سے سالک کو واسطہ پڑتا ہے وہ ظلال کا بھی ظل ہوتی ہیں اور کسی بھی وقت اختتام پذیر ہو سکتی ہیں یعنی دائمی نہیں ہوتیں۔ سالکوں کے حالات کا بنظرِ غور مطالعہ کر کے دیکھ لیں۔ ایک ماہ وہ شوق وذوق کے ساتھ ذکر کرتے ہیں اور نمازوں کی پابندی کرنے لگتے ہیں، داڑھی ودستار کی سُنتوں کو ادا کرتے ہیں لیکن دوسرے ہی ماہ پچھلے پاؤں واپس ہو جاتے ہیں۔ ذکر کے معاملات بگڑ جاتے ہیں۔ نمازیں قضا ہونے لگتی ہیں سر ننگا ہو جاتا ہے اور داڑھی کی مقدار کم ہوتے ہوتے فیشن کے مقام پر پہنچ جاتی ہے اور سالک خود اپنے آپ کو قلندر سمجھنے لگتا ہے تو ایسے حالات وواقعات سالک کی ترقی کو ظاہر کرتے ہیں، یا تنزل کو؟

اگر سلوک کے راستے میں اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے فضل کی نعمت مل جائے اور اس کے نتیجے میں سالک شریعت پر کاربند رہے نیز ہر لمحہ شرعی احکام کے نزدیک اور نفسانی خواہشات سے دور ہوتا چلا

جائے اور صحبتِ شیخ کو اپنے اوپر لازم رکھے تو طریقت کی برکات کی وجہ سے اگلی منازل کو طے کرنے لگتا ہے اور دوسرے قدم کو پہنچ جاتا ہے۔ پھر دوسرے قدم میں بھی ان ہی شرائط کا پاس رکھنا ضروری ہے۔ یہ نہ ہو کہ پہلے قدم کو تو بطریقِ احسن طے کرلے لیکن دوسرے قدم میں ڈگمگا جائے۔

دوسرے قدم کو بھی کئی ایک منازل کو قطع کرنے کے بعد مکمل کیا جاتا ہے۔ یہ منازل باتوں میں تو ایک دَم ہی طے ہو رہی ہیں لیکن عملی طور پر ان کے لئے زمانہ درکار ہے۔ تصوف کے معاملے میں لوگوں کی باتوں اور احوالِ سُکر سے مغلوب ہو جانے والے سالک کے الفاظ کے دھوکے میں نہ آئیں ذرا توجہ سے یہ بات سمجھنی چاہیئے کہ انسان کس گندے نطفے سے پیدا ہوا ہے اور کن مراحل سے گزر کر عالمِ دُنیا میں منتقل ہوا ہے۔ پھر بچپن کا زمانہ معصومیت سے گزار کر جب وہ بلوغت کو پہنچتا ہے تو کن عادات واطوار کو اپنا لیتا ہے۔ معصومیت ہر لمحہ اُسی سے دور ہوتی جاتی ہے اور ہر لحظہ وہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی نافرمانی میں غرق ہوتا چلا جاتا ہے اور پے در پے گناہ اُس کے قلب اور دوسرے لطائف کو زنگ آلودہ اور تاریک ومکدر کر دیتے ہیں۔ ایسا باطن رکھنے والا جب سلوک میں داخل ہوگا تو کیا وہ چھلانگ لگا کر بلند ترین منزل پر پہنچ جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ پہلے تو اُسے اپنے تاریک قلب سے گناہوں کا زنگ اُتارنے کے لئے کافی عرصہ اور مسلسل محنت درکار ہوگی۔ پھر صحبتِ شیخ کے اثرات ظاہر ہونا شروع ہوں گے اور اگر وہ مستقیم الاحوال ثابت ہوا تو آہستہ آہستہ منازل کا راستہ کھلتا جائے گا اور ایک زمانے کے بعد پہلا قدم طے ہوگا۔ یہاں پہنچ کر شاید آپ بشر حافی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ یا ان جیسے گنے چُنے چند اولیاء اللہ کی مثال دینے لگیں لیکن نہیں۔ آپ یقین کرلیں کہ راہِ سلوک کو طے کرنے کے معاملے میں ان چند ایک سالکوں کی مثال لائقِ تقلید اور قابلِ حجت نہیں ہے۔ ایسے خوش

نصیب سالک صرف چند ہی ہوتے ہیں جنہیں آنًا فانًا مطلوب تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ اکثر بلکہ تمام طالبوں کو کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔ **فالا کثر فی حکم الکل۔** کا مقولہ بالکل صحیح ہے۔

ہماری محافل میں کچھ ایسے لوگ بھی آتے رہتے ہیں جنہیں جلد از جلد بزرگی وولایت درکار ہوتی ہے اور وہ خرقۂ خلافت کو پہلی ہی صحبتوں میں پالینے کی خواہش اپنے سینوں میں چھپائے ہوتے ہیں، لیکن جب ایک دو محافل میں "توجہ" کے اثرات کو قبول و محسوس نہیں کر پاتے تو اُلٹی سیدھی باتیں کرنے لگتے ہیں ان کا دھیان اپنی سابقہ اُن غلطیوں کی طرف جاتا ہی نہیں جنہیں سطور بالا میں عرض کیا گیا ہے۔ چاہیئے کہ صالح اور صاحبِ قلب وصاحبِ روح شیخ کی مجلس کو کچھ عرصہ تک لگاتار اختیار کیا جائے۔ جب "توجہات" کی برکت سے سابقہ زندگی کا زنگ اُترے گا تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ ذکرِ قلبی کا احساس نہ ہو۔

اس سارے بیان سے یہ گمان نہ کرنا چاہیئے کہ سلوک کا طے کرنا تو ایک ناممکن فعل ہے بلکہ دورانِ سلوک پیش آنے والے چند ایک خطرات کو اُجاگر کرنا اور سالک کو متنبہ اور ہوشیار کرنا مقصود ہے ورنہ اگر اس کی تفصیل کو بیان کیا جائے تو شاید کم ہمت لوگ راستے سے ہی لَوٹ جائیں۔

اندکے پیش تو گفتم غمِ دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سُخن بسیار است

ترجمہ: میں نے تیرے سامنے اپنا غمِ دل بہت تھوڑا بیان کیا ہے،(کیونکہ) میں ڈرتا ہوں کہ تو دل آزردہ ہوگا ورنہ باتیں بہت ہیں۔

کچھ طالبِ حقیقی ایسے بھی ہوتے ہیں جن کا سلوک میں داخلہ تو محض اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی رضا اور قُربِ الٰہی کی نیت سے ہوتا ہے لیکن وہ دورانِ راہ پیش آنے والی کیفیات وحالات اور کشف وخواب

کے دھوکے میں آ جاتے ہیں اور ان پر مغرور ہو کر منزلِ مقصود پر پہنچنے کی بجائے راستے میں ہی قیام پزیر ہو جاتے ہیں۔ اصل میں بات یہ ہے کہ شیطان جو بنی نوع انسان کا اَزَلی دُشمن ہے وہ اور اس کے چیلے یہ بات کہاں برداشت کر سکتے ہیں کہ انسان ان کی اتباع و پیروی اور ساتھ چھوڑ کر اپنے مالکِ حقیقی کی طرف رُخ کر لے۔ اس لئے ہر لمحہ اور ہر منزل پر شیطان عام انسان کو بالعموم اور سالک کو بالخصوص پٹڑی سے اتارنے کے لئے کمربستہ رہتا ہے۔

اب ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں۔ دوسرے قدم کو بخوبی طے کر لینے کے بعد تیسرے قدم کی باری آتی ہے اور مذکورہ بالا قواعد وضوابط کے ساتھ تیسرا قدم بھی طے ہو جاتا ہے۔ اسی سالک کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانی قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے سابقہ مکتوبات میں فرمایا ہے کہ تیسرے قدم والا (سالک) بھی طریقت کی تعلیم دے سکتا ہے یعنی پیر بننے کے لائق ہے اور سلوک کا ذوق وشوق رکھنے والوں کو مُرید بنا سکتا ہے۔

پھر اس ترتیب سے قدم طے ہوتے جاتے ہیں۔ سالک کو اپنی ہمت بلند رکھنی چاہیئے اور راستے کی خوش نما منزلوں کو مقصود نہیں سمجھنا چاہیئے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

ان اللہ یحب معالی الھمم۔

اللہ تعالیٰ بلند ہمت رکھنے والوں کو پسند کرتا ہے۔[1]

وہ سالک جو راستے میں ہی سیر ہو جانے کا دعویٰ کریں اور نقص رہ جانے کے باوجود اپنے آپ کو کامل خیال کرنے لگیں، ان کی صحبت و مجلس سے دُوری اختیار کی جائے، کیونکہ ایسا سالک ایک لحاظ

---

[1](الجامع الکبیر للسیوطی، ج۷، ص ۱۹۳، الناشر: مکتبۃ الرشدیۃ-الباکستان)

سے نفس کے بہلاوے میں آچکا ہے اس لئے خود بھی خطرے کا شکار ہے اور مُریدین کے نُقص کا بھی باعث بن سکتا ہے۔

شیخ المشائخ حضرت خواجہ باقی باللہ نقشبندی احراری قدس اللہ تعالیٰ سرہٗ الاقدس نے فرمایا کہ:

ہنوز ایوانِ استعداد بلند است

مرا فکر رسیدن ناپسند است

ترجمہ: ابھی تک وہ صدرِ استعداد بہت زیادہ بلند ہے (اخروٹ و منقّٰی یعنی معمولی اشیاء پر قناعت نہ کریں، حوصلہ عالی رکھیں) اور اگر میں اس طرح کہوں کہ میں وہاں پہنچ گیا ہوں تو یہ بات مجھے پسند نہیں ہے۔

الغرض عالی ہمت سے اپنے کام کو جاری رکھنا چاہیئے اور توبہ واستغفار اور شریعت پر استقامت رکھتے ہوئے منزلِ مقصود پر پہنچنا چاہیئے۔ منزل کو پالینے والے سالک کی بڑی علامت یہ ہے کہ وہ پھر بُرے اخلاق اور غرور و تکبر کی طرف واپس نہیں ہوتا۔

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ شریعتِ مصطفوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم پر استقامت اختیار کرنے اور منازلِ سلوک وجذبہ کو طے کرنے میں ہماری مدد فرمائے (آمین بعون الملک الوھاب)

(دارالمعرفت، جلد دوم)

البینات شرح مکتوبات میں شارح ابو البیان محمد سعید احمد مجددی فرماتے ہیں:

حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز مکتوب الیہ کو دائمی حضوری سے سرشار، صحبت ناجنس سے احتراز اور ماسویٰ اللہ میں مشغولیت سے اجتناب کرنے کی تلقین فرما رہے ہیں۔ در حقیقت جب سالک پر دورانِ سلوک تجلیاتِ ظلیّہ کا ظہور اور واقعات و منامات کا کشوف ہوتا ہے تو وہ ان پر مغرور ہو کر

اسی پر اکتفا کر لیتا ہے۔ حالانکہ یہ سارے کشوفات و ظہورات سالک کی باطنی استعداد کی بشارت دینے والے ہیں، اسے ابھی مطلوب تک رسائی میسر نہیں ہوتی۔

خواجۂ بیرنگ حضرت خواجہ محمد باقی باللہ قدس سرہٗ العزیز نے خوب فرمایا:

ہنوز ایوانِ استغناء بلند است　　　　مرا فکر نارسیدن ناپسند است

نیز دون ہمت، کم حوصلہ اور ناقصین کی صحبت زہر قاتل ہے، جو متعدد امراض کا مؤجب اور باعثِ ہلاکت ہے۔ کیونکہ وہ خود مبشرات و منامات پر کفایت کر بیٹھنے والے لوگ ہیں۔ جنہیں ہنوز وصل حقیقی نصیب نہیں ہوا وہ دوسروں کو حریم یار تک کیسے پہنچاسکتے ہیں؟

بقول شاعر:

ماپست قامتاں کوتاہ دست　　　　تو درختِ بلند بالائے

اقبال مرحوم نے اس مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

صد مرض پیدا شد از بے ہمتی
کوتہ دستی، بے دلی، دوں فطرتی

بینہ

واضح رہے کہ بلند ہمتی ان صوفیاء کرام کو میسر ہوتی ہے جو انبیائے اولو العزم علیہم الصلوات والتسلیمات کے زیرِ قدم ہوتے ہیں۔ چونکہ حضرت امام ربانی قدس سرہٗ العزیز انبیائے اولوالعزم کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کے زیرِ قدم ہیں اس لئے محمدی المشرب ہونے کی بدولت آپ ہمیشہ سالکین کو بلند ہمتی کی تاکید فرماتے ہیں۔

علامہ اقبال مرحوم نے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کی بلند ہمتی کا تذکرہ یوں کیا ہے:

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید
رَبِّ زِدْنِیْ از زبان او چکید

(البینات شرح مکتوبات، ج۳، ص ۴۳۵، ۴۳۶)